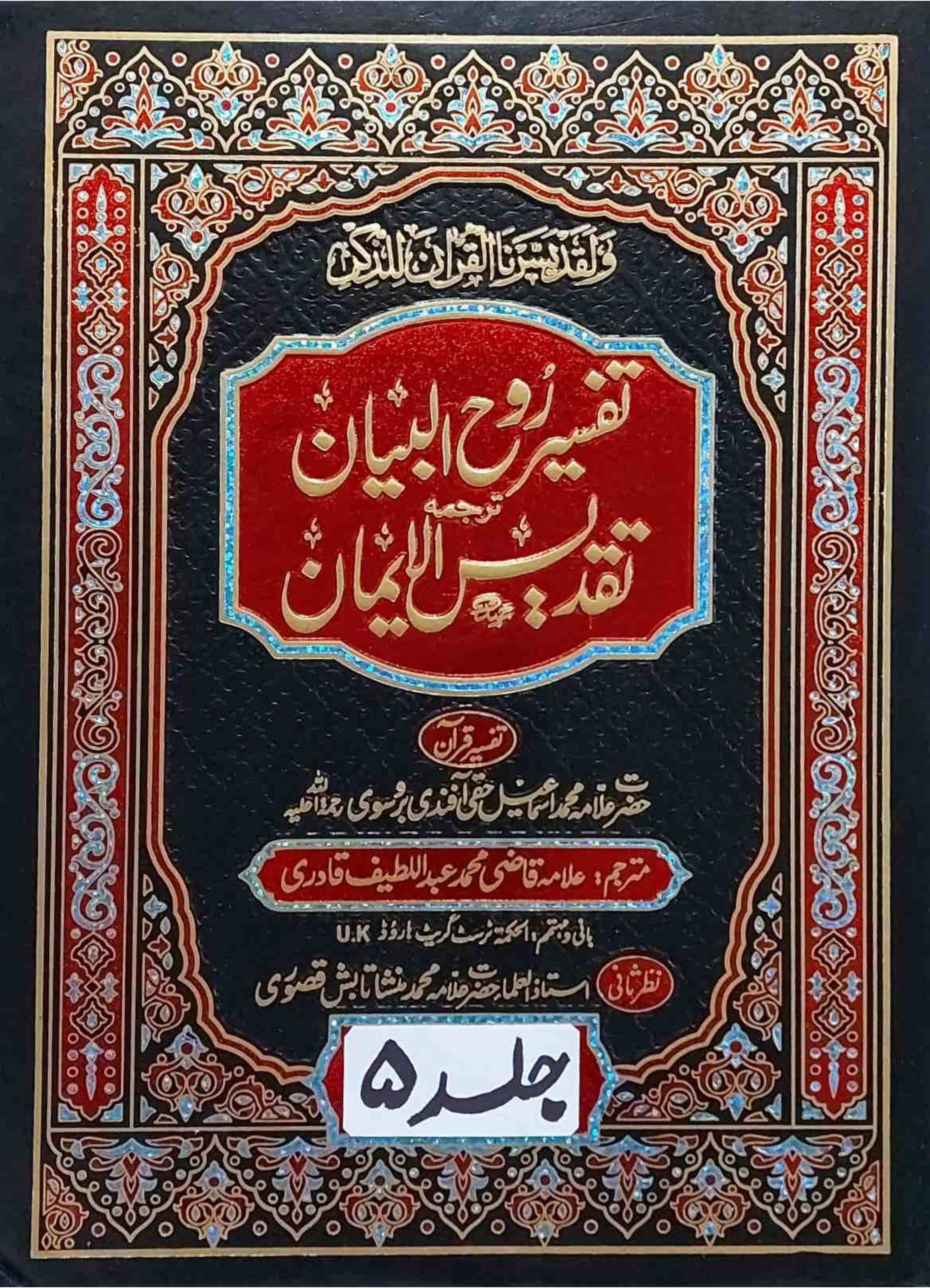


وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی برسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی و مہتمم، الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ارووڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۵

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 13 تا 15

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب ......☆...... تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان

تفسیر قرآن ......☆...... حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تخریج ......☆...... علامہ قاضی محمد عبد اللطیف قادری

......☆...... بانی و مہتمم: الحکمہ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی ......☆...... استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پروف ریڈنگ ......☆...... علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری۔0300-9506527

......☆...... علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری

......☆...... مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی

پروف ریڈنگ قرآن......☆...... قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331

......☆...... (رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)

کمپوزنگ ......☆...... حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622

اشاعت اول ......☆...... 2021

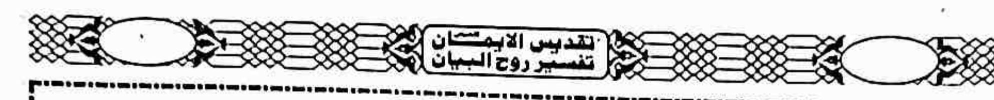
مجلدات ......☆...... 10

ہدیہ

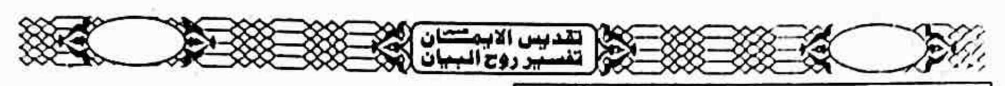
گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

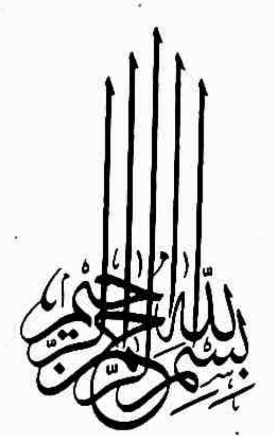
ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد پنجم پارہ 15-13)





پارہ 13 تا 15

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتا تا بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے

اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ

بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لئے چن لوں۔

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾

پھر جب اس سے بات کی کہا بیشک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں۔

(آیت نمبر ۵۳) مزید یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اپنے نفس سے برائی کی برات کا اظہار تو نہیں کر رہا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں۔کہ ہر غلطی سے پاک ہوں۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ یوسف علیہ السلام کو تزکیہ نفس حاصل نہیں تھا۔ یہ باتیں تو آپ نے تواضعا فرمائیں۔نبیوں سے بڑھ کر کس میں تزکیہ ہوگا۔ یوسف علیہ السلام کا زلیخا کی آفر کو ٹھوکر مار کر نکل جانا اور گناہ نہ ہونے کے باوجود بارہ سال جیل کاٹنا یہ صرف یوسف علیہ السلام جیسے شخص کا کمال ہے۔آگے فرمایا۔نفس امارہ کی برائی سے برأت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ نفس امارہ جو ہے وہ تو صرف برائی اور گناہوں کا ہی حکم دیتا ہے وہ لذات وشہوات کا عاشق ہے اور منکرات کی طرف ہی مائل رکھتا ہے۔مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔وہ ہلاکت سے بچ سکتا ہے۔جیسے جناب یوسف علیہ السلام پر رحم ہوگیا اور وہ بچ نکلے۔آگے فرمایا کہ بے شک میرا رب غفور ہے۔یعنی نفس کی اتنی خرابیوں کے باوجود وہ اپنے بندوں کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے اور رحیم بھی ہے یعنی رحمت فرما کر نفس کی خرابیوں پر فوراً پکڑ نہیں کرتا۔**سبق** : سالک پر لازم ہے کہ پہلے وہ نفس امارہ کو اپنے تابع بنائے یہاں تک کہ وہ نفس مطمئنہ بن جائے۔اس کے بعد وہ اس کے مکر وفریب سے محفوظ ہوجائے گا۔

(آیت نمبر ۵۴) جب یوسف علیہ السلام کی یہ گفتگو بادشاہ کو سنائی گئی تو بادشاہ سلامت یوسف علیہ السلام کے دیدار کے اور زیادہ مشتاق ہوگئے اور حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جلد میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں اپنا خاص مقرب بناؤنگا۔

فائدہ: سعدی مفتی مرحوم فرماتے ہیں۔ پہلے بادشاہ نے اپنی خواب کی تعبیر کیلئے بلایا تھا۔تو صرف کہا اسے یہاں لے آؤ۔لیکن جب یوسف علیہ السلام کا استغناء، امانت، دیانت، صبر اور ہمت اور پاک دامنی دیکھی تو بادشاہ کے دل اور نظر میں آپ کی عظمت اور زیادہ ہوگئی۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ج إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

فرمایا کہ مقرر کر مجھے اوپر خزانوں زمین کے بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) **فائدہ**: مروی ہے کہ ساقی پھر یوسف علیہ السلام کو لینے آیا اور بادشاہ کا پیغام دیا۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلتے وقت سب قیدیوں کو الوداع کیا۔ ان کے لئے دعا بھی کی ان کے لئے سفارش کا وعدہ بھی کیا۔

فائدہ: بادشاہ نے شاہانہ لباس اور ستر غلام اور ستر سوار اور تاج بھیجا تا کہ پورے اعزاز کے ساتھ انہیں لایا جائے۔ جس سواری پر سوار ہوئے وہ بھی زیورات سے لدی ہوئی تھی۔ راستے میں ہر طرف مشک وغیرہ چھڑکے گئے۔ یوسف علیہ السلام کے ارد اگرد زیور و جواہرات لٹائے گئے۔ جب سواری محل کے قریب پہنچی تو بادشاہ خود آپ کے استقبال کیلئے باہر آ گیا۔ یوسف علیہ السلام کو گلے لگایا۔ اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ حالات پوچھے۔ بات چیت کر کے بہت خوش ہوا۔ **فائدہ**: یوسف علیہ السلام کو بہتر (۷۲) زبانیں یاد تھیں۔ اور بادشاہ کو بھی کئی زبانیں آتی تھیں۔ بادشاہ نے کہا۔ اب میں خود آپ کی زبان مبارک سے خواب کی تعبیر سننا چاہتا ہوں۔

آپ خود خواب کی تعبیر بتائیں۔ پھر بادشاہ ایک ایک بات پوچھتا گیا اور آپ بتاتے گئے تو بادشاہ ایسے پیارے اور دل کش جواب سن کر انتہائی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو جناب یوسف علیہ السلام سے جب بادشاہ کی بات مکمل ہوئی تو بادشاہ نے کہا۔ آپ آج کے بعد ہمارے ہاں صاحب مرتبہ اور علوشان کے ساتھ رہیں گے اور امین ہوں گے تو آپ نے بادشاہ کو ایمان لانے کا کہا تو وہ آپ پر ایمان بھی لے آیا۔ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو قید سے نکالا اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے نکالا۔ اور ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

(آیت نمبر ۵۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مصر کے تمام خزانوں پر متولی مجھے ہی مقرر کر دیا جائے۔ میں ان امور کی نگرانی اچھی طرح کرنا جانتا ہوں۔ **فائدہ**: جب یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو تعبیر بتائی۔ تو بادشاہ کو یہ تشویش ہوگئی کہ ان چودہ سالوں میں غلے کو کس طرح سٹور بھی کیا جائیگا اور پھر تقسیم بھی کیا جائیگا۔ تو آپ نے فرمایا یہ کام مجھ پر رہنے دیں۔ بادشاہ اس بات سے بھی بہت خوش ہو گیا۔ یہ بھی آپ نے خلق خدا پر شفقت کے طور پر کہا۔

مسئلہ: معلوم ہوا۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر اعتماد رکھتا ہو کہ وہ عدل وانصاف پر قائم رہے گا اور احکام شرعیہ کے مطابق وہ کام کرے گا تو اسے عہدہ مانگنا جائز ہے۔ **فائدہ**: دنیا کے تمام عہدے نبی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ کام کرنا کسی اور کے بس میں بھی نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ کہ غلہ کو سٹور کرنا اور اس کی حفاظت مجھ پر رہنے دیں۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ

اور اسی طرح ٹھہرایا ہم نے یوسف کو مصر میں۔ ٹھکانا دیتا ہے اس میں جیسے چاہے

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ

ہم حصہ دیتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہیں اور نہیں ضائع کرتے اجر نیکوں کا۔ البتہ اجر

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

آخرت کا بہتر ہے ان کا جو ایمان لائے اور تھے پرہیزگار۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) **فائدہ:** ادھر یوسف علیہ السلام نے امور مملکت سنبھالے اور ان ہی دنوں میں عزیز مصر بھی فوت ہو گیا۔ تو پھر اس کا عہدہ بھی یوسف علیہ السلام کے پاس آ گیا۔

زلیخا نے محل چھوڑ دیا: ایک محل میں بن ٹھن کر رہنے والی ایک غیر آباد جھونپڑے میں رہنے لگی اور یوسف علیہ السلام کو ہر وقت یاد کرتی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ایمان کی دولت بخشی اور اس نے بتوں کو پھینک دیا اور تمام خزانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ یوسف علیہ السلام کی دعا سے زلیخا پھر ایک بار جوان ہوئی اور پہلے والا حسن و جمال لوٹ آیا اور زلیخا کی آرزو پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپس میں رشتہ ازدواجی بھی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے دو بیٹے بھی عطا کئے۔

(آیت نمبر ۵۶) اس طرح ہم نے یوسف کو ٹھہرایا مصر کی زمین میں۔ اب مصر کے جس مقام پر چاہیں رہیں یوسف علیہ السلام پر سال گذرا تو بادشاہ نے عالی شان جشن منایا۔ اس موقع پر یوسف علیہ السلام کے سر پر شاہی تاج رکھا گیا اور بادشاہ نے سونے کا تحت۔ اپنی حکومت اور مہر آپ کو پیش کی تحت پر موتی اور جواہر جڑے ہوئے تھے۔ جو تیس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا تھا اور تمام خزانوں کی کنجیاں بھی آپ کو دے دی گئیں۔ آگے فرمایا کہ ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں سرفراز فرماتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا محسنین کیلئے جنت میں بہت بڑے مراتب ہیں۔ یہاں تک کہ جو بال بچوں کے ساتھ بھی احسان کرتا ہے۔ اسے بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کے عمل صالح پر ملنے والے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

(آیت نمبر ۵۷) اور ان کے لئے جو آخرت میں اجر ہے۔ یعنی انہیں جب ہمیشہ رہنے والی غیر منقطع نعمتیں آخرت میں دی جائیں گی جو دنیا سے ہزاروں گنا بہتر ہوں گی کیونکہ وہ بذات خود افضل و اعلیٰ قائم و دائم ہوں گی۔ لیکن یہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو صاحب ایمان ہونگے اور پرہیزگار ہوں گے۔ یعنی دنیا میں جو خواہشات نفسانی سے بچتے رہے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿۵۸﴾

اور آئے بھائی یوسف کے جب داخل ہوئے ان پر تو ان کو پہچان لیا لیکن وہ نہ پہچان سکے

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) جیسے یوسف علیہ السلام احسان اور تقوی کی بناء پر کنویں کی گہرائی سی نکلے اور نفسانی خواہشات سے بچنے پر جیل خانہ سے نکل کر فوراً تحت شاہی پر جا پہنچے اور جاہ وجلال پایا۔ حدیث شریف: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کس چیز سے بنائی گئی تو فرمایا سونے اور چاندی کی اینٹوں سے اور اس کا گارا مشک وزعفران کا اور اندر جواہرات ہوں گے۔ داخل ہونے والا دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔ وہاں موت کبھی نہیں آئے گی۔ نہ کپڑے ختم ہوں گے۔ نہ بڑھاپا آئے۔ بلکہ جنت کے حسن وجمال میں دن بدن اضافہ ہوگا۔

فائدہ: لیکن اس جنت کے حصول کیلئے نیک اعمال ضروری ہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) یوسف علیہ السلام کے بھائی آ گئے۔ **فائدہ:** چونکہ قحط کے اثرات مصر سے باہر بھی دور تک پہنچ گئے۔ شام اور کنعان کے لوگ بھی اس سے متاثر ہوئے اولاد یعقوب نے بھی قحط سی متاثر ہو کر ابا جان سے عرض کی کہ مصر میں بادشاہ ہے جو قحط زدگان کی مدد کرتا ہے۔ اجازت ہو تو ہم بھی جا کر کچھ غلہ لے آئیں۔ آپ نے بنیامین کے علاوہ سب بھائیوں کو اجازت دے دی اور بنیامین کو اپنی خدمت کیلئے رکھ لیا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کچھ پونجی لی تا کہ غلہ خرید لائیں اور مصر روانہ ہو گئے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مصر میں جو عزیز مصر ہے بڑا اہل دل اور عادل ہے۔ تم وہاں جاؤ۔ بادشاہ کو میرا سلام کہنا۔ امید ہے۔ وہ تمہیں عزت سے پیش آئے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے کیلئے جب مصر میں آئے اور یوسف علیہ السلام کے ہاں داخل ہوئے تو اس وقت آپ شاہی تحت پر آراستہ پیراستہ بیٹھے تھے۔ لہذا یوسف علیہ السلام نے تو انہیں۔ بلا تامل پہلی نظر میں ہی پہچان لیا۔ انہیں قوت وفہم خداداد حاصل تھی۔ اگر چہ وہ اب بڑھاپے کی عمر میں تھے۔ لیکن ان کی ہیئت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی کہ پہچانے نہ جا سکیں اور یوسف علیہ السلام امید میں بھی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کنویں میں ہی بذریعہ وحی بتا دیا تھا کہ یہ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ انہیں یہ باتیں بتائیں گے۔ اس لئے بھائی آپ کے پاس حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچان رہے تھے کیونکہ انہیں یوسف کو کنوئیں ڈالے زمانہ گذر گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ختم ہو چکا ہوگا۔ ان کے تو خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ مصر کا شہنشاہ اس وقت وہ ہے۔ جسے ہم نے کنویں میں گرایا تھا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ج

اور جب ان کا سامان مہیا کردیا تو کہا کہ اپنا سوتیلا بھائی میرے پاس لے آؤ

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ اُوْفِى الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ

کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں۔پس اگر

لَّمْ تَاْتُوْنِىْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِىْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

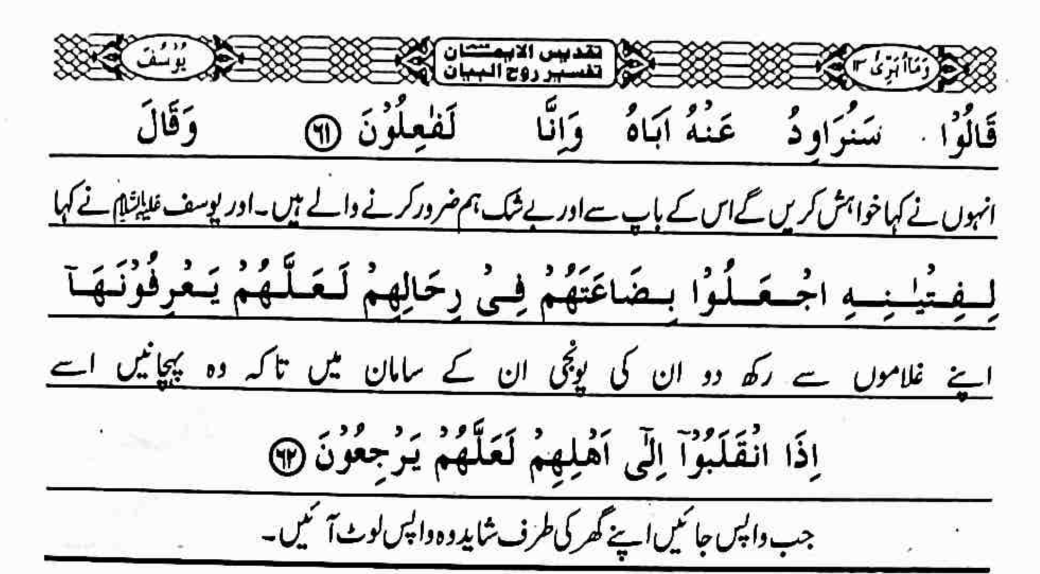
تم نہ لائے میرے پاس اسے تو نہ ماپ تمہارے لئے میرے پاس اور نہ میرے قریب آنا۔

(آیت نمبر۵۹) جب ان کا سامان تیار کیا۔یعنی ان کے اونٹوں پر پالان اور غلہ کی بوریاں رکھوائیں تو یوسف علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اگلی دفعہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی اپنے ساتھ لے کے آنا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ بھائی دس تھے۔گیارہواں اونٹ دیکھ کر پوچھا یہ کس کا ہے۔انہوں نے بتایا کہ ایک ہمارا بھائی والد صاحب کی خدمت کیلئے چھوڑ آئے ہیں۔فرمایا گھر کی مقدار سے نہیں بلکہ آنے والوں کی تعداد کے مطابق غلہ ملتا ہے۔اگر سچے ہو تو اگلی دفعہ اپنے بھائی کو لے کر آنا۔

یوسف علیہ السلام کی پوچھ گچھ: آپ نے بھائیوں کو دیکھ کر پوچھا کون ہو تم کہاں سے آئے ہو۔کیا کام کرتے ہو۔انہوں نے کہا ہم شام سے آئے ہیں قحط نے گھیرا تو غلہ لینے آئے ہیں۔ہمارے والد اللہ کے پیغمبر یعقوب علیہ السلام ہیں۔پوچھا کتنے بھائی ہو۔بتایا ہم بارہ تھے ایک کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔باقی گیارہ ہیں ایک بھائی والد صاحب کی خدمت میں اور دس آپ کی خدمت میں آگئے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا جو باتیں تم نے کی ہیں۔ان پر کون گواہ ہے۔کہنے لگے یہاں ہمارا کوئی واقف نہیں۔پھر آپ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں تمہیں غلہ پورا دے رہا ہوں اور میں نے کتنی اچھی مہمانوازی کی چونکہ آپ نے ان کی مہمان نوازی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی۔مقصد یہ تھا کہ اس مہمانی کو یاد کر کے پھر بھی آئیں گے۔

(آیت نمبر۶۰) اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دیدی کہ اگر تم اپنے گیارہویں بھائی جس کا ذکر کر رہے ہو۔اپنے ساتھ نہ لائے تو پھر تمہیں میرے ہاں سے غلہ نہیں ملے گا اور نہ ہی میرے قریب آنے کی کوشش کرنا یعنی پھر میرے احسانات وانعامات سے بھی محروم ہو گے اور میرا یہ قرب بھی نہیں ملے گا۔اور اگر اپنے بھائی کو لے آئے تو پھر سب کچھ تمہاری مرضی سے ملے گا۔



قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ

انہوں نے کہا خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام نے کہا

لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ

اپنے غلاموں سے رکھ دو ان کی پونجی ان کے سامان میں تاکہ وہ پہچانیں اسے

اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾

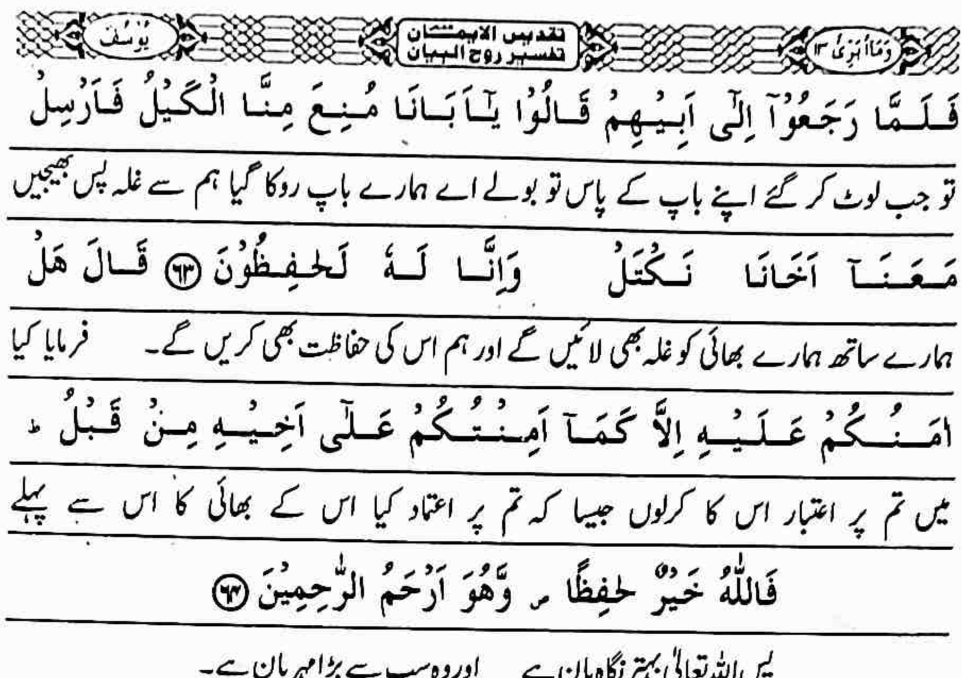
جب واپس جائیں اپنے گھر کی طرف شاید وہ واپس لوٹ آئیں۔

(آیت نمبر ۶۱) تو یوسف علیہ السلام کی بات سن کر بولے کہ ہم بھائی کو لانے کیلئے ابا جان کے ساتھ کوئی حیلہ کریں گے اور حتی المقدور پوری جدوجہد کریں گے اور امید ہے کہ یہ کام ہم کر کے چھوڑیں گے یعنی اپنی کوشش میں اور چارہ جوئی میں کوئی سستی نہیں کریں گے اور یہ یقین دلایا کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی جائز کام کرنے کیلئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ عوام کیلئے بھی اور خواص کیلئے بھی۔ اگر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو تو شرع کے موافق جو بھی حیلہ کیا جائے وہ جائز ہے۔ یعنی جو کام بھی شرع کے خلاف نہیں وہ جائز ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) یوسف علیہ السلام نے نوکروں سے فرمایا کہ ان کی وہ پونجی یا پیسے جو غلہ خریدنے کیلئے لائے تھے۔ ان کی ہی بوریوں میں رکھ دو۔ **فائدہ:** وہ پونجی چند درہم ہی تھے۔

نکتہ: جناب یوسف علیہ السلام نے ان کی پونجی اس لئے لوٹائی تاکہ ان پر فضل واحسان بھی ہو جائے اور یا اس لئے کہ ممکن ہے والد گرامی کے پاس مزید کوئی پیسے وغیرہ شاید نہ ہوں اور مال کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ غلہ لینے ہی نہ آئیں۔ لیکن جب ان کی رقم واپس مل جائیگی تو وہ لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ یا اس کے عوض مزید غلہ خریدنے آئیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ وہ گھر جا کر پونجی واپس ہوتی دیکھ کر ہمارے احسان وکرم کو بھی پہچانیں گے کہ انہوں نے غلہ بھی دیا اور پیسے بھی واپس کر دیئے۔ تاکہ وہ پھر لوٹ کر آئیں۔ اور جب وہ لوٹ کر آئیں گے تو میرا بھائی بنیامین بھی ان کے ساتھ ہوگا۔ اس بہانے وہ بھی آ کر مجھے مل جائیگا۔



فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ

تو جب لوٹ کر گئے اپنے باپ کے پاس تو بولے اے ہمارے باپ روکا گیا ہم سے غلہ پس بھیجیں

مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ

ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو غلہ بھی لائیں گے اور ہم اس کی حفاظت بھی کریں گے۔ فرمایا کیا

اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ

میں تم پر اعتبار اس کا کرلوں جیسا کہ تم پر اعتماد کیا اس کے بھائی کا اس سے پہلے

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

پس اللہ تعالیٰ بہتر نگاہ بان ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۶۳) تو جب وہ واپس اپنے ابا جان جناب یعقوب علیہ السلام کے خدمت میں پہنچے تو مصر میں گذرا ہوا سارا ماجرا کہہ سنایا یعنی شاہ مصر کے احسانات اور مہمان نوازی وغیرہ اور اعزاز و اکرام جو کیا گیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ ہمارے گھر کا آدمی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اے ابا جان اب ہمیں دوبارہ غلہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔ بادشاہ مصر نے ہمیں حکم دیا کہ بنیامین کو اگر ساتھ نہ لائے تو پھر اناج نہیں ملے گا۔ اس لئے برائے مہربانی بنیامین بھائی کو ہمارے ساتھ مصر میں ضرور بھیجیں تا کہ ہم اور بھی بہت سارا غلہ لائیں اور ہم اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے۔ یعنی اس کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے اور صحیح سلامت اپنے ساتھ واپس لے آئیں گے۔

(آیت نمبر ۶۴) **فائدہ:** جناب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی گفتگو سن کر فرمایا کہ کیا میں تم پر ایسے ہی اعتماد کرلوں۔ جیسے میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں میں نے تم پر اعتبار کرلیا تھا یعنی نہ مجھے تم پر اعتماد رہا ہے نہ تمہاری نگرانی پر بھروسہ ہے۔ البتہ اگر مجھے بھروسہ ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اگر میں نے بنیامین کو بھیجا تو اسی کے بھروسے پر بھیجوں گا۔ میرا اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت فرمانے والا ہے۔ اور وہ سب رحم کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے یعنی زمین و آسمان میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: جب یعقوب علیہ السلام نے "فاللہ خیر حافظا" کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیرے دونوں بیٹے تمہارے پاس واپس لاؤنگا۔ کیونکہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کام بنا دیتا ہے۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا

اور جب کھولا اپنا سامان تو پایا اپنی پونجی کو جو پھیری گئی طرف ان کے۔ تو بولے اے اباجان

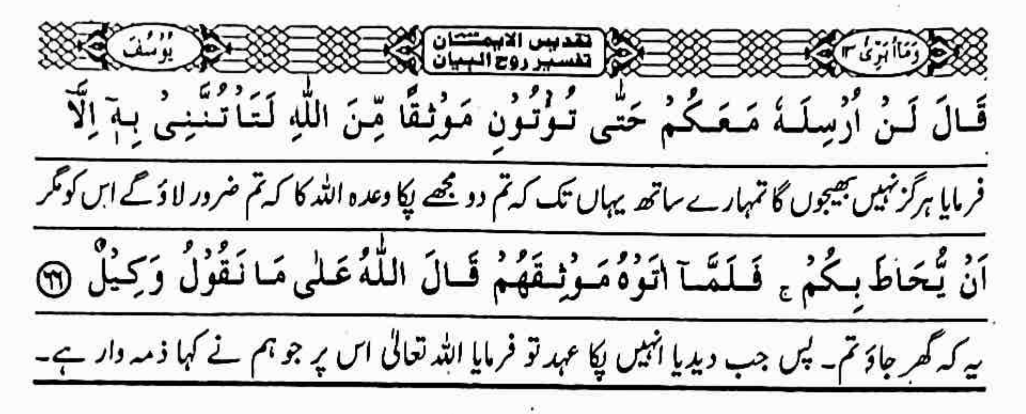
مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا

اور کیا ہمیں چاہئے۔ یہ پونجی بھی ہماری لوٹادی گئی ہمیں۔ اور ہم غلہ لائیں اپنے گھر والوں کیلئے

وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

اور حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی اور مزید بوجھ ایک اونٹ کا لائیں گے۔ یہ تو غلہ دینا بادشاہ کو آسان ہے

(آیت نمبر ۶۵) اور جب انہوں نے غلہ کی بوریاں کھولیں تو جو انہوں نے غلہ کے عوض پیسے جو بادشاہ کو دیئے تھے۔ اپنی خرجیوں میں دیکھا تو وہ پیسے بھی سامان کے ساتھ موجود تھے۔ جو بطور احسان واپس کردیئے گئے تو کہنے لگے اے اباجان اور ہمیں کیا چاہئے۔ یہ ہماری رقم بھی ہمیں واپس لوٹادی گئی ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں تھا۔ شاہ مصر نے ہماری مہمانی کرنے میں بھی انتہاء کردی۔ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے ہمیں کھانے کیلئے دیئے جو کھانے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیئے جاتے ہیں۔ اور غلہ کے پیسے لینے کے بجائے ہمیں واپس کردیئے۔ اس پونجی سے ہم اور بھی غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی بھی ہم پوری پوری حفاظت کریں گے۔ اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ کا مزید بھی لائیں گے۔ یعنی ہمارے بھائی بنیامین کی وجہ سے غلہ ایک اونٹ کا بوجھ اور بھی مل جائیگا۔ کیونکہ شاہ مصر ہر بندے کو ایک اونٹ غلہ کا دیتا ہے اور یہ جو ابھی غلہ لائے ہیں یہ تو بہت تھوڑا ہے۔ اس لئے کہ ہم عیالدار ہیں اور گھروں میں غلہ بہت خرچ ہوتا ہے اور بادشاہ مصر نے ہم پر مہربانی بھی بہت زیادہ کی ہے اور ہم اس پر اور احسان تو نہیں کرسکتے تو اس سے بھائی بنیامین کے لانے کا جو وعدہ کیا ہے وہ تو پورا کرسکتے ہیں کہ ہم اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ لے کر جائیں گے تو ہمارا وعدہ پورا ہو جائیگا۔ اور اے اباجان ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان شاء اللہ اپنے بھائی کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔ اس سے پہلے اس کے بڑے بھائی کے بارے میں جو ہم سے کوتاہی ہوئی۔ ہم اس کی بھی تلافی کریں گے۔ ان شاء اللہ



قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ

فرمایا ہرگز نہیں بھیجوں گا تمہارے ساتھ یہاں تک کہ تم دو مجھے پکا وعدہ اللہ کا کہ تم ضرور لاؤ گے اس کو مگر

اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

یہ کہ گھر جاؤ تم۔ پس جب دیدیا انہیں پکا عہد تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر جو ہم نے کہا ذمہ دار ہے۔

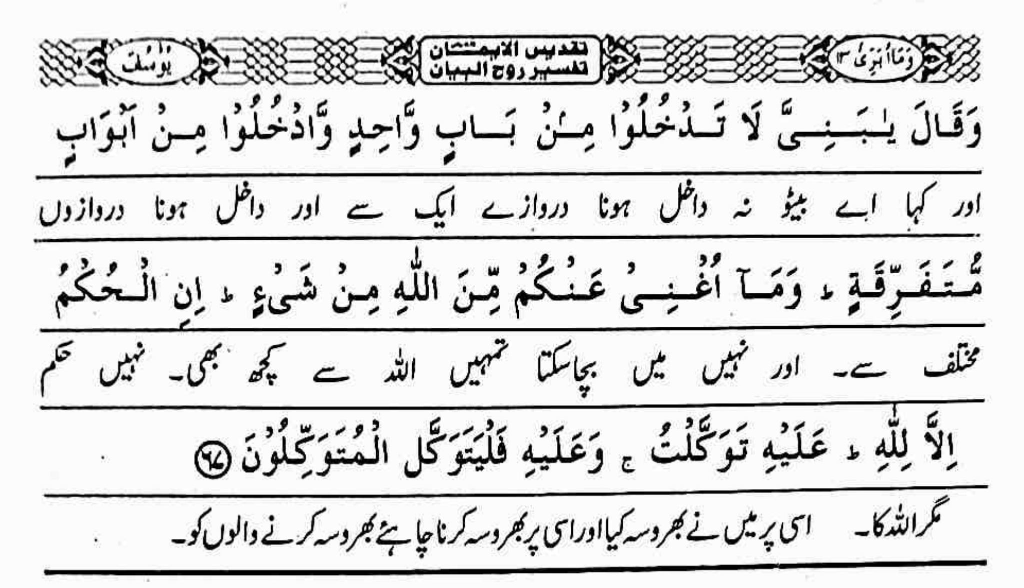
(آیت نمبر ۶۶) جب یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی بات سے مطمئن ہوگئے تو فرمایا کہ میں بنیامین کو تمہارے ساتھ ہرگز اس وقت تک نہیں بھیجتا جب تک کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ پختہ وعدہ نہیں کرتے تا کہ مجھے اعتماد ہو کہ تم ضرور بہ ضرور اسے ساتھ لے کر آؤ گے۔ (چونکہ سانپ سے ڈرا ہوا رسی سے بھی ضرور ڈرتا ہے)۔

فائدہ: قسم سے مقصد سخت تاکید ہے اور جب قسم کھالی جائے تو گویا اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہوگیا ہے۔ یعنی یہ قسم اٹھوائی کہ تم بنیامین کو ضرور اپنے ساتھ لے کر آؤ گے۔ مگر یہ کہ تم کسی ایسے گھیرے میں آجاؤ کہ اس سے نکلنا ناممکن ہو تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہوگا۔

فائدہ :یعقوب علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوئی اور وہی بات ہوئی۔ جس کا انہیں خطرہ تھا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ کبھی منہ سے نکلے ہوئے بول کے مطابق مصیبت نازل ہوجاتی ہے۔ پہلے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں یوسف کو بھیڑیا نہ کھا جائے تو بھائیوں نے آ کر جھوٹا بہانہ بھیڑیئے کا ہی بنایا اب یہاں بھی فرمایا مگر یہ کہ گھیرے میں آجائیں تو یہاں بھی بنیامین گھیرے میں آ گئے اور سال بھر کیلئے والد صاحب سے دور ہو گئے۔

آگے فرمایا کہ جب سب نے حسب وعدہ قسمیں کھالیں تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس پر ضامن ہے یعنی اب میں تمام معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ وہی سب حالات کو جاننے اور نگہبانی کرنے والا ہے۔ **فائدہ**: اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ کی پختگی کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہونا چاہئے۔ اسی توکل کا ہی نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بہتر سے بہتر مقام عطا فرمایا۔

فائدہ: امتحانات تو تمام نیک لوگوں پر آئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر سب سے زیادہ امتحان آئے اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر تو انبیاء سے بھی زیادہ امتحان آئے۔



وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ

اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا دروازے ایک سے اور داخل ہونا دروازوں

مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ

مختلف سے۔ اور نہیں میں بچاسکتا تمہیں اللہ سے کچھ بھی۔ نہیں حکم

اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

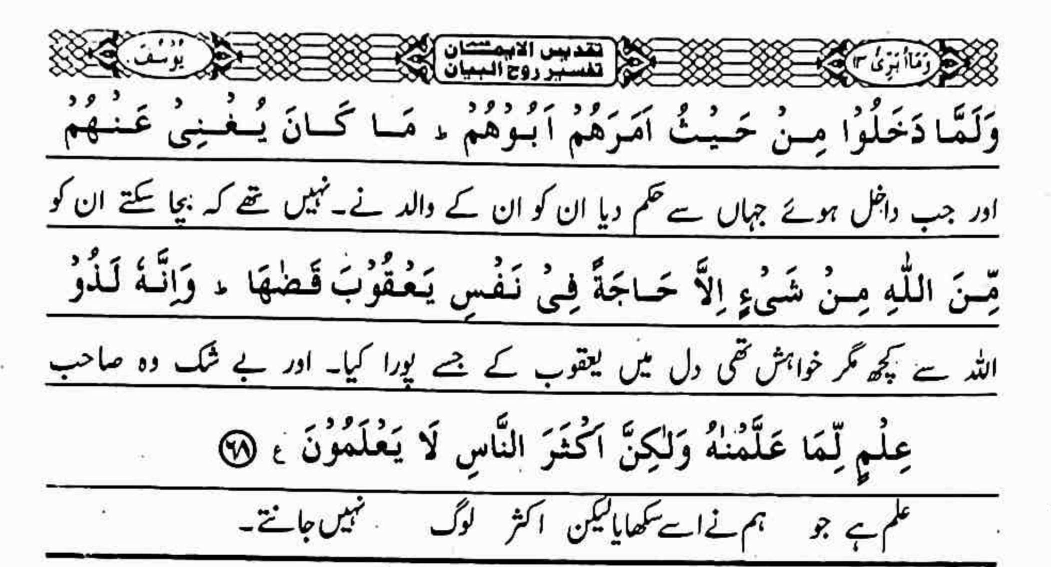
مگر اللہ کا۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

(آیت نمبر ۶۷) جب جناب یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادگان کو مصر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہیں نصیحت فرمائی کہ مصر میں ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا۔ بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ آگے پیچھے مختلف راستوں اور گلیوں سے گذر کر شہر میں جانا۔ چونکہ شفقت پدری کا یہ تقاضا تھا۔ کہ بچوں کو حفاظتی تدبیر بتائیں۔

نظر بد سے بچاؤ: یہ تدبیر بھی نظر بد سے بچانے کیلئے کی گئی۔ نظر بد اور جادو دونوں کی تاثیر برحق ہے۔ یعنی دونوں سے ضرر پہنچ سکتا ہے۔

نکتہ: چونکہ سب صاحبزادے خوبصورت تھے۔ پچھلی دفعہ ہی ان کے حسن و جمال کا شہرہ پورے مصر میں ہوگیا تھا۔ پھر یوسف علیہ السلام کے قرب خاص کی وجہ سے بھی لوگ ان کے انتظار میں تھے۔ اس لئے والد ماجد کو خطرہ ہوا کہ اگر یہ اکٹھے گئے اور شہر میں اکٹھے داخل ہوئے۔ تو نظر بد کا کہیں شکار نہ ہو جائیں۔ شفقت پدری کے ساتھ ساتھ یعقوب علیہ السلام نے اپنی عجز و انکساری بھی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو میری تدبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تو تمہیں نہیں بچاسکتی۔ **فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام تدبیر سے تقدیر ٹالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ مطلق حکم اللہ کا ہی ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کے حکم میں کوئی شریک ہے۔ آگے فرمایا میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ خواہ کوئی کام کروں یا چھوڑ دوں۔ توکل اسی ذات پر ہے۔ اور سب توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

عقیدہ: ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ نبیوں کا ہر قول و فعل امت کیلئے اقتداء کا موجب ہے۔ اس سے ان کے علم یا عدم علم کا کوئی تعلق نہیں۔ امت کو بھی چاہئے کہ وہ ہر حال میں بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی کریں۔



(بقیہ آیت نمبر ٦٧) **فائدہ**: نظر لگ جانا یہ حق ہے۔ جب کسی کو نظر بد لگ جاتی ہے۔ (اللہ ہی بچائے) تو بندہ بچ سکتا ہے۔ جس چیز پر نظر بد لگ جائے۔ اسے تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔

حدیث شریف: نظر بد انسان کو قبر میں لے جاتی ہے۔ (ابن کثیر وابن جوزی)

نظر بد کا مجرب وظیفہ: سورہ نون والقلم کی آخری دو آیات پڑھ کر دم کیا جائے تو نظر بد کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کلام کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیتا ہے۔

(آیت نمبر ٦٨) اور جب صاحبزادگان جناب یعقوب علیہ السلام اپنے ابا جان کے ارشاد کے مطابق جدا جدا دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے تو نہ بچایا انہیں یعقوب علیہ السلام کی رائے نے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے مقابلے میں مگر یہ خیال تھا یعقوب علیہ السلام کے دل میں جسے انہوں نے پورا کیا (کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا)۔ یہ انہوں نے اولاد پر شفقت کے طور پر کہا کہ وہ نظر بد سے بچ جائیں۔ اور وہ بچ گئے اللہ کے فضل سے۔ اس لئے نہیں کہ وہ یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے بچے بلکہ یعقوب علیہ السلام کی دعا اور اللہ کے فضل سے بچے۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ (یعقوب علیہ السلام) بہت بڑے علم والے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے انہیں بذریعہ وحی علم دیا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ فلاں فلاں تدبیر کرو۔ تو تقدیر ٹل جائے گی۔ لیکن تقدیر کے آگے تدبیر کچھ بھی نہیں کر سکتی۔

فائدہ: انبیاء کرام علیہم السلام خود بھی اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور امت کو بھی یہی درس دیتے ہیں کہ جب بھی کوئی مشکل آجائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کی جائے تو اللہ تعالیٰ مشکل کو ٹال دیتا ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ

اور جب آ گئے یوسف کے پاس تو جگہ دی اپنے ساتھ اپنے بھائی کو فرمایا بے شک میں ہی تیرا بھائی ہوں

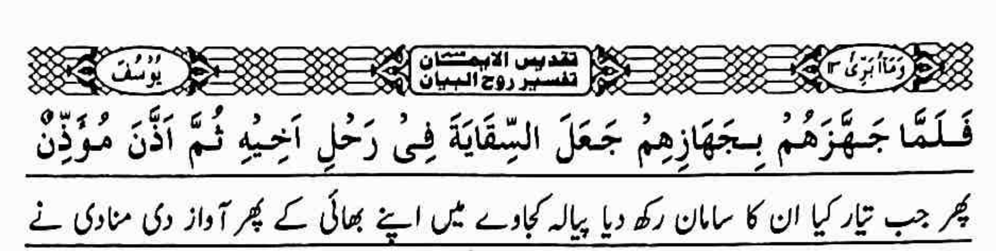
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾

پس نہ غم کر جو جو تھے وہ کرتے۔

(آیت نمبر ٦٩) جب تمام بھائی یوسف علیہ السلام کے ہاں پہنچے اس وقت یوسف علیہ السلام تخت پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے پوچھا کون ہو تم۔ تو انہوں نے کہا ہم کنعانی ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق بھائی بنیامین کو والد صاحب کی منت سماجت کر کے اور بڑے عہد و پیمان کر کے لے آئے ہیں۔ فرمایا بہت اچھا کیا۔ بیٹھ جاؤ۔ بڑے اعزاز کے ساتھ انہیں بٹھایا اور حکم دیا کہ دو دو بھائی ایک ایک دستر خوان پر بیٹھ جاؤ۔ جب سب بیٹھ گئے تو بنیامین اکیلے رہ گئے اور رو پڑے۔ پوچھا تم کیوں روئے تو انہوں نے کہا کہ یہ سب دو دو سگے بھائی ہیں یہ دو دو ہو کر بیٹھ گئے۔ کاش میرا سگا بھائی آج یوسف بھی میرے ساتھ ہوتا تو ہم بھی اکٹھے بیٹھتے فرمایا چلو میں تمہارا بھائی بن جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ یعنی دونوں بھائی الگ جگہ بیٹھ کر اور پچھلے حالات جو گذرے تھے۔ انہیں یاد کر کے دونوں بھائی بہت روئے۔ یوسف علیہ السلام نے دل میں کہا کہ میرے بھائی کے غم و حزن کا یہ حال ہے تو میرے بوڑھے باپ کا کیا حال ہوگا۔ اے اللہ موت سے پہلے ہمیں والد صاحب سے ملا دے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے کہا کہ تم اپنے فوت شدہ بھائی کی جگہ مجھے ہی اپنا بھائی بنا لو۔ بنیامین نے کہا۔ آپ جیسا محسن تو کائنات میں نہیں مل سکتا۔ لیکن آپ یعقوب کے بیٹے تو نہیں بن سکتے۔ پھر یوسف علیہ السلام بہت روئے اور اٹھ کر بھائی کو گلے سے لگا کر کہا بے شک تیرا بھائی یوسف میں ہی ہوں۔ القصص میں ہے جب دونوں بھائی اکٹھا کھانا کھانے بیٹھے تو بنیامین کھانا چھوڑ کر غور سے اور گھور گھور کر یوسف علیہ السلام کو دیکھتے اور رو دیتے۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا میری طرف دیکھتے ہو پھر روتے ہو۔ عرض کی میرا بھائی یوسف بھی آپ کی طرح تھا تو آپ نے فرمایا۔ ہاں تیرا بھائی یوسف میں ہی ہوں۔ اب غم نہ کر جو جو بھائی تیرے ساتھ زیادتیاں کرتے رہے۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا کہ ہمیں اس نے آپس میں ملا دیا لیکن فی الحال اس بات کو باقی بھائیوں سے مخفی رکھنا۔

حدیث شریف: اپنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے راز کو چھپاؤ۔ (صحیح الجامع: ٩٤٣)

مسئلہ: معلوم ہوا کہ مہمان نوازی انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ انبیاء کرام میں ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ بلکہ وہ تو مہمان کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔



فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پھر جب تیار کیا ان کا سامان رکھ دیا پیالہ کجاوے میں اپنے بھائی کے پھر آواز دی منادی نے

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

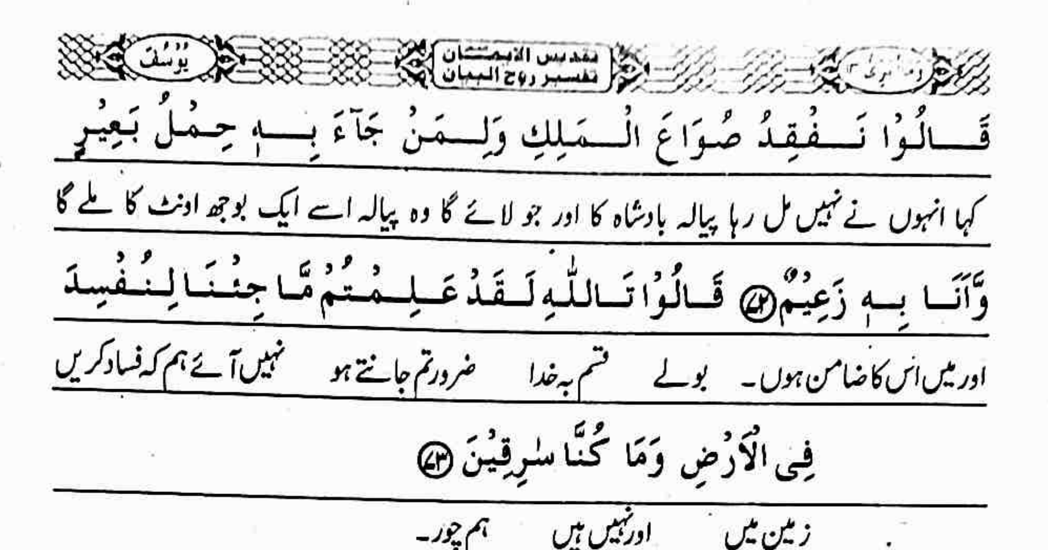
اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو ۔ بولے متوجہ ہوکر ان کی طرف کیا تم نے گم کیا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۹) **احسان خداوندی:** بے شک بھائیوں نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے ساتھ بہت زیادہ زیادتیاں کیں (اس مذکورہ آیت کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوا) لہذا وہ خسارے میں رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دو بھائیوں یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو آپس میں ملا دیا۔ جس کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد یوسف علیہ السلام کی والد ماجد جناب یعقوب علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوگئی۔

(آیت نمبر ۷۰) تو جب ایک ایک اونٹ ہر ہر بھائی کیلئے الگ الگ غلہ کا دیا اور سارا سامان تیار کرا کے بڑی عزت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ یعنی برادران یوسف اونٹوں پر سامان لاد کر شہر سے باہر نکل گئے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بتادیا کہ میں ہی یوسف ہوں تو اس وقت سے ہی بنیامین ان کے گلے لگ گئے اور ان کے دامن سے لپٹ کر کہا کہ میں اب آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ والد ماجد پہلے میری جدائی کی کتنی تکلیف اٹھا چکے۔ اب آپ کے نہ جانے سے انہیں کتنا رنج پہنچے گا۔ لیکن بنیامین نہ مانے تو آپ نے ایک صورت یہ نکالی کہ شاہی قیمتی پیالہ ان کی خرجی میں چھپا کر رکھ دیا۔ **فائدہ:** کواشی میں ہے کہ شاہ مصر کا پانی پینے والا پیالہ چاندی کا تھا۔ جس پر موتی جڑے ہوئے تھے۔ اسے بنیامین والے سامان میں چھپا کر رکھوا دیا۔ **فائدہ:** اور جب بھائیوں کا یہ قافلہ مصر سے شام کی طرف روانہ ہوگیا تو پیچھے سے یوسف علیہ السلام کے نوکروں میں سے کسی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو تم نے چوری کی ہے۔ تم ٹھہر جاؤ۔ تمہاری تلاشی لی جائیگی۔

(آیت نمبر ۷۱) **فائدہ:** پورا قافلہ حیران و پریشان ہوکر رک گیا کہ یہ کیا معاملہ بن گیا۔ ان کے تو خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ قافلے کے چلے جانے کے بعد نوکروں نے دیکھا تو قیمتی پیالہ وہاں موجود نہ پایا چونکہ جہاں وہ پیالہ تھا۔ وہاں برادران یوسف کے علاوہ کوئی نہ ٹھہرا تھا اس لئے ان کی روانگی کے بعد نوکروں کو ان پر ہی پختہ شک وشبہ ہوا۔ اس لئے انہیں آواز دی کہ تم چور ہو۔ تو انہوں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور چور کا لفظ سن کر گھبرا گئے۔ کیونکہ یہ کام تو ان کی عادت سے بھی بعید تھا تو اعلان کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ بھائی تم نے کیا گم کردیا۔ جس کی وجہ سے تم نے ہمیں چور کہہ دیا؟



قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ

کہا انہوں نے نہیں مل رہا پیالہ بادشاہ کا اور جو لائے گا وہ پیالہ اسے ایک بوجھ اونٹ کا ملے گا

وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ

اور میں اس کا ضامن ہوں۔ بولے قسم بہ خدا ضرور تم جانتے ہو نہیں آئے ہم کہ فساد کریں

فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾

زمین میں اور نہیں ہیں ہم چور۔

(بقیہ آیت نمبر۷۱) ہم لوگ نہ چور ہیں۔نہ چوری کی غرض سے آئے ہیں۔ہم تو نبی کی اولاد ہیں۔ہم تو لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں تو ہم خود کیسے یہ برا فعل کر سکتے ہیں۔

(آیت نمبر۷۲) تو اعلان کرنے والوں نے کہا کہ ہمیں شاہی پیالہ نہیں مل رہا ہم وہ تلاش کر رہے ہیں اس کے بعد اعلان کرنے والوں نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے کہا کہ وہ یقین کریں کہ انہیں چور نہیں کہا گیا بلکہ وہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ پیالہ لاشعوری طور پر ان کے سامان میں چلا گیا ہو۔چنانچہ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ جو بھی تلاش کر کے لے آئے یا اپنے سامان سے خود ہی نکال دے تو وہ مجرم نہیں سمجھا جائے گا اور جو چور کی نشان دہی کرے یا اس کے سامان سے قیمتی شاہی پیالہ نکال دے تو اسے بطور انعام ایک اور اونٹ غلے کا بوجھ دیا جائیگا۔اور میں بادشاہ کی طرف سے اس کا ضامن بھی ہوں۔یعنی جو پیالہ نکال دے اسے وعدہ کے مطابق مزید غلہ دلانے کا میں ذمہ دار ہوں اور پیالہ نہ ملنے کی صورت میں اس کی تہمت اٹھانے کا بھی۔

(آیت نمبر۷۳) برادران یوسف کہنے لگے۔قسم بہ خدا تم ضرور جانتے ہو کہ ہم مصر میں فساد کرنے نہیں آئے۔

فائدہ: قسم اس لئے کھائی کہ جس کام سے ہم نفرت کرتے ہیں۔وہ برا فعل ہماری طرف کیوں منسوب ہوا۔

فائدہ: اور اس لئے بھی قسم کھائی کہ انہیں کہا کہ تم ہمیں کئی بار دیکھ چکے ہو۔ہماری دریافت و امانت کو جانتے ہو۔تمہیں پتہ ہے کہ جس برے عمل کی تہمت لگا رہے ہو۔اس سے ہم کوسوں دور ہیں۔یہ یقین کرلو کہ ہم بالکل چور نہیں ہیں۔ہم خاندانی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہیں۔ہم میں یہ برائی نہیں ہے۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ

پوچھا پھر کیا سزا ہے اس کی اگر ہوئے تم جھوٹے ۔ بولے سزا اس کی جس کی پایا جائے

فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

خرجی میں وہی غلام ہوگا بطور اس کی سزا کے ۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ظالموں کو

(آیت نمبر ۷۴) یوسف علیہ السلام نے یا ان کے خادموں نے کہا کہ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری شریعت میں چور کی سزا کیا ہے۔ یعنی اگر پیالہ تمہارے سامان سے ہی نکل آیا تو ہم کون سے ضابطے اور قانون کے مطابق ہی سزا دیں گے۔ تمہارے ہاں اس شخص کی سزا کیا ہے۔ اگر تمہارے ہی سامان سے نکلے اور تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ تو پھر اس کی سزا کیا ہونی چاہئے۔ غالباً یہ سوال یوسف علیہ السلام نے خود ہی کیا کیونکہ انہیں اس بات کا علم تھا۔ کنعان میں چور کی کیا سزا ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۷۵) تو انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں پیالہ مل جائے وہی اس کی سزا ہے۔ یعنی چور کو ہم مالک کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ اسے ایک سال تک غلام بنا کر رکھتا ہے۔ اور اس سے ہر قسم کے کام لیتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں چور کو اسی طرح سزا دی جاتی ہے۔ اس میں چوری کی قباحت کو بیان کیا گیا۔

فائدہ: انہوں نے اپنی برأت پورے وثوق سے کی اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ نہ ہم نے چوری کی اور نہ ہم کوئی ان کے حوالے کریں گے لیکن اندرونی معاملے سے وہ بے خبر تھے۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ

پھر شروع کیا باقیوں کی خرجیوں سے پہلے اپنے بھائی کی خرجی سے پھر نکال لائے اسے خرجی سے یوسف کے بھائی کی

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ

اسی طرح تدبیر بتائی ہم نے یوسف کو۔ نہیں تھے کہ رکھتے اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں مگر

اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾

یہ کہ جو چاہے اللہ۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں۔ اور اوپر ہر صاحب علم کے علم والا ہے

(آیت نمبر ۷۶) چنانچہ سامان کی تلاشی کیلئے انہیں واپس یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹا دیا گیا اور یوسف علیہ السلام کی موجودگی میں ان کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کے سامنے پہلے باقی دس بھائیوں کے سامان دیکھے گئے تاکہ یوسف علیہ السلام پر اس کی تہمت نہ آئے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہوگا۔ **فائدہ:** یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے سارا سامان اونٹوں سے اتروالیا۔ نمبروار پہلے بڑے کا۔ پھر اس سے چھوٹے۔ پھر اس سے چھوٹے کا سامان دیکھا گیا آخر میں بنیامین کا سامان دیکھنے کی باری آئی۔ جب بنیامین کا سامان دیکھا گیا تو یوسف علیہ السلام نے کہا اس کو رہنے دیں تو بڑے بھائیوں نے کہا نہیں ہمارے سامان دیکھے ہیں تو اس کا سامان بھی ضرور دیکھیں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ لو۔ جب بنیامین کا سامان کھولا گیا۔ تو اس سے شاہی پیالہ نکال لیا گیا۔ جب بنیامین کے سامان سے گمشدہ پیالہ نکال لیا گیا تو بھائیوں کے سر شرم ساری سے جھک گئے اور کچھ نہ بول سکے۔ پھر بنیامین سے ہر چیز چھین کر یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی گئی اور بھائی اسے عبرانی زبان میں برا بھلا کہنے لگ گئے کہ اے چور تجھے کیا پڑی تھی کہ تو نے شاہی پیالہ چرایا۔ تیری وجہ سے اب ہم ہمیشہ کیلئے تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ آگے فرمایا اس طرح کا منصوبہ اور ایسی تدبیر ہم نے یوسف کو بتائی یعنی یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا یہ ضابطہ ہم نے ان کے دل میں ڈالا اور بھائیوں کے تو خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ افتاد ان پر ہی پڑنے والی ہے۔ آگے فرمایا کہ چونکہ مصر کے قانون کے مطابق تو یوسف علیہ السلام بھائی کو چوری کے الزام میں نہیں ٹھہرا سکتے تھے۔ اس لئے کہ مصر میں چور کی سزا مار تھی یا چور سے ڈبل مال وصول کیا جاتا تھا۔ چور کو غلام بنانا ان کے قانون میں نہ تھا اور یہ کارروائی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی (تاکہ یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام نہ آئے) تو اس لئے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ

بولے اگر یہ چور ہے پس تحقیق چوری کی اس کے بھائی نے اس سے پہلے بھی۔ پس پوشیدہ رکھا اسے یوسف

فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

نے اپنے دل میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ فرمایا تم بدتر جگہ پر ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷

جو تم باتیں کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۷۶) **مسئلہ:** اس سے معلوم ہوا کہ شرعی حیلہ کرنا جائز ہے۔ جیسے ایوب علیہ السلام نے جب بیوی کو سولاٹھیاں مارنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لاٹھی سے مارنے کے بجائے جھاڑو کے سو تنکے مارنے کا حیلہ بتایا۔ **فائدہ**: حیلہ وہی جائز ہے جو شرع کے مطابق ہو۔ ورنہ ناجائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس حیلہ کو اپنی طرف منسوب کر لینا اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ **فائدہ**: جناب یوسف علیہ السلام کی طرف اسی حیلہ شرعیہ کو منسوب کرنے میں بہت بڑے منافع ہیں۔ آگے فرمایا کہ ہم جس کے لئے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں یہ سب بہ تقاضائے حکمت اور مصلحت کے ہے اور مخلوق میں بھی ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے۔ جو بڑے مراتب والا ہے۔ یہاں تک کہ سب سے اوپر اور سب سے بڑا علم والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کے علم جتنے بھی ہیں۔ ان کی ایک انتہاء ہے ایک خالق ہے جس کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ ایک مرتبہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مسئلہ بتایا تو محفل سے ایک شخص نے کہا یہ مسئلہ اس طرح ہے تو آپ نے فرمایا واقعی اللہ تعالیٰ نے ٹھیک فرمایا کہ ہر علم والے پر علم والا ہے۔

(آیت نمبر۷۷) جب پیالہ بنیامین کے سامان سے نکل آیا تو بھائیوں نے اسے اپنے لئے بڑی رسوائی سمجھی اور اس چوری کے واقعہ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس کا ایک بھائی یوسف تھا۔ اس نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

فائدہ: یوسف علیہ السلام کی چوری کے متعلق الفردوس میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے نانا کا ایک بت تھا اور یوسف علیہ السلام بت سے نفرت کرتے تھے۔ آپ اسے چرا کر باہر لے گئے اور پھینک دیا تو بھائیوں نے اسے بھی چوری کے زمرے میں شامل کر لیا۔ بہرحال بھائیوں کی اس بات سے آپ کو محسوس تو بہت ہوا لیکن آپ اسے پی گئے۔ یعنی حال دل ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ انہیں درگذر کرتے ہوئے دل میں ہی فرمایا کہ تم بڑے شر کی جگہ پر ہو۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ

بولے اے عزیز بے شک اس کے والد بوڑھے بزرگ ہیں تو لے لو کسی ایک کو ہم سے اس کی جگہ

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا

بے شک ہم تجھے دیکھتے ہیں احسان والا۔ فرمایا پناہ خدا کی کہ ہم پکڑیں سوائے اس کے کہ پایا ہم نے اپنا مال

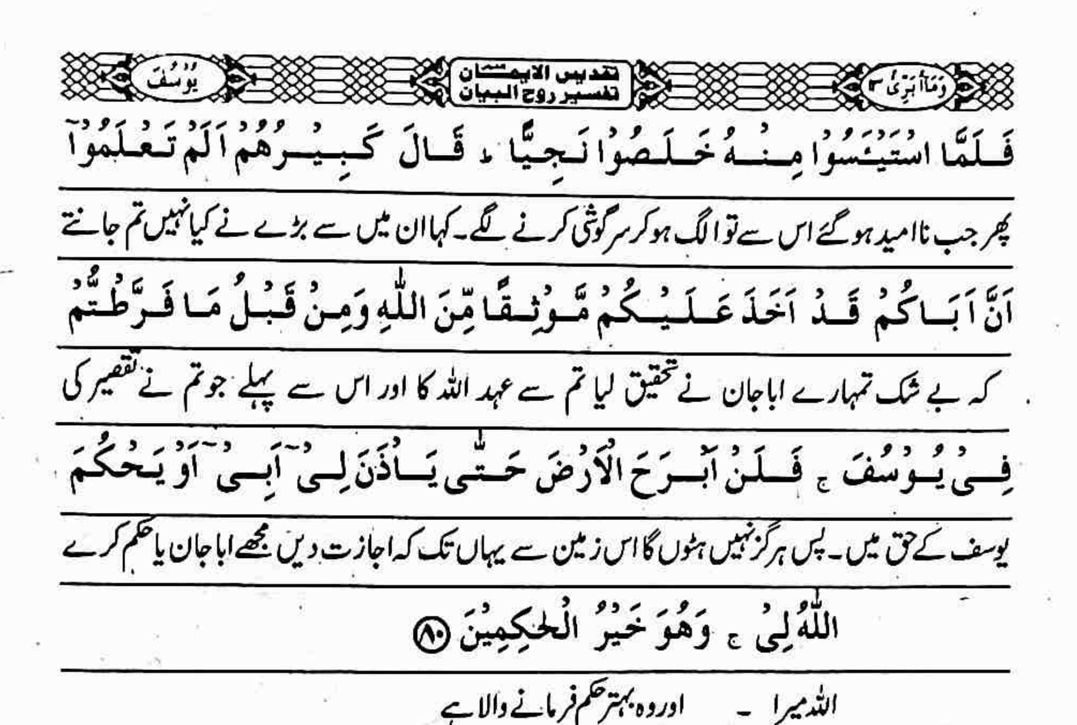
مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

جس کے پاس بے شک ہم تو پھر ظالم ہوئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) یعنی یوسف کو والد صاحب سے دھوکہ کے ساتھ جدا کر کے لے گئے۔ وہ تو یاد نہیں۔ الٹا مجھ پر افتراء باندھ رہے ہو۔ بہر حال اس کے بعد آپ نے اتنا ہی کہا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو پوری طرح جانتا ہے۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ اس لئے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ وہ سراسر غلط اور افتراء ہے کیونکہ نہ ہم نے کبھی چوری کی جو تم ہم پر جھوٹا افتراء باندھ رہے ہو۔ نہ کبھی اور کوئی ایسا گھٹیا کام کیا ہے۔ ان سب باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہی حقائق کو خوب جانتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ جس طرح تم میرے بھائی بنیامین پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔ اسی طرح میرے متعلق بھی الزام جھوٹا ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) برادران یوسف نے جب دیکھا کہ اب تو بھائی کو چھڑانا مشکل ہو گیا ہے۔ یہاں کوئی حربہ نہیں چل سکتا تو اب عاجزی سے کہا کہ اے عزیز مصر بے شک اس لڑکے کا باپ بہت بوڑھا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے فراق کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کے بھائی یوسف کے فوت ہو جانے کے بعد یہی اس کا سہارا ہے۔ برائے مہربانی ہم میں سے کسی ایک کو اس کے بدلے میں بطور رہن رکھ لیں۔ یا اسکو اپنا غلام بنا لیں۔ بے شک ہم نے آپ کو بہت بڑا احسان کرنے والا پایا ہے کہ ہماری ہر دفعہ خوب مہمانیاں کیں۔ مفت میں غلہ دیا وغیرہ جہاں اور اتنے احسان کئے وہاں یہ احسان بھی کر دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

(آیت نمبر ۷۹) آپ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ۔ ہم تو اسی کو گرفتار کریں گے جس کے سامان میں ہمارا پیالا پایا گیا ہے اور یہ فتویٰ بھی تم نے ہی دیا ہے۔ اب ہم تمہارے فتوے کے خلاف اگر عمل کریں پھر تو ہم ظالم ہوئے۔ یعنی جو شخص ہمارا چور نہیں۔ اسے گرفتار کریں تو تمہارے ہی مذہب کے مطابق ظالموں سے ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں نے بنیامین کو وحی کے مطابق بر بنائے مصلحت ٹھہرایا۔ اب اگر اس کے خلاف میں کروں پھر تو میں ظالموں سے ہوں گا۔



فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا

پھر جب ناامید ہو گئے اس سے تو الگ ہو کر سرگوشی کرنے لگے۔ کہا ان میں سے بڑے نے کیا نہیں تم جانتے

اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ

کہ بے شک تمہارے اباجان نے تحقیق لیا تم سے عہد اللہ کا اور اس سے پہلے جو تم نے تقصیر کی

فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ

یوسف کے حق میں۔ پس ہرگز نہیں ہٹوں گا اس زمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں مجھے اباجان یا حکم کرے

اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اللہ میرا ۔ اور وہ بہتر حکم فرمانے والا ہے

(آیت نمبر ۸۰) پھر جب وہ ہر طرح سے مایوس ہو گئے کہ کوئی حیلہ نہ چل سکا اور یقین ہو گیا کہ بنیامین کو واپس لے جانے کی ہرگز اجازت نہیں ملے گی تو علیحدہ بیٹھ کر سرگوشی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اب والد ماجد کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اب وہ ہمارے متعلق کیا گمان کریں گے تو ان میں جو بڑے تھے۔ روبیل یا یہودا۔ بعض نے اس سے مراد شمعون لیا ہے۔ جو ان میں سردار تھا۔ بہر حال ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اباجان نے تم سے پکا اور مضبوط عہد لیا ہے اور تم نے اللہ کی قسم بھی کھائی تھی اور یہ بھی یاد کرو کہ تم نے اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے بارے میں بھی کوتاہی کی تھی اور تم نے اس وقت بھی اپنے والد گرامی سے کئے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کی۔ حالانکہ تم نے والد ماجد کو کتنا یقین دلایا تھا کبھی کہا "لناصحون" کبھی کہا "لحافظون" اس کے باوجود واقعی ہم یوسف کے معاملے میں مخلص نہ تھے۔ اس وقت ہم والد صاحب سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرتے تو اب ہمارے ساتھ یہ بات نہ ہوتی۔

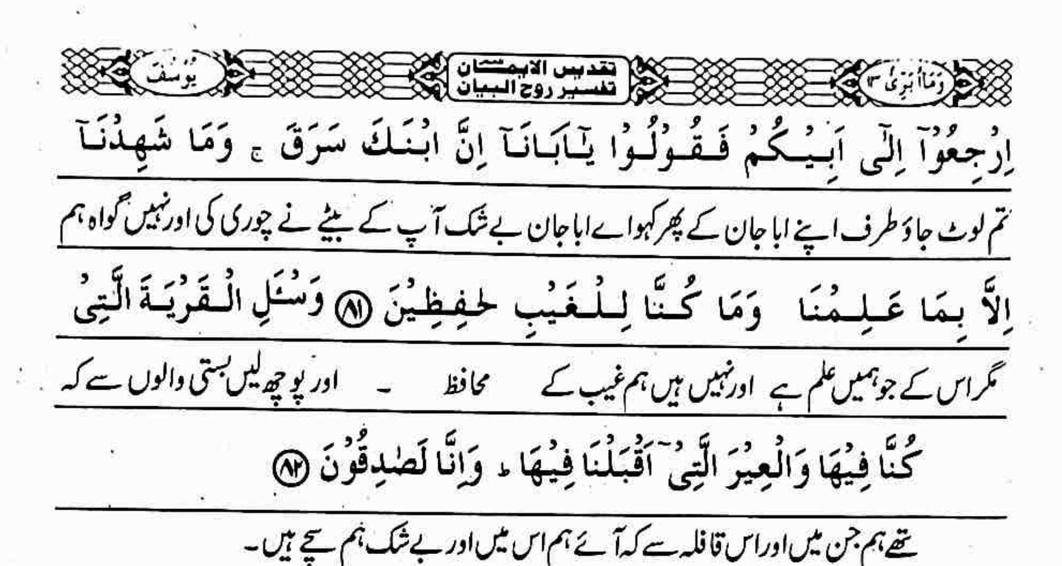
ایک ولیہ کی کرامت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھی۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا جو کسی استاد کے پاس پڑھنے جاتا تھا ایک دن استاد نے اسے چکی پر کسی کام سے بھیجا۔ راستے میں ایک جگہ وہ پانی میں ڈوب گیا۔ استاد نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا چلو۔ اس کی ماں کو اطلاع دیں۔ اس کی تعزیت بھی کرتے

ہیں۔ جب استاد اس خاتون کے پاس پہنچے تو پہلے اس خاتون کو صبر کی تلقین کی۔ پھر تلقین ورضا کا درس دیا تو بی بی نے کہا آپ نے یہ اتنی لمبی تقریر کس لئے کی۔ تو سری سقطی نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ تیرا بیٹا فلاں نہر میں ڈوب گیا ہے۔ نیک خاتون نے پوچھا کیا میرا بیٹا ڈوب کر مر گیا۔ فرمایا ہاں تیرا ہی بیٹا۔ سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اسے صبر کی تلقین کی لیکن خاتون نے کہا میرے بیٹے سے ایسا ہو نہیں سکتا۔ میرا رب میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرتا۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پھر صبر کی تلقین کی اور فرمایا بی بی اب صبر کر۔ اور رضاء الٰہی کے آگے سر جھکا دے تو اس نیک خاتون نے کہا کہ مجھے موقع پر لے چلیں۔ جب حضرت سری سقطی اور وہ خاتون اور باقی لوگ وہاں نہر پر پہنچے تو خاتون نے پوچھا کہ بتاؤ۔ میرا بیٹا کس جگہ ڈوبا ہے۔ جب اس جگہ کی نشان دہی کی گئی تو اس خاتون نے آواز دی۔ اے بیٹا محمد (اس لڑکے کا نام محمد تھا) تو لڑکے نے نہر کے اندر سے جواب دیا (لبیک امی) اے امی میں حاضر ہوں۔ خاتون نے جوں ہی بیٹے کی آواز سنی تو وہ نہر کے اندر چلی گئی۔ جا کر بیٹے کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا اور اسے باہر لے کر آ گئی تو وہ زندہ صحیح سلامت تھا۔ پھر وہ اسے اپنے گھر لے گئی۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے یہ واقعہ اپنے پیر ومرشد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خاتون نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ اسے اپنے متعلق ہر معاملہ سے باخبر رکھا جائے چونکہ اس معاملہ کی اسے خبر نہیں دی گئی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اسی معاہدے پر بچے کو زندہ کر دیا۔ (یہ واقعہ افاضات یومیہ میں بھی ہے)

بہر حال بڑے بھائی نے باقی بھائیوں سے کہا کہ میں تو اب مصر کی زمین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ ابا جان مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں واپس شام میں لوٹ کر ان کے پاس جاؤں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ان کا شام میں واپس لوٹ کے جانا بھی جناب یعقوب علیہ السلام کی اجازت پر موقوف تھا کہ جب اور جس کو وہ اجازت دیں۔ وہی جا سکتا تھا تو کہا یا تو ابا جان ہی اجازت دیں یا پھر اللہ تعالیٰ ہی میرے متعلق کوئی فیصلہ صادر فرما دے کہ میں شام کی طرف جاؤں تو اس سے نقض معاہدہ کا الزام مجھ پر نہیں آئے گا اور یا پھر کسی طرح بنیامین کے چھٹکارے کی کوئی صورت نکل آئے اور وہی اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ عدل وانصاف کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں فرماتا۔

فائدہ: امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کرنے میں کوئی مداہنت اور باطل کی طرف میل نہیں کرتا یعنی اس کا ہر فیصلہ برحق ہوتا ہے۔



اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ج وَمَا شَهِدْنَآ

تم لوٹ جاؤ طرف اپنے ابا جان کے پھر کہو اے ابا جان بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور نہیں گواہ ہم

اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ

مگر اس کے جو ہمیں علم ہے اور نہیں ہیں ہم غیب کے محافظ ۔ اور پوچھ لیں بستی والوں سے کہ

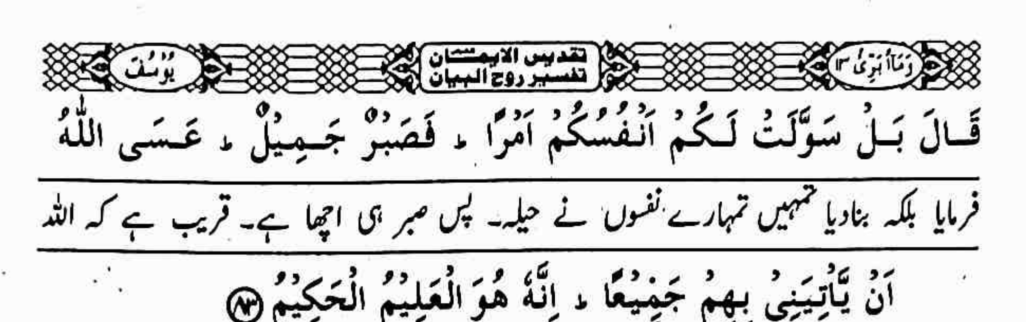
کُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ط وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

تھے ہم جن میں اور اس قافلہ سے کہ آئے ہم اس میں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۱) تم ابا جان کے پاس چلے جاؤ اور جا کر بتاؤ کہ ابا جان آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے واقعی چوری کی ہے اس لئے کہ ہم اس کی چوری کے وقت وہاں پر موجود نہیں تھے۔ مگر ہمیں جو معلوم ہوا وہ یہی ہے کہ اس نے شاہی پیالہ چرایا ہے۔ جو اس کے سامان سے نکلا ہے۔ جسے ہم نے سامان سے نکلتے وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور غیب کے معاملے میں جو ہم سے پوشیدہ ہے اس کے ہم نگہبان نہیں ہیں۔ یعنی ہمیں اس معاملے کی حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے۔ یعنی ہمیں کوئی پتہ نہیں کہ پیالہ بنیامین نے رکھا ہے۔ یا کسی اور نے رکھ دیا ہے اور اسے چور ٹھہرایا ہے۔

(آیت نمبر ۸۲) چونکہ اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کی وجہ سے وہ متہم ہو چکے تھے۔ اس لئے بڑے بھائی نے باقیوں کو سمجھایا کہ تم والد گرامی سے کہنا کہ آپ آدمی بھیج کر مصر والوں سے پتہ کرالیں کہ حقیقت حال کیا ہے تا کہ ہماری صداقت واضح ہو جائے۔ یا اس قافلہ والوں سے پوچھ لیں۔ جو ہمارے ساتھ مصر سے آئے ہیں اناج لے کر۔ یعنی جو لوگ کنعان کے گرد ونواح میں رہتے ہیں اور ہمارے ساتھ گئے اور آئے ہیں۔ ان سے پوچھ لیں۔

آگے کہا کہ بے شک ہم سچے ہیں۔ یعنی جو کچھ ہم نے کہا ہے اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ بھائیوں کو یہ تمام باتیں بتانے کے بعد وہ بھی واپس یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ اب میرے پاس کیوں آگئے تو اس نے کہا میرے بھائی کو غلام بنالیا ہے تو مجھے بھی غلام بنالیں۔ حسب دستور ہم پر احسان اور کرم فرمائیں۔ میں بھی یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں۔



قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ

فرمایا بلکہ بنادیا تمہیں تمہارے نفسوں نے حیلہ۔ پس صبر ہی اچھا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ

اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

لے آئے ان سب کو ۔ بے شک وہ ہی علم والا حکمت والا ہے۔

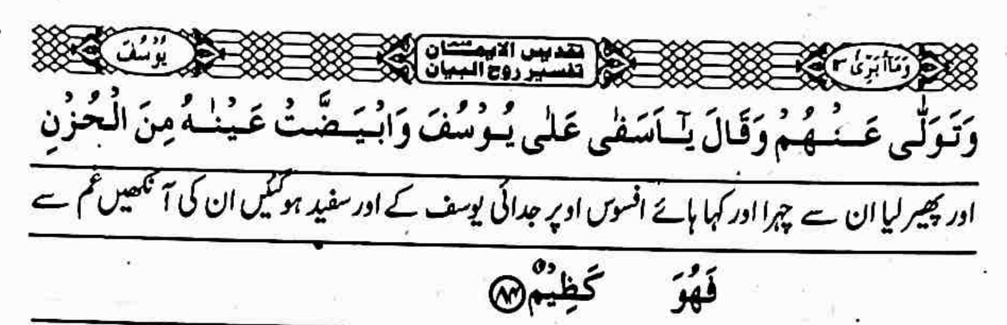
(آیت نمبر۸۳) بنیامین کے بارے میں ساری گفتگو سننے کے بعد جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ بلکہ تمہارے دلوں نے اب بھی بات بنالی ہوگی۔ جس طرح تم یوسف کیلئے بات بنالی۔

فائدہ: یہ سابقہ مضمون سے اعراض ہے۔ بھائیوں نے کہا ہم بنیامین کے معاملے میں بالکل بری ہیں۔ بنیامین کے ساتھ مصر میں جو بھی ہوا۔ اس میں ہمارا عملاً قولاً کوئی بھی دخل نہیں تھا۔ تو اس پر گویا یعقوب علیہ السلام نے اعراض کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ یہ بات اصل میں اس طرح ہے کہ تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے یہ بات اچھی بنادی۔ یعنی بادشاہ نے دوامور تمہارے سامنے رکھے۔ ان میں سے جو تمہیں پسند تھا۔ وہ تم نے کرلیا۔ یعنی (چور کی سزا غلام بنانے کا اگر فتویٰ تم نہ سناتے تو وہ بنیامین کو گرفتار نہ کرتے۔ بادشاہ مصر کو کیا پتہ تھا کہ ہماری شریعت میں چور کیلئے یہ سزا ہے۔ لہٰذا نہ تم فتویٰ دیتے نہ بادشاہ اسے گرفتار کرتا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نگاہ نبوت سے سمجھ گئے کہ بات چوری کی نہیں۔ اصل بات کچھ اور ہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک جھوٹ پر ہزار سچ بھی بول دیا جائے۔ وہ جھوٹ کا اثر ختم نہیں ہوتا۔ برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں جو جھوٹ بولا تھا۔ اب بنیامین کے بارے میں سچ کہہ رہے ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام نے فرمادیا کہ یہ تمہارے نفسوں کی بنائی ہوئی بات ہے لیکن اب صبر ہی بہتر اور اچھا ہے۔

فائدہ: صبر جمیل یہ ہے کہ انسان اپنی تکلیف کا ذکر بندوں سے نہ کرے۔

آگے فرمایا کہ شاید ان سب کو اللہ تعالیٰ میرے پاس لے آئے۔ یعنی یوسف علیہ السلام بنیامین اور تیسرا جو بنیامین کی وجہ سے مصر میں رہ گیا تھا اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کے علم میں ہے کہ ابھی یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ یا ان کا دل یہ گواہی دے رہا تھا۔ کہ ابھی یوسف زندہ ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک وہ ہمارے حزن وملال کو جاننے والا حکمت والا ہے یعنی اس میں بھی اس کی کوئی حکمت ہوگی۔ یا مراد ہے کہ اس چوری وغیرہ کے واقعہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔



(آیت نمبر ۸۴) اور جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے ناپسندیدہ بات سنی تو ان سے منہ پھرا کر دوسری جانب کرلیا اور فرمایا۔ ہائے افسوس اور حسرت ہے۔ اے یوسف تو آ جا۔ اب تیرے آنے کا وقت ہے۔

فائدہ: یہاں یہ بات عجیب معلوم ہو رہی ہے کہ تازہ زخم تو بنیامین اور اس کے بڑے بھائی کی جدائی کا ہے۔ ان کا نام تک نہیں لیا اور یوسف کو یاد کیا۔ کہ اے یوسف تیری جدائی پر افسوس۔

اس میں نمبر ۱: بات یہ ہے کہ بڑا صدمہ یوسف کی جدائی کا تھا۔ اس لئے نئے درد کے وقت پرانا درد پھر تازہ ہو گیا۔ اس لئے ان کا نام لیا۔ نمبر ۲: یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام مصائب کا اصل سبب یوسف علیہ السلام ہیں۔ نہ ان سے پیار ہوتا۔ نہ یوں روز تازہ صدمے ملتے۔

فائدہ: غالباً یوسف علیہ السلام کو ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے والد گرامی کو اطلاع دینے کی اجازت نہیں ملی ہو گی۔ اس لئے مطلع نہیں کیا ہوگا۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان کا معاملہ ہے۔ وہ جانیں اور خدا جانے۔

آگے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں جناب یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بھی سفید ہو گئیں۔ ایک طبی اصول ہے کہ آنکھوں سے زیادہ آنسو نکل جائیں تو آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکالیف و مصائب کے وقت افسوس کرنا اور طبعی طور پر رونا جائز ہے۔ اس لئے کہ اضطراری آنسو رک نہیں سکتے۔ نہ اس رونے سے شرع نے روکا ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کسی کی جدائی میں رونا رحمت ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ یہ دکھ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اور یوسف علیہ السلام کی محبت میں اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ

بولے قسم بہ خدا ہمیشہ آپ یاد کرتے ہیں یوسف کو یہاں تک ہو جائیں گے گور کنارے یا ہو جائیں گے

مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ

گذر جانے والوں سے ۔فرمایا سوائے اس کے نہیں میں فریاد کرتا ہوں غم اور پریشانی کی اللہ سے اور میں جانتا ہوں

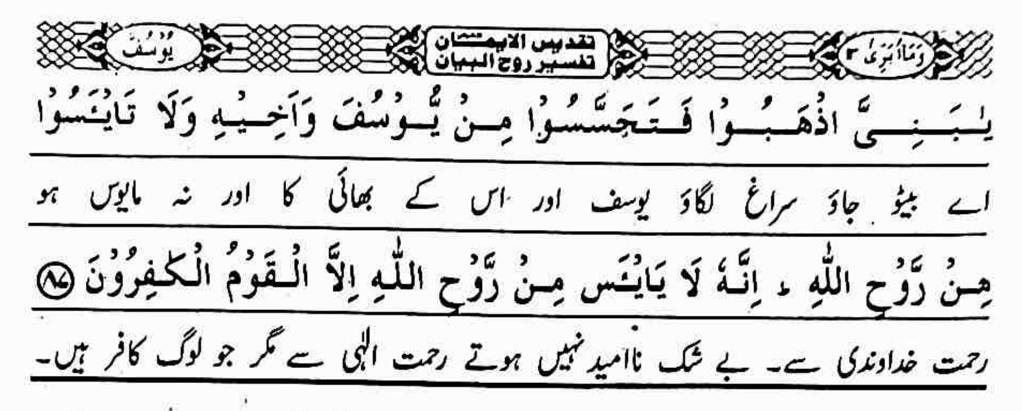
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اللہ کی طرف جو نہیں تم جانتے۔

(آیت نمبر ۸۵) بیٹوں نے کہا خدا کی قسم اے اباجان آپ یوسف کو ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ قریب الموت مریض ہوتے جارہے ہیں۔یا آپ جان سے ہی فارغ ہونے والے ہیں (ان کی مراد یہ ہے کہ موت واقع ہو سکتی ہے۔لہٰذا آپ یوسف کو زیادہ یاد کرنا چھوڑ دیں)۔

(آیت نمبر ۸۶) جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی انتہائی سخت پریشانی جس پر صبر نہ ہو سکے اس کا اظہار تم سے نہیں کر رہا اور نہ کسی اور سے کر رہا ہوں کہ مجھے تسلیاں دی جائیں بلکہ میں تو اپنے غم اور پریشانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور التجا اور اس کے دروازے پر عاجزی اور زاری سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے غم اور پریشانی کو دور فرمائے۔اور میرا یوسف مجھے ملا دے۔دیگر بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے۔کہ وہ تکالیف میں اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے۔

آگے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور مجھے امید ہے کہ وہ ضرور مجھ پر اپنا لطف و کرم فرمائے گا اور مجھے بے مراد نہیں چھوڑے گا اور میں وحی والہام سے جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہے تمہیں اس کا علم نہیں ہے۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کو بے علم کہنا جہالت ہے۔



(آیت نمبر ۸۷) اے میرے بیٹو۔ جاؤ مصر میں یوسف اور اس کے بھائی کو دیکھو تیسرے کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے مصر میں رہ گئے تھے اور وہ قدرے سمجھدار بھی تھا۔ اس لئے اس کی کوئی فکر نہیں کی۔

فائدہ: صاحبزادوں نے عرض کی کہ بنیامین کی تلاش تو کریں گے اور وہ مل بھی جائیں گے لیکن یوسف کو تلاش کرنا تو بیکار ہے۔ اس لئے کہ اسے تو بھیڑیا کھا گیا۔ اتنا زمانہ بھی گذر گیا۔ اب وہ کیسے مل سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ رَوح اللہ کو رُوح بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی وہ رحمت جو بندوں کو زندگی میں نصیب ہو۔ یہ کلام بتاتی ہے۔ کہ جناب یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے جانتے ہیں۔

آگے فرمایا بے شک رحمت الٰہی سے مومن پر امید ہوتا ہے صرف کفار ہی رحمت خداوندی سے ناامید ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانیں نہ صفات کو۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں سے فرمایا کہ یوسف کو خوب اچھی طرح تلاش کرو۔ ہر گلی کوچہ چھان مارو۔ اس کی تلاش میں سستی نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید بھی نہ ہو۔ ایسے تلاش کرو۔ جیسے کوئی بندہ گمشدہ چیز کو تلاش کرتا ہے۔ جدھر سے اس کی خوشبو سونگھو ادھر ہی دوڑو اور لوگوں سے پوچھو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا آخرت کے دکھ درد ٹالتا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ

پھر جب پہنچے یوسف علیہ السلام کے پاس تو کہا اے عزیز پہنچی ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ

اور لائے ہم پونجی بے قدر۔ تو پورا دیں ہمیں ماپ اور خیرات کریں ہم پر۔

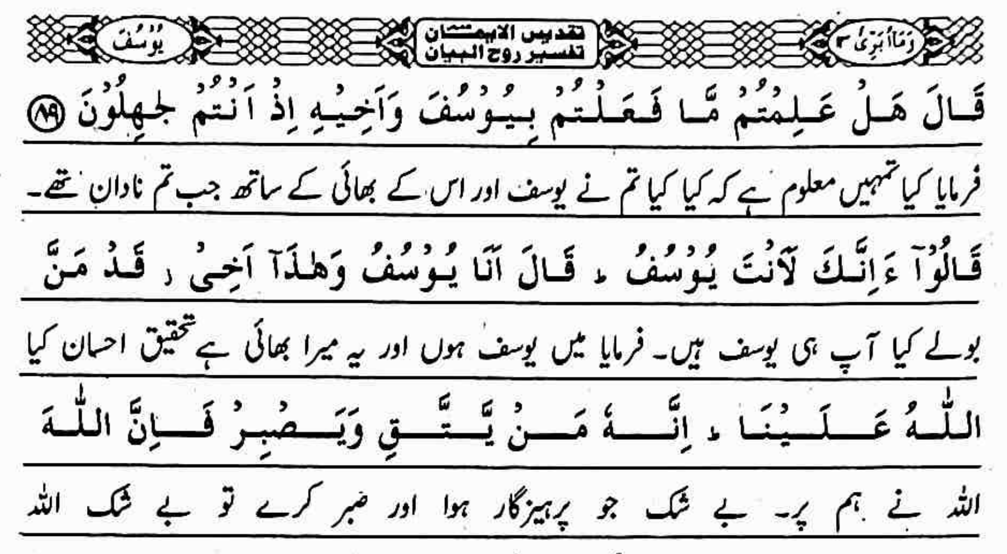
اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

بے شک اللہ اچھا بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔

(آیت نمبر ۸۸) اب یعقوب علیہ السلام نے بقیہ اولاد کو پھر مصر کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک خط عزیز مصر کے نام کا لکھ دیا کہ یہ عزیز مصر کو دینا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ یہ خط یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی طرف سے عزیز مصر کی طرف۔ امابعد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے خاندان پر آزمائشیں آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ اور اسحاق علیہ السلام کو بھی امتحان آئے۔ پھر ہمارے گھر میں یوسف کی گمشدگی کی آزمائش ہوئی۔ جس کے فراق میں میری نظریں ختم ہوگئیں۔ جسم میں اب ہمت نہ رہی۔ اب پھر میرے لاڈلے بنیامین کے امتحان میں مجھے ڈالا گیا۔ ہمارا گھرانہ چوری سے پاک ہے۔ بہتر ہوگا میرا بیٹا جلد واپس بھیج دیں ورنہ بددعا کردونگا۔ جس کا اثر پشتوں تک جائیگا۔

فائدہ: آپ کے صاحبزادگان یہ خط اور کچھ پونجی لے کر مصر میں پہنچ گئے۔ پہلے اس بھائی سے ملے جو مصر میں رہ گیا تھا۔ پھر سب مل کر یوسف علیہ السلام کو ملنے آگئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو پھر جب یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو اس دفعہ بہت تکلیف ہوئی اور اب ہم معمولی سی پونجی لائے ہیں۔ جسے دیکھ کر آپ جیسا عظیم بادشاہ قبول بھی نہ کرے۔ جبکہ ہم خود لانے والوں کو بھی شرمندگی ہو رہی ہے۔ لیکن براہ کرم غلہ ہمیں پورا پورا دینا۔ یعنی ہماری پونجی کو نہ دیکھنا۔ بلکہ اپنی شخصیت کے مطابق احسان فرمانا۔ ہماری پونجی سے چشم پوشی کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ احسان وکرم کرنے والوں کو بہت اچھی جزا دیتا ہے اور نوازتا ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی دردبھری باتیں سنیں اور ان کے عجز و نیاز کو دیکھا تو دل پر سخت اثر پڑا۔ امام کاشفی فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کا خط پڑھا اور بے ساختہ رونا آگیا۔



قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾

فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ

بولے کیا آپ ہی یوسف ہیں۔ فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے تحقیق احسان کیا

اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے ہم پر۔ بے شک جو پرہیزگار ہوا اور صبر کرے تو بے شک اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾

نہیں ضائع کرتا اجر نیک لوگوں کا۔

(آیت نمبر ۸۹) تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے جو کچھ یوسف کے ساتھ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا۔ جب کہ تم لاعلم تھے۔ یعنی تمہیں ہمارے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔

فائدہ: یہ کلمات نہایت مشفقانہ انداز میں کہے۔ اس سے ان کو عتاب کرنا یا رسوا کرنا مقصود نہ تھا۔ یہی تو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۰) کاشفی فرماتے ہیں کہ گفتگو کے دوران انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ لیا تو پوچھنے لگے کہ کیا تم ہی یوسف ہو کیونکہ ایسا حسن و جمال صرف یوسف کا ہی ہو سکتا ہے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ مزید انہیں یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا تم نے مجھے سب سے جدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ملا دیا۔ تم نے ذلیل و خوار کر کے کنویں میں گرایا۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرما کے تخت پر بٹھایا۔ بے شک یہ پکی بات ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے ہر حال میں اپنے نفس کو ان باتوں سے بچائے جن سے اللہ تعالیٰ غیظ و غضب میں ہوتا ہے اور تکلیفوں اور مشقتوں پر صبر کرتا ہے۔ جیسے میں نے اہل و عیال کی جدائی وطن سے دوری۔ قید و بند کی صعوبتیں۔ اور طاعات کی مشقتیں صبر سے برداشت کیں۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

فائدہ: جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو تخت پر شان و شوکت کے ساتھ دیکھا تو ان کے دل نے چاہا کہ یوسف کے قدموں پر گر پڑیں لیکن یوسف علیہ السلام نے خود ہی اتر کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

بولے قسم بہ خدا تحقیق آپ کو فضیلت دی اللہ نے ہم پر اور بے شک تھے ہم خطاوار ۔ فرمایا نہیں ہے

تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

ملامت تم پر آج۔ معاف کریگا اللہ تمہیں اور وہ بڑا مہربان ہے سب مہربانوں پر۔

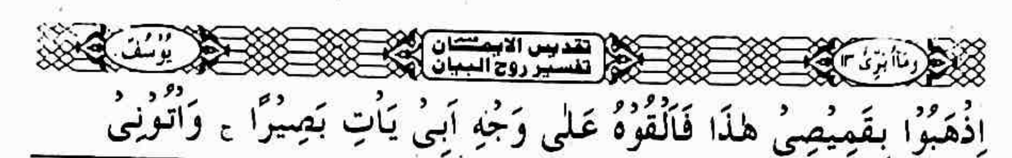
(آیت نمبر ۹۱) بھائیوں نے کہا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جاہ وجلال اور جمال وکمال سے فضیلت بخشی اور بے شک ہم خطا پر تھے۔ یعنی ہم نے جو کچھ آپ سے کیا وہ عمداً کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر عزت دی اور ہمیں اس کے بدلے میں ذلت وخواری دی۔ اس لئے آگے سے یوسف علیہ السلام نے فوراً فرمایا۔

(آیت نمبر ۹۲) آج یعنی اب تم پر کوئی بھی ملامت نہیں اور نہ ہی تمہاری خطا کو اب تمہارے سامنے ذکر کروں گا۔ یعنی آج میں تمہاری ایک ایک خطا پر تمہیں سزا دے کر ذلیل کر سکتا تھا۔ یہ تمہاری ملامت اور رسوائی کا دن تھا۔ لیکن میں نے سب کو معاف کر دیا۔ اب میری طرف سے تمہیں کوئی ذلت اور رسوائی نہ ہوگی بلکہ اس کے بعد کبھی بھی یہ بات نہیں دھرائی جائے گی۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے

فائدہ : یوسف علیہ السلام کے معاف کرنے سے حقوق العباد معاف ہوئے اور جب انہوں نے توبہ کی تو حقوق اللہ بھی معاف ہوگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف فرماتا ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ پھر سب بھائی بمعہ یوسف علیہ السلام صبح وشام اکٹھے مل کر کھانا کھاتے تھے۔ بھائی کہتے تھے ہم نے تیرے ساتھ کیا کیا اور تم ہمارے ساتھ کتنا لطف وکرم کر رہے ہو۔ فرمایا۔ ٹھیک ہے میں مصر کا بادشاہ بن گیا ہوں لیکن لوگوں کی نظروں میں وہی ہوں جو چند ٹکوں میں بک کر آیا تھا لیکن اب لوگوں کو پتہ چلا ہے کہ اولاد ابراہیم کا مقام کیا ہے۔

اعلان فتح مکہ: حضور ﷺ بھی اپنے خاندان والوں کے ہاتھوں مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے پھر جب آٹھویں ہجری میں فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس دن حضور ﷺ نے فرمایا آج میں سب سے بدلہ لے سکنے کے باوجود سب کو معاف کرتا ہوں۔ آج میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کلمات کہے: "لاتثریب علیکم الیوم" آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ آگے فرمایا وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا مہربان ہے۔



اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج وَاْتُوْنِيْ

لے جاؤ کرتہ میرا یہ پھر ڈالو اسے اوپر چہرے میرے والد کے تو آ جائیگی بینائی۔ اور لے آؤ میرے پاس

بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ع ﴿۹۳﴾

گھر کے تمام لوگ۔

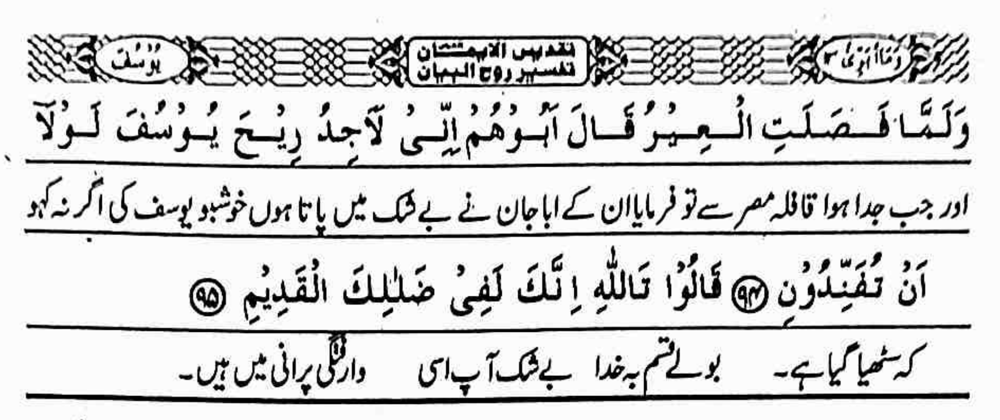
(بقیہ آیت نمبر۹۲) **فائدہ** : یعنی جہان میں رحم کرنے والے بہت ہیں خصوصاً انبیاء، اولیاء اور علماء یہ بھی مخلوق پر رحم کرتے ہیں۔ مگر ان کا رحم اللہ تعالیٰ کے رحم کا ایک جزء ہے اور اللہ تعالیٰ رحمت کل ہے۔ وہ ایک آہ سے سارے جہاں کے گناہ جلا دیتا ہے اور ایک آنسو سے سیاہ دل کی جملہ سیاہی دھو دیتا ہے۔ عاجز کو شاہی دے دیتا ہے اور دھتکارے ہوئے کو بخش دیتا ہے۔ اسی لئے رحیم ہر کوئی ہو سکتا ہے۔ مگر رحمان ہونا صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(آیت نمبر۹۳) یوسف علیہ السلام بھائیوں سے مل کر جب بیٹھے اور گھر کے حالات پر گفتگو کی تو بھائیوں نے بتایا کہ آپ کی جدائی میں ابا جان کی بینائی جاتی رہی۔ تو آپ نے فرمایا یہ میری قمیص لے جاؤ۔

فائدہ : یہ وہی قمیص ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام سے وراثۃً آ رہی تھی جو انہیں نار نمرود کے وقت پہنائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی عطا کی وہی قمیص یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں گرتے وقت جبریل امین نے پہنائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بلا سے محفوظ رکھا۔ اس سے جنت کی خوشبو آتی تھی۔ اور اس کی بہت زیادہ تاثیرات تھیں۔ مختصر یہ کہ ہر بیماری اور ہر تکلیف کیلئے دافع البلاء والوباء تھی۔ تو فرمایا یہ قمیص لے جاؤ اور اسے ابا جان کے چہرے پر ڈالو تو ان کی بینائی اور آنکھوں کی روشنائی لوٹ آئے گی اور تمام اہل وعیال کے ساتھ تم سب آ جاؤ۔ مرد عورتیں غلام سب آ جاؤ۔

فائدہ : مروی ہے کہ یہودا نے کہا کہ یہ قمیص میں لے کر جاؤنگا کیونکہ خون آلود قمیص بھی میں ہی لے کر آیا تھا۔ ابا جان کو غمزدہ بھی میں نے ہی کیا تھا۔ اسی طرح اب قمیص لے جا کر ابا جان کو خوش بھی میں ہی کروں گا۔ اپنے ساتھ سات روٹیاں زاد راہ لیں اور دوڑ پڑا اور خوشی کے ساتھ پیراہن لے کر گھر کی طرف پیدل ہی دوڑ پڑا۔ اس خوشی میں وہ روٹیاں کھانا بھی بھول گیا اور دو سو چوراسی میل کا سفر دوڑتے دوڑتے ہی طے کیا۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے سارے خاندان کے مصر آنے کیلئے سواریاں بھی مہیا کر دیں تاکہ آرام کے ساتھ سفر طے ہو جائے۔



وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ

اور جب جدا ہوا قافلہ مصر سے تو فرمایا ان کے ابا جان نے بے شک میں پاتا ہوں خوشبو یوسف کی اگر نہ کہو

اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

کہ سٹھیا گیا ہے۔ بولے قسم بہ خدا بے شک آپ اسی وارفتگی پرانی میں ہیں۔

(آیت نمبر ۹۴) اور جب قافلہ شہر سے سے باہر نکل گیا۔ یعنی مصر سے باہر آ گیا۔ اس وقت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان میں تشریف فرما تھے۔ ان سے فرمایا کہ بے شک میں آج یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔

نکتہ: آزمائش کا دور ختم ہوا تو یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو دو سو چالیس میل کے فیصلہ سے آ گئی اور آزمائش کا دور شروع ہوا تو چند میلوں پر کنعان کے کنویں سے یوسف کی اطلاع نہ مل سکی۔ یہ اصول ہے کہ آزمائش کے وقت ہر آسان کام مشکل ہو جاتا ہے اور آسانی کے زمانہ میں مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ صباء نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ مجھے اجازت ہو تو میں مبشر سے پہلے یعقوب علیہ السلام کو مژدہ سنا دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی اور وہ خوشبو خوش خبری سنانے والے سے پہلے جا پہنچی۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو جنت کی خوشبو آئی۔ آپ نے یقین کر لیا یہ خوشبو دنیوی نہیں ہے اور دنیا میں ایسی خوشبو ہو ہی نہیں سکتی۔ ہو نہ ہو یہ یوسف کی قمیص ہے۔ جس سے خوشبو آ رہی ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر تم مجھے کم عقل نہ سمجھو۔ یاد رہے جنون، بے عقلی، کم عقلی، نقص رائے یہ چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام پر بالکل طاری نہیں ہوتیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میں یوسف کو یاد ویسے ہی کرتا تھا۔ آج اس کی خوشبو آئی ہے۔ اس لئے یاد کیا۔

(آیت نمبر ۹۵) حاضرین نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے کہا چونکہ آپ کو یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت تھی اور آپ ہمہ وقت ان کی ہی محبت میں گم سم رہتے ہیں۔ آپ کی سوچ میں ہی یہ بات ہے کہ یوسف زندہ ہے وہ ابھی آ رہا ہے۔ حالانکہ اسے فوت ہوئے بھی چالیس سال گذر گئے ہیں۔ **فائدہ**: یعقوب علیہ السلام کے سوا اکثر لوگوں کے خیال میں یہی تھا کہ یوسف فوت ہو چکے ہیں۔ اکثر خاندان کا خیال یہی تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ بات کی کہ آپ کو محبت یوسف کی ہوا لگی ہے۔ لیکن وہ پیغمبرانہ اپروچ کو سمجھتے نہیں تھے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰـهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

پھر جب کہ آیا خوشی سنانے والا ڈالا کرتے کو اوپر ان کے چہرے کے تو لوٹ آئی بینائی۔ فرمایا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۙ ۚ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

کیا نہیں میں نے کہا تمہیں بے شک میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو نہیں تم جانتے۔ بولے اے ابا جان

اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾

معافی مانگئے ہمارے گناہوں کی بے شک تھے ہم خطاوار۔

(آیت نمبر ۹۶) تو جب خوشخبری سنانے والا یعنی یہودا یعقوب علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آتے ہی قمیص ابا جان کے منہ پر ڈالی تو یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی اور آنکھیں روشن ہو گئیں اور قوت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکے تھے۔ اب سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تو جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علوم نبوۃ کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔

فائدہ: یعنی میں نے تمہیں مصر جاتے وقت کہا تھا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جناب یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری سنانے والے سے پوچھا کہ یوسف کس حال میں تھے۔ اس نے عرض کی کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں بادشاہی کو کیا کروں۔ مجھے یہ بتاؤ وہ کس دین پر ہے۔ اس نے کہا وہ دین اسلام پر قائم ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے الحمد للہ کہہ کر فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل ہوئی۔

(آیت نمبر ۹۷) سب بیٹوں نے اباجی سے عرض کی۔ آپ ہمارے لئے رب تعالیٰ سے بخشش مانگیں بے شک ہم خطا کار ہیں۔ یعنی ہم جان بوجھ کر غلطی کے مرتکب ہوئے کہ ہم نے یوسف پر بھی ظلم و ستم کئے اور اسے کنویں میں گرایا اور بنیامین پر بھی ظلم کئے اور ہم آپ کے بھی مجرم ہوئے کہ آپ کو ان سے اتنا زمانہ جدا رکھا اور ناراض کیا۔ اب اگر آپ نے ہمارے لئے بخشش کی دعا نہ کی تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُلَكُمْ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا

فرمایا جلد میں بخشش مانگوں گا تمہاری اپنے رب سے۔ بے شک وہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ پھر جب

دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ

پہنچے پاس یوسف کے تو اس نے رکھا اپنے پاس ماں باپ کو اور کہا داخل ہوجاؤ مصر میں

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ؕ ﴿۹۹﴾

ان شاءاللہ امن والے۔

(آیت نمبر ۹۸) جناب یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو تسلی دی اور صاحبزادوں سے وعدہ فرمایا کہ عنقریب میں تمہارے لئے ضرور دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرمادے گا۔

فائدہ: شعبی فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ ہم جب یوسف علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو میں اس سے پوچھوں گا۔ اگر اس نے معاف کردیا۔ تو پھر میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کروں گا۔ کیونکہ تم نے اس پر ظلم کیا ہے اور مظلوم کا معاف کرنا پہلے ضروری ہے۔

فائدہ: چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس دن اتفاق سے عاشورہ (دسویں محرم) کا دن تھا تو سحری کے وقت آپ نے دعا مانگی یا اللہ صبر کی کمی کی وجہ سے میرا جزع فزع معاف فرما۔ مجھ سے اور میری اولاد سے جو جو خطا ہوئی اسے بھی معاف فرما۔ پیچھے یوسف علیہ السلام بیٹھے آمین آمین کہتے رہے۔ ان کے پیچھے باقی سارے بھائی بھی بڑی عاجزی اور زاری سے آمین کہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے یعقوب ہم نے تمہیں معاف کردیا۔

آگے فرمایا کہ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر ۹۹) یوسف علیہ السلام کا پیغام ملتے ہی یعقوب علیہ السلام نے مصر جانے کی تیاری شروع فرمادی۔ یوسف علیہ السلام نے تقریباً دوسو سواریاں بھیجیں تا کہ تمام اہل وعیال نوکر چاکر اور غلام لونڈیاں سب بمعہ ساز وسامان کنعان سے مصر آجائیں۔ اور ہم بقیہ زندگی مل کر گذاریں گے۔

جناب یعقوب علیہ السلام کا استقبال:

یعقوب علیہ السلام جب مصر کے قریب پہنچے تو یوسف علیہ السلام کو اطلاع ہوگئی تو انہوں نے جناب بادشاہ ریان اور چار ہزار فوجیوں اور دیگر تین ہزار افراد سواروں سمیت جن میں رؤسا و عظماء بلکہ مصر کا پورا شہر ہی جناب یعقوب علیہ السلام کا استقبال اور دیدار کرنے کیلئے شہر سے باہر نکل آئے۔ تمام راستوں کو جھنڈوں سے آراستہ پیراستہ کر دیا گیا۔ راستے کے دونوں طرف لوگ صف باندھے کھڑے ہو گئے۔ یعقوب علیہ السلام اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ اتنے میں جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی آپ زمین والے لشکر سے مسرور ہو رہے ہیں۔ ذرا اوپر نگاہ اٹھائیں آسمانی مخلوق یعنی فرشتے وغیرہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ آپ کے سرور سے وہ بھی مسرور ہو رہے ہیں۔ جب دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: "السلام علیك یا مذهب الاحزان" اے غم ختم کرنے والے تجھے سلام ہو۔ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کو انتہائی خوشی کے ساتھ گلے ملے اور رو پڑے۔ ایک عجیب منظر تھا۔ ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس خوشی کے موقع پر طبلے اور نقارے بجائے گئے۔ پھر چلتے چلتے ماں باپ کو اپنے تخت پر ساتھ لے گئے اور ساتھ ہی فرما رہے تھے۔ ان شاء اللہ مصر میں پورے امن سے رہو گے۔ امن سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اس سے پہلے کنعانی لوگ مصر کے بادشاہوں سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔ ان کی اجازت کے بغیر کبھی مصر میں نہیں داخل ہوتے تھے۔ چونکہ ان میں اکثر شرارتی قسم کے لوگ تھے۔ اس وقت چونکہ یوسف علیہ السلام خود ہی سب کچھ تھے۔ لہذا امن ہی امن تھا۔

فائدہ : ملاقات کے وقت والد صاحب کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نہیں تھیں۔ بلکہ آپ کی خالہ لیا بی بی تھیں۔ اس لئے کہ آپ کی والدہ ماجدہ جن کا نام راحیل تھا۔ وہ بنیامین کی پیدائش کے بعد فوت ہو گئی تھیں۔ خالہ ساتھ تھیں اور خالہ بھی ماں ہی کے قائم مقام ہوتی ہے بلکہ سگی خالہ تو ماں ہی ہوتی ہے۔ جیسے چچا کو اب کہا جاتا ہے کہ وہ بھی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ استقبال اور ملاقات کے بعد والدین کو اپنے خاص محل میں لے گئے اور سب کے ساتھ انتہائی درجہ نوازش کی۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا

اور بلند کیا ماں باپ کو اوپر تخت کے اور گرے اس کو سجدہ میں۔ تو کہا اے ابا جان یہ ہے

تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ

تعبیر میری خواب کی جو بہت پہلے آئی تحقیق کیا اسے میرے رب نے سچا۔ اور تحقیق احسان کیا مجھ پر

اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ

جب نکالا مجھے قید سے اور لایا تم سب کو دیہات سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈالی

الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ

شیطان نے میرے اور بھائیوں کے درمیان۔ بے شک میرا رب آسانی کرتا ہے جس کیلئے چاہے۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

بے شک وہی علم وحکمت والا ہے

(آیت نمبر۱۰۰) اور بلند کیا آپ نے ماں باپ کو شاہی تخت پر۔ یعنی جب یعقوب علیہ السلام مصر میں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے شاہی تخت پر بٹھایا۔ جس شاہی تخت پر خود یوسف علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے۔ اسی تخت پر والدین کو نہایت عزت واحترام سے بٹھایا۔ باقی بھائی وغیرہ نیچے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھے۔ چونکہ والدین نے فراق میں جتنی تکلیف اٹھائی اتنی کسی اور کو تکلیف نہ ہوئی۔ اس لئے انہیں ممتاز مقام دیا۔ یہی حال جنت میں بھی ہوگا۔ جس نے جتنے مصائب وآلام زیادہ اٹھائے ہوں گے۔ اس قدر ان کے مراتب بھی بلند ہوں گے۔

آگے فرمایا کہ والدین اور بھائی یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ میں گر گئے۔ یہ سجدۂ تحیت وتعظیم کا تھا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں کسی کی تعظیم وتکریم سجدہ کے طور پر رائج تھی۔ جیسے آج کل قیام یا مصافحہ معانقہ کرتے ہیں۔ بزرگ ہو تو زیادہ دست بوسی یا قدم بوسی کرتے ہیں۔ **فائدہ**: دست بوسی یا قدم بوسی صرف علماء کیلئے فقہاء نے لکھی ہے اور کسی کیلئے نہیں۔

فائدہ : یعنی محل میں داخلے کے بعد سب نے سجدہ کیا۔ پھر یوسف علیہ السلام تخت سے نیچے آئے اور والدین کو اپنے ساتھ تخت پر لے گئے خواب میں بھی یوسف علیہ السلام کو یہی چیز دکھائی گئی تھی۔ اسی لئے عرض کی کہ اے ابا جان یہ ہے تعبیر میری اس خواب کی جو میں نے بچپن میں دیکھی تھی۔ میرے رب تعالیٰ نے اسے سچا کر دکھایا۔ یعنی اس وقت خواب تھی اب وہ حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا مجھ پر خاص کر کے اس وقت کہ جب مجھے قید خانہ سے نکالا۔

فائدہ : کنویں سے نکلنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی ہوگی۔ اس لئے انہیں رسوا نہ کیا کیونکہ انہیں پہلے معاف کر چکے تھے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی دیہات سے یہاں لے آیا۔ تاکہ بقیہ زندگی اکٹھی گذاریں۔ چونکہ والدین اور بھائی فلسطین کے ایک دیہات میں رہتے تھے جو کنعان کے قریب تھا اور فرمایا کہ ہمارا یہ ملاپ اس کے بعد ہوا کہ جب شیطان نے میرے اور بھائیوں کے درمیان فساد ڈالا اور ہمارے درمیان اتنی لمبی جدائی ڈال دی تھی کہ ہماری ملاقات چالیس سال کے بعد ہوئی۔

فائدہ : مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے پورے خاندان کا قافلہ کا مصر میں آیا تو کل تعداد بہتر نفوس پر تھی اور جب موسیٰ علیہ السلام لشکر لے کر واپس گئے تو چھ لاکھ سے زیادہ افراد تھے۔

آگے فرمایا۔ بے شک میرا رب لطف و کرم فرماتا ہے۔ جس کیلئے چاہتا ہے اور مشکل سے مشکل کام بھی اس کی تدبیر کے آگے آسان ہو جاتے ہیں۔ الکواشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے۔ اس پر لطف و کرم فرماتا ہے۔ تو سب پریشانیاں دور فرما دیتا ہے۔ لطف پوشیدہ احسان کو کہتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک وہ علیم ہے یعنی تمام مصلحتوں اور تدبیروں کو جانتا ہے اور وجوہات کو بھی جانتا ہے اور حکیم ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ج

میرے رب تحقیق دی تو نے مجھے بادشاہی اور سکھایا مجھے انجام نکالنا باتوں کا

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ

پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ تو میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں۔ دنیا سے اٹھا

مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ

مسلمان اور مجھے ملا نیک وکاروں سے ۔ یہ ہیں کچھ خبریں غیبی ہم وحی کرتے ہیں

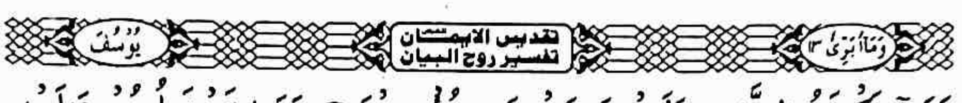
اِلَيْكَ ج وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

طرف آپ کے اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب اکٹھے ہوئے اپنے کام پر اور وہ مکر کر رہے تھے۔

(آیت نمبر۱۰۱) **فائدہ:** جناب یوسف علیہ السلام نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کیسی خوبصورت دعا فرمائی کہ یا اللہ موت اسلام پر آئے اور مرنے کے بعد نیکوکاروں سے مجھے ملا دے۔ حدیث شریف میں ہے کہ موت مومن کیلئے تحفہ ہے اور دنیا اس کیلئے قید خانہ ہے۔ اس میں وہ مشقتوں اور ریاضتوں میں زندگی گذارتا ہے اور شیطان کی شرارتوں سے مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ موت اگر توحید پر ہوگئی تو آرام ہی آرام ہے۔

فائدہ: کہا گیا کہ امیروں کی موت فتنہ ہے۔ علماء کی موت مصیبت ہے۔ اغنیاء کی موت تکلیف دہ ہے اور فقراء کی موت آرام وسکون ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ تعالیٰ اسے ملنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا ناپسند فرماتا ہے۔ (بخاری)

(آیت نمبر۱۰۲) اے میرے محبوب۔ یہ واقعہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جو ہم بذریعہ جبریل آپ کو وحی کے طور پر بتا رہے ہیں اور اے محبوب آپ اس وقت موجود نہیں تھے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مل کر انہیں کنویں میں ڈالنے کا پروگرام بنایا اور وہ والد گرامی کو فریب دے رہے تھے۔ یعنی دھوکے سے یوسف علیہ السلام کو اپنے والد ماجد سے جدا کر رہے تھے۔ **فائدہ:** اس واقعہ میں کفار مکہ سے تہکم ہے کہ میرے محبوب نے نہ یہ واقعہ کسی سے پڑھا نہ سنا اور تمہارے پوچھنے پر پوری تفصیل سے واقعہ بیان بھی کر دیا اور بالکل صحیح واقعہ بیان کر دیا۔ جس میں شک وشبہ کی ذرہ گنجائش نہیں۔ تو یہ صرف وحی ربانی سے آپ نے انہیں بتایا۔ لیکن کفار نے حسب عادت پھر انکار کر دیا۔



وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ

اور نہیں اکثر لوگ خواہ آپ کتنا چاہیں ایمان لانے والے ۔ اور نہیں مانگی آپ نے ان سے اس پر

مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

کوئی مزدوری۔ نہیں یہ مگر نصیحت جہانوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۱۰۳) اور نہیں ہیں اکثر لوگ یعنی اہل مکہ وغیرہ اگرچہ آپ ان کے ایمان لانے کے حرص کرنے والے ہیں لیکن وہ اپنی سرکشی اور کفر میں پختگی کی وجہ سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

فائدہ: یہ بھی قضاوقدر کے اسرار و رموز سے ہے۔ ایمان وہی لائے گا۔ جس کے مقدر میں ہوگا۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں اور کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے حرف بحرف صحیح صحیح ان کو واقعہ سنا دیا۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں اور کفار نے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو حضور ﷺ کو اس سے بہت زیادہ افسردگی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان لانا قضاء وقدر کے مطابق ہوگا۔ یعنی جس کے مقدر میں ہوگا وہی ایمان لائے گا۔

(آیت نمبر ۱۰۴) اور اے میرے محبوب آپ نہیں مانگتے ان سے یہ غیبی خبریں بتانے اور قرآنی ہدایات بیان کرنے پر کسی قسم کا کوئی مال وغیرہ۔ جیسے یہ لوگ ایسی خبریں دینے پر دولت دنیا لیتے ہیں۔

فائدہ: انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہمارا ان پر بہت بڑا احسان ہے کہ ہم نے انہیں ایسا مبلغ عطا کیا ہے۔ جو ان سے کچھ نہیں لیتا۔ بلکہ ان کے ہر سوال کو پورا کرتا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور ہم نے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ قرآن نہیں ہے۔ مگر نصیحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جہانوں کیلئے۔ یعنی ہم نے قرآن کسی ایک قوم کیلئے نہیں۔ بلکہ سب کیلئے بھیجا تاکہ سب لوگ اس پر عمل کریں اور نجات پائیں۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ دعوۃ وارشاد یا اس کے علاوہ تمام بھلائی والے کاموں میں دنیوی نفع کی امید نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کیلئے کئے جائیں۔ وہ خالص ہوں گے۔ ان میں دنیا بلکہ آخرت کی غرض بھی نہ دل میں رکھی جائے۔ اگر غرض رکھی جائے۔ تو وہ پھر خالص نہیں ہوتا۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں خالص عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

اور کتنی ہی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں گذرتے رہتے ہیں ان پر اور وہ ان سے

مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

منہ پھیر لیتے ہیں ۔ اور نہیں ایمان رکھتے ان میں اکثر اللہ پر مگر وہ شرک کرنے والے ہیں ۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

کیا وہ نڈر ہوگئے کہ آجائے ان پر گھیرنے والا عذاب الٰہی یا آئے ان پر قیامت

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

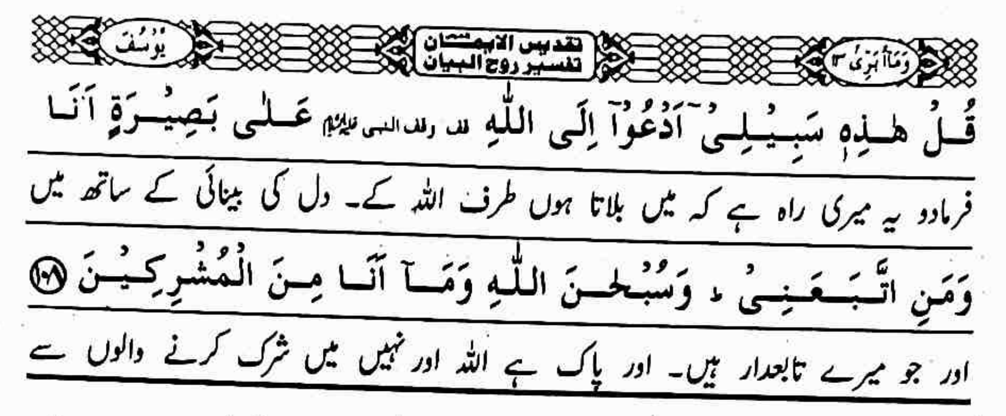
اچانک اور وہ نہ سمجھیں۔

(آیت نمبر ۱۰۵) کتنی ہی نشانیاں زمینوں آسمانوں میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں ۔ جیسے سورج، چاند، ستارے، بارش، دریا وغیرہ اور یہ ان پر گذرتے یعنی دیکھتے رہتے ہیں ۔ لیکن یہ ان سے منہ پھیر کر گذر جاتے ہیں ۔ نہ ان نشانیوں میں غور وفکر کرتے ہیں نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں ۔

(آیت نمبر ۱۰۶) ان میں زیادہ تر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے ۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبودوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور بتوں کے پجاری ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں ۔ یہود کہتے ہیں ۔ اللہ ایک ہی ہے ۔ لیکن عزیر اس کا بیٹا ہے ۔ عیسائی کہتے ہیں ۔ اللہ ایک ہی ہے مگر عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے ۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

(آیت نمبر ۱۰۷) تو کیا یہ مشرک اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر انہیں گھیرنے والا عذاب آجائے ۔ یعنی اچانک آپہنچے جس کی پہلے نہ اطلاع نہ علامت اور انہیں سمجھ بھی نہ آئے کہ وہ کوئی تیاری کرسکیں ۔ یا ان پر اچانک قیامت آجائے ۔ **حدیث شریف:** اچانک موت غضب الٰہی میں پکڑ ہوتی ہے ۔ (ابوداؤد)

نکتہ: ایسی موت سے کراہت اس لئے ہے کہ اس سے بندۂ مومن کو نہ گناہ پر عذر کا موقع ملا ۔ نہ تجدید توبہ ہوئی ۔ نہ حقوق العباد ادا کرسکا یا بخشوا سکا ۔ لیکن انبیاء، اولیاء اور صلحاء جیسے لوگوں کیلئے اچانک موت رحمت ہے ۔ اس لئے کہ وہ پہلے ہی اس کی تیاری میں ہوتے ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے ادا کرچکے ہوتے ہیں ۔ اچانک موت کی کراہت اس کیلئے ہے کہ جو دنیوی معاملات میں ایسا پھنسا ہے کہ اسے توبہ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا ۔



(آیت نمبر۱۰۸) اے میرے محبوب فرمادو یہی میرا راستہ ہے۔ یعنی توحید وایمان کی طرف بلانا۔ اسی سے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ دین کی اطاعت اور قیامت کے دن ثواب موعود کی طرف واضح بیان اور پوری بصیرۃ کے ساتھ یعنی میں بھی اسی طرف دعوت دیتا ہوں اور میرے تابع دار (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) بھی اسی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور میں مشرکین سے بھی نہیں ہوں۔

فائدہ: حضور ﷺ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام گذرے وہ بھی توحید کی دعوت دیتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام تو قطب توحید تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیا "اتبع ملة ابراهيم حنيفا" کہ اے میرے محبوب دین ابراہیمی کی پیروی کریں۔ کہ وہ یکسو ہے۔

فائدہ: اتباع میں عمومیت ہے۔ (ظاہری اور باطنی) یعنی ظاہری اتباع عوام کیلئے اور باطنی خواص کیلئے اور اہل حقیقت کیلئے اور دعوۃ علی البصیرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتباع قولاً، فعلاً، حالاً، ہر طرح سے نصیب ہو۔

فائدہ: بصیرت قوت قلبی کو کہتے ہیں یعنی جب دل نور قدس سے منور ہو جائے تو پھر وہ حقائق اشیاء اور باطنی چیزوں کو اس طرح دیکھتی ہے۔ جیسے ظاہری آنکھ ظاہری چیزوں کو دیکھتی ہے۔

فائدہ: بنی آدم کے دل فطرۃً تو اسی بصیرت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لیکن غلبہ شہوات اور طاعات وعبادات سے روگردان ہونے کی وجہ سے وہ بصیرت تاریک ہو جاتی ہے۔

اتباع رسول: سہل محب اللہ فرماتے ہیں کہ اتباع رسول کا مطلب یہ ہے کہ تمام اقوال وافعال واحوال میں حضور ﷺ کی اتباع کی جائے۔ یعنی حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کیا جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ

اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد وحی کی ان کی طرف جس بستی میں وہ رہتے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا پس نہیں چلے زمین میں کہ دیکھیں کیسے ہوا انجام ان کا جو

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ان سے پہلے ہوئے۔ اور گھر آخرۃ کا بہتر ہے ان کے لئے جو ایمان لائے۔ کیا نہیں تم سمجھتے

(آیت نمبر ۱۰۹) اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے والے رسول مگر انسان۔ یعنی انسانوں کی طرف فرشتے وغیرہ نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجے۔ **فائدہ**: یہ مشرکین کے قول کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر رب تعالیٰ نے نبی بھیجے تھے تو "لانزل ملائکۃ" فرشتوں کو نبی بنا کر اتار دیتا۔ تو فرمایا کہ ہم نے اس سے پہلے جتنے انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے وہ مرد ہی بھیجے۔ تاکہ لوگ ان سے صحیح استفادہ کر سکیں۔ فرشتوں کی تو جنس ہی الگ ہے۔ ان سے کیسے استفادہ ہو سکتا تھا۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی عورت نبی ہوئی نہ کوئی فرشتہ رسول بن کر آیا۔ کیونکہ عورت کیلئے پردہ ضروری ہے اور فرشتہ نظر نہ آتا۔ نبی کیلئے کھلے عام ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کو دیکھے اور لوگ اسے دیکھیں۔

آگے فرمایا ہم ان کی طرف وحی کرتے جب کہ وہ بستیوں میں ہوتے تھے تو کیا یہ کفار زمین میں پھرے نہیں۔ یعنی کیا انہوں نے شام، یمن اور قوم عاد و ثمود کے علاقے نہیں دیکھے تو انہیں چاہئے کہ وہاں جائیں اور نظر عبرت سے دیکھیں کہ ان سے پہلے مشرکوں اور کافروں اور دیگر نبیوں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ لوگ کیوں اور کیسے تباہ ہوئے۔ تاکہ ان کے حالات جان کر ڈریں اور شرک اور جھٹلانے سے باز آ جائیں۔ ورنہ ان کی طرح انہیں بھی عذاب گھیرے گا۔ اور یاد رکھو۔ آخرت کا اچھا گھر یعنی جنت اور اس کی نعمتیں دنیا اور اس کی تمام لذات سے بہتر ہیں۔ خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو کفر و شرک اور گناہوں سے بچتے رہے۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ واقعی آخرت کی نعمتیں دنیا سے بہر حال بہتر ہیں۔

پند و نصیحت: جناب عیسیٰ علیہ السلام نے غلاموں سے فرمایا کہ مُردوں کی صحبت سے دور رہا کرو۔ ورنہ تمہارے دل مردہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے پوچھا مردوں سے کیا مراد ہے تو فرمایا۔ جو لوگ دنیا کی محبت میں رغبت رکھتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ

یہاں تک کہ جب ناامید ہوگئے رسول اور گمان کیا کہ بے شک وہ تحقیق جھٹلائے گئے تو آئی ان کے پاس

نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾

ہماری مدد تو بچالیا جسے ہم نے چاہا۔ اور نہیں پھیرا جاتا ہمارا عذاب ان لوگوں سے جو مجرم ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ

تحقیق ہے ان کے قصوں میں عبرۃ عقل والوں کیلئے۔ نہیں ہے یہ

حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ

بات گھڑی ہوئی لیکن تصدیق اس کی جو پہلی کتابیں ہیں اور مفصل بیان ہے ہر

شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

چیز کا اور ہدایت اور رحمت ہے ایسے لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۱۰) یہاں تک کہ جب انبیاء ورسل علیہم السلام لوگوں کے ایمان لانے سے ناامید ہوگئے۔ اس لئے کہ وہ لوگ دنیا کی زیب وزینت اور خوش حالی کی وجہ سے کفر میں ایسے منہمک ہوگئے کہ انہیں کسی قسم کے شر کا کوئی خطرہ نہ رہا تو اس لئے وہ ایمان بھی نہ لائے اور انبیاء کرام علیہم السلام نے گمان کرلیا کہ لوگوں نے ہمیں جھوٹا سمجھا۔ اب ان تک اچانک ہماری مدد آ پہنچی۔ یعنی کفار کو جب کافی لمبی مہلت ملی تو انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ سمجھا کہ اب انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ شاید ہمیں فتح ونصرت نہ ملے تو اچانک کسی علامت ونشانی کے بغیر ہی مدد آ پہنچی تو پھر نجات انہیں ہی دی گئی۔ جن کے متعلق ہم نے چاہا۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کو یا وہ مسلمان جو ان کے تابعدار تھے اور جب ہمارا عذاب اتر آتا ہے تو واپس نہیں لوٹتا مجرم قوم سے۔ یعنی پھر ان کو تباہ کرہی کے چھوڑتا ہے۔

(آیت نمبر۱۱۱) البتہ تحقیق ان رسولوں اور ان کی امتوں کے واقعات میں عبرت ہے۔ عقل مند لوگوں کیلئے۔

فائدہ: بحرالعلوم میں ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے کہ جس سے آنے والے لوگوں میں سے صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کریں گے۔ اور پھر وہ ایسی جرات نہیں کریں گے۔ جیسے سابقہ قوموں نے (کفر وشرک) ہوئے تو

عذاب نے انہیں گھیر لیا بلکہ وہ ایسے اسباب سے دور رہیں گے۔ اس لئے کہ انہیں یہ یقین ہوگا کہ اگر ہم نے بھی وہ کفر وشرک والے اسباب کئے تو ہمارے ساتھ بھی وہی ہوگا جو پچھلوں کے ساتھ ہوا۔

فائدہ : خلاصہ کلام یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام والا قصہ غور وفکر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ سب کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ جو خداوند کریم یوسف علیہ السلام کی غلامی اور جیل سے نکال کر مصر کی شاہی دینے پر قادر ہے۔ وہ اپنے محبوب کو بھی فتح ونصرت کے ساتھ یہ اعزاز بخشنے پر قادر ہے۔

فائدہ : سلمی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اولوالالباب سے مراد اصحاب اسرار ہیں۔ اس لئے کہ ایسے شعبوں سے ایسے ہی لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ نہیں ہے یہ قرآن کہ اسے خود ہی گھڑ لیا گیا ہو یعنی کوئی آدمی خود اپنی طرف سے یہ گھڑے۔ لیکن یہ قرآن تصدیق کرتا ہے۔ اس کی جو اس کے سامنے ہے۔ یعنی ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ اور ان کی صحت پر یہ کتاب دلیل اور حجۃ ہی۔ سابقہ کتب بذات خود معجزہ نہ تھیں۔ جب تک کہ ان تمام کی سچائی پر قرآن کی شہادت موجود نہ ہو۔

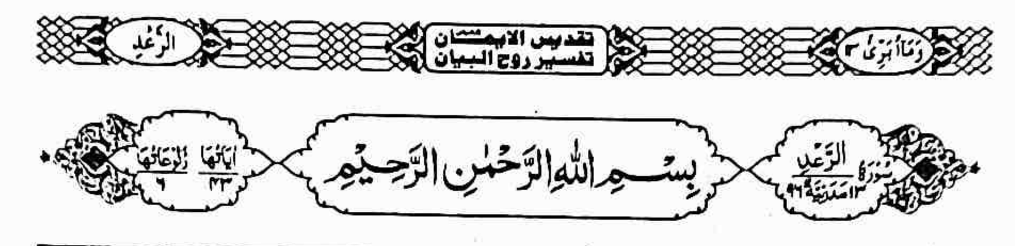
اور آگے فرمایا کہ اس میں ہر قسم کی تفصیل ہے۔ یعنی دین کے تمام امور کو قرآن بیان کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ ہر امر کی بنیاد یا قرآن ہے۔ یا حدیث یا اجماع وقیاس ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ قرآن گمراہی سے ہدایت دیتا ہے اور رحمت ہے۔ یعنی اس میں عذاب سے بچاؤ کا سامان ہے۔ لیکن ان کے لئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

فائدہ : قرآن مجید تمام مراتب کا جامع ہے۔ اس میں دین کے متعلق ظاہری اور باطنی تفصیل ہے۔ دین کا ظاہر ہر مومن ایمان والے کو مفید ہے اور دین کا باطن مومن بالایمان التحقیقی العیان کو فائدہ دیتا ہے۔ نیز یہ قرآن عمومی لحاظ سے بھی فائدہ دیتا ہے اور خصوصی طور پر بھی اور یہ قرآن جہنم کے عذاب سے بھی نجات دینے والا ہے اور فرقت اور قطعیت کے عذاب سے بھی۔ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے انوار واسرار سے واقف یا مطلع ہو جاتا ہے۔ وہ ذوق حضور وشہود کی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

سبــــق : عقلمند پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے حقائق سے ہدایت پائے اور اس کے بتائے ہوئے اخلاق کے مطابق عادات بنائے اور اس کی تلاوت میں کوتاہی نہ کرے۔

(سورۃ ختم مورخہ ۵ نومبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء)



الٓمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

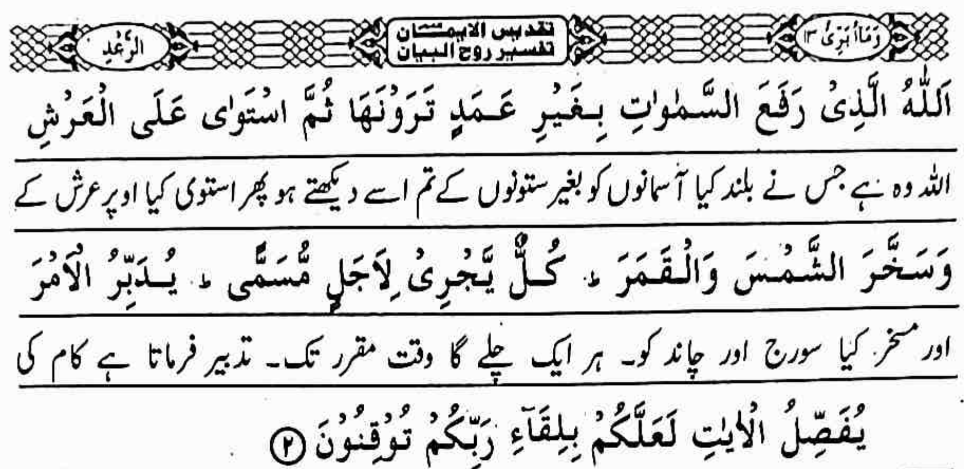
یہ آیتیں ہیں کتاب کی۔ اور وہ جو اترا طرف آپ کے آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ①

لیکن اکثر لوگ نہیں مسلمان ہوتے۔

(آیت نمبر ۱) الٓمّٓرٰ: یہ حروف بالاتفاق متشابہات میں سے ہیں۔ اس کے بارے میں بزرگوں کے کئی اقوال ہیں۔ جو فیوض الرحمٰن میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ آیتیں ہیں کتاب یعنی قرآن مجید کی اور یہ وہ کتاب ہے۔ جو اتری آپ کی طرف آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے اور یہ کتاب بالکل برحق ہے۔ اور جو کچھ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ آیات آپ خود بناتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ لہٰذا ان آیات قرآنی پر ایمان لانا اور یہ ماننا کہ یہ کتاب بالکل برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے احکامات پر عمل کرنا واجب ہے۔ جو اس قرآن (اللہ تعالیٰ کی رسی) کو مضبوط پکڑے گا۔ وہی نجات پائے گا۔ اس لئے کہ جو بندہ جو "اهبطوا" کے حکم سے آسمانوں سے نیچے آیا تھا۔ اس قرآن کو پڑھ کر اور اس پر عمل کر کے پھر ایک دن وہ بلندی پر جاسکے گا۔

مسئلہ: وہ احکام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ بعض صریح ہیں۔ جو نص قرآنی سے ثابت ہوئے اور بعض وہ احکام ہیں۔ جن کی وضاحت احادیث یا اجماع وقیاس سے ہوتی ہے۔ یہ تمام احکام ہمارے نزدیک برحق ہیں۔ آگے فرمایا لیکن اکثر لوگ قرآن پاک کے حق ہونے پر ایمان نہیں لاتے۔ اور کہتے ہیں کہ اس نبی نے خود یہ کتاب بنائی ہے۔ حالانکہ اسے اللہ کی رسی کہا گیا ہے جو اسے مضبوط پکڑے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔ کافر چونکہ اس قرآن سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ حق سے بہت دور ہو گئے۔ حالانکہ نہ انہوں نے قرآن کے مطالب کو سمجھا نہ اس میں غور وفکر کیا۔ اسی لئے تو وہ انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کے انکار سے قرآن کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سورج کو اندھا نہ دیکھ سکے تو اس میں سورج کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اس کی موجودگی پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔



اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے تم اسے دیکھتے ہو پھر استویٰ کیا اوپر عرش کے

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

اور مسخر کیا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک چلے گا وقت مقرر تک۔ تدبیر فرماتا ہے کام کی

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾

تفصیل بیان کرتا ہے آیات کی تاکہ تم اپنے رب کے ملنے پر یقین کرلو۔

(آیت نمبر۲) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے بلند کیا آسمانوں کو۔

فائدہ: زمین سے آسمان تک (بہ لحاظ انسان کے پیدل چلنے کے) پانچ سو سال کی راہ ہے اور وہ ساتوں آسمان بغیر ستونوں کے کھڑے ہیں تم دیکھتے ہو۔ یا یہ معنی ہے کہ نہ ستون ہیں۔ نہ تمہیں نظر آتے ہیں۔ یعنی جب ستون ہیں ہی نہیں تو دیکھو گے کیا۔ آسمانوں کے ستون قدرت الٰہی ہے۔ آگے فرمایا کہ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ عرش پہلے بنا اور استویٰ سیدھا ہو کر بیٹھنے کو کہتے ہیں اور عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں۔ جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بیٹھنے اٹھنے سے پاک ہے۔ یہاں پر اس سے مراد وہ چیز ہے جو ساری مخلوق میں سب سے بڑی ہے۔ **فائدہ**: زمین و آسمان بننے سے پہلے عرش پانی پر تھا۔

فائدہ: علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ استویٰ علی العرش سے مراد اس کی حفاظت اور اس کی تدبیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے ملک وملکوت پر استیلاء اور تصرف حاصل ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ استویٰ فلان علی العرش کہ فلاں تخت کا مالک ہوگیا ہے۔ خواہ وہ اس پر بیٹھے یا نہ۔ یہ بھی متشابہات سے ہے۔

تشریح مزید: یہ بات بھی یاد رہے۔ استویٰ باعتبار نفس اور ذات کے نہیں ہے کیونکہ یہ مخلوق کی صفات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ (بعض لوگ یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ بیٹھنا اٹھنا مخلوق کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو حساب وکتاب اور مہینوں اور دنوں کا حساب معلوم کرنے کیلئے مسخر کیا اور ان کی روشنی سے دن اور رات کو منور کر دیا کہ ان کے سامنے اندھیرا اور تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ

اور وہی ہے جس نے پھیلایا زمین کو اور بنائے اس میں پہاڑ اور نہریں۔ اور ہر قسم کے

الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ

پھل پیدا کئے بنائے ان میں جوڑے دو دو ڈھانپتا ہے رات کو دن سے۔ بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲ بلکہ ان کی وجہ سے زمین کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ان دونوں سے جسم سلامت درخت پھلدار اور نباتات کی نشو و نما ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ سب اپنے وقت مقرر تک چلیں گے۔

فائدہ: سورج اور چاند ہر روز اپنی اپنی منزل طے کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ کسی کو کچھ دینے اور نہ دینے کی۔ زندہ کرنے اور مارنے کی۔ عزت یا ذلت دینے کی وغیرہ۔ وہ اکیلا ہی پوری کائنات کی تدبیریں کرتا ہے۔

فائدہ: استوی علی العرش کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ عرش کی بلندی پر اپنی تمام مخلوق کی تدبیریں کرتا ہے۔ لیکن مخلوق کے ساتھ اسے کوئی مشابہت نہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ یعنی توحید، قیامت کو اٹھنے اور اپنی کمال قدرت اور حکمت کے بارے میں۔ آگے فرمایا کہ تم بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے دیدار کا اور جزاء و سزاء پر یقین کرو۔ اور سمجھو کہ جو ذات ان اشیاء کے بنانے پر قادر ہے۔ وہ انہیں ختم کر کے نئے سرے سے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

(آیت نمبر ۳) **تشریح:** وہی ذات ہے کہ جس نے زمین کو لمبائی اور چوڑائی میں ایسا پھیلا دیا اور کھلا کر دیا۔ جس پر ہر قسم کی مخلوق آسانی سے رہ رہی ہے تا کہ اس پر یہ آسانی سے چل پھر سکے۔ کھیتی باڑی کرنے والے اپنا کام کر سکیں۔

فائدہ : بزرگ فرماتے ہیں ہمارے جسموں کی ماں زمین ہے اسی پر ہم رہتے ہیں اسی میں ہماری معاش اور بود و باش ہے اور اسی میں ہم دفن ہوتے ہیں۔ اسی لئے سورہ مرسلات میں فرمایا کہ ہم نے زندوں مردوں کیلئے زمین کو کافی بنادیا۔ آگے فرمایا کہ اس زمین پر پہاڑ رکھ دیئے جو میخوں کی طرح مضبوط ہیں۔ تاکہ زمین ہلنے نہیں اور لوگ اس پر اطمینان سے رہ سکیں۔

تشریح: فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اس زمین والی جگہ پانی ہی پانی تھا خانہ کعبہ والی جگہ سے زمین کی ابتداء ہوئی پھر اس کو پھیلا دیا گیا۔ پھر پانی پر کشتی کی طرح ہونے کی وجہ سے زمین ہچکولے کھاتی تھی۔ اس لئے اس پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے جس کی وجہ سے ساکن ہوگئی۔ **فائدہ:** زمین پر پہلا پہاڑ جبل ابوالقبیس ہے۔ جو مسجد حرام کے ساتھ تھا۔ (لیکن اب وہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ختم کردیا گیا ہے)

سب سے اعلیٰ پہاڑ: احد کا پہاڑ ہے۔ اس لئے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ حکماء کا قول ہے کہ دنیا میں کل ایک سو اٹھہتر (۱۷۸) پہاڑ ہیں جو بڑے ہیں۔ چھوٹے پہاڑ چھ سو چھتیس ہیں۔

آگے فرمایا کہ اس زمین پر نہریں بھی جاری فرمائیں۔

تشریح: ان میں بڑی نہر فرات ہے جو کوفہ میں ہے۔ جس کی ابتداء انتہاء آج تک کسی کو بھی نہ مل سکی اور پھر نہر دجلہ ہے۔ جو بغداد میں ہے۔ یا نہر سیحون جو ہند میں ہے۔ یا جیحون جو یمن میں۔ باقی نہریں ان سے چھوٹی ہیں۔ اسی طرح نیل جو مصر میں ہے۔ بعض نے کہا کہ جیحون بلخ میں ہے۔

آگے فرمایا کہ اس زمین پر ہر قسم کے پھل فروٹ پیدا کئے۔ جن کے ذائقے مختلف ہیں اور ہر رنگ میں ہیں اور ان پھلوں اور درختوں کے بھی جوڑے بنائے۔ آگے فرمایا۔ رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے کہ رات جب چھا جاتی ہی تو دن کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ آگے فرمایا ان سابقہ تمام چیزوں میں یعنی زمین اور پہاڑوں میں اور نہروں اور پھل فروٹ میں بے شمار نشانیاں ہیں۔ جو بنانے والے کی قدرت اور حکمت اور اس کی تدبیر پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن یہ ان کیلئے ہیں۔ جو ان میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اور وہ غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی خدمت (عبادت) کرتے ہیں کیونکہ وہ اسے پہچانتے ہیں کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پتہ دے رہی ہے۔ (بے وقوفوں کو نہ اللہ کا پتہ نہ اس کی قدرتوں کا علم وہ حیوان کے حیوان ہی ہیں۔)

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ

اور زمین میں کچھ حصے جو قریب قریب ہیں اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوریں

صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

کچھ ایک تنے والے اور کچھ بغیر تنوں والے پلایا گیا پانی ایک ہی۔ اور بہتر بناتے ہیں بعض کو

عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

بعض سے ذائقے کی لحاظ سے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقل مند ہیں۔

(آیت نمبر۴) اور زمین کے کچھ ٹکڑے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ رنگ کے لحاظ سے۔ پیداوار کے لحاظ سے۔ سختی یا نرمی کے لحاظ سے اور کچھ زمین کے ٹکڑے شوریدہ ہیں۔ وہاں اتنی پیداوار نہیں ہوتی نہ ان میں درخت ہوتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے بعض حصے سخت ہیں بعض نرم ہیں۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی قادر مطلق ہے جو سب کچھ کر رہا ہے۔ آگے فرمایا انگوروں کے باغات ہیں اور اسی طرح کھجوروں کے باغات بھی ہیں۔

کھجور کی عظمت: حضور ﷺ نے فرمایا اپنی پھوپھی کی عزت کیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ پھوپھی ہماری کون سی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کھجور۔ یہ پھوپھی اس لئے کہ آدم علیہ السلام کے خمیر سے جو مٹی بچ گئی اس سے کھجور بنا دی گئی۔ (اسی لئے لوگ کھجور کھا کر اس کی گٹھلی کو سنبھال کر رکھ لیتے ہیں) (مجمع الزوائد)

آگے فرمایا کہ یہ انگور اور کھجور بعض کی ایک ہی شاخ بعض کئی شاخوں والی ہیں۔ ان سب باغات اور کھیتوں میں پانی ایک قسم کا دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے بعض پھلوں کو بعض پھلوں پر فضیلت دی۔ یعنی شکل وصورت کے لحاظ اور کھانے اور ذائقے کے لحاظ سے اور رنگت کے لحاظ سے کہ کوئی سیاہ۔ کوئی سفید کوئی سرخ اور کوئی سبز کوئی بڑا کوئی چھوٹا۔ کوئی میٹھا۔ کوئی کڑوا۔ کوئی کھٹا کوئی پھیکا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ درختوں کی اور پودوں کی شکلیں الگ الگ ذائقے مختلف اور خوشبوئیں بھی مختلف ہیں۔ یہ سب اسی ذات کا کام ہے۔ عقل تو یہ چاہتا ہے کہ جب مٹی اور پانی ایک ہی ہے تو شکلیں۔ ذائقے رنگ ایک ہی جیسے ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت کا رنگ دکھاتا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۚ

اگر چہ آپ تعجب میں ہیں پھر تعجب تو ان کی بات پر ہے کہ جب ہم ہو جائیں مٹی تو کیا ہم ضرور نئی مخلوق ہو جائیں گے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ

یہی لوگ منکر ہیں اپنے رب کے۔ ان ہی کو پہنائے جائیں گے طوق ان کی گردنوں میں ۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

اور وہی ساتھی ہیں دوزخ کے ۔ وہ اس میں رہیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر۴) **فـائدہ** : امام کاشفی تبیان میں فرماتے ہیں کہ یہی مثال اولاد آدم کی ہے کہ باپ ایک ہے اولاد کی شکلیں صورتیں الگ الگ رنگ وہیئت الگ بولیاں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔

آ گے فرمایا کہ بے شک اس میں بھی عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔یعنی جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو آپس میں کوئی مناسبت نہیں۔لیکن وہ قادر قدیر ویران زمین کو بارش کے پانی سے سرسبز وشاداب کر دیتا ہے۔عجیب وغریب باغات لگا دیتا ہے۔

(آیت نمبر۵) اگر تم تعجب کرتے ہو زیادہ تعجب والی تو ان کی بات ہے جو یہ مشرک کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے۔یعنی مرنے کے بعد پھر ایک نئی مخلوق میں پیدا ہو جائیں گے۔اس کے باوجود کہ یہ مشرکین قدرت خداوندی کے معترف ہیں اور جانتے ہیں کہ کائنات ساری اسی نے بنائی ہے لیکن مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہیں اور خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں۔اس لئے انہیں تو اپنی اس خامی پر تعجب کرنا چاہئے۔

آ گے فرمایا کہ یہی لوگ اصل میں اپنے رب کے منکر ہیں جو مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔یہی لوگ ہیں۔جن کے گلوں میں کفر اور گمراہی کے پھندے پڑے ہیں۔جن سے اب وہ نکل نہیں سکتے۔

فـائدہ :یا اس سے مراد وہ حقیقی طوق ہیں جو بروز قیامت بطور سزا کے ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے اور پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔آ گے فرمایا یہی جہنمی ہیں اور یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

اور جلد مانگتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) پہلے اچھائی (رحمت) کے اور تحقیق گذر چکے ان سے پہلے

الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

عذاب کے کئی واقعات۔ اور بے شک آپ کا رب بخشش والا ہے لوگوں کیلئے ان کے ظلم کے باوجود۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾

اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے

(آیت نمبر ۶) اے محبوب یہ کفار آپ سے تباہ کن عذاب مانگنے کی جلدی کرتے ہیں۔ یعنی بھلائی مانگنے کے بجائے برائی اور عافیت کے بجائے سزا چاہتے ہیں۔ اور دنیا میں ہی چاہتے ہیں۔

تشریح : حضور نبی کریم ﷺ نے جب کفار مکہ کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ آخرت تو آئیگی بعد میں۔ تم ابھی دنیا میں وہ عذاب لے آؤ۔ اور یہ بات انہوں نے استہزاء کے طور پر کہی کیونکہ وہ حضور ﷺ کی ایسی باتوں کو وہمی سمجھتے تھے کہ ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان کافروں نے خود غلاف کعبہ پکڑ کر کہا کہ اے اللہ اگر یہ نبی تیرا سچا ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش اتار دے۔ یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں عذاب نہیں دینا تھا۔ (اس لئے نبی پاک ﷺ ان میں موجود تھے) اس لئے ان کیلئے عذاب آخرت میں مقدر فرمایا ہے اور یہ بھی ان کیلئے ایک قسم کی عافیت ہے۔ **فائدہ** : معلوم ہوا کہ ہر سعادت کی اصل ایمان اور اطاعت الٰہی ہے اور ہر بدبختی کا اصل کفر و شرک اور بداعمالیاں ہیں۔ آگے فرمایا کہ ان سے پہلے کئی مثالیں گذر گئیں کہ کوئی زمین میں دھنس گئے تو کئیوں کی شکلیں مسخ ہوئیں اور بعض زلزلے کا شکار ہوئے لہذا ان کافروں کو چاہئے تھا کہ ان سے عبرت حاصل کرتے الٹا یہ مزاخیں کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک آپ کا رب گناہوں کو بخشنے والا اور ستار ہے ان لوگوں کے ظلم و ستم کے باوجود انہیں فوراً نہیں پکڑتا۔ **حدیث شریف**: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ میں معافی کی صفت نہ ہوتی تو دنیا میں کسی کی زندگی خوش گوار نہ ہوتی اور اگر سزا نہ رکھی ہوتی تو ہر ایک رحمت کی امید پر گناہوں میں مبتلا رہتا (تفسیر قرطبی والوسیط)۔ آگے فرمایا کہ بے شک تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے۔ یعنی جس کا جتنا عمل برا اس کی سزا بھی اتنی ہی سخت ہوگی۔

وَيَقُولُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری ان پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ سوائے اس کے نہیں

اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷

آپ ڈرانے والے ہیں واسطے ہر قوم کے ہادی آیا۔

(بقیہ آیت نمبر۶) **سبق**: انسان کو چاہئے کہ گناہوں سے بھی بچے اور مرتے دم تک نیک اعمال کرنے میں بھی پوری کوشش کرے اور رحمت خداوندی کا امیدوار رہنے کے ساتھ ساتھ پکڑ سے بھی ڈرتا رہے۔

(آیت نمبر۷) کافروں نے کہا کیوں نہیں اتری اس نبی حضرت محمد ﷺ پر کوئی بڑی آیت جسے دیکھتے ہی رعب چھا جائے۔ یعنی ایسی آیت آئے جس سے ان کی نبوت کی تصدیق ہو جائے۔

فائدہ: اصل میں حضور ﷺ پر اتری ہوئی آیات پر ان کافروں کو اعتبار نہیں تھا۔ اس لئے ان آیات کے بدلے میں اپنی مرضی کی آیات اور دلائل کا مطالبہ کرتے تھے۔ حالانکہ سابقہ آیات میں ہر آیت سے ان کا مقصد پورا ہو جاتا تھا لیکن ان کا مقصد ہی ضد، ہٹ دھرمی کرنا تھا اور آیت بمعنی معجزہ بھی ہو تو معجزات تو انہوں نے کئی دیکھے تھے اور ہر معجزہ حضور ﷺ کی نبوت پر دلیل تھا اگر حضور ﷺ ان کے ان مطالبات کو پورا کرنا شروع کرتے پھر تو یہ سلسلہ غیر منقطع ہو جاتا۔ انہیں ایک معجزہ دکھاتے تو وہ اس کا انکار کر کے دوسرے معجزے کا مطالبہ کر دیتے ان کا اصل مقصد ماننا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مقصد نبی کی راہ میں روڑے اٹکانا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ اے محبوب آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں۔ یعنی آپ کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ آپ ان کو ان کے برے انجام سے ڈرائیں۔ اگر آپ ان کے مطالبات پورے کرنے لگے تو پھر آپ دعوت وارشاد کا کام نہیں کر سکیں گے۔ آپ پہلے نبی تو نہیں آپ سے پہلے ہر قوم کیلئے ہدایت دینے والا آیا ہے۔

فائدہ: ھادی نبی ہو۔ تو مراد ہے کہ ہر قوم کو راہ دکھانے والا راہبر یعنی نبی ان کے پاس آیا اور ھادی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ تو معنی یہ ہوگا کہ اے محبوب آپ کا کام ان کو ڈر سنانا ہے اور ہدایت دینا میرا کام ہے۔ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام اس کے نائب اور خلیفہ ہیں اور ان کے نائب اور خلفاء علماء کرام جو عالم باعمل ہیں۔ یہی لوگ عوام کو سعادت اخرویہ اور صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصل میں ہدایت دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ نبی ولی اور علماء ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کو حقیقت تک پہنچاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں ہے ہر مادہ کے اور جو گھٹتے ہیں پیٹ اور جو بڑھتے ہیں۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨

اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازے سے ہے۔ جاننے الا ہے غیب اور حاضر کو بزرگ وبلند ہے۔

(آیت نمبر ۸) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو پیٹ میں ہر مادہ اٹھاتی ہے۔ یعنی عورت کے پیٹ میں ہونے والا بچہ ہے یا بچی۔ کامل ہے یا ناقص۔ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ لمبا ہے یا ناٹہ قد۔ نیک بخت ہے یا بد بخت۔ عالم ہوگا یا جاہل۔ سخی ہوگا یا بخیل۔ عقلمند ہے یا ناسمجھ۔ ماں کے پیٹ سے لیکر زندگی کے آخری لمحے تک اور قبر سے قیامت تک اس کے سب حالات واقعات اور معاملات کو وہ روز ازل سے جانتا ہے بلکہ وہ قادر رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی جانتا ہے۔ **فائدہ** : حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ گھٹنے سے مراد بچے کا ماں کے پیٹ میں نو ماہ سے کم رہنا اور بڑھنے کا مطلب ہے نو ماہ سے زیادہ رہنا۔ جو پورے نو ماہ گذارے وہ زیادہ کے ضمن میں آتا ہے۔

نکتہ : یہ جو مشہور ہے کہ جو بچہ آٹھ ماہ یا اس سے کم عرصہ میں ماں کے پیٹ سے باہر آجائے وہ جلد فوت ہو جاتا ہے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہزاروں بچے ۹ ماہ سے کم وقت میں پیدا ہوئے اور زندہ سلامت رہے۔ البتہ اطباء کا یہ کہنا ہے۔ سات ماہ والا بچہ تو بالکل سلامت رہتا ہے لیکن آٹھ ماہ میں باہر آنے والا کمزور رہتا ہے اور بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ بے شمار بچے ۹ ماہ سے زیادہ بھی ماں کے پیٹ میں رہے۔ حضرت ضحاک تابعی دو سال۔ امام حاکم تین سال۔ ہرم بن حبان چار سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ آگے فرمایا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اندازے سے ہے۔ کوئی چیز اس اندازے سے نہ بڑھ سکتی ہے۔ نہ گھٹ سکتی ہے۔

(آیت نمبر ۹) غیب کو وہ جاننے والا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں غیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اس سے مراد وہ جو مخلوق سے غیب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اسی طرح شہادت سے مراد ہر وہ جس کا حس ادراک کر سکے۔ یعنی وہ کائنات کے ذرے ذرے کو جاننے والا ہے۔

آگے فرمایا: المتعال جو سب پر بلند و بالا اور غالب ہے اور کبیر المتعال یعنی وہ عظیم الشان ہے۔ جس کا علم بہت وسیع ہے۔ **فائدہ**: بندوں میں کبیر وہ ہوتا ہے۔ جس کے صفات عالیہ نہ صرف اس کی ذات میں ہوں۔ بلکہ وہ دوسروں کو بھی کمال تک پہنچائے۔ یعنی جو بھی اس کی صحبت میں جائے وہ کمال کو پہنچ جائے۔ اس لحاظ سے کبیر وہ عالم باعمل ہے اور مرشد اکمل ہے۔ جو تقوے کی برکت سے خلق خدا کو کمال تک پہنچائے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ

برابر ہے کہ تم میں سے کوئی چھپائے بات کو اور جو ظاہر کرے اسے اور جو چھپانے

بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ

رات میں یا جو راہ چلتا ہے دن کو ۔ بندے کیلئے بدلنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے

وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ

اور اس کے پیچھے حفاظت کرتے ہیں اس کی حکم خدا سے۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی

حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ

حالت جب تک نہ بدلیں وہ اپنے آپ کو۔ اور جب ارادہ کرے اللہ کسی قوم کی برائی کا تو نہیں کوئی ٹال سکتا اسے

وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

اور نہیں ہے ان کا اس کے سوا کوئی حمایتی۔

(آیت نمبر۱۰) اے لوگو تم میں سے جو کوئی کسی بات کو دل میں چھپائے یا زبان سے ظاہر کرے۔ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یعنی سب اس کے علم میں ہے۔ اس سے چھپانا یا ظاہر کرنا سب برابر ہے۔ آگے فرمایا اور جو کچھ چھپنے والا ہے۔ رات کے اندھیرے میں یا دن کے اجالے میں کھلے عام راستے پر گھومنے والا ہے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ **فائدہ** : کاشفی لکھتے ہیں کہ جو رات کی تاریکی میں چھپ کر یا دن کے وقت کھلے عام کوئی کام کرے اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و فعل چھپ نہیں سکتا۔

(آیت نمبر۱۱) آگے پیچھے آنے والے فرشتے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اس سے مراد وہ نگران فرشتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے بعد پے در پے چڑھتے اترتے ہیں۔ دونوں گروہ صبح اور عصر کی نماز کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں اور پھر نماز کے بعد پہلے والے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور دوسرے ٹھہر جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر انسان کو ضرر اور تکلیف سے بچاتے ہیں۔ **فائدہ** : مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی نگرانی فرشتہ کرتا ہے۔ تمام موذی اشیاء سے بچاتے ہیں۔ خواہ وہ سو رہا ہو یا جاگتا ہو۔ اگر کوئی دکھ یا تکلیف اس کی قسمت میں لکھا ہو۔ پھر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ورنہ وہ تکلیف کو اس سے دور کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ج ﴿۱۲﴾

وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور طمع دلانے کو اور اٹھاتا ہے بادل بوجھل ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱) **بندے پر کرم**: بعض ائمہ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب مرجاتا ہے تو کراماً کاتبین اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ یا اللہ جس بندۂ مومن کے ساتھ رہنے کا حکم تھا وہ فوت ہوگیا۔ کیا اب ہم آسمانوں پر آجائیں۔ فرمان الٰہی ہوتا ہے کہ آسمانوں پر تو کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم اسی بندہ مومن کی قبر پر چلے جاؤ۔ وہاں ذکر، تسبیح، حمد اور کلمہ شریف پڑھ کر ثواب میرے بندے کو بخشتے رہو۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت عافیت ونعمت سے نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو بدلیں۔ ع: خدا نے آج تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلی۔۔۔۔ نہ ہو جن کو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا۔

مسئلہ: اس میں سب کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانیں اور اس کا شکر ادا کریں تاکہ ملی ہوئی نعمتیں واپس نہ لے لی جائیں جو بندہ ذکر الٰہی بھول جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اور شکر ادا نہیں کرتا اس سے نعمتیں چھن جاتی ہیں اور اس کی حالت بد سے بدتر ہوجاتی ہے۔ قانون خداوندی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ان کے حالات بدل دیتا ہے۔ عزازیل نے رب کا حکم نہ مانا تو ابلیس ہوگیا۔ ہاروت و ماروت نے نافرمانی کی تو کنویں میں الٹے لٹکائے گئے۔ آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو جنت سے نکالے گئے۔ قارون نے نافرمانی کی تو زمین میں دھنس گیا۔ بلم باعورا سے غلطی ہوئی تو ایمان سلب ہوگیا۔ آگے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی یعنی ہلاکت وتباہی کا ارادہ کرلے تو کوئی پھیر نہیں سکتا یعنی اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور فرمایا کہ جن کو عذاب دینے کا ارادہ کرلیا جائے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے یا اس کی کوئی کسی طرح امداد کرسکے۔

(آیت نمبر۱۲) اللہ تعالیٰ وہ ہے۔ جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے۔ یعنی بادل کے دوران بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس میں ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی۔ خوف اس بات کا کہ صاعقہ سے بربادی ہی نہ ہوجائے۔ اور امید اس بات کی کہ بارش کی وجہ سے برکات حاصل ہونگی اور کئی دکھ دور ہوجائیں گے۔ **فائدہ**: بارش کچھ لوگوں کیلئے رحمت بن کر آتی ہے۔ جیسے فصل اور باغات کے مالکان خوش ہوتے ہیں کہ فصل اچھی ہوگی باغ پھل زیادہ دے گا۔ لیکن مسافر آدمی یا کچے مکانوں والے ڈرتے ہیں۔ کہ بارش سے کچے مکان گر نہ جائیں۔ ان کے لئے زحمت بن جاتی ہے۔ آگے فرمایا کہ بادل بوجھ کو اٹھالاتے ہیں۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

تسبیح کرتا ہے رعد اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے اس کے خوف سے۔ اور بھیجتا ہے کڑک

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ ⑬

پھر پہنچاتا ہے اسے جس پر چاہے اور وہ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں۔ اور وہ سخت پکڑ والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **فلاسفہ کی سوچ:** فلاسفہ کی سوچ یہ ہے کہ پانی اور شبنم کے بخارات زمین سے اڑ کر طبقہ باردہ میں پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے زمین پر گرتے ہیں۔ ان ہی بخارات کا نام بارش ہے۔ لیکن یہ سوچ باطل ہے: (۱) اس وجہ سے کہ بارش کے قطرے موٹے بھی ہوتے ہیں۔ باریک بھی برابر ایک دوسرے سے مل کر برستے ہیں۔ کبھی نرم رفتار۔ کبھی تیز اگر زمینی بخارات ہوتے تو یہ اختلاف کیوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کئی دفعہ قحط سالی میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری کرتے ہیں۔ نماز ودعا کرتے ہیں۔ فوراً بادل بنتے ہیں اور بارش ہو جاتی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسباب کچھ بھی ہوں۔ بہرحال بارش کے نزول میں قادر قدیر کی قدرت کا اثر اس میں ضرور ہوتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے قول کو دیوار پر مارتے ہیں۔ جس میں یہ ہو کہ حوادث اکوان اسباب کے ماتحت ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر کو دخل نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ عقیدہ ہو کہ فلاں کام فلاں سبب سے ہوا۔ حقیقی طور پر اس میں کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ تو یہ عقیدہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہم اس عقیدے کو قبول کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۳) رعد تسبیح کہتا ہے۔ رعد کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ علماء محققین فرماتے ہیں کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو بادل کو چلاتے وقت آواز نکالتا ہے اس کی تسبیح سے یہ آواز پیدا ہوتی ہے جس سے سب خوف زدہ ہو جاتے ہیں تو اس کی تسبیح اللہ تعالیٰ کی حمد ہوتی ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے: "سبحان الله والحمد لله"۔

حدیث شریف: گرج اور چمک زمین والوں کیلئے ڈر ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ دیکھو تو استغفار کثرت سے پڑھو۔ حضور ﷺ ایسے موقع پر یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اللھم لاتقتلنا بغضبك ولاتھلكنا بعذابك وعافنا قبل ذالك"۔ یعنی اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے نہ مارنا اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا۔ اس سے پہلے ہی ہمیں معاف فرما دینا۔ (ترمذی شریف)

آگے فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے ہیبت وجلال سے تسبیح پڑھتے ہیں۔یعنی جب رعد بادلوں کو اکٹھا کرتے وقت تسبیح کہتا ہے تو تمام فرشتے اسکے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں تو رحمت کی بارش اترتی ہے۔

فائدہ : فرشتوں کا خوف انسانوں کے خوف سے مختلف ہے۔ وہ خوف کی حالت میں ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ ہمہ وقت ذکر وفکر میں محو ہوتے ہیں۔ ادھر ادھر کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی۔

آگے فرمایا کہ وہ کڑک بھیجتا ہے۔ صاعقہ وہ آگ ہے۔ جس میں دھواں نہیں ہوتا۔ دنیا کی آگ سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ وہ اگر سمندر پر بھی پڑ جائے تو اس کی تہہ میں مچھلیاں بھی جل جائیں۔

حدیث شریف: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے رعد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا چابک ہے اس سے وہ بادلوں کو اکٹھا کرتا ہے اور یہ گرج دار آواز اس کی بادلوں کو زجر وتوبیخ ہے۔ (احمد، ترمذی ونسائی)

آگے فرمایا وہ پہنچاتا ہے۔ جس پر چاہے یعنی جسے چاہے صاعقہ سے ہلاک اور تباہ کر دے۔

فائدہ : یہ کڑک غیر مسلموں اور غافلوں پر پڑتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو گرج کے وقت: "سبحان الله الذی یسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته وهو على كل شیء قدير" پڑھ لے۔ اسے نہ بجلی کچھ کہے گی نہ کڑک۔ اگر اسے کچھ ہو تو اس کی دیت میں دونگا۔

آگے فرمایا کہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سخت پکڑ کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑ لیتا ہے تو پھر وہ یہ معلوم نہیں ہونے دیتا کہ یہ عذاب کہاں سے آیا ہے۔

شان نزول : اس کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عرب کے ایک فرعون قسم کے شخص کی طرف اسلام کی دعوت دینے کیلئے ایک صحابی کو بھیجا۔ اس نے عرض کی۔ حضور وہ بکواسی آدمی ہے۔ کچھ اور ہی بکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ تم جا کر دعوت میری طرف سے دو۔ جب وہ صحابی گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ تو اس نے کہا وہ خدا کیسا ہے سونے کا ہے یا چاندی کا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے واپس آ کر حضور ﷺ کو بتا دیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ غرضیکہ تین دفعہ بھیجا تو اس نے ہر دفع یہی بات دھرائی۔ تیسری مرتبہ ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے بادل گرجا اور کڑک اس کے سر پر پڑی تو اس کی کھوپڑی جل گئی۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ

اس ذات کو پکارنا برحق ہے اور جو پکارتے ہیں اس کے سوا کو نہیں جواب دے سکتے ان کو کچھ بھی

اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا

مگر یہ مثل پھیلانے والے ہاتھوں کے ہے طرف پانی کے کہ وہ پہنچ جائے اس کے منہ تک اور نہیں

دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

وہ پہنچنے والا۔ اس تک اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر بھٹکنے میں۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ⑮

اور زمین میں ہے خوشی یا مجبوری سے اور ان کے سائے صبح و شام کو۔

(آیت نمبر۱۴) سچی پکار اسی ذات کیلئے ہے۔ یعنی اسی کے لائق ہے۔ یا دعوۃ کا معنی مقبول دعا ہے۔ یعنی دعا اسی کی قبول ہے۔ جو صرف اللہ سے مانگے۔ آگے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے سوا کو پکارتے یا پوجتے ہیں۔ یعنی بتوں کو پکاریں تو وہ کوئی جواب نہیں دیتے انہیں کچھ بھی۔ بتوں سے سوال تو بالکل ایسا ہے۔ جیسے پانی کی طرف کوئی ہاتھ پھیلا کر آہ وزاری سے کہے۔ میرے منہ میں اے پانی آ جا۔ بے شک وہ منہ، زبان اور ہاتھ سے اشارے کرے۔ کبھی پانی خود بخود اس کے منہ میں نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ پانی میں شعور ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کے ہاتھ پھیلانے کو دیکھے یا اس کے بلانے کو سمجھے یا اس کی پیاس کا پتہ ہو۔ یہی حال بتوں کا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا اور نہیں ہے کافروں کی پکار مگر گمراہی میں۔ یعنی وقت کے ضیاع اور عمل کا خسارہ اور بطلان ہی ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ بت تو خود محتاج ہیں۔

کرامت: ولی اللہ پانی کو کہے تو پانی وہاں آ جاتا ہے۔ جہاں ولی کہتا ہے (ایسے بے شمار واقعات ہیں۔ علامہ نبہانی کی کرامات اولیاء میں دیکھ لی جائیں)۔ تو درجنوں واقعات ملیں گے۔

(آیت نمبر۱۵) اور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتی ہے۔ ہر وہ چیز جو آسمانوں میں یا زمین میں ہے۔ یعنی فرشتے نبی اور رسول اولیاء و عام مومنین اور ان کے ارواح خواہ خوشی سے ناخوشی سے جیسے منافقین وغیرہ اور ان کے سائے بھی سجدے کرتے ہیں۔ صبح و شام یعنی صبح کو سایہ ایک طرف شام کو دوسری جانب سجدہ کرتے ہیں۔ **فائدہ:** یہ مقام سجدہ ہے۔ یعنی تلاوت قرآن میں یہ دوسرا سجدہ ہے۔ بندوں پر لازم ہے کہ جب اس مقام پر پہنچیں تو فوراً سجدہ کریں تا کہ حکم الٰہی پر عمل ہو جائے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ

فرمادو کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا کہہ دو اللہ ہی فرماؤ کیا پھر بھی تم نے بنالئے اس کے سوا

اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

ایسے حمایتی جو نہیں مالک اپنی جان کیلئے نفع کے اور نہ نقصان کے۔ فرمادو کیا برابر ہیں اندھا

وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

اور دیکھنے والا یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی یا بنالئے اللہ کے شریک کیا

خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ

انہوں نے کچھ بنایا جیسے اللہ نے بنایا ملتی جلتی ہو اس کی مخلوق ان کی مخلوق سے فرمادو اللہ ہی بنانے والا

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

ہر چیز کو اور وہ اکیلا ہی سب پر غالب ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب ان مشرکوں سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا رب کون ہے۔ یعنی ان کا خالق اور سارے کاموں کا مالک کون ہے۔ (یہ ایک اسلوب ہے۔ مخالف کو بات منوانے کا)

فائدہ: کفار و مشرکین نے اس کا کیا جواب دینا تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا تو کہہ دے اے میرے محبوب کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ ہے۔ اس لئے کہ اس سوال کا اور کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ کفار و مشرکین کو اس بات کا اعتراف تھا کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے محبوب ان کو الزام دیتے ہوئے فرماؤ کہ مانتے ہو کہ یہ کاریگری صرف اللہ تعالیٰ کی ہے تو پھر اس کے سوا کو کیوں معبود بناتے ہو۔ پھر تم عقل و قیاس کے خلاف کررہے ہو کہ تم انہیں پوجتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں۔ نہ تمہارے دشمن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں بلکہ وہ اپنے پوجنے والے کو نفع دینا چاہیں یا اس کا نقصان ختم کرنا چاہیں تو اتنے عاجز ہیں کہ وہ یہ نہیں کرسکتے تو جو اتنا بڑا عاجز ہو وہ عبادت کا کس طرح مستحق ہوسکتا ہے۔

آگے فرمایا۔اے محبوب ان سے کہو کہ کیا آنکھوں والا اور اندھا برابر ہیں۔یعنی دونوں برابر نہیں ہیں۔تشبیہ اور تمثیل دے کر سمجھایا کہ مشرک جو عظمت الٰہی سے ہی ناواقف ہے۔آخرت میں جزا سزا کو نہیں جانتا۔نہ اسے اللہ تعالیٰ کا پتہ نہ اس کی قدرت کا پتہ وہ گویا اندھا ہے۔تو وہ اس مومن توحید پرست کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔جو ان امور مذکورہ کا علم رکھتا ہے۔آگے دوسری مثال دیکر پھر فرمایا کہ کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں۔اسی طرح انکار اور شرک توحید اور معرفت کے برابر نہیں ہوسکتے۔یعنی نور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین ہے اور اندھیرا کم سے کم ترین ہے۔

نکتہ: ظلمات سے مراد شرک اور نور سے مراد توحید ہے۔ظلمات جمع اور نور واحد کا صیغہ اس لئے لایا کہ شرک کی بے شمار اقسام ہیں اور توحید کی صرف ایک ہی قسم ہے۔

آگے فرمایا۔یا ان کافروں نے جو اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں۔کیا ان کے شریکوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ان کے معبودوں کی تخلیق میں مشابہت ہوگئی ہو کہ اب فرق نہیں ہوسکتا۔یعنی اس بات کے کافر بھی معترف تھے کہ ان کے معبود عاجز تر ہیں کہ وہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں بناسکتے۔بلکہ وہ خود انسانوں کے ہاتھوں سے بنائے گئے۔لوگ انہیں اگر نہ بناتے تو وہ نہ بنتے۔

آگے فرمایا۔میرے محبوب ان سے کہہ دو کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔لہذا اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں اور وہ اکیلا زبردست ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے اس لئے کہ تمام اشیاء اور مخلوق ساری اسی نے بنائی اور اسی ذات نے ہی ان کے تمام رہنے رکھنے کے انتظامات کئے تو پھر ان مشرکوں کے معبود جو باطل ہیں وہ پوجنے کے لائق کیسے ہوگئے۔

اَنْـزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِـقَدَرِهَا فَـاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَـدًا

اتارا آسمان سے پانی تو بہہ پڑے نالے اپنے اپنے حساب سے پھر اٹھا پانی کے اوپر سے جھاگ

رَّابِـيًا ؕ وَمِمَّا يُـوْقِدُوْنَ عَـلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِـلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ

ابھرا ہوا۔ جس سے چیزیں تپاتے ہو آگ میں چاہتے ہو بنانا زیور یا دیگر سامان تو جھاگ

مِّثْـلُهٗ ؕ كَـذٰلِكَ يَـضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَـاَمَّا الزَّبَدُ فَـيَذْهَبُ

اس کی مثل اٹھتی ہے۔ یوں بیان فرماتا ہے اللہ حق اور باطل کو تو جھاگ سے دور ہو جاتی ہے

جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَـا يَـنْـفَعُ النَّاسَ فَـيَمْكُثُ فِـى الْاَرْضِ ؕ كَـذٰلِكَ

پھک کر۔ اور جو چیز کام آتی ہے لوگوں کو وہ رہ جاتی ہے زمین میں یوں ہی

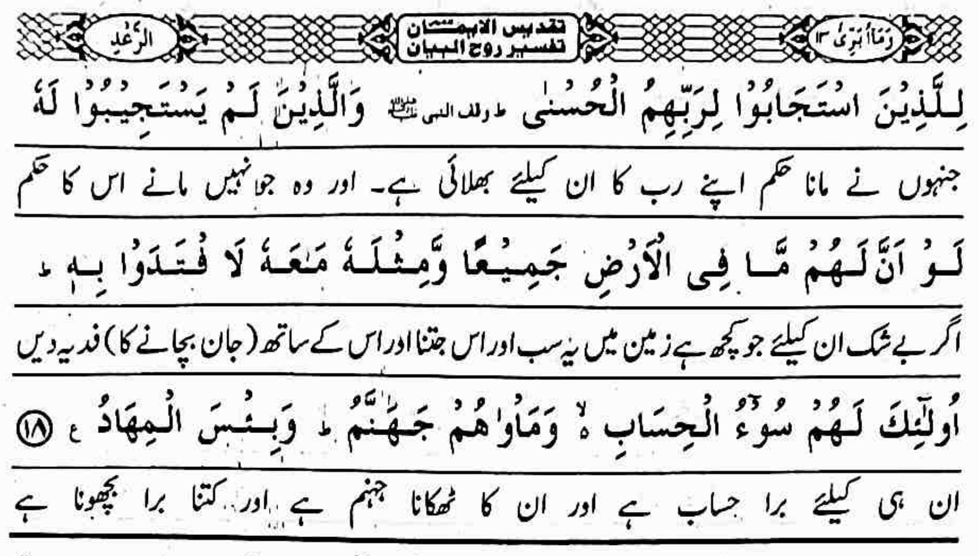
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

بیان فرماتا ہے اللہ مثالیں۔

(آیت نمبر ۱۷) اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ یعنی آسمان سے بادلوں میں اور بادلوں سے زمین پر اتارا۔ **حدیث شریف:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے۔ جہاں سے حیوانات کا رزق آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم ہوتا ہے تو وہاں سے پانی پہلے آسمان پر آتا ہے۔ پھر وہاں سے بادلوں میں پھر وہاں سے جہاں پر حکم الٰہی ہوتا ہے گویا کہ وہ چھلنی سے زمین پر پانی بارش کی شکل میں اتارا جائے اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ فرشتہ بھی اترتا ہے۔ جو اسے خاص جگہ پر پہنچاتا ہے۔ (کافی کلینی)

صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی قدرت پر واضح دلیل ہے اور اس کی تصدیق یہ مذکور آیت کریمہ کر رہی ہے تو جب قرآن وحدیث سے ایک بات واضح ہوگئی تو پھر اسے مجاز کی طرف لے جانا کہ بارش بخارات سے بنتی ہے یہ دراصل حقیقت سے منہ موڑنا ہے۔ لہذا حقیقت کا ترک کرنا اچھا نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ اس بارش سے ندیاں بہہ پڑیں۔ جو ایک اندازے سے چلتی ہیں اور اس اندازے کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس قدر تک مفید رہے گا اور اس سے زائد نقصان دہ ہے۔



لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ط وقف النبی ﷺ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ

جنہوں نے مانا حکم اپنے رب کا ان کیلئے بھلائی ہے۔ اور وہ جو نہیں مانے اس کا حکم

لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ط

اگر بے شک ان کیلئے جو کچھ ہے زمین میں یہ سب اور اس جتنا اور اس کے ساتھ (جان بچانے کا) فدیہ دیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ع ﴿۱۸﴾

ان ہی کیلئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کتنا برا بچھونا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) آگے فرمایا کہ پانی کی روانی جھاگ کو اٹھا اور بہا کر لے جاتی ہے جو پانی کے اوپر ہی تیرتی جاتی ہے۔ ان میں کچھ وہ بھی چیزیں ہیں جنہیں لوگ آگ پر رکھتے ہیں اور آگ ان کی اصل حالت کو نہیں بدلتی۔ وہ معدنیات سات ہیں: (۱) سونا۔ (۲) چاندی۔ (۳) تانبہ۔ (۴) کلی۔ (۵) لوہا۔ (۶) پارہ۔ (۷) چونا۔ یہ آگ پر پگھل کر بھی ان کی حقیقت نہیں بدلتی زیورات تیار کرتے ہیں۔ زیب وزینت کیلئے چونکہ زیادہ تر زیورات سونے اور چاندی سے بنتے ہیں۔ یا دیگر ساز وسامان گھریلو فوائد کیلئے جیسے برتن وغیرہ یا جنگی ہتھیار یا زرعی آلات وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اسی کی مثل اور بھی جھاگ دوسری اشیاء کو پگھلانے کے کام آتی ہے۔ اسی طرح مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ حق وباطل کو واضح فرماتے ہیں۔ یعنی حق کو سونے اور چاندی سے تشبیہ دی اور باطل کو جھاگ سے اور سرعت زوال سے تشبیہ دی۔ جیسے ظاہراً جھاگ پانی کے اوپر ہوتی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جھاگ ختم ہو جاتی ہے۔ یا اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی باطل بہ ظاہر غالب نظر آتا ہے۔ لیکن حق کے سامنے باطل جلد مٹ جاتا ہے۔ دائمی بقا اور غلبہ حق کو ہی حاصل ہے۔ یہی حال اہل حق اور اہل باطل کا ہے۔

(آیت نمبر ۱۸) ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا پھر اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں حسنیٰ ہے۔ یعنی جنت ہے۔

نکتہ : جنت کے حسن وجمال، زیب وزینت کیلئے حسنیٰ کا لفظ ہی جچتا ہے۔ اور اس کی طرف حقیقی داعی اللہ تعالیٰ خود ہے اور اس دعوت کو قبول کرنے والے مسلمان ہیں۔ جنت اور اس کی نعمتیں اس کی مہمانی ہیں۔

آ گے فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانا (یعنی کفار وغیرہ) اگر بے شک ان کیلئے جو زمین پر ہے یا جو زمین میں معدنیات وغیرہ ہیں۔ سب دی جائیں اور اس جیسا اور اتنا اور بھی دیئے جائیں۔ یعنی بروز قیامت ان چیزوں کا مالک بنایا جائے اور وہ کافر اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کیلئے بطور فدیہ یہ تمام اشیاء دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائیگا۔

نکتہ : علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ دنیا میں غافل تھے۔ ان کے دل ودماغ پر دنیا کا نشہ اثر انداز تھا۔ اس لئے وہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھے تھے۔ لیکن موت نے جب ان کا خمار ختم کر دیا تو پھر انہیں دنیا کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اب وہ جان کی خلاصی کیلئے یہ سوچیں گے لیکن اس وقت تو نہ ان کے پاس درھم ہوں گے نہ دینار کہ جس سے ان کی خلاصی ہو۔ آ گے فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جن کا برا حساب ہوگا۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا بروز قیامت حساب لیا گیا۔ وہ تو سمجھو ہلاک ہو گیا (بخاری باب من نوقش الحساب)۔ مائی صاحبہ نے عرض کی "حسابا یسیرا" کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا۔ وہ صرف حاضری ہوگی۔ جس کا حساب ہوا۔ پھر تو ہلاکت اور تباہی ہے۔ اسی کا نام مناقشہ ہے۔ یعنی حساب لینے میں سختی کا برتاؤ (اے اللہ ہم پر کرم کرنا)۔ اور وہ جس پر کرم ہوگا۔ اس کا حساب ہوگا ہی نہیں۔ اگر ہوا بھی تو بہت ہی مختصر ہوگا۔

آ گے فرمایا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں نے کبھی میکائیل کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ جب سے دوزخ بنائی گئی۔ اس وقت سے انہوں نے ہنسنا بند کر دیا۔ (رواہ احمد)۔ (اور ایک ہم ہیں۔ جن کی ہنسی ختم ہی نہیں ہوتی۔ اللہ ہی کرم فرمائے۔)

فائدہ : چونکہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اس لئے نہ جہنم کا ڈر ہے۔ نہ جنت کا شوق ہے نہ کسی چیز کی پرواہ۔ جب یہ دیکھیں گے۔ پھر پچھتائیں گے کہ کاش ہم نے اچھے عمل کئے ہوتے۔ مگر اس وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

کیا جو شخص جانتا ہے کہ بے شک جو کچھ اترا آپ کی طرف وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے

اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

جو اندھا ہے بے شک نصیحت وہی مانے گا جو عقل مند ہے ۔ جو پورا کرتے ہیں وعدۂ خداوندی کو

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ

اور نہیں توڑتے وعدہ کو۔ اور جو ملاتے ہیں جو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے

اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ ﴿۲۱﴾

جوڑنے کا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور خوف رکھتے ہیں برے حساب کا۔

(آیت نمبر۱۹) کیا پس جو شخص یہ جانتا ہے کہ بے شک جو اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے وہ بالکل برحق اور درست ہے۔ یعنی اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی برحق کتاب ہے (اس سے مراد جناب امیر حمزہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما ہیں) تو کیا وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو دل کا اندھا ہے جو کہ قرآن پاک کی حقانیت کا بھی منکر ہے۔ جیسے ابوجہل وغیرہ۔ یعنی جو حق دیکھ کر اس کی اتباع کرتا ہے اور جو نہ حق دیکھے اور نہ اس کی اتباع کرے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں قرآن سے نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں۔ جو اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور عاقل بھی ہیں۔ **فائدہ** : (تذکرہ) اللہ کو یاد کرنا اور تفکر یہ ہے کہ مخلوق میں غور وفکر کر کے رب کو پہچاننا۔ بعض علماء کے نزدیک تذکر اعلیٰ ہے اور بعض کے نزدیک تفکر اعلیٰ ہے۔ **نکتہ** :احکام شرعیہ کا اجراء بندے پر اسی لئے ہے تا کہ دل سے دنیوی حجابات ختم ہوں اور ان دنیوی معاملات کی وجہ سے جو پردے آگئے ہیں وہ ان شرعی امور کی وجہ سے ہٹ جائیں۔

(آیت نمبر۲۰) **تشریح**: وہ لوگ جو اپنے ازلی وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو نہیں توڑتے اسی طرح آپس کے وعدوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر کے آئے ہیں کہ ہم صرف اسی کو رب مانیں گے تو جو رب کا وعدہ پورا کرتا ہے۔ وہ بندوں سے کئے ہوئے وعدے کو بھی پورا کرتا ہے۔

(آیت نمبر۲۱) اور وہ لوگ جو ملا کر رکھتے ہیں اس کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ **فائدہ** : اس آیت کریمہ سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بیان۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا

اور جنہوں نے صبر کیا چاہتے ہوئے رضا اپنے رب کی اور قائم کی نماز اور خرچہ کیا

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اس سے جو دیا ہم نے ان کو چھپ کر اور ظاہر اور ٹالتے ہیں اچھائی کے ساتھ برائی کو

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ ﴿۲۲﴾

ان ہی کو مفید ہوگا آخرت کا گھر۔

(بقیہ آیت نمبر۲۱) وہ قریبی جن سے صلہ رحمی واجب ہے: (۱) جن دو رشتہ داروں کا آپس میں نکاح حرام ہے۔ ان سے صلہ رحمی واجب ہے۔ یعنی والد کے بہن بھائی۔ ماں کے بہن بھائی۔ اپنے بہن بھائی۔ ماں باپ۔ **فائدہ**: بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو وراثت میں حصہ دار ہیں وہ صلہ رحمی کا بھی حق دار ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات زیادہ صحیح ہے۔ اور جامع ہے۔

مسئلہ: محرم وہ ہے جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہو۔ اس لئے کہ بعض رشتے کسی وقت حلال بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسے سالی سے نکاح اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بہن سے نکاح ختم نہیں ہوتا۔ نکاح ختم ہونے کے بعد اس سے نکاح جائز ہے۔ **فائدہ**: جن سے صلہ رحمی واجب ان سے قطعی رحمی حرام ہے۔ صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ان سے میل جول ملاقات ہدیئے ان کو دینا۔ ان کو یاد رکھنا۔ ان کو سلام بھیجنا وغیرہ۔ **فائدہ**: صلہ رحمی سے رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی میں کمی کی وجہ سے ان کی بددعا بھی جلد اثر دکھاتی ہے۔ مثلاً اگر ماں باپ کا نافرمان ہے۔ اسے زیادہ دیر مہلت نہیں ملتی۔ یعنی وہ جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یا سخت سزا میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جہاں وہ رہتا ہو۔ وہاں رحمت کے فرشتوں کا نزول بھی نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا بھی خوف رکھتے ہیں۔ **فائدہ**: جسے خوف حساب ہوگا وہی رب سے ڈرے گا۔

(آیت نمبر۲۲) اور وہ لوگ جو طرح طرح کے مصائب و آلام میں صبر کرتے ہیں۔ اپنے رب کی رضا چاہنے کیلئے۔ **فائدہ**: یعنی نہ ان کا مقصد مخلوق کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ نہ کسی کے ڈر کی وجہ سے نہ ریا اور شہرت چاہتے ہیں۔ نہ خود پسندی غرض ہے۔ بس ان کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مولا راضی ہو جائے۔ اور وہ بھی زبانی زبانی۔

آگے فرمایا کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔یعنی پابندی سے تمام نمازیں ادا کرتے ہیں اور جو بھی ہم نے انہیں دیا ان نعمتوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔یعنی جوان کے ذمہ واجب ہے۔زکوٰۃ فرض ہوتو اسے وہ ادا کرتے ہیں۔

فائدہ : خرچ سے مراد زکوٰۃ اس لئے لی گئی ہے کہ قرآن مجید میں نماز کے بعد فوراً زکوٰۃ کا ہی ذکر آتا ہے۔ اس قرینہ کی وجہ سے یہاں خرچ سے زکوٰۃ مراد لی گئی ہے گویا نماز اور زکوٰۃ آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

فائدہ : یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مطلق خرچ مراد ہو۔اگر قرینے کے بغیر ذکر ہوتو پھر مطلق صدقہ یا خیرات ہی مراد ہوتے ہیں۔آگے فرمایا کہ وہ چھپ کر یعنی ایسے طریقے سے دیتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلتا اور وہ خیرات کردیتے ہیں۔**مسئلہ**: نفلی صدقات چھپا کر دینے چاہیں۔

آگے فرمایا اور اعلانیہ بھی وہ خرچ کرتے ہیں۔اس سے فرائض کی ادائیگی مراد ہوسکتی ہے۔اس لئے کہ فرائض لوگوں کے سامنے ادا کئے جائیں تاکہ بندہ تہمت سے بچ جائے۔یعنی کوئی یہ نہ کہے کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتے صرف نماز ہی ادا کرتے ہیں۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ فرضی صدقات کو کھلے عام اور نفلی صدقات وخیرات کو خفیہ دیا جائے۔

مسئلہ : والدین اگر حاجتمند ہوں تو انہیں خرچہ دینا واجب ہے۔

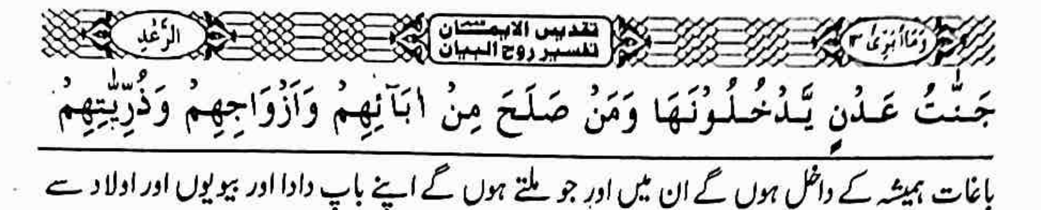
آگے فرمایا کہ وہ بھلائی کرکے برائی کو دور کردیتے ہیں۔یعنی وہ برائی کی جگہ احسان اور ظلم کے بدلے میں معاف کرتے ہیں اور قطع رحمی کرنے والے سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔

مسئلہ : اس آیت کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ خطا ہونے کے فوراً بعد نیکی کرتے ہیں تاکہ اس نیکی کی وجہ سے برائی خود ہی مٹ جائے۔

مسئلہ : سب سے اعلیٰ نیکی کلمہ طیبہ ہے۔باقی تمام نیک اعمال اسی کے اردگرد گھومتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ان کے لئے کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے یعنی جنت ہے۔

فائدہ : اس آیت کریمہ میں مومن کی آٹھ صفات بیان ہوئیں۔عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جوان آٹھ صفات پر عمل کرے۔اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔



جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ

باغات ہمیشہ کے داخل ہوں گے ان میں اور جو ملتے ہوں گے اپنے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد سے

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ ﴿۲۳﴾

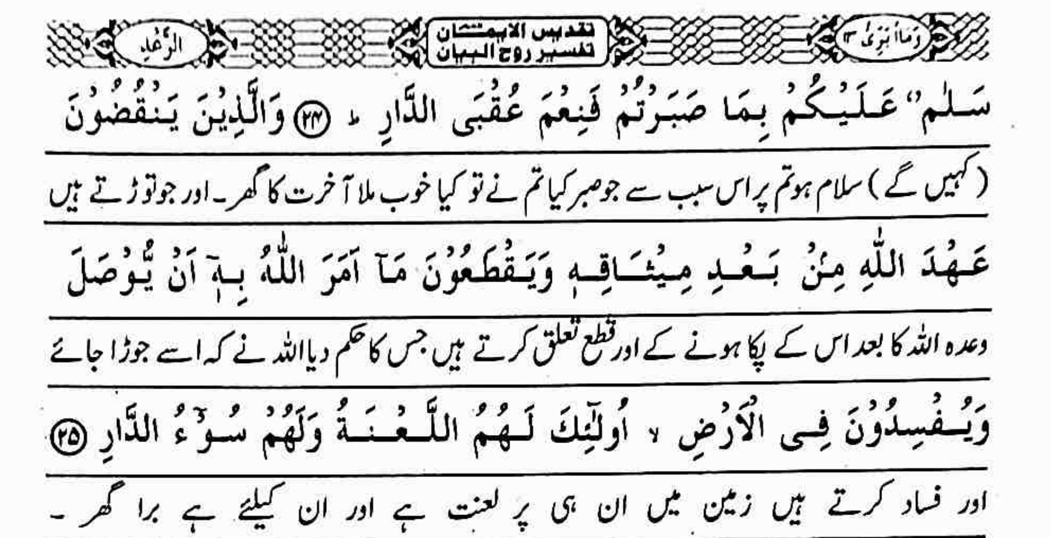
اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر ہر دروازے سے۔

(آیت نمبر۲۳) ان کے لئے عدن کے باغات ہیں۔ جن میں جب ایمان والے جائیں گے تو پھر کبھی بھی وہاں سے نہیں نکلیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ جو بھی جس جنت میں جائے گا۔ پھر وہ ہمیشہ جنت میں ہی رہے گا۔

فائدہ : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جنت عدن تمام جنتوں کے درمیان اور اعلیٰ مقام پر ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلی ہوگی اور اس جنت میں مومن کامل واکمل کو اقامت ملے گی۔ آگے فرمایا کہ جو ملیں گے اپنے باپ داداؤں سے۔ یعنی باپ کے اوپر بھی اور ماں کے اوپر والوں سے بھی ملیں گے۔ ان سب مین نیک لوگوں کی بہشت میں ملاقات ہوگی اور بیویوں اور اولاد سے جو ان کے ساتھ جنت میں داخل ہونگے۔ خواہ ان کے مراتب علمی یا عملی لحاظ سے ان تک نہ پہنچیں۔ صرف ان کی متابعت۔ ان کی تعظیم وتکریم راحت وشادمانی کے تکمیل کی وجہ سے اکٹھے ہوں گے۔ **فائدہ :** انسان جس طرح دنیا میں اپنے خاندان کے ساتھ یکجا ہو کر زندگی گذارنے میں خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح جنت میں اکٹھے رہنے پر خوش اور دنیا کے مصائب وآلام سے چھٹکارا پانے پر شکر کریں گے۔ وہاں ایک دوسرے کو حالات سنائیں گے۔ جنت میں داخل ہونے پر بڑی مسرت کا اظہار کریں گے۔

فائدہ : کاملین کی شفاعت سے کم مرتبہ کو کاملین کی خوشی کیلئے بلند مراتب والوں کے ساتھ کر دیا جائیگا۔

مسئلہ : اپنی صلاحیت کے بغیر خالی نسب کا فائدہ نہیں ہوگا۔ (نجات کیلئے عقیدہ صحیحہ شرط اول ہے اس کے بعد نیک عمل۔ اگر خالی نسب فائدہ مند ہوتا تو نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق نہ ہوتا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں نوح علیہ السلام کو بتا دیا۔ کہ یہ تیری اہل سے نہیں اس لئے کہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔ معلوم ہوا بدعملی آل سے نکال دیتی ہے۔)



سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ ۝۲۴ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

(کہیں گے) سلام ہو تم پر اس سبب سے جو صبر کیا تم نے تو کیا خوب ملا آخرت کا گھر۔ اور جو توڑتے ہیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

وعدہ اللہ کا بعد اس کے پکا ہونے کے اور قطع تعلق کرتے ہیں جس کا حکم دیا اللہ نے کہ اسے جوڑا جائے

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۲۵

اور فساد کرتے ہیں زمین میں ان ہی پر لعنت ہے اور ان کیلئے ہے برا گھر۔

(آیت نمبر۲۴) ہر دروازے سے داخل ہوتے وقت فرشتے سلام دیں گے۔ اور کہیں گے سلام علیکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔ ستر ستر ہزار نوکر خادم ملیں گے اور طرح طرح کی نعمتیں دے کر کہا جائیگا۔ یہ صلہ ہے تمہارے اس صبر کا جو دنیا میں فقر و فاقہ کے باوجود تم نے طاعت و عبادت میں کمی نہیں آنے دی۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا اے بلال دنیا میں فقیر بن کر رہو۔ اور اسی فقر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاؤ اس لئے کہ وہاں فقیر لوگ زیادہ منظور نظر ہوں گے۔ حدیث شریف: فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے ہی داخل ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ فرشتے انہیں سلام کے بعد کہیں گے کہ یہ جنت کتنی اعلیٰ رہنے کی جگہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کامل مومنوں سے تین وعدے فرمائے: (۱) جنات عدن۔ (۲) لواحقین و مومن رشتہ دار جنت میں ساتھ ہوں گے۔ (۳) ہر دروازے پر انہیں سلامی دی جائے گی۔

(آیت نمبر۲۵) وہ جو اللہ سے ازل میں کیا ہوا وعدہ توڑتے ہیں۔ یا وہ وعدہ جو انبیاء کے ذریعے ان سے طاعت و عبادت اور ایمان لانے کا لیا گیا اسے توڑتے ہیں۔ اس کے پکا ہونے کے بعد۔ یعنی جب آدم علیہ السلام کی پشت سے ارواح نکال کر ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت کا اقرار لیا۔ تو انہوں نے اقرار بھی کیا اور انہیں تاکید بھی کی گئی کہ اب اس کے خلاف نہ کرنا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے وعدہ توڑ دیا۔

آگے فرمایا کہ وہ کاٹ دیتے ہیں اسے جس کے ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی قریبی رشتہ داروں سے رشتہ کاٹتے ہیں نہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ نہ ان محبت کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ یعنی ظلم کرنا۔ شر انگیزی کرنا۔ فتنے پیدا کرنا۔ جنگ چھیڑ دینا دہشت گردی کرنا ان کا شیوہ بن جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط

اللہ پھیلاتا ہے رزق جس کیلئے چاہے اور تنگ کرتا ہے۔ اور کافر اترائے حیات دنیا پر

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ع ﴿۲۶﴾

اور نہیں ہے زندگی دنیا کی مقابلہ میں آخرت کے مگر کچھ فائدہ اٹھانا۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **حدیث شریف** میں ہے کہ فتنے سوئے ہوئے ہیں جو انہیں جگائے اس پر لعنت ہے (رواہ الرافعی فی امالیہ)۔ **فائدہ**: یعنی لوگوں میں شر پھیلا کر انہیں لڑانا۔ لوگوں میں اختلافات پیدا کرنا اور انہیں آزمائش میں ڈالنا۔ یہ سب فساد فی الارض میں آتا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر آخرت میں لعنت ہوگی اور ان کیلئے آخرت میں برا گھر ہے یعنی دنیا میں ان کی بربادی اور مرنے کے بعد جہنم۔ **فائدہ**: مسلمانوں کو ان تینوں عادات سے نفرت دلائی گئی کہ تم ان کے قریب بھی نہ جانا۔

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک وہ ذات ہے کہ جو لوگوں کیلئے دنیا میں رزق وسیع بھی کرتا ہے۔ جس کیلئے چاہے تنگ بھی کر دیتا ہے یعنی اسے بقدر ضرورت دیتا ہے۔

فائدہ: یہ بات سب کیلئے نہیں ہے۔ مسلمانوں کے رزق میں تنگی ان کیلئے امتحان ہے تا کہ صبر کر کے آخرت میں اعلیٰ مراتب پائیں یا یہ ان کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تنگ دستی کو مال و دولت پر ترجیح دی۔ اگر انہیں ملا بھی تو انہوں نے راہ خدا میں لٹا دیا۔ تو کفار مکہ مال دنیا پر اور دنیا کی زندگی پر ہی خوش تھے اور وہ اسی تکبر اور غرور میں تھے کہ اب یہ ہمارے پاس ہی رہے گا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے تھا کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی معمولی ایک نفع ہے۔ جیسے کوئی مسافر راستے کیلئے اپنے ساتھ سامان رکھ لیتا ہے۔ مثلاً گھر کے سامان کے مقابلے میں سفر کا سامان کیا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کیا حیثیت ہے۔

سبق: سمجھدار آدمی جلد ختم ہونے والی اشیاء سے خوش نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی نہیں چاہتا کہ اسے وہ حکومت ملے جو چند دنوں بعد اس سے چھن جائے۔ اگر نہ چھنے تو یہ خود دنیا سے چلا جائے۔ یعنی ہر ایک یہ چاہتا ہے۔ ہمیشہ والی بادشاہی ملے تو وہ جنت میں ہے دنیا میں نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت والی اچھی زندگی عطا فرمائے)۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ فرمادو بے شک اللہ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ

گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جو طرف اس کے رجوع کرے۔ جو ایمان لائے اور اطمینان دیا

قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ ﴿۲۸﴾

اپنے دلوں کو یاد الٰہی سے۔ خبردار یاد الٰہی سے ہی مطمئن ہوتے ہیں دل۔

(آیت نمبر ۲۷) کافر کہتے ہیں۔ یعنی کفار مکہ نے کہا کیوں نہ نازل ہوئی اس پر موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کی طرح کوئی آیت۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی عصا ہر کام کرتی عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کیے۔ اسی طرح اس نبی کا بھی معجزہ ہوتا۔ جس سے ان کے نبی ہونے کی تصدیق ہوتی کہ واقعی یہ نبی برحق ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب فرمادیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اسے گمراہ کردیتا ہے۔ ان کا آیات و معجزات کا مطالبہ تو محض تکبر کے طور پر ہے۔ اس لئے کہ یہ کفار مکہ تو کئی معجزات دیکھ چکے تھے۔ (مثلاً شق قمر کا معجزہ تو قرآن سے ثابت ہے) ایسے بدنصیبوں کو تو جتنے مرضی ہیں معجزات دیکھا دو۔ کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایسوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ اسی کو بخشتا ہے۔ جو حق کی طرف خود متوجہ ہو اور ہدایت کی طرف متوجہ ہونا بھی محض اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے ہوتا ہے۔ (اس سے پہلے جتنے لوگ ایمان لائے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہوں نے معجزات دیکھ کر تھوڑا ہی ایمان لایا۔ ان سب نے تو اسلام کی حقانیت قرآن جیسی عظیم الشان کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا شان والا نبی دیکھا تو ایمان لے آئے۔)

(آیت نمبر ۲۸) ہدایت کی طرف متوجہ وہی لوگ ہوں گے جو مومن ہیں۔ جن کے دلوں کو ذکر الٰہی کے بغیر اطمینان آتا ہی نہیں۔ یعنی جب اللہ کا نام سنتے ہیں یا نام خدا لیتے ہیں تو انہیں اس سے محبت اور انس اور سکون ملتا ہے۔
مسئلہ: ذکر سے مراد یا تو قرآن مجید ہے کہ مسلمان کے دل کو قران پاک کی تلاوت سے تسلی ہوتی ہے۔ یا اس سے مراد اللہ اللہ کرنا ہے کہ مسلمان یہ نام سنتے ہی خوش ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اس کیلئے اسم اعظم ہے۔ جیسے کافر دنیا کے مال ومتاع کا نام لے کر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان اللہ کا نام لے کر خوش ہوتا ہے۔

آگے فرمایا۔خبردار ہوجاؤ اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون ملتا ہے۔**فائدہ** : عوام کا دل ذکر وتسبیح سے اور خواص کا دل اسماء حسنیٰ سے اور اخص الخواص کا دل مشاہدہ حق سے مطمئن ہوتا ہے۔

نکتہ: عوام مومنین کے دل اس وقت مطمئن ہوتے ہیں جب وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور خواص اس وقت یاد کرتے ہیں۔ جب اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔ حدیث شریف: ایک لشکر یمن سے بہت جلد فتح یاب ہوکر اور بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آ گیا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی قوم بتاتا ہوں جو ان سے بھی افضل واعلیٰ ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے طلوع آفتاب تک ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں وہ ان سے بھی بہت اعلیٰ ہیں۔یعنی ان کا ثواب بھی ان سے زیادہ ہے۔اور آخرت کی نعمتیں بھی اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان کے جہاد پر جانے اور جہاد کرنے اور واپس آنے پر پھر بھی وقت لگا۔مگر صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک ذکر کرنے کا اتنا وقت بھی خرچ نہیں ہوتا۔

ایک وہم کا ازالہ: بعض لوگ ذکر کو بدعت کہہ کے یہ حوالہ دیتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دیکھا کہ کچھ لوگ اللہ کا ذکر کررہے ہیں تو انہوں نے اس عمل کو بدعت کہہ کے انہیں مسجد سے نکال دیا۔تو اس کا جواب علامہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ شیخ سنبل خلوتی نے ایک رسالہ الحقیقیہ فی طریقۃ صوفیہ لکھا۔اس میں انہوں نے فرمایا کہ یہ واقع بالکل جھوٹ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر سراسر بہتان ہے اور یہ بات نص قرآنی اور احادیث نبویہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے روکے وہ ظالم ہے۔(اور احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آگے مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر کررہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع کرنے کے بجائے ان کے ساتھ شریک ہوگئے) تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی تو ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرے اور صحابی ذکر کرنے والوں کو مسجد سے نکال دے۔مسجد میں ذکر کرنے والوں کو جو روکتا ہے۔اسے تو قرآن نے سب سے بڑا ظالم کہا ہے۔)

ضرورت مرشد:

ذکر کرنے والا کسی شیخ کامل اور صاحب معرفت بزرگ سے تلقین حاصل کرے۔پھر ذکر سے اسے صحیح فائدہ ہوگا۔جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تلقین حاصل کرتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ كَذٰلِكَ

جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے خوشخبری ہے ان کو اور اچھا ہے ٹھکانہ۔ اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ

بھیجا ہم نے آپ کو اس امت میں کہ تحقیق گذر چکی اس سے پہلے ان میں کئی امتیں تا کہ آپ پڑھ سنائیں انہیں

الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّىْ

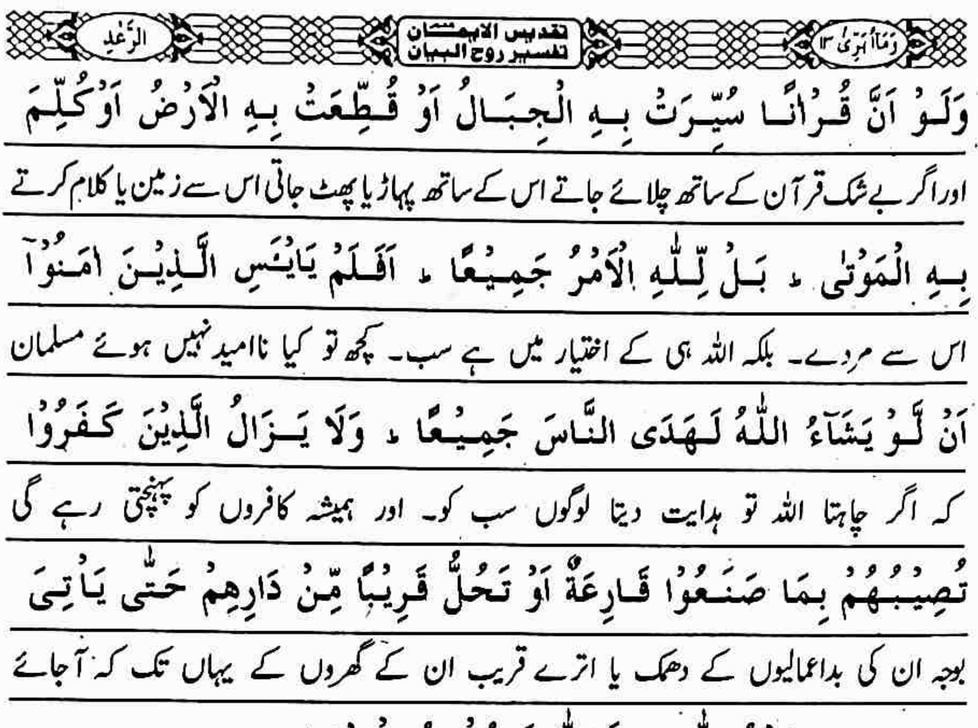
وہ جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف اور وہ منکر ہو رہے ہیں رحمٰن کے۔ فرمادو وہ میرا رب ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝

نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے۔ ان کیلئے خوشخبری ہے۔ یا ان کی زندگی اعلیٰ ہے۔ یا ان کا حال بہترین ہوگا۔ یعنی انہیں فرحت وسرور حاصل ہوگا۔ اور ان کا بہت اچھا انجام ہوگا کہ جب وہ لوٹ کر رب کے پاس جائیں گے تو انہیں جنت نصیب ہوگی۔ طوبیٰ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کا ایک درخت طوبیٰ ہے۔ جنت کے ہر گھر، ہر محل اور ہر صحن میں ہر قبہ ہر دریچہ اور ہر درخت پر اس کی ٹہنیاں سایہ کناں ہوں گی جو کسی کے دل میں آئے گا کہ فلاں پھل چاہئے وہ وہاں لگ جائیگا اور وہ اتنا خوش نما کہ دیکھتے ہی روح خوش ہو جائے گا۔ الفتح القریب میں ہے کہ وہ درخت حضور کے دولت کدہ کے صحن میں ہوگا۔ (گویا جنت میں بھی جس کو جو ملے گا۔ وہ حضور ﷺ کے طفیل ملے گا۔ **فائدہ**: دنیا میں ایمان ملا تو حضور کے طفیل اور آخرت میں نعمتیں بھی حضور ﷺ کے طفیل۔)

(آیت نمبر ۳۰) اے محبوب جس طرح ہم نے سابقہ امتوں کی طرف رسول بھیجے اسی طرح ہم نے آپ کو بھی اس امت کا رسول بنا کر بھیجا اور اس سے پہلے کئی امتیں گذر گئیں۔ یعنی آپ کا امت میں رسول بن کر آنا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ کو بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ انہیں وہ چیز پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ یعنی بڑی عظمت والی جو کتاب ہم نے آپ پر نازل کی۔ آپ انہیں سنائیں (یعنی قرآن مجید) کے نزول کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔ اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرنا ہے۔ محض تلاوت نہیں یا سننا نہیں ہے۔ لیکن یہ کفار رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ چونکہ یہ نہ اس کی وسیع رحمت سے واقف ہیں۔ نہ یہ اسے حقیقی رب مانتے ہیں۔



وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ

اور اگر بے شک قرآن کے ساتھ چلائے جاتے اس کے ساتھ پہاڑ یا پھٹ جاتی اس سے زمین یا کلام کرتے

بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اس سے مردے۔ بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے سب۔ کچھ تو کیا ناامید نہیں ہوئے مسلمان

اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ اگر چاہتا اللہ تو ہدایت دیتا لوگوں سب کو۔ اور ہمیشہ کافروں کو پہنچتی رہے گی

تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ

بوجہ ان کی بداعمالیوں کے دھمک یا اترے قریب ان کے گھروں کے یہاں تک کہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۳۱ ع

وعدہ اللہ کا۔ بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا اپنے وعدہ کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) **شان نزول:** نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے فرمارہے تھے۔ یا اللہ، یا رحمٰن۔ تو ابوجہل نے اپنے دیگر مشرک ساتھیوں سے جا کر کہا کہ محمد کے دو خدا ہیں۔ ایک اللہ دوسرا رحمان ہے۔ جنہیں یہ پکارتے ہیں۔ ہم تو یمامہ والے رحمان کو ہی جانتے ہیں۔ جسے مسیلمہ کذاب کہا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا آپ ان کو بتادیں وہ رحمٰن میرا رب ہے۔ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یعنی تمام کاموں میں میرا صرف وہی سہارا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(آیت نمبر ۳۱) اور اگر بے شک قرآن کے ساتھ پہاڑ چلیں۔

شان نزول: مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ اگر آپ ہمارے ایمان کے متمنی ہیں تو یہ مکہ کے پہاڑ یہاں سے ہٹادیں تاکہ مکہ کا علاقہ کھلا ہو جائے۔ یا باغات لگادیں۔ اس میں نہریں اور چشمے جاری ہوں۔ تاکہ شام کے علاقے کی طرح یہ علاقہ بھی سرسبز و شاداب ہو جائے۔ یا کم از کم ہمارے چند مردے زندہ کر دکھائیں۔ تاکہ وہ کہیں کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر اس قرآن کے ذریعے پہاڑ

چلا کر مکہ مکرمہ سے ہٹا دیئے جائیں اور زمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں بھی جاری ہو جائیں۔ یا مردے بھی زندہ ہو کر ان سے کلام کریں تو بھی یہ نہیں مانیں گے۔ اے میرے نبی سے یہ مطالبات کرنے والو۔ یہ ہی تو تمہاری جہالت کا ثبوت ہے۔ ہم تمہاری آخرت سنوارنا چاہتے ہیں اور تم دنیوی مفاد میں پڑے ہو۔ قرآن مجید تو تمہیں آخرت کی تعلیم دینے آیا۔ اس کی تاثیرات کا تو کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔ ان تاثیرات سے پہاڑوں کا ہٹ جانا یا مردوں کا زندہ ہو جانا معمولی بات ہے۔ قرآنی تاثیرات تو اس سے بھی بڑی ہیں۔ ہم تمہیں اس بات کی طرف لانا چاہتے ہیں کہ تم اس بات کو مان جاؤ کہ سب کے سب اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ ہر چیز پر تصرف اور کنٹرول اسی کا ہے۔ تمہارے تمام مطالبات کو پورا کرنے پر وہی قادر ہے لیکن وہ تمہارے مطالبات تمہارے کہنے پر پورے نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے۔ تمہارے کہنے پر معجزہ دکھایا جائے اور تم پھر بھی نہ مانو تو پھر تم پر عذاب آ جائے۔ (جیسے عیسیٰ علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ ہوا اور انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ لیکن معجزہ دیکھ کر منکر ہوئے تو پھر بندر اور خنزیر بنائے گئے)۔ یہی جواب ان کیلئے بھی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی میں اختیار ہوتا تو وہ کافروں کو یہ معجزہ دکھا دیتے۔

قرآن کی تاثیر آج بھی ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن اگر چمڑے میں ہو اور آگ لگائی جائے تو اسے آگ نہیں لگ سکتی۔ یہ قرآن مجید کی برکت ہے تو جس انسان کے اندر قرآن آ جائے وہ اس کی تلاوت بھی کرے اور اس پر عمل بھی کرے۔ اسے آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

آگے فرمایا۔ کیا مومنین ان کفار کے ایمان لانے سے ابھی تک ناامید نہیں ہوئے۔ جب کہ ان کافروں اور منافقوں نے پہلے کئی دفعہ وعدہ کیا لیکن کئی معجزات اور آیات کو دیکھنے کے باوجود عناد اور سرکشی سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اہل ایمان ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں اور انہیں یقین ہونا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے کر مسلمان کر سکتا تھا۔ لیکن ان کا مسلمان ہونا شاید اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے۔

آگے فرمایا کہ رحمٰن کے منکر جو کفار مکہ ہیں۔ ہمیشہ انہیں ان کے کفر جیسی بداعمالیوں کے سبب مصیبتیں پہنچتی رہیں گی۔ یعنی قتل، قید اور قحط وغیرہ جو اچانک آ کر ان کے دلوں کو ہلا دیں گی۔ یا ان کے گھروں کے نزدیک ہی یعنی مکہ شریف میں ہی ان کے گھروں میں مصائب آئیں گے جن سے انہیں گھبراہٹ ہوگی۔ یہاں تک کہ وعدۂ خداوندی آ جائے۔ موت یا فتح مکہ۔ یا قیامت مراد ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور تحقیق مزاح اڑایا گیا ان رسولوں کا جو آپ سے پہلے ہوئے ڈھیل دی میں نے کافروں کو

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۗ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

پھر پکڑا ان کو ۔ تو کیسا ہوا میرا عذاب۔

(آیت نمبر ۳۲) اور البتہ تحقیق استہزاء کی گئی پہلے رسولوں سے۔ یعنی اگر کفار مکہ آپ سے ٹھٹھہ مزاح کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یوں ہی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی قومیں مزاحیں کرتی تھیں۔ تو میں نے کافروں کو مہلت دی۔ جو نبیوں سے استہزاء کرتے تھے۔ انہیں مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں رزق کھلا دے دیا۔ تا کہ خوب کھائیں اور گناہ زیادہ سے زیادہ کمالیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا۔ پھر ان سے پوچھے کوئی کہ کیسا رہا میرا عذاب۔ یعنی میرے نبیوں اور رسولوں سے استہزاء کرنے کا انہیں کیسا مزا آیا۔

فائدہ: اہل مکہ کو سابقہ کفار کے حالات بتا کر عبرت دلائی جا رہی ہے کہ انہوں نے نبیوں سے استہزاء کیا تو ان کا یہ حال ہوا تم ایسا کرو گے تو تم بھی سزا پاؤ گے۔ اپنی سزا سے پہلے ان سے حال پوچھ لو۔

فائدہ: کفار نے انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی اور سرکشی کی اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب و محبت اور عقیدت سے پیش آئے تو اس ادب کی برکت سے وہ دارین کی سعادت سے نوازے گئے۔ اور بلند سے بلندت مراتب پا گئے۔ دنیا میں عزت، شہرت، غنیمت اور شہادت کے درجوں پر فائز ہوئے اور آخرت میں جنت اور لازوال نعمت اور دیدار الٰہی جیسے باکمال درجات پائے۔ (ذالك فضل الله يوتيه من يشاء)

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ج وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ط

کیا جو نگاہ داشت رکھتا ہے ہر شخص کے اعمال کی اور انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے شریک

قُلْ سَمُّوْهُمْ ط اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ

فرمادو نام تولو ان کا۔ یا تم اسے وہ کچھ بتاتے ہو جو نہیں وہ جانتا زمین میں یا اوپر اوپر کی

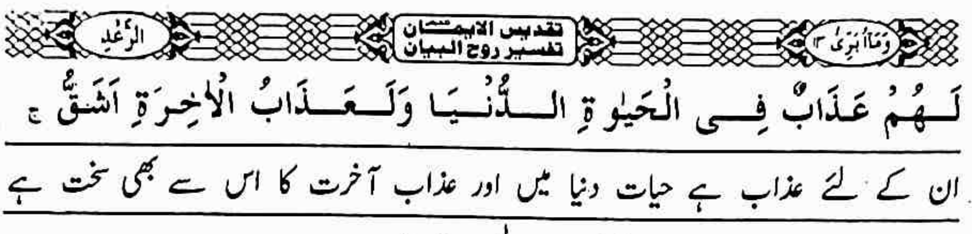
مِّنَ الْقَوْلِ ط بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ط

تمہاری باتیں ہیں۔ بلکہ خوبصورت بنایا گیا کافروں کیلئے ان کا فریب اور روکے گئے سیدھی راہ سے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور جسے گمراہ کرے اللہ پھر نہیں اس کو کوئی راہ دکھانے والا۔

(آیت نمبر ۳۳) کیا پس وہ ذات جو ہر ایک نفس پر نگہبان ہے۔ خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ یہ سبب اس کے جو اس نے کمایا۔ نیک عمل کیا یا بد۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور اسی کے مطابق جزاء اور سزا بھی دے گا۔ یعنی ان سب باتوں پر قدرت رکھتا ہے تو کیا کوئی بتوں میں بھی ایسا ہے جسے اس طرح کسی کو نفع یا نقصان دینے کی قدرت ہو (کیسے بے وقوف لوگ ہیں) جنہوں نے ان کو خدا کا شریک بنالیا۔ جو نہایت ہی عاجز اور حد درجے کے کمزور ہیں۔ یہ تو جاہل اور پرلے درجے کے احمق ہی ایسا کر سکتے ہیں مگر تعجب ہے کہ جاننے کے باوجود کہ یہ بت نہایت عاجز ہیں۔ پھر بھی انہیں اللہ کا شریک بنالیا ہے۔ یہ ان کی سفاہت اور حماقت کی واضح دلیل ہے۔ اے محبوب ان سے کہو۔ کہ ذرا تم ان کے نام لو اور ان کی کوئی صفت بیان کرو کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود زندہ دوسروں کو زندہ کرتا ہے۔ موت دیتا ہے۔ خالق ہے۔ مالک ہے رازق ہے۔ سمیع و بصیر ہے۔ علیم و حکیم ہے وغیرہ وغیرہ اے مشرکو۔ تم اپنے بتوں کی کوئی تو صفت بیان کرو۔ جب وہ کسی کام کے نہیں تو ان کی عبادت کیسی۔ یا تم اللہ تعالیٰ کو وہ کچھ بتا رہے ہو جیسے وہ خود کچھ نہیں جانتا ان کے بارے میں۔ اے مشرکو یہ تمہاری صرف زبانی کلامی باتیں ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے۔ جیسے کالے کو سفید یا اندھیرے کو نور کہہ دیا جائے۔ یہ ان کے بتوں کے نام ایسے ہیں جیسے کوئی بے معنی اور مہمل گفتگو کرتا ہے۔ سمجھدار آدمی تو ایسے الفاظ بولنے سے بھی نفرت کرتا ہے۔



لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ج

ان کے لئے عذاب ہے حیات دنیا میں اور عذاب آخرت کا اس سے بھی سخت ہے

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

اور نہیں ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) آگے فرمایا۔ بلکہ کافروں کے مکر کو خوبصورت بنادیا گیا ہے اور ان کے نفسوں کو باطل چیزیں ہی اچھی لگتی ہیں۔ وہ باطل کو حق سمجھتے ہیں۔ انہیں بتوں کو خدا کا شریک ماننا حق نظر آتا ہے۔ یہ شیطان نے انہیں فریب دے رکھا ہے کہ ان کے برے اعمال کو خوبصورت بنا رکھا ہے اور وہ سیدھی راہ سے روکے گئے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کردے۔ یعنی سیدھی راہ پر نہ آنے دے۔ پھر اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ یعنی پھر کس میں ہمت ہے کہ اسے راہ دکھا سکے۔

(آیت نمبر ۳۴) دنیا کی زندگی میں بھی ان کفار کیلئے عذاب ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی اور قتل ہوں گے اور اس کے علاوہ بھی انہیں مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا تا کہ باقی لوگ ان کی سزا سے عبرت پکڑیں اور اس قسم کی برائیوں سے باز آ جائیں اور عذاب قیامت والا ضرور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ اس لئے بھی کہ اس کی تکلیف دنیا کی تکلیف سے بہت زیادہ ہوگی اور دوسرا یہ کہ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں یہ جلتے رہیں گے اور تیسرا یہ کہ دنیا میں رہتے ہوئے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ ان پر حسرت و افسوس ہوگا اور چوتھا جنتی نہ ہو سکنے پر افسوس یہ سب عذاب پر عذاب ہیں۔ اس لئے اسے انتہائی سخت عذاب کہا گیا۔

آگے فرمایا کہ انہیں کوئی اس عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اور نہ کوئی روکنے والا یا حفاظت کرنے والا ہوگا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم کے قریب ایک سخت مکروہ آواز سنی تو جناب جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ کرخت آواز جہنم کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہی ہے کہ اے اللہ جو میرے ساتھ وعدہ کیا گیا۔ وہ پورا کریں۔ اس لئے کہ میرے اندر طوق اور بیڑیاں اور آگ کی گرمی۔ ابلتا ہوا پانی جو گندا اور بدبودار ہے اور دوسری عذاب والی اشیاء کثرت سے ہوگئی ہیں۔ لہذا اب بغیر دیر کئے میرے اندر آنے والوں کو بھیج دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جہنم فکر نہ کر میں نے تمام مشرک مرد اور عورتیں اور کل کفار اور خبیث مرد اور عورتیں جو بھی سرکش جو آخرت کو نہیں مانتا ان کی بہت بڑی تعداد تیرے لئے تیار کر رکھی ہے جو بہت جلد تیرے اندر آ جائیں گے۔ (الترغیب والترہیب ومواہب اللدنیہ)

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ؕ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ؕ

مثال اس جنت کی جس کا وعدہ دیئے گئے۔ پرہیزگار جاری ہوں گی اس میں نہریں۔

أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى

پھل اس کے ہمیشہ ہونگے اور سایہ بھی۔ یہ انجام متقیوں کا ہے اور انجام

الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

کافروں کا آگ ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۳۴) **فائدہ** :اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان گناہ گاروں کوایسی آگ میں ڈالیں گے جس آگ کوتین ہزار سال تک جلا کرگرم کیا گیا۔ پہلے ہزار سال میں جل جل کر وہ سفید ہوئی۔ پھر ہزار سال جلنے کے بعد سرخ ہوئی اور پھر ہزار سال جلنے کے بعد وہ سیاہ ہوگئی اب جہنم سیاہ کالی رات کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں معاف فرمائے اور اس دوزخ اور دوری کے عذاب سے بچائے۔ اپنی رحمت قرب اور دیدار نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(آیت نمبر۳۵) اس جنت کی مثال جس کا متقین لوگوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔ یعنی جو کفر وشرک اور گناہوں سے بچتے رہے۔ جس میں نہریں جاری ہوں گی جو اولیاء مقربین کو نصیب ہونگی اور اس جنت کے میوہ جات دنیا کے میوہ جات کی طرح موسمی نہیں ہونگے بلکہ وہ ہمیشہ ہوں گے۔ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ نہ انہیں کوئی روکنے والا ہوگا اسی طرح جنت کے درختوں کے سائے بھی میوہ جات کی طرح دائمی یعنی ہمیشہ ہمیشہ ہونگے۔ اگرچہ سورج کی تپش نہیں ہوگی بلکہ سورج ہی نہیں ہوگا۔ نہ گرمی ہوگی۔ نہ سردی ہوگی۔

نکتہ: سائیوں اور درختوں کا ذکر بار بار قرآن پاک میں اسلئے کیا جارہا ہے کہ عرب والے باغات اور سائیوں کو بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ ورنہ جنت میں تو ہر نعمت وافر مقدار میں ہوگی۔ ہر قسم کی آرائش زیبائش آرام استراحت فرحت وسرور ہوگا۔ **نکتہ** : دوام سے مراد یہ ہے کہ اگلا پھل اترتے ہی دوسرا پھل اسی وقت اسی جگہ لگ جائے گا۔ آگے فرمایا کہ یہ جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کا فرحت وسرور متقی اور پرہیزگاروں کا انجام ہے۔ اور کافروں کا انجام جہنم کی آگ ہی ہے۔ جس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اور جنہیں ہم نے دی کتاب وہ خوش ہیں اس پر جو اترا آپ کی طرف اور ان گروہوں میں

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ

کچھ وہ ہیں جو منکر ہیں اس کے بعض سے۔ فرمادو مجھے تو یہی حکم دیا گیا کہ میں بندگی کروں اللہ کی اور نہ شریک بناؤں

بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اس کا اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) اور جن کو ہم نے کتاب دی۔ یعنی اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور اسی طرح عیسائیوں میں سے نجران کے کچھ حضرات جو ایمان لائے اور مسلمان ہوئے اور الکتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ورحمت ہے جو اسنے اپنے بندوں کو عطا کیا۔ یقیناً اہل یقین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل واحسان ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ کچھ گروہ یعنی کفار وغیرہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں کئی جماعتیں بنا رکھی تھیں۔ جیسے کعب بن اشرف وغیرہ اور سید اور عاقب جو نجران والوں کے سرغنے تھے جو قرآن کے بعض احکام کا انکار کرتے تھے جو ان کی مرضی کے خلاف تھے۔

فائدہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی صرف سورہ یوسف کو برحق مانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب آپ ان کو فرمادیں کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ ہمارے دین میں سب سے عمدہ چیز مسئلہ توحید ہے۔ لہذا اے کافرو۔ اس کے مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ باقی احکام الٰہی کا انکار کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے کفار نے بھی انکار کیا تم بھی کر رہے ہو۔ لیکن یاد رکھو میں تمہیں اسی کی طرف بلاتا رہوں گا۔ اور اسی کی طرف میں نے اور تم نے بھی لوٹ کر جانا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

اور اسی طرح اترا ہمارا حکم عربی میں۔ اور اگر تو چلا ان کی خواہشات پر بعد اس کے

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ؏ ﴿۳۷﴾

جو آ گیا تیرے پاس علم پھر نہیں ہوگا تیرا کوئی اللہ کے آگے حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ

اور تحقیق بھیجے ہم نے رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ہم نے ان کی بیویاں اور بچے ۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور نہیں ہے کسی رسول کیلئے کہ لائے کوئی نشانی مگر حکم الٰہی سے۔ ہر ایک وعدہ لکھا جا چکا ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) اسی طرح جیسے ہم نے سابقہ امتوں کی طرف ان کی ہی زبانوں میں کتابیں نازل کیں۔ اسی طرح ہم نے قرآن مجید کو بھی فیصلہ کن کتاب بنا کر اتارا جن امور کی بندوں کو ضرورت تھی۔ ان کے تمام فیصلے قرآن میں ہیں۔ اور وہ فیصلے برحق مبنی بر حکمت اور درست ہیں۔ اور اسے عربی زبان میں اتارا۔ تا کہ اسے پڑھنا۔ یاد کرنا اور اسے سمجھنا آسان ہو۔

شان نزول : مشرکین حضور ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں اور یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ان کے مذاہب کی اب کوئی حقیقت نہیں رہی۔ یہ صرف اپنی خواہشات نفسانی پر چل رہے ہیں۔ آپ ان کی خواہش پر نہ چلیں۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم بمعہ پختہ دلائل آ گیا ہے۔ آپ کا دین برحق ہے اور امت کو بھی بتا دیں کہ اگر کوئی ان کی خواہش پر چلا تو پھر نہ کوئی اس کا دوست ہوگا نہ بچانے والا۔ **فائدہ :** یہ حکم ظاہراً نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن سنایا امت کو ہے۔ **فائدہ :** عوام کو متنبہ بھی کیا ہے کہ اتنی ارفع واعلیٰ شخصیت کو اسلام کے علاوہ کسی اور طرف جانے میں سختی سے روکا جا رہا ہے تو پھر اور کون ہے جسے اجازت ہوگی۔

(آیت نمبر ۳۸) البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے جو آپ کی طرح آدمی تھے۔ کوئی فرشتے نہیں تھے۔

شان نزول : کفار مکہ کہتے تھے کہ نبی انسانوں میں نہیں ہو سکتے۔ فرشتوں میں ہوتے ہیں (عجب بے وقوف تھے پتھروں کو خدا مان گئے نبی کا انسان ہونا نہ مانا) تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

مٹاتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے ا۔ور اس کے پاس ہے اصل کتاب

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) کئی رسول بھیجے اور ان کی بیویاں ہوئیں اور ان کی اولاد ہوئی۔فرشتوں کی تو نہ بیویاں نہ اولاد۔

فائدہ: نیز یہود و نصاریٰ بھی کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی رسول ہیں تو آپ کی اتنی بیویاں کیوں ہیں۔رسول کو تو عبادات سے ہی فرصت نہیں ہوتی۔حالانکہ ان کی یہ سوچ جاہلانہ تھی۔پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی تو سو سو بیویاں ہوئی ہیں۔داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں، سلیمان علیہ السلام کی تین سو سے بھی زائد تھیں حضور ﷺ کی کثرت ازواج اس وجہ سے ہوئیں کہ اس دین نے قیامت تک رہنا تھا اور عورتوں کے مسائل مختلف ہوتے ہیں تاکہ تمام عورتوں کے مسائل واضح ہو جائیں اور آپ نے تمام بیویاں پچاس سال عمر گذرنے کے بعد کیں۔آپ اگر عورتوں کے خواہش مند ہوتے تو جوانی میں اتنی شادیاں کرتے۔

آگے فرمایا کہ کسی رسول کیلئے جائز نہیں ہوا نہ ان کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ خود ہی کوئی نشانی یا آیت اتار لائیں۔جو رسول بھی نشانی لایا وہ اللہ کے حکم سے۔یعنی جو بھی کوئی معجزہ وغیرہ لے کر آتے ہیں وہ ان کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔انبیاء و رسل علیہم السلام کی تمام حرکات و سکنات اللہ کے اذن سے ہیں۔آگے فرمایا کہ ہر حکم کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) جس حکم کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے اور جسے ثابت رکھنا چاہتا ہے اسے ثابت رکھ لیتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کی بھلائی دیکھتا ہے۔اگر بندوں کی بھلائی برقرار رکھنے میں بہتری ہے تو برقرار رکھتا ہے ورنہ مٹا دیتا ہے۔جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر: توبہ کرنے والے بندوں کے گناہ مٹا دیتا ہے اور نیکیاں ثابت رکھتا ہے۔

تیسری تفسیر: بندوں کے اعمالنامے ہر سوموار اور جمعرات کو فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں تو ان میں سے جزاء و سزا والے رہنے دیتے ہیں۔باقی اڑا دیئے جاتے ہیں جن کا نہ ثواب نہ عذاب۔

چوتھی تفسیر: بندے کے اعمال میں اول آخر اگر نیکیاں ہیں تو درمیان میں جو عمل ہیں ان کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اگر اول آخر برائیاں ہیں تو انہیں آخرت کیلئے رہنے دیتے ہیں۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

اور اگر ہم دکھادیں تمہیں کچھ وہ جس کا وعدہ دیا ان کو یا ہم وفات دیں آپ کو پس بے شک آپ پر ہے

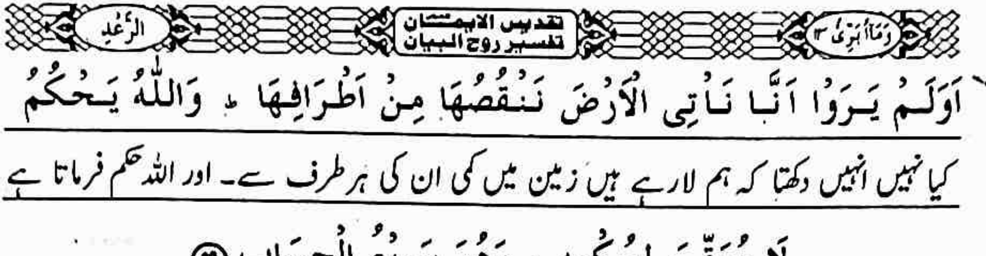
الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾

پہنچانا اور ہم پر ہے حساب لینا۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) آگے فرمایا کہ اسی کے پاس ہے۔ اصل کتاب جس میں نیک بختوں اور بدبختوں کے خاتمے تک کے سب معاملات درج ہیں۔ جس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرسکتا۔

فائدہ: یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سی عمر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس کا بھی ایک مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال نامے کو معلق کردیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صلہ رحمی کی تو عمر بڑھے گی۔ ایک حدیث شریف میں یوں بھی ہے کہ جب انسان کی عمر کے تیس سال باقی ہوتے ہیں تو اس سے قطع رحمی ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کی عمر کے صرف تین دن لکھ دو اور بسا اوقات اس کی زندگی کے تین دن باقی ہوتے ہیں کہ اس سے صلہ رحمی کا عمل ہوجاتا ہے تو حکم ہوجاتا ہے کہ اس کی عمر تیس سال بڑھادی جائے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

(آیت نمبر ۴۰) اور اگر ہم آپ کو اس ظاہری حیات میں کچھ وہ دکھادیں۔ جس کا انہیں ڈر سنا کر وعدہ دیتے ہیں۔ یا اس کا کچھ حصہ ان کفار مکہ کو دنیا میں مختلف مصائب وعذاب میں مبتلا کرکے دکھادیں گے۔ یا ہم آپ کو اپنے پاس بلالیں۔ تو اس میں فکر نہ کریں۔ آپ کی ڈیوٹی پوری ہوگئی کہ آپ کے ذمہ پہنچانا تھا۔ وہ آپ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا کردیا اور امانت پہنچادی۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔ اب اگلا معاملہ حساب کا ہے۔ وہ ہم بروز قیامت جزاء وسزا کے ساتھ کردیں گے۔ یعنی ان کفار ومشرکین کو سخت ترین عذاب دیں گے۔ اس لئے ان کی روگردانی سے نہ گھبرائیں۔ نہ ان کے عذاب میں جلدی کریں۔ یہ کسی طرح بھی عذاب سے بچ نہیں سکتے۔



اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ

کیا نہیں انہیں دکھتا کہ ہم لا رہے ہیں زمین میں کمی ان کی ہر طرف سے۔ اور اللہ حکم فرماتا ہے

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

نہیں کوئی پیچھے کرنے والا اس کے حکم کا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

(آیت نمبر ۴۱) کیا وہ یہ بات نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو اس کی اطراف سے گھٹا رہے ہیں۔

شانِ نزول : کفار کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) رب نے جو تمہارے ساتھ کامیابی وغیرہ کا وعدہ کیا تھا۔ کیا وہ پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم ان کافروں کے علاقے اپنے محبوب اور اس کے غلاموں کے قبضے میں کر رہے ہیں۔ کفار کے علاقوں کا کم ہونا اور مسلمانوں کے علاقوں کا بڑھنا یہی بات ان کیلئے باعث عبرت ہونی چاہئے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کام کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ وہ ہو کر رہتا ہے۔ نہ اسے کوئی روک سکتا ہے۔ نہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی فتح اور کامیابی ہوگی اور کفار مغلوب ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوگا۔

آگے فرمایا کہ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی دنیا کا فیصلہ تو ہو گیا جو تم نے دیکھ بھی لیا۔ اسی طرح آخرت میں بھی بہت تھوڑے وقت میں فیصلہ ہو جائیگا۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زمین کا نقص اس میں بے برکتی ہے اور ان علاقوں کی ویرانی ہے یا ان علاقوں سے علماء، اولیاء اور فقہاء کا دنیا سے اٹھ جانا ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب علم اٹھا لیا جائیگا۔ پھر لوگ اپنے لیڈروں اور جاہل سرداروں سے مسائل پوچھیں گے تو وہ انہیں غلط مسئلے بتائیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (بخاری و مسلم)۔ (تقریباً یہ سلسلہ اب شروع ہو گیا ہے)۔

علم و علماء کی برکات: حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ اس وقت تک خیر و برکت کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک کہ ان میں اہل علم علماء موجود ہوں گے۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے پھر دین سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ ختم ہو جائیگا۔ درس گاہیں زبوں حالی کا شکار ہو جائیں گی (لوگ کالجوں، دنیوی سکولوں اور یونیورسٹیوں کی طرف رجحان کر لیں گے) تو پھر وہ وقت ان کی تباہی و بربادی کا وقت ہوگا۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ

اور تحقیق فریب کیا ان سے پہلوں نے تو اللہ ہی مالک ہے خفیہ تمام تدبیروں کا۔ جانتا ہے

مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

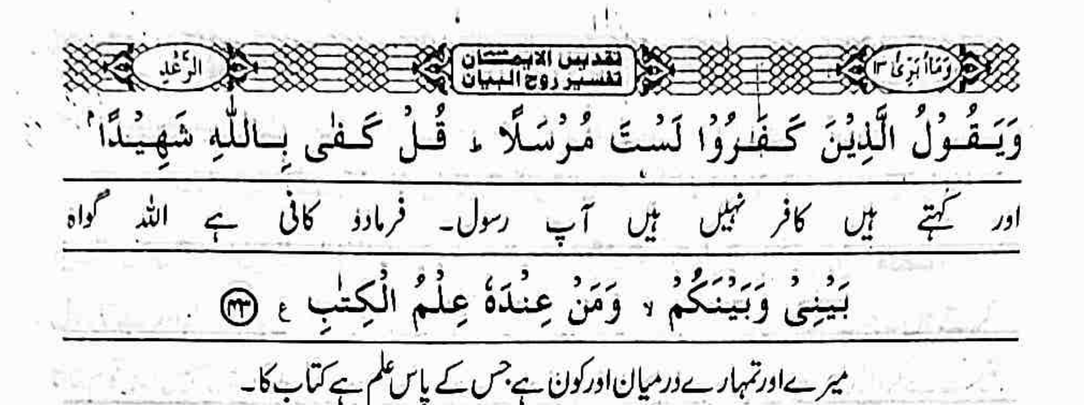
جو کمائے ہر جان۔ اور جلد جانیں گے کافر کہ کس کا ہے آخرت کا گھر۔

(بقیہ آیت نمبر۴۱) **دنیا کی تباہی کے اسباب:** عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہ کی تباہی پانچ وجوہات سے ہوسکتی ہے: (۱) حکام۔ (۲) تاجر۔ (۳) علماء۔ (۴) پیر۔ (۵) نمازی:: علماء جب دین چھوڑ کر دنیا حاصل کرنے میں لگ جائیں گے اور حاکم جب رعایا پر ظلم وستم کرنے لگ جائیں گے۔ عوام کا خون چوس کر ان کے مال اپنے قبضے میں کرلیں گے اور تاجر جب ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنا شروع کردیں گے اور پیر عبادات وریاضات کے بجائے مال جمع کرنے میں لگ جائیں اور نمازی جہاد سے کترانے لگ جائیں گے۔ جان بچانے کی فکر میں ہو جائیں۔ (یہ تمام باتیں آج پوری پائی جاتی ہیں) حقیقت تو یہ ہے کہ علماء تو انبیاء کے وارث تھے۔ زاہد لوگ زمین کا ستون تھے اور نمازی زمین پر اللہ کے لشکری ہیں اور تاجر زمین پر اللہ تعالیٰ کے امین ہیں اور حکام زمین کے نگران ہیں۔ یہ جب باتیں ختم ہوں گی تو پھر تباہی ہی ہوگی۔

(آیت نمبر۴۲) ان سے پہلے کفار ومشرکین نے بھی اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے تابعداروں سے مکر کیے۔ جیسے یہ مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکالیف پہنچا رہے ہیں۔

فائدہ: مکر سے مراد یہ ہے وہ انہیں پوشیدہ طور پر قتل کرتے تھے یا قتل کے منصوبے بناتے تھے۔ جیسے کفار مکہ نے دارالندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ آگے فرمایا۔ اصل خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ کام کرجاتی ہے۔ **فائدہ:** کواشی فرماتے ہیں۔ مکر کے اسباب اور اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کے ارادے پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہر نفس نے کیا کمایا۔ ہر اچھے اور ان کے برے عمل کو وہ جانتا ہے۔ اسی کے مطابق ہر ایک کو جزاء یا سزا دے گا۔ آگے فرمایا کہ عنقریب کافروں کو پتہ چل جائیگا کہ دونوں جماعتوں میں سے کس کا انجام اچھا ہوا۔ عاقبت سے مراد یہ ہے کہ خاتمہ اچھا ایمان اور رضوان پر ہو۔ تاکہ مرنے کے بعد جنت نصیب ہو۔



(آیت نمبر۴۲) **کفار کا انجام بد اور سماع موتی:** غزوۂ بدر میں کفار کے سردار جب مردار ہو گئے تو ان سب کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ تیسرے روز مدینہ شریف کی طرف واپسی سے پہلے حضور ﷺ نے ان کے گڑھے پر کھڑے ہو کر فرمایا اور اے فلاں ابن فلاں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بے جان جسموں سے کلام کر رہے ہیں تو فرمایا کہ تم سے زیادہ بہتر سن رہے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری و مسلم)۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کافر سن سکتے ہیں۔ تو مسلمان مردے بطریق اولیٰ سن سکتے ہیں۔

(آیت نمبر۴۳) اور کافر کہتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) تو رسول نہیں ہے۔

عقیدہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ آپ رسول ہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ جو شخص رسول بے شک مانے مگر آخری نبی و رسول نہ مانے تو بھی کافر ہے۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر گواہی دیتے ہیں۔

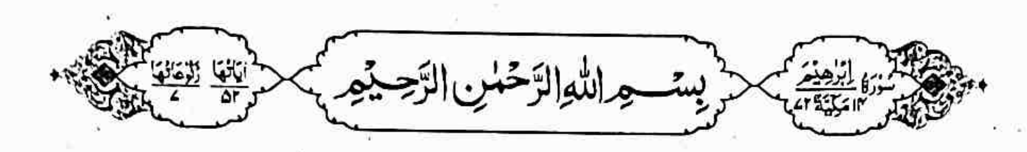
عقیدہ: حضور ﷺ کل کائنات کے نبی اور رسول ہیں۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہر ہر ذرے کے نبی ہیں۔ اسی لئے کنکریوں نے آپ کا کلمہ پڑھا ہے۔ مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابو جہل مٹھی میں بند چند کنکریاں لے آیا اور حضور ﷺ سے کہنے لگا۔ اگر آپ رسول ہیں تو بتاؤ میری بند مٹھی میں کیا ہے۔ فرمایا میں

بتاؤں کہ مٹھی میں کیا ہے۔ یا مٹھی والی چیز میرا کلمہ پڑھ کر بتائے کہ میں کون ہوں۔ اتنے میں اس کی مٹھی سے آواز آئی کہ ہر کنکری کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔ تو اسنے انہیں زمین پر پھینک دیا۔ اس بات کی دلیل قرآن مجید میں بھی ہے (وان من شیء الا یسبح بحمدہ) کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے۔ حدیث شریف: فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی۔ کہ پتھروں میں بھی حس ہے۔ کئی پتھر مکے میں ایسے تھے۔ حضور ﷺ جب ان کے پاس سے گذرتے تو وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔

یہ نام ہر کام بنا دیتا ہے:

آدم علیہ السلام خطا کے بعد دو تین سو سال روئے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ محمد ﷺ کے طفیل میری خطا معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں تو نے کس طرح جانا تو عرض کی کہ جب مجھ میں روح پڑی۔ میں نے نگاہ اٹھائی تو عرش پر لکھا تھا "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑا وہ ضرور بہت بڑی شان والا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمادی۔ (خصائص کبریٰ)

سورۃ کا اختتام: ۱۴ نومبر ۲۰۱۵، بروز جمعۃ المبرک صبح ۹ بجے



الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

کتاب اتاری ہم نے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف

بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۱﴾

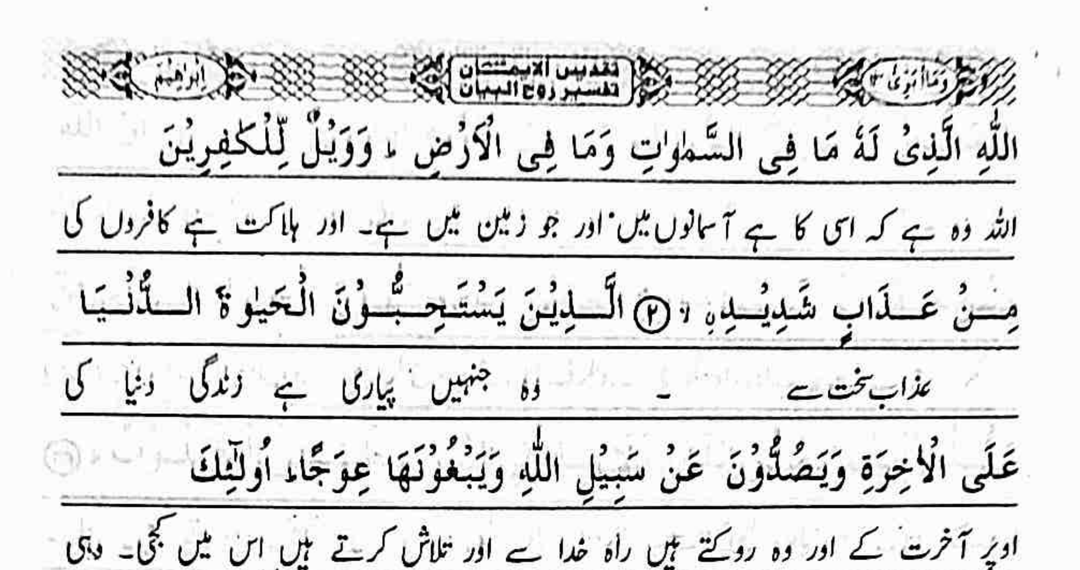
رب کے حکم سے طرف راستے اس کے جو عزت اور تعریفوں والا ہے۔

(آیت نمبر۱) الٓـــر حروف مقطعات ہیں۔ ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ علماء کرام نے جو معانی یا ان حروف کی تاویل کی ہیں وہ صرف لفظی ہیں۔ وہ حقیقی یا تحقیقی نہیں ہیں۔

فائدہ: امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ماتریدی کا قول ہے کہ حروف مقطعات میں بھی آزمائش ہے۔ مومن تصدیق کرتا ہے۔ اور منکر تکذیب کر دیتا ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ قران مجید کتاب ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف بذریعہ جبریل اتارا۔ جو ایسا معجزہ ہے کہ جو آپ کی رسالت اور نبوت پر بڑی مضبوط دلیل ہے۔ اس کتاب کے نازل کرنے کی ضرورت اور مصلحت یہ ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکالیں اور نور کی طرف لے آئیں۔

تشریح: ظلمات جمع ہے اور نور واحد ہے۔ اس لئے کہ گمراہی کی اقسام ہزاروں ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ایک ہی ہے۔ اس لئے گمراہیوں کے لئے ظلمات فرمایا اور ہدایت کو نور فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظلمات اور نور کے درمیان ستر حجابات ہیں۔ ان حجابات سے کامل مومن ہی نکل سکتا ہے۔ جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے استعداد رکھی ہو یا جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نکال دے۔ ورنہ مشکل ہے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کی ذات پاک بابرکات یا قرآن مجید تو مسلمانوں کو ان اندھیروں سے نکالنے کے اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ اپنے رب کے حکم سے نکل سکتے ہیں۔ **فائدہ:** مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اذن الٰہی ہر مقام پر کارفرما ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ بھی ہدایت دیتے ہیں۔ تو میرے اذن و عطا سے دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اس اذن کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔



اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ

اللہ وہ ہے کہ اسی کا ہے آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور ہلاکت ہے کافروں کی

مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِۙ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

عذاب سخت سے ۔ وہ جنہیں پیاری ہے زندگی دنیا کی

عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ

اوپر آخرت کے اور وہ روکتے ہیں راہ خدا سے اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی۔ وہی

فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾

گمراہی دور میں ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱) جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینی ہوتی ہے۔ اس کیلئے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور سارے اسباب سے اعلیٰ سبب نبی کی ذات ہے تو وہ نبی لوگوں کو عزیز وحمید ذات کی طرف راہ دکھاتے ہیں۔ اس راہ سے مراد دین اسلام ہے جو جنت اور قرب خداوندی کا راستہ بتاتا ہے۔

(آیت نمبر ۲) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس کی ملکیت زمین وآسمان ہیں۔ بلکہ عالم موجودات کا ذرہ ذرہ اس کی ملک ہے اور ان کافروں کیلئے ہلاکت ہے جو اس کتاب کا انکار کرتے ہیں اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ جس میں وہ روئیں گے اور چلائیں گے اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ وہ ہلاکت مانگیں گے۔ لیکن نہ ان کا شور وواویلا سنا جائیگا اور نہ وہ اس عذاب سے چھٹکارہ پائیں گے۔

(آیت نمبر ۳) ان لوگوں کا مزید تعارف یہ ہے کہ وہ آخرت کے بجائے دنیا سے محبت کرتے ہیں جبکہ آخرت تو دائمی ہے۔ اسے چھوڑ دیا اور فانی کو ترجیح دے دی۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جو بندہ جس چیز کو ترجیح دیتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے تب ہی تو اسے ترجیح دیتا ہے اور اسے مرجوع سے بہتر سمجھتا ہے۔ **فائدہ** : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو لوگ آخرت کو بے کار سمجھ کر دنیا کو پسند کرتے ہیں۔ گویا وہ نقد کے قائل ہیں۔ یہی کفار کا طریقہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی خواہشات وشہوات کی طلب میں پوری کوشش کرتے ہیں اور آخرت کے معاملے میں سستی کرتے ہیں۔ آخرت کے حصول کے لئے مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ نفس کے خلاف کرنا اور خواہشات کو چھوڑنا انہیں مشکل نظر آتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قومی زبان کے ساتھ تا کہ واضح کر کے بتائے انہیں۔ گمراہ کرتا ہے اللہ

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور وہ عزت والا حکمت والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) اور شریعت پر چلنا تھوڑا دشوار نظر آتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ کے راستے یعنی اللہ کا دین قبول کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یعنی حق پر چلنے والوں کو کہتے ہیں کہ تم غلط راہ پر چل رہے ہو۔ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہی لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔ یعنی راہ حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ جہاں سے واپس راہ ہدایت پر آنا بہت مشکل ہے۔ **فائدہ**: سب سے بڑا گمراہ شیطان ہے۔ اس کے پیچھے چلنے والا بھی تو گمراہ ہے۔ جیسے سب سے بڑا ہدایت والا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۴) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قومی زبان کے ساتھ۔

شانِ نزول: کفار نے یہ اعتراض کیا کہ باقی آسمانی کتابیں عربی میں نہیں تو یہ کیوں عربی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ قرآن کے علاوہ جتنی کتب اتریں وہاں کے نبی کی زبان وہی ہوتی تھی جو بولی قوم بولتی تھی اسی بولی میں کتاب اترتی۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کے سامنے واضح کر کے بیان کریں۔ کتاب جس زبان میں ہوتی۔ نبی اپنی قوم کی بولی جانتے اور سمجھتے تھے وہ انہیں اچھی طرح سمجھا سکتے تھے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ سب سے پہلے اپنے رشتے داروں کو ڈر سنائیں۔ حالانکہ آپ تو جنوں۔ انسانوں فرشتوں بلکہ پوری دنیا کے لئے رسول بن کر تشریف لائے۔ تو اگر ہر بولی میں کتاب کا نزول ہوتا۔ تو بے شمار قرآن بھیجنے پڑتے۔ لہٰذا کتاب خواہ جس زبان میں ہو نبی اپنی امت کی بولی جانتا ہے۔ اس لئے وہ انہیں ان کی بولی میں سمجھا سکتا ہے۔ عربی زبان تمام زبانوں کی سردار ہے۔ قرآن مجید ظاہراً مختصر ہے۔ مگر کائنات کے تمام مسائل کے حل رب تعالیٰ نے اس کتاب میں رکھ دیئے۔ یہ ایسا معجزہ ہے کہ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔ لوگوں نے اس کے اندر تحریف کرنے میں بہت کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہیں ہو سکے اور یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کی جامع ہے اور آسمانی تمام کتابوں میں افضل ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

اور تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو نشانیوں کے ساتھ کہ نکالے اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾

اور یاد دلاؤ ان کو دن اللہ کے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں واسطے بہت صبر والے شکر گذار کیلئے

(بقیہ آیت نمبر۴) جیسے ہمارے حضور ﷺ سارے نبیوں میں افضل ہیں۔ اب بات واضح ہوگئی کہ نبوۃ کسی ایک لغت میں محدود نہیں۔ بلکہ نبی اپنے اندر کئی لغتیں رکھتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کئی لغتیں جانتے تھے۔ ہمارے نبی پاک ﷺ تو ان کے بھی سردار ہیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کی گمراہی کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اسکی ہدایت کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ اسکی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر غالب ہے اور گمراہ کرنا اور ہدایت دینا اس کی حکمت بالغہ کے تحت ہے۔

(آیت نمبر۵) اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات دے کر بھیجا۔ آیات سے مراد معجزات ہیں۔ جیسے ہاتھ کا سفید ہونا اور لاٹھی جو ہر کام آتی تھی۔ اور بہت بڑا سانپ بن جاتی۔ یا وہ آیات جن میں انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ یعنی کفر و جہالت سے نکال کر ایمان و یقین کی طرف لے آئیں۔ اور انہیں میرے دن یاد کرائیں۔ یعنی جن دنوں میں میرے انعامات اترے وہ دن یاد کر کے مجھے یاد کریں۔ یا جو سابقہ امتوں کے واقعات قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح وغیرہ کے واقعات ان کو بتائیں۔ یا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ اپنی امت کو جنگ بدر اور حنین کے واقعات یاد کرائیں اس لئے کہ ان ایام خداوندی میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر اور اس کے علم وحکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ہر اس بندے کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کرتا ہے اور مصائب وآلام پر صبر کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اور اس کی عطاؤں پر شکر کرتا ہے۔ (اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شامل فرما)۔ فائدہ: اس آیت کریمہ سے میلاد شریف منانے کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ جس دن یہ نعمت ہمیں ملی اس یوم کو ہم بطور میلاد کہتے ہیں۔ لہذا اس دن حضور ﷺ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ ان کی ذات پر درود وسلام پڑھا جائے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے یاد کرو نعمت اللہ کی جو تم پر ہے جب نجات دی ہم نے تمہیں

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

فرعونیوں سے جو چکھاتے تمہیں برا عذاب کہ ذبح کرتے بیٹے تمہارے

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۬ ﴿۶﴾

اور زندہ رکھتے تمہاری عورتوں کو۔اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

(آیت نمبر ۶) اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کرو جو اس نے تم پر کیں۔خاص کر یہ کہ اس نے تمہیں فرعون اور فرعونیوں کے مظالم سے نجات دی۔جو بنی اسرائیل پر ہمیشہ ہی ظلم و ستم کرتے اور طرح طرح کی برے سے برے عذاب چکھاتے اور تمہیں ذلیل و رسوا کرتے اور مشکل سے مشکل کام ان سے لیتے تھے۔اور سب سے بڑا عذاب یہ کہ وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے۔

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل: فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے آگ آئی اور اس نے فرعونیوں کے تمام گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر بچ گئے۔کاہنوں نے خواب سن کر فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا راج ختم کر دیگا تو فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہو۔اسے قتل کر دیا جائے۔اس طرح انہوں نے ہزاروں بچے قتل کر دیئے۔چنانچہ فرعون ظالم نے تقدیر سے مقابلہ کیا کہ لڑکے مروا دیتا تا کہ ایسا بچہ پیدا نہ ہو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا تا کہ ان کو کنیزیں بنا کر گھر کے کام ان سے لیں اور ان کی عورتوں کو خاوندوں کے پاس بھی نہ جانے دیتے۔رات کو بھی اپنے پاس ہی رکھتے۔یہ اس سے بھی بڑی ذلت تھی۔ایسی ذلت سے آدمی موت کو ترجیح دیتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ان مذکورہ برے افعال میں بڑی مصیبت تھی تمہارے رب کی طرف سے یا بہت بڑی آزمائش تھی۔**فائدہ:** چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح تکالیف اور مشکلات میں ڈال کر انہیں آزماتا ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں یا نہیں۔ایسے ہی نعمت دے کر وہ آزماتا ہے کہ شکر کرتے ہیں یا نہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ

اور جب حکم سنادیا تمہارے رب نے اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تمہیں اور بھی دونگا اور اگر کفر کیا تم نے بے شک

عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ ۞ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ

میرا عذاب سخت ہے۔ اور کہا موسیٰ نے اگر تم کفر کرو اور جو زمین میں ہیں

جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۞

سارے بے شک اللہ تو بے پرواہ تعریفوں والا ہے

(آیت نمبر ۷) یہ بھی مقولہ موسیٰ علیہ السلام کا ہی ہے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بتادیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل طور پر اس بات سے آگاہ کردیا تھا کہ اے بنی اسرائیلو۔ اگر تم نے شکر کیا۔ یعنی سابقہ جو جو تم پر انعامات ہوئے کہ تمہیں دشمن کے ظلم وستم نجات دی۔ دریا میں غرق ہونے سے بچایا تمہارے دشمن کو ہلاک کیا اور بھی جو جو تم پر نعمتیں کی گئیں ان پر تم شکر کروگے تو میں تمہیں نعمتیں اتنی وافر دوں گا کہ تم مال و مال ہو جاؤ گے اور اگر تم کفران نعمت کروگے تو پھر میرا عذاب اتنا سخت ہے جو تم برداشت نہیں کرسکو گے۔

فائدہ : عذاب سخت دنیا میں یہ ہے کہ اپنی نعمتیں تم سے چھین لوں گا اور تمہیں تمہارے دشمن کے حوالے کردونگا۔ اور آخرت میں تمہیں جہنم کے عذاب میں ڈال دونگا۔ لہذا عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر کرے اور دل وزبان کو ذکر وفکر سے ست نہ کرے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ذاکرین، شاکرین اور صابرین، مطیعین اور قانعین میں شامل فرمائے اور اپنی دوری اور محرومی سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(آیت نمبر ۸) موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیلیوں کو فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کروگے۔ بلکہ تمہارے علاوہ پوری روئے زمین کے جن اور انسان بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کریں تو (اللہ تعالیٰ کا بگڑے گا کیا؟) اس کا وبال بھی تم پر ہی پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو تم کیا وہ تو ساری مخلوق کے شکر کرنے سے بے پرواہ ہے۔ بے نیاز ہے اور وہ تعریفوں والا ہے۔ ذات وصفات کے لحاظ سے۔ (اس کی تو کائنات کا ذرہ ذرہ تعریف کررہا ہے)۔

فائدہ : امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کائنات کے تمام ذرے اس کی نعمتوں پر بول رہے ہیں۔ تمام اشیاء کی زبانیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل وتحمید میں چل رہی ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛؕ

کیا نہیں آئیں تم تک خبریں ان کی جو تم سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود تھی

وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور جو ان کے بعد ہوئے۔ نہیں کوئی جانتا انہیں سوائے اللہ کے۔ آئے ان کے پاس کئی رسول

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا

واضح دلائل سے تو پھرائے انہوں نے ہاتھ اپنے موہوں میں اور کہا بے شک ہم منکر ہیں

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

جو دے کر تم بھیجے گئے اس کے۔ اور ہمیں شک ہے اس میں تم بلاتے ہو جس کی طرف تذبذب میں ڈالنے والا۔

(آیت نمبر۹) کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں یعنی ضرور آئیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کی تو وہ طوفان میں غرق کر دیئے گئے۔ اسی طرح قوم عاد نے بھی ناشکری کی تو سخت آندھی میں تباہ ہوئے اور اس کے بعد قوم ثمود بھی ایک گرج پڑنے سے برباد ہو گئے۔ ان کے بعد بھی کئی قومیں آئیں۔ جیسے قوم ابراہیم اور قوم شعیب جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یعنی وہ اتنی زیادہ ہوئیں کہ ان کے بارے کچھ جاننا یا ان کے اسماء و افعال جاننا بہت مشکل ہے اس لئے کہ نہ اب وہ رہے نہ ان کے نشان رہے۔

فائدہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے تھے کہ نسب بیان کرنے والے اکثر جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمادیا کہ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام اگر جانتے ہیں تو ان کے تمام علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ آگے فرمایا کہ سابقہ قوموں کے پاس ان کے رسولان عظام علیہم السلام تشریف لائے۔ واضح دلائل (معجزات) لے کر کہ ان میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے تشریف لا کر اپنی اپنی قوم کو صراط مستقیم دکھایا تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے موہوں میں کئے یعنی ہاتھوں کے اشاروں سے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور بتایا کہ ہم سے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رکھنا۔ اس لئے کہ ہم اب کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے۔ معاذ اللہ تم جھوٹ بول رہے ہو کہ ہم اللہ کی طرف سے نبی ہیں اور زبان سے بھی کہتے تھے کہ جو بھی تم دے کر بھیجے گئے ہو ہمیں اس میں بہت بڑا شک ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کہا ان کے رسولوں نے کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا

یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ

وہ تمہیں بلاتا ہے کہ بخشے تمہارے کچھ گناہ اور ڈھیل دے تمہیں ایک وقت مقرر تک ۔

قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ

بولے نہیں ہو تم مگر انسان ہماری طرح۔ تم چاہتے ہو کہ روکو ہمیں اس سے کہ تھے

یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ⑩

پوجتے ہمارے باپ دادا تو لاؤ ہمارے پاس سند واضح۔

(بقیہ آیت نمبر ۹) آگے کہا کہ بے شک جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو۔ ہم اس میں بہت بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت توحید پر شک تھا۔ پتھروں اور جانوروں تک کو پوجنے میں کوئی شک نہیں تھا۔ (اصل بات یہ ہے۔ کہ شک وغیرہ کوئی نہیں تھا۔ انہیں پک تھا۔ کہ نبی برحق ہیں۔ صرف تکبر انہیں کلمہ نہیں پڑھنے دیتا تھا۔)

(آیت نمبر ۱۰) انبیاء کرام علیہم السلام نے کفار کی احمقانہ باتیں سن کر تعجب کے طور پر ان سے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق اور اس کی وحدت پر شک کر رہے ہو۔ کتنے بڑے بے وقوف ہو جس ذات کو کائنات کا ذرہ ذرہ یاد کر رہا ہے کہ وہ وحدہ لاشریک کامل مکمل اور اکمل ذات ہے۔ اس ذات کا انکار کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تو شک کرنا حماقت ہے۔ اس لئے کہ اس کے وجود پر تو کائنات کی ہر چیز گواہ اور دلیل ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے۔ بلکہ ان کے درمیان کی ہر چیز کو وہی بنانے والا ہے۔ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے۔ یہ اسکی کاری گری ہے۔ وہی ان کا موجد ہے۔ موجد کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ تو تمہیں بلا رہا ہے کہ آؤ تمہارے گناہ بخش دیں۔ یعنی ایمان لاؤ تا کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں اور اسے تم سے کوئی حاجت بھی نہیں۔ محض وہ تم پر اپنا فضل وکرم کرنا چاہتا ہے اور مزید وہ چاہتا ہے کہ تمہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دے دے۔ اور تم ایمان قبول کر کے ہلاکت اور تباہی سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آجاؤ گے۔ آگے سے کفار نے رسولان عظام سے کہا کہ نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح یعنی تمہیں ہم پر کیا فضیلت ہے۔ جیسے وہ ہم ویسے تم۔ (معاذ اللہ)۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

کہا ان کو ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر انسان تمہاری طرح لیکن اللہ احسان کرتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ

جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔ اور نہیں ہیں کہ لائیں ہم تمہارے پاس کوئی دلیل

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

مگر ساتھ حکم اللہ کے۔ اور او پر اللہ کے بھروسہ کرنا چاہئے مسلمانوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰) کہ جس کی وجہ سے تم نبوت کے اہل ہوگئے۔ تم تو بالکل ہماری ہی طرح کے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجنے تھے تو فرشتوں سے بھیج دیتا۔ جو مخلوق میں افضل بھی ہیں۔ لیکن یہ ان کی اپنی سوچ تھی۔ ورنہ اہل اسلام کے نزدیک انبیاء ورسل تو بہرحال تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ البتہ ان کے علاوہ نہ سب فرشتے سب انسانوں سے افضل ہیں۔ نہ سب انسان سب فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فرشتے معصوم ہیں۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ کفار نے مزید کہا کہ تم اپنے دعویٰ نبوت سے یہ چاہتے ہو کہ تم روکو ہمیں ان کی عبادت سے کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے ہیں۔ یعنی تم ہمیں بتوں کی پوجا سے روکتے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔ تو پھر اپنی نبوت ورسالت کی صداقت اور اپنی فضیلت پر کوئی واضح دلیل لاؤ کہ جسے دیکھ کر ہم بتوں کو چھوڑ دیں کہ جن کی پرستش کئی پشتوں سے ہم کرتے آرہے ہیں۔ **فائدہ**: حالانکہ انہوں نے کئی معجزات دیکھے ہوئے تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے براہین ودلائل ان کے سامنے رکھے۔ مگر کفار نے محض ہٹ دھرمی سے انہیں نہیں مانا۔

(آیت نمبر۱۱) رسولان گرامی قدر نے انہیں یہی جواب دیا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ واقعی ہم بشر ہیں۔ لیکن ہمارے تمہارے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یہ کہ اس نے ہم پر بہت بڑا فضل وکرم کیا۔ اور احسان کیا کہ ہمیں نبوت سے سرفراز کیا۔ وہ جس پر چاہتا ہے۔ یہ احسان فرماتا ہے۔ لہذا تم یہ بات یادرکھو کہ کوئی نبی خود بخود نہیں بنتا جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت عطا نہ کرے۔ اسی طرح دلیل اور معجزہ بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے کہ ہم خود ہی بنا کر لے آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی لا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ دلیل وبرہان ملنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ

اور کیا ہے ہمیں کہ نہ بھروسہ کریں اللہ پر حالانکہ تحقیق اس نے ہمیں اپنی راہیں دکھائیں۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے

عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ع ﴿۱۲﴾

اس پر جو ہمیں ستاتے ہو ۔ اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) ہم تو ہر حال میں اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اسی نے ہماری تربیت کی اور ہم اس کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہی مومن و مسلمان بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی مومن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسی ذات پر بھروسہ اور توکل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر توکل نہ کریں۔ دشمن کی مخالفت کی ذرہ پرواہ نہ کریں۔

(آیت نمبر ۱۲) اور ہمیں کیا ہے۔ یعنی ایسا کون سا امر مانع ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل نہ کریں۔ حالانکہ اس ذات نے ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دی۔ یعنی ہمیں اس سیدھی راہ پر چلایا۔ جس پر چلنے کا اس نے ہمیں حکم دیا ہے۔ اسی راستے پر چلانے کیلئے ہمیں تبلیغ کا حکم دیا گیا کہ لوگوں کو بھی وہ راہ دکھائیں۔

فائدہ: چونکہ کفار کی اذیتوں اور تکالیف کی وجہ سے توکل میں خلل آ سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے پورے عزم کے ساتھ کہا کہ ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے۔

اور آگے فرمایا کہ ہم تمہاری تمام قسم کی اذیتوں پر صبر کریں گے۔ خواہ تم ہمیں جھٹلاؤ اور ہماری دعوت کو رد کردو۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے جو مرضی ہے ہمیں کہو۔ ہم تمہاری تمام کارروائی پر صبر کریں گے اور ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں گے اور تمام توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا چاہئے کیونکہ توکل ہی ایمان کی جان ہے۔

فائدہ: توکل یہ ہے کہ بندہ تمام امور اپنے مالک کے سپرد کردے۔

مسئلہ: کسی مشکل کے وقت مشکل سے نجات حاصل کرنے کیلئے کسی سے مدد طلب کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ **حدیث شریف**: ایک صحابی سے حضور ﷺ نے پوچھا۔ اونٹ کدھر گیا۔ اس نے کہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ پہلے اس کی ٹانگیں باندھو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں سے ضرور ہم تمہیں نکالیں گے اپنی زمین سے یا تم واپس لوٹو گے

فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾

ہمارے دین پر۔ پھر وحی کی انہیں ان کے رب نے ہم ضرور ہلاک کریں گے ظالموں کو۔

(آیت نمبر۱۳) کافرلوگ جب انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو ان کا آخری حربہ یہی ہوتا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جلاوطنی کا رعب جھاڑتے اور وہ رسولان عظام کو کہتے کہ ہم تمہیں اپنی زمین یعنی اپنے شہر یا علاقے سے نکال دیں گے۔ یا پھر تم ہمارے ہی مذہب پر لوٹ آؤ گے۔

فائدہ : اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام ان کے مذہب پر تھے پھر ان کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اعلان نبوت سے پہلے انہیں۔ ان کے حال پر چھوڑا ہوا تھا۔ ان کے کسی عمل پر انہیں روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ اس سے شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ پہلے ہمارے دین پر تھے۔ اب کوئی اور دین پیش کر رہے ہیں۔ پھر جب انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے نبی اور رسول ہونے کو ظاہر کیا اور قوم کو کفر اور شرک اور گناہوں سے روکا تو وہ بگڑ گئے۔ دوسری بات یہ بھی ہے۔ ہوسکتا ہے انبیاء کے ساتھ دیگر مسلمان جو پہلے ان کے دین پر تھے۔ بعد میں انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لائے۔ تو ان کو کفار کہتے ہوں کہ تم واپس اس دین پر آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے اور یہ دھمکی تقریبا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو دی جاتی رہی کہ ہم تمہیں اپنے شہر میں نہیں رہنے دیں گے۔

فائدہ : یہ بھی جملہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کیلئے کہا گیا ہے کہ جب کفار مکہ نے آپ کو سخت اذیتیں دیں اور مکہ سے نکالنے کی دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین کی اور بتایا کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی کفار نے یہی سلوک کیا اور انہوں نے بھی تکالیف پر صبر کیا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولان گرامی قدر کی طرف وحی فرمائی۔ یعنی جب لوگوں کے کفر آخری حد تک پہنچ گئے کہ اب ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی۔ تو اس وقت مالک الملک نے فرمایا کہ اے انبیاء کرام علیہم السلام گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ظالم بچ نہیں سکیں گے۔ جو ظالم تمہیں اپنے علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہم انہیں اب دنیا سے ہی نکال دیں گے۔ **فائدہ** : شرک چونکہ ظلم عظیم ہے۔ اس لئے انہیں ظالم کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ یہ زمین جس سے نکالنے کی وہ دھمکیاں دے رہے ہیں وہ ان کی نہیں ہے وہ میری ہے۔ میں جس کو چاہوں اسے رہنے دوں۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي

اور ضرور ہم تمہیں بسائیں گے زمین میں ان کے بعد۔ یہ اس کیلئے ہے جو ڈرے میرے حضور کھڑے ہونے سے

وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

اور ڈرے عذاب کے وعدے سے

(آیت نمبر ۱۴) اور تمہیں ان مشرکوں کے مکانوں اور زمینوں میں ٹھہرائیں گے ان کے بعد۔ یعنی ان کی تباہی اور بربادی کے بعد۔ تاکہ انہیں اس بات کی سزا دی جائے جو انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔

حدیث شریف: میں آتا ہے جو بندہ پڑوسی کو ایذاء دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم کے گھر کا مالک بنا دیتا ہے۔

حکایت: علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ میرے ماموں ایک چوہدری کے پڑوس میں رہتے تھے۔ وہ چوہدری ان پر ظلم وستم کرتا اور سخت پریشان کرتا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ مر گیا اور اللہ کی شان اس کی زمین اور مکان میرے قبضے میں آ گئے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ماموں اور ان کے بچے اسی چوہدری والے مکان خاص میں بے دھڑک آ جا رہے ہیں اور لوگوں کو وعظ ونصیحت بھی کر رہے ہیں۔ لیکن اب انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ تو میں نے انہیں مذکورہ حدیث سنائی تو وہ یہ حدیث سن کر سجدہ میں گر گئے اور شکر الٰہی بجالائے اس لئے کہ انہیں وہ وقت یاد تھا کہ جب اسی گھر میں ان پر ظلم وستم ہوتا تھا۔ آج ہم اس کے گھر کے مالک ہیں۔ (کشاف)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا ترجمہ ہے: ''کہ مظلوم کے لب خشک کو خوش خبر دو کہ جلد ظالم کے دانت اکھیڑ لئے جائیں گے''۔ آگے فرمایا کہ یہ ظالموں کی ہلاکت اور ان کے گھروں اور مکانوں پر مسلمانوں کا قبضہ یہ وعدہ برحق اور امر محقق ہے کہ ہو کر رہے گا۔ لیکن یہ وعدہ ان کیلئے ہے جو میری حاضری اور میرے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہونے سے ڈرے۔ یعنی اس مقام سے جس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا اور دنیا کی زندگی کا پورا پورا حساب دے گا۔ اس کی مقدار تین سو سال ہے۔ اس عرصے میں انہیں بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ لیکن خالص مومنوں کو وہ عرصہ ایسے معلوم ہوگا۔ جتنا فرض نماز کی ادائیگی کا وقت بلکہ اس سے بھی کم وقت میں۔ ان کے لئے تو وہاں کرسیاں بچھا کر انہیں ان پر بٹھایا جائیگا۔ بلند درجے والوں کو نور کے ممبروں پر بٹھایا جائیگا۔ اور بادل ان پر سائبان کی طرح ان پر سایہ کریں گے بلکہ محشر کا پورا دن ہی ان کے لئے ایک گھڑی بھر کا ٹائم ہوگا۔ آگے فرمایا کہ وہ میری وعید یعنی میرے عذاب سے ڈرتا رہا۔ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا قیامت کے دن بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے بے خوف رہا وہ وہاں ڈر رہا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا کہ اچھا انجام متقی لوگوں کا ہوگا۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى

اور انہوں نے فیصلہ مانگا اور نامراد ہوا ہر سرکش ہٹ دھرم۔ اس کے پیچھے جہنم ہے اور پلائے جائیں گے

مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ

پانی پیپ کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ کر کے اور نہیں قریب کہ گلے سے اترے اور آئیگی اس پر موت

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

ہر طرف سے اور نہیں وہ مرنے والا۔ اور اس کے پیچھے عذاب ہے گاڑھا۔

(آیت نمبر ۱۵) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور عرض کی کہ انہیں دشمنوں پر فتح ونصرت اور غلبہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے ایسی مدد فرمائی کہ ہر سرکش اور ضدی ہلاک ہو کر تباہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو فتح وکامرانی دیکر ایسا غلبہ دیا۔ جیسے وہ چاہتے تھے اور ان کے دشمن ذلیل وخوار ہوئے۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ جو انبیاء کرام علیہم السلام سے ٹکرایا وہ عذاب الٰہی میں اسی طرح تباہ وبرباد ہوا۔ **فائدہ :** اس آیت میں کفار کی سخت مذمت بیان ہوئی کہ وہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ ظالم اور سرکش ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ٹکر لے لی اور اس مذمت میں سب برابر ہیں۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو حق سے جنگ کرے یا اطاعت الٰہی سے منہ پھیرے وہ سرکش ہے۔ اسے کبھی نجات نصیب نہیں ہوگی۔

(آیت نمبر ۱۶) اور اس سزا کے بعد جہنم ہے جو کہ ہر جابر سرکش اور ہٹ دھرم کیلئے ہے۔ یعنی ایسا ظالم مرتے ہی جہنم میں چلا جائے گا۔ جہاں چاروں طرف جہنم کی آگ ہوگی جس میں جلتا رہے گا اور اس کو پلائی جائے گی۔ اس جہنم میں وہ گندی بدبودار پیپ جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی جو کہ انتہائی بدبودار اور پلید ہوگی۔

(آیت نمبر ۱۷) اس گندے بدبودار اور گرم پیپ کو وہ آسانی کے ساتھ گلے سے نہیں اتار سکے گا۔ حالانکہ پیاس اور گرمی کی شدت اسے پینے پر مجبور کر رہی ہوگی تو پھر وہ اسے یکدم نہیں پی سکے گا۔ اس کی کڑواہٹ اور بدبواتنی

سخت ہوگی کہ نہیں قریب کہ وہ اسے آسانی کے ساتھ گلے سے اتار سکے۔ گلے سے اتارنا تو کجا اسے دیکھنا ہی سخت ناگوار ہوگا۔ مگر مجبوری سے وہ بڑی مشکل کے ساتھ ایک ایک گھونٹ بڑی دیر لگا کر پئے گا۔ اس طرح یہ الگ ایک عذاب اس کیلئے لمبا ہو جائیگا۔ پیاس سے جان نکل رہی ہوگی۔ پھر اسے سخت گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائیگا جو منہ کو لگے گا تو منہ کو جلا دے گا۔ پیٹ میں گیا تو آنتیں گل سڑ کر نکل آئیں گی۔ **حدیث شریف:** میں ہے جب پانی گرم اس کے منہ کے قریب لایا جائیگا تو وہ اس سے نفرت کرے گا۔ لیکن جوں ہی منہ کے قریب کرے گا تو پانی اس کے چہرے کو جلا دے گا۔ اسی طرح جب پیٹ میں جائیگا تو پیٹ سے آنتیں گل سڑ کر باہر آ جائینگی۔ (مشکوٰۃ شریف، تفسیر قرطبی)

آگے فرمایا کہ اسے موت چاروں طرف سے گھیرے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ اس کے جسم کے ہر ہر حصے سے یہاں تک کہ ہر بال اور ہر انگلی کے نیچے سے موت نکل رہی ہوگی۔ یعنی انتہائی سخت تکالیف کا اسے سامنا ہوگا۔ یہ قیامت اور جہنم کا ہولناک منظر بتایا جا رہا ہے۔ اگر بروز قیامت موت کا معاملہ ہوتا تو یہ بدبخت جلد تباہ ہوتے لیکن فرمایا کہ وہ مر نہیں سکیں گے کہ انہیں ایسی شدید تکالیف سے آرام ہو ان سختیوں اور گرم اور گندا اور پیپ والا پانی پلانے کے ساتھ سخت عذاب ہوگا۔ جس کی حقیقت دنیا میں کسی کو معلوم نہیں۔ اور کافر کا ہر آنے والا وقت سخت سے سخت تر ہوتا جائیگا۔ یعنی جیسے دنیا میں تکلیف کے بعد آرام کی امید ہوتی تھی۔ وہاں اس قسم کی سب امیدیں ختم ہو جائیں گے۔

بخاری اور دیگر احادیث مواہب اللدنیہ وغیرہ میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد خواب میں کسی نے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے تو اس نے کہا جہنم کی آگ میں جل رہا ہوں صرف سوموار کے دن کو میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

میلاد کی برکت: ابولہب ٹاپ کلاس کا کافر تھا۔ ثویبہ نامی اس کی لونڈی تھی۔ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پر ثویبہ نامی لونڈی نے آ کر ابولہب کو خوش خبری سنائی کہ تیرے بھائی عبداللہ کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس نے فوراً ثویبہ کو اس خوشی میں آزاد کر دیا۔ کہ بھائی کے گھر بیٹا ہوا۔ چونکہ وہ سوموار کا دن تھا۔ وہ وقت جب بھی آتا ہے۔ اس وقت ابولہب کا عذاب کم ہو جاتا ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اگر ابولہب میلاد کی خوشی منا کر فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ وہ کافر تھا۔ تو مسلمان اگر میلاد منائے تو اسے کیوں فائدہ نہیں ہوگا۔ تو ابولہب کافر کو سوموار کے دن حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ

مثال ان کی جو منکر ہیں اپنے رب کے ان کے اعمال جیسے راکھ کہ سخت جھونکا آیا اس پر ہوا

فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ

کا آندھی والے دن میں۔ نہ قدرت پا سکے اپنی کمائی پر کچھ بھی۔ یہی ہے

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

گمراہی دور کی۔

(آیت نمبر ۱۸) مثال ان کی جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا وہ جو بھی عمل کریں۔ وہ اس راکھ کی طرح ہے۔ جس پر ہوا کا تیز جھونکا آئے اور اسے اٹھا کر کہیں اور پھینک دے۔ اس دن میں جس دن بڑی تیز آندھی آئی ہو۔ پھر وہ اسے بچانے پر بھی قادر نہ ہوں۔ جو بھی انہوں نے کمایا۔ یعنی جو بھی اچھے کام کئے مراد یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر جو بھی نیک اعمال کئے۔ جب آخرت میں جا کر دیکھیں گے تو ان نیک اعمال میں سے کسی عمل کا نام ونشان بھی نہیں پائیں گے کہ ان کی وجہ سے عذاب سے خلاصی پا سکیں۔ یعنی جس طرح تیز ہوا سے راکھ کا کچھ نہیں رہتا۔ اسی طرح کافروں کا کوئی بھی نیک عمل انہیں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ یہ دراصل بہت دور کی یعنی بہت بڑی گمراہی کی سزا ہے۔ ان کے تفاخر اور ریاکاری کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ اپنے برے اعمال کو بھی اچھے اعمال سمجھتے رہے۔ اسی وجہ سے انہیں استغفار کرنے کی بھی توفیق نہیں ملتی اس لئے کہ ان کی گمراہی کو شیطان اچھے عمل کر کے دکھاتا رہا۔ جبکہ قرآن میں اسے بہت بڑی گمراہی کہا گیا اس طرح وہ حق وثواب سے بہت دور ہو گئے۔

فائدہ: کفار کے اچھے اعمال صدقہ، صلہ رحمی، غلام آزاد کرنا، قیدی چھڑانا، مظلوموں کی مدد، مہمان نوازی، قربانی وغیرہ یا اچھے اخلاق کو اڑنے والی راکھ سے اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح آندھی سے راکھ کا کچھ نہیں رہتا اسی طرح کفار کے اعمال صالحہ برباد ہیں۔ "ھباء منثورا" ہو جائیں گے۔

فائدہ: معلوم ہوا کفر وشرک اور بداعتقادی سے اچھے اعمال بھی غارت ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

کیا تو نے نہیں دیکھا بے شک اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں

وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

اور لے آئے مخلوق نئی ۔ اور نہیں ہے یہ اوپر اللہ کے مشکل۔

(آیت نمبر ۱۹) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے۔اس لئے کہ ساری کائنات میں سب سے پہلے حضور پیدا ہوئے۔ آگے فرمایا کہ وہ اگر چاہے تو وہ تم سب کو دنیا سے لے جائے۔یعنی تمہیں فنا کر دے اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئے جو بہ ظاہر تم جیسے ہی انسان ہوں لیکن تم سے بہتر ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔ یہاں پہلے زمین و آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر کیا۔ بعد میں بندوں کو لے جانے اور لانے کا ذکر کیا اور بتایا کہ جو اتنے بڑے آسمان اور زمین بنا سکتا ہے۔وہ ایک دم میں تمہیں مار بھی سکتا ہے اور تمہاری جگہ اور مخلوق لا بھی سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۰) یہ کام اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل نہیں ہے۔ بلکہ آسان ہے جو ذات سب قدرتوں کی مالک ہے۔ اس کیلئے کوئی تخصیص نہیں ہوسکتی۔ البتہ وہ صبور ہے کہ وہ گناہ گاروں کے گناہوں پر عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

حدیث شریف: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی بھی صابر نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ بندوں سے تکلیف دہ باتیں سن کر دیکھ کر بھی نہ ان کی روزی میں کمی کرتا ہے۔نہ ان کی صحت و عافیت میں خلل لاتا ہے۔ بندوں کا رب تعالیٰ کو تکلیف دینا یہ ہے کہ وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کیلئے اولاد ثابت کرتے ہیں۔(بخاری و مسلم)۔

نکتہ : وہ سزا اس لئے جلدی نہیں دیتا تاکہ بندے کو توبہ کا موقع دیا جائے۔دنیا میں جتنی بار بھی گناہوں پر پکڑ نہیں کرتا۔وہ اس کیلئے آخرت میں حجت قائم کرے گا۔**سبق** : بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا ہی رہے۔اس لئے کہ وہ قہار و جبار اور ذوالجلال بھی ہے۔

حکایت : جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک پہاڑ کے پاس سے گذر رہے تھے سخت پیاس لگ گئی تو آپ نے فرمایا اس پہاڑ سے کہہ دو پانی دے۔ پہاڑ سے آواز آئی کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوزخ میں انسان اور پتھر جائیں گے اس وقت سے رو رو کر میرے اندر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں رہا۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا

اور سامنے ہوں گے اللہ کے سارے تو کہیں گے کمزور ان سے جو بڑھائی والے تھے بے شک ہم تھے

لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا

تمہارے تابع تو کیا تم ٹال سکتے ہو ہم سے عذاب الٰہی کچھ۔ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا

اگر ہدایت کرتا ہمیں اللہ تو ہم تمہیں راہ دکھاتے۔ برابر ہے ہم پر چاہے جزع فزع کریں یا ہم صبر کریں

مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ع ﴿۲۱﴾

نہیں ہے ہماری کوئی جائے پناہ

(آیت نمبر۲۱) اور ظاہر باہر ہو جائیں گے۔ یعنی نفخہ ثانیہ کے بعد مردے زمین سے جب باہر آ جائیں گے اور میدان محشر میں اکٹھے ہو جائیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب دینے کیلئے حاضر ہوں۔ تو پھر تمام کے تمام لوگ میدان محشر میں آ جائیں گے خواہ مومن ہیں یا کافر۔ مالک تھے دنیا میں یا غلام۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سب کو اکٹھا کریں گے۔ یعنی کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے تو دنیا میں جو کمزور درجہ لوگ تھے وہ اپنے متکبر لیڈروں سے کہیں گے جو دنیا میں نہ خود ایمان لائے نہ ماتحتوں کو ایمان قبول کرنے دیا تو وہ کہیں گے کہ بے شک دنیا میں ہم تمہارے ماتحت تھے۔ تمہارے کہنے پر ہم نے رسولوں کا حکم نہیں مانا انہیں جھٹلایا ان کی نصیحتوں سے منہ پھیرا۔ جو کچھ تم کہتے ہم وہی کرتے تھے۔ تو کیا اب تم ہم سے یہ اللہ کا عذاب ٹال سکتے ہو۔ چونکہ انہیں معلوم نہیں ہوگا۔ کہ یہ اب کچھ نہیں کر سکتے ہیں یا نہیں تو وہ ان کو جواباً کہیں گے کہ اے ہمارے تابع دارو۔ اگر ہمیں ہدایت کی توفیق ملتی۔ پھر تو ہم تمہیں بھی سیدھی راہ دکھاتے۔ مگر ہماری قسمت میں گمراہی تھی۔ ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا۔ یعنی جس گمراہی میں ہم تھے اسی میں تمہیں بھی ڈال دیا۔ اب نہ ہمارے لئے کوئی نجات کا راستہ ہے۔ نہ ہمارا کوئی سفارش کرنے والا ہے۔ ہم خود عذاب میں ہیں۔ تمہیں کیسے عذاب سے بچائیں۔ ع: ہم تو ڈوبے صنم تمہیں بھی لے ڈوبے

فائدہ : معلوم ہوا۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اور گمراہی اس کی ناراضگی سے ملتی ہے اور کسی کو اس میں دخل نہیں ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ

اور کہے گا شیطان جب ہوجائیگا فیصلہ بے شک اللہ نے وعدہ کیا تم سے وہ وعدہ سچا تھا

وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ

اور وعدہ دیا میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کوئی قابو مگر یہ کہ

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا

میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میری مان لی۔ پس نہ ملامت کرو مجھ پر اور ملامت کرو اپنے آپ کو۔ نہ میں

بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ

تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو۔ میں انکاری ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا

مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اس سے پہلے۔ بے شک ظالموں کیلئے عذاب ہے دردناک۔

(بقیہ آیت نمبر۲۱) آگے فرمایا کہ وہ لیڈر اپنے ماتحتوں کو بتادیں گے۔ اب ہم عذاب کے گڑھ میں پہنچ چکے لہذا ہم اب جزع فزع کریں۔ یا ہم صبر کریں۔ اب ہماری جان کسی طرح چھوٹ نہیں سکتی۔ اس میں ان کی ناامیدی کا اظہار ہے کہ اب ہم بھاگ کر بھی کہیں نہیں جاسکتے۔ اس لئے کہ نجات کا آلہ اور ذریعہ ہی ہم نے ضائع کردیا ہے۔ پھر آپس میں مل کر خوب دھاڑیں مار مار کر روئیں گے۔ اس آگ کے عذاب میں پانچ سو سال تک روئیں گے کہ شاید ہم پر رحم آجائے لیکن کوئی حیلہ انہیں کام نہیں آئیگا۔ تو اس وقت کہیں گے کہ اب جزع فزع کریں یا صبر کریں۔ ہمارے لئے سب برابر ہے۔

(آیت نمبر۲۲) جب اللہ تعالیٰ تمام فیصلے فرما کر سب کو فارغ کردے گا تو اس وقت شیطان ان گمراہوں لیڈروں اور عوام کو کہے گا۔ **فائدہ** : کاشفی فرماتے ہیں کہ جہنمی اکٹھے ہو کر ابلیس کے پاس جاکر اسے ملامت کریں گے۔ اے خبیث تو نے ہم سے دھوکا کیا تو وہ آگ کے ممبر پر چڑھ کر لوگوں کو کہے گا۔ اے جہنمیو۔ بے شک اللہ تعالیٰ

نے تم سے جو حشر ونشر کا وعدہ کیا تھا۔ وہ برحق وعدہ تھا اور وہ پورا کر دکھایا۔ اور جو میں نے تمہیں وعدہ دیا کہ کوئی قیامت نہیں کوئی حشر ونشر نہ کوئی حساب کتاب ہے۔ اگر ہوا بھی تو یہ بت تمہیں عذاب سے بچالیں گے۔ میں نے جو وعدہ کیا وہ غلط تھا۔ اب میں اس کے خلاف ہوں۔ لیکن مجھے تم پر کوئی غلبہ اور تسلط تو نہ تھا اور نہ میں نے تم پر جبر کر کے کفر یا گناہ کروائے۔ البتہ مجھے اختیار اس طرح کا تھا کہ میں گناہ اور برائی کو تمہارے لئے خوبصورت بنا تا اور تم اسے اپنا لیتے۔ اس طرح میں تم پر اپنا تسلط جمالیتا۔ گویا دوستی کے رنگ میں تم سے کفر وشرک کروالیتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کفار وفجار کو شیطانوں کا دوست فرمایا۔ اور مومن اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اس لئے جو جس کا دوست ہوتا ہے۔ وہ اسی کے کہنے پر چلتا ہے۔ شیطان کے دوست شیطان کے کہنے پر اور رحمٰن کے دوست اس کے کہنے پر چلتے ہیں۔ تو شیطان کہے گا کہ بے وقوفو۔ میں نے تمہیں وسوسہ ڈال کر اور گناہ کو خوبصورت بنا کر دکھایا تو تم میرے پیچھے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور نبی بھیجے تم نے خود قبول نہیں کیا۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اس لئے کہ میرے تو دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں تمہیں فتنے میں ڈالوں۔ تمہیں بار بار کہا گیا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تم نے پھر بھی میری بات مانی لہذا مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ کیونکہ تم نے اپنے اختیار سے گناہ کئے اور تمہیں گناہ سے پیار تھا اللہ تعالیٰ کے احکام کو تو تم کڑوا سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اب یہی عذاب ہے۔ تم بھی برداشت کرو۔ میں بھی عذاب میں ہوں نہ تم مجھے بچا سکتے ہو۔ نہ میں تمہیں بچا سکتا ہوں۔ اس لئے کہ جو خود مصیبت میں پھنسا ہو وہ دوسرے کی فریاد کو کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ اور جو تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مجھے شریک بنایا۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا تھی اس طرح تم نے میری فرمانبرداری کر کے مجھے دنیا میں خدا کا شریک بنالیا تھا۔ آج میں علی الاعلان اس کا انکاری ہوں اور اس سے بری ہوں۔ بلکہ تمہارے اس فعل سے مجھے سخت نفرت ہو رہی ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی کفر وشرک ظلم تھا اور ظالموں کا انجام یہی ہے۔

سبق : شیطان اور اس کے پیروکاروں کا یہ آخرت والا قصہ سنا کر اللہ تعالیٰ ہم پر کرم فرما رہا ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کر لیں اور برے انجام سے بچنے کا فکر بھی کر لیں۔ ورنہ قیامت کے دن سوائے رونے اور پچھتانے کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ عذاب سے بچاؤ کے تمام طریقے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان کر دیئے۔ کوئی قرآن پڑھے ہی نہیں۔ تو کیا کیا جا سکتا ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

اور داخل ہوں گے جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ایسے باغات میں کہ جاری ہوں گی اس کے اندر

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں ساتھ حکم اپنے رب کے۔ تحفہ ان کا ملتے وقت اس میں سلام ہے

(آیت نمبر ۲۳) اور داخل کئے جائیں جنت میں ایمان والے جنہوں نے نیک اعمال کئے۔ یعنی جن کے پاس دونوں سکے ہوں گے: (۱) ایمان۔ (۲) عمل صالح۔ یہ کھرے ہوئے تو پھر کامیابی ہے۔

فائدہ: ایسے لوگوں کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرشتے ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے۔ جنت کے محلات اور ایسے باغات میں جہاں قسم قسم کے باغات اور ان میں نہریں بھی جاری ہوں گی اور درختوں کے اور محلات کے نیچے جاری ہوں گی اور جنتی ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اپنے رب کے حکم سے اور اس کی دی ہوئی توفیق اور ہدایت سے۔ اس جنت میں ایک دوسرے کا تحفہ سلام ہوگا۔ یا تحیۃ کا معنی درازی عمر کی دعا ہے۔ یعنی جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا کا تحفہ دیں گے۔ اسی لئے مسلمانوں کو دنیا میں بھی ایک دوسرے کو سلام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ اچھی طرح اس کے عادی ہو جائیں۔

نور مصطفیٰ کو آدم کا سلام:

حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی چمک دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا فرزند محمد مصطفیٰ کا نور ہے۔ جن کے جھنڈے کے نیچے بروز قیامت سب نبی ہونگے۔ انہیں سلام کہیں تو جناب آدم نے انہیں سلام کہا۔ اس وقت سے سلام کی سنت آج تک جاری ہے۔ پھر وہ نور آدم علیہ السلام کی انگلی میں چمکا۔ (جسے آپ نے چوم کر آنکھوں پر لگالیا)۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا

کیا نہیں تو نے دیکھا کیسے بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ کی جیسے درخت پاکیزہ ہو جڑیں اس کی

ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ

قائم اور شاخیں اس کی آسمان میں ہوں۔ دیتا ہے پھل اپنا ہر وقت حکم

رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

الٰہی سے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کیلئے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

(آیت نمبر ۲۴) اے محبوب کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ کیسی عجیب اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی۔ ایسے پاکیزہ کلمہ طیبہ کی۔ اس سے مراد یا تو کلمہ شہادت ہے۔ یا یہ عام ہے۔ جس میں تمام نیک اعمال اور کلمات آتے ہیں۔ مثلا تلاوت قرآن، تسبیح، تحمید، استغفار اور توبہ یا دعوت الی الاسلام۔ جیسے شجرۂ طیبہ ہے اس سے مراد کھجور کا درخت بھی ہوسکتا ہے۔ یہ درختوں میں بہت مکرم ہے۔ اس لئے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق میں جو مٹی بچ گئی۔ اس سے کھجور بنائی گئی۔ اسی لئے اسے انسانوں کی پھوپھی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ پھل دیتا ہے۔ اس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان میں ہیں یعنی بہت ہی بلند ہے۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پھل کا نفع سال کے ہر لمحے میں اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا خاصہ ہے کہ وہ ہر وقت نفع ہی دیتا ہے۔ یہ تر ہو یا خشک نفع اس کا برابر ہے اور کھجور تمام پھلوں میں بہت طاقت دینے والی۔ بہت طیب اور انتہائی میٹھی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کھجور کے درخت نیچے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے نفع کو یوں بیان فرمایا۔

(آیت نمبر ۲۵) وہ درخت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمہ وقت پھل دیتا ہے۔ یعنی اس کا نفع عام اور ہمہ وقت ہے۔ توفیق ایزدی کے ساتھ۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فائدہ : مثالیں اسی لئے دی جاتی ہیں تاکہ بندوں کو بات جلد سمجھ آجائے اور انہیں نصیحت حاصل ہو۔ مثال سے گویا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ **فائدہ :** اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام، علماء، اولیاء اور حکماء کے بیانات میں اکثر مثالیں بیان ہوتی ہیں۔ کہ اس سے مسئلہ جلدی سمجھ آجاتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ٱجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ

اور مثال اس بات کی جو گندی ہے جیسے درخت گندہ جو کاٹا گیا زمین کے اوپر سے

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

نہیں ہے اسے کوئی قرار۔

(آیت نمبر ۲۶) اور خبیث کلمہ کی مثال خبیث درخت کی ہے۔

فائدہ: اس سے کلمہ کفر مراد ہے اور اس میں ہر قبیح چیز آ جاتی ہے۔ خواہ کفر کی طرف بلانا ہو۔ یا رسول کو جھٹلانا یا اللہ کی کتاب کا انکار ہو۔ یا کوئی اور۔ آگے خبیث درخت وہ ہوتا ہے۔ جو دیکھنے میں بدصورت ہو۔ جس کا پھل درخت کی طرح اچھا نہ ہو بلکہ بدذائقہ ہو۔ اس سے کئی قسم کے پودے مراد ہو سکتے ہیں۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ اندرائن مراد ہے۔ اس کا خبث اس کے کڑوے پن کی وجہ سے ہے اور کئی وجوہ سے وہ ضرر رساں بھی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شجرۂ طیبہ سے مراد عقل اور شجرۂ خبیثہ سے مراد خواہش نفسانی ہے کیونکہ نفس امارہ شجرۂ خبیثہ کی طرح ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ شجرۂ خبیثہ جب اپنی جگہ سے اکھڑ جائے زمین کے اوپر سے ہی۔ یعنی جس کی جڑیں زیادہ نیچے نہ گئی ہوں۔ جب وہ زمین سے نکل آئے تو پھر اسے کوئی قرار نہیں۔ یعنی ہوائیں اسے چاروں طرف اڑائے پھرتی ہیں۔

نکتہ: تفسیر کواشی میں ہے کہ کلمہ طیبہ کو درخت طیبہ کے ساتھ ایمان کو تشبیہ دینے میں ایک نکتہ ہے۔ وہ یہ کہ درخت کی جڑیں اور شاخیں لازماً ہوتی ہین کہ جن سے درخت سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور بلند ہوتا ہے۔ اس طرح اقرار باللسان اور تصدیق قلبی جڑیں ہین اور اعمال اس کی شاخیں ہیں۔ جتنا درخت بڑا ہوتا ہے۔ اتنی اس کی جڑیں بھی پھیلتی اور مضبوط ہوتی جاتی ہیں۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو ایک مرتبہ سبحان اللہ کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

ثابت رکھتا ہے اللہ ان کو جو ایمان لائے حق بات پر حیات دنیا میں اور آخرت میں

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ع ﴿۲۷﴾

اور گمراہ کرتا ہے اللہ ظالموں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہے۔

(آیت نمبر ۲۷) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط کرتا ہے پختہ بات کہنے سے دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔

فائدہ : قول ثابت سے مراد کلمہ توحید ہے۔ اس لئے وہ مومن کے دل میں پختہ ہو جاتا ہے۔ امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قول ثابت سے مراد (لا اله الا الله محمد رسول الله) لیا ہے۔ کہ اسی پر ایمان قائم ہے۔ موت سے پہلے اس طرح کہ مومن مصائب مشکلات کتنے ہی زیادہ ہو جائیں وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ پیچھے نہیں ہٹتے خواہ ان کی کھالیں اتار لی جائیں۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا اور اولیاء کرام میں جرجیس، شمعون (بلال حبشی اور عمار اور سمیہ خاتون) کے واقعات احادیث میں موجود ہیں۔

حضرت جرجیس رحمۃ اللہ علیہ کا لوہے کے کنگے میں چمڑا اتارا گیا سینہ چاک کیا گیا۔ ہاتھ پاؤں کاٹے۔ پھر زخموں پر نمک چھڑکا۔ پھر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے پھر آگ میں ڈال دیا۔ یہی حال اور بھی بے شمار اولیاء کا ہوا اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ یوں ثابت قدم رکھتا ہے کہ منکر نکیر سے وہ نہیں گھبراتا اور اس کے بعد کی تمام منازل میں کہیں خوف زدہ نہیں ہوتا۔ **حدیث شریف** میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا قبر میں یہ عقل سلامت ہوگی تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی تو انہوں نے فرمایا پھر خیر ہے۔ بات کر لیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ جس سے ان کی دنیا آخرت تباہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے کسی کو ثابت قدم رکھ کر بے خوف کر دیتا ہے۔ کسی کو گمراہ کر کے تباہ کر دیتا ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں اہل ایمان کو منکر نکیر کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ وہ ہر سوال کا صحیح جواب دیکر جنت پائیں گے اور منکریں کے منہ سے ان کے خوف کی وجہ سے کوئی بات نہیں نکل سکے گی۔ اس لئے وہ جہنم کی آگ میں قیامت تک سزا پائیں گے۔ **عقیدہ :** مرنے کے بعد دوبارہ روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ یعنی وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ (یہ عام آدمی کی بات ہے تو نبی بطریق اولیٰ زندہ ہوتا ہے۔ **عقیدہ :** قبر کا ثواب اور عذاب ہونا حق ہے احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ (معتزلیوں اور پرویزیوں کا ایسی باتوں سے انکار کرنا غلط ہے)۔ **مسئلہ :** قبر میں صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہوتا ہے اور کسی نبی کے متعلق نہیں ہوا نہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

کیا نہیں دیکھا تم نے ان کو جنہوں نے بدل دی نعمت اللہ کی ناشکری سے اور داخل کیا اپنی قوم کو

دَارَ الْبَوَارِ ۙ (۲۸) جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ (۲۹) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

گھر ہلاکت والے میں۔ جہنم میں داخل ہوں گے جو بری ہے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور بنائے اللہ کے

اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (۳۰)

شریک تاکہ گمراہ کریں اس کی سیدھی راہ سے۔ فرمادو نفع اٹھالو پھر بے شک ٹھکانہ تمہارا آگ ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **بابرکت دن:** جمعرات اور جمعہ، رجب شعبان اور رمضان اور عید کی راتوں کو مرنے والا قبر کے سوالوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

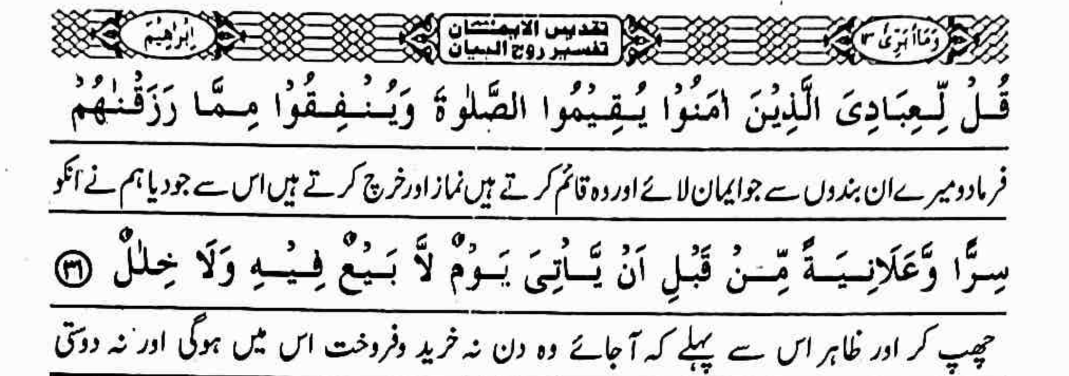
(آیت نمبر ۲۸) اے میرے محبوب کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کو کفر سے تبدیل کر دیا۔ یعنی اسلام جیسی نعمت کو چھوڑ کر کفر جیسی مکروہ چیز کو اختیار کر لیا اور سب سے بڑا فضل و کرم یہ کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی ہستی عطا کی تو انہوں نے شکر کے بجائے کفر کیا۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے اپنی پوری قوم کو بھی ہلاکت اور تباہی تک پہنچا دیا۔ یہاں اس کی نسبت کفار کے بڑے بڑے لیڈروں کیلئے ہے کیونکہ یہی لوگ ان کا سبب بنے۔

(آیت نمبر ۲۹) وہ ہلاکت کا گھر جہنم ہے۔ جس میں یہ کفار داخل ہوں گے اور اس کی گرمی سے بدحال ہونگے اور وہ جہنم کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔ یعنی جو لوگ دوسروں کے کفر و شرک کا سبب بنے اور ان سے کفر و شرک کرایا یہ جہنم کا خاص ٹھکانہ ان کے لئے ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بھی کئی شریک ٹھہرا لئے۔ حالانکہ زمین و آسمان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ جملہ بطور تعجب کے کہا گیا۔ یعنی ان کے اس اعتقاد باطل اور گمان فاسد پر تعجب ہی ہے۔

فائدہ: خود تو وہ گمراہ تھے ہی۔ لیکن انہوں نے بتوں کو خدا کا شریک کیا۔ تاکہ وہ اپنی قوم کو بھی گمراہ کریں۔ جو انہیں اپنا سردار اور لیڈر مانتے تھے۔ انہیں وہ سیدھی (توحید کی) راہ سے گمراہ کر دیں۔ کیونکہ بت پرستی سے ہمیشہ نتیجہ گمراہی ہی نکلتا ہے۔



قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

فرمادو میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے اور وہ قائم کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں اس سے جو دیا ہم نے انکو

سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

چھپ کر اور ظاہر اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن نہ خرید وفروخت اس میں ہوگی اور نہ دوستی

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) آگے فرمایا۔ اے میرے محبوب انہیں فرمادو جو لوگوں کو گمراہ کرر ہے ہیں۔ انہیں زجر تو بیخ کے ساتھ کہہ دو کہ تم نفع اٹھالو۔ یعنی خواہشات نفسانی چند روزہ زندگی میں پوری کرلو۔ بے شک قیامت کے دن تمہارا ٹھکانا جہنم کی آگ میں ہی ہے۔ جس سے تم بھاگ نہیں سکو گے۔ یعنی جہنم میں داخلے کے سوا تمہارے لئے کوئی اور چارۂ کار نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمہارا حال اور اعمال ہی ایسے ہیں کہ تمہیں سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ **فائدہ** : بدترین دوست وہ ہے جو جہنم میں لے جائے۔ جیسے بہترین دوست وہ جو جنت کی طرف لے جائے۔ **سبق** : ہر سنی مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کفر ونفاق والوں اور بدعقیدہ بدعتیوں کی صحبت سے بچے تا کہ برے عقیدے کا اثر اس پر نہ پڑے۔ اسی طرح ایسے گمراہ پیروں سے بھی بچے جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۱) اے میرے محبوب میرے ایمان والے بندوں کو فرمادو۔

نکتہ : حکماء فرماتے ہیں یا متکلم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خاص طور پر شرف عطا کیا۔ یعنی اس عبد کو اپنی طرف منسوب کر کے اپنے بندوں کو بہت بڑا عہدہ عطا فرمادیا۔ **فائدہ** : بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ حساب سے ڈرتے ہیں۔ میں اس کی تمنا کرتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے جب مجھے عبدی کہہ دیا۔ میرا تو کام ہو جائیگا کیونکہ اس سے بڑا درجہ میرے لئے ہے ہی کوئی نہیں کہ رب تعالیٰ مجھے اپنا بندہ کہہ دے۔ آگے فرمایا کہ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ وہ نماز قائم کریں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کریں۔ یعنی یہ دونوں کام پابندی سے ادا کریں خواہ چھپ کر یا اعلانیہ۔ اس دن کے آنے سے پہلے کہ جب نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی جو دوست کو عذاب سے بچالے۔ **فائدہ** : اس آیت میں بندوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ عبادات بدنی اور مالی سے یعنی جان ومال دونوں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ **مسئلہ** : افضل یہ ہے کہ نفلی صدقے چھپا کر اور واجبی صدقے بتا کر دیئے جائیں۔

سبق : بندوں پر واضح کیا گیا ہے کہ وہ کفار کی طرح دنیا کے ہی ہو کر نہ رہ جائیں نہ اس کی طرف زیادہ جھکیں۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ

اللہ ہی نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ

پھل جو رزق ہے تمہارا۔ اور مسخر کی تمہارے لئے کشتی تاکہ چلے دریا میں

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ ﴿۳۲﴾

اس کے حکم سے اور مسخر کیں تمہارے لئے نہریں۔

(آیت نمبر ۳۲) اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ یعنی ان کے درمیان میں جو بھی ہے وہ اسی نے پیدا کیا۔ زمین وآسمان کو جو اس کی تخلیق مان جائے گا اور وہ درمیانی تخلیق کو خود ہی مان لے گا۔

فائدہ: سر کے اوپر جو بھی ہے وہ آسمان ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پانی بارش اتاری۔ یعنی آسمان سے بادلوں میں پھر وہاں سے زمین پر اتارا۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتیں بتا رہا ہے کہ آسمان بنائے اور زمین بنائی پھر آسمانوں اور زمینوں کے اندر جتنی بھی نفع مند اشیاء ہیں۔ سب کو الگ الگ ذکر کر کے واضح فرمایا۔ کہ یہ سب نعمتیں میں نے تمہارے لئے بنائیں ان میں اہم نعمت پانی ہے جس سے ہر ایک کی زندگی وابستہ ہے جو آسمانوں سے اتارا۔ پھر اس پانی میں قوت فاعلیہ رکھی اور زمین کو قوت قابلیہ عطا کی۔ ان دونوں قوتوں سے پھلوں میں کئی انواع واقسام کے پھل اور پھول بھی نکالے۔ پھل استعمال کر کے تم اچھی زندگی گذارو۔ یہاں رزق سے مراد تمام نعمتیں خواہ کھانے میں آتی ہوں یا پہننے میں یا دیگر بندوں کی ضروریات میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہیں۔

آگے فرمایا کہ کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ وہ دریا میں چلیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم کشتیوں کو جہاں چاہو لے جاتے ہو۔ تمہارے لئے بڑی آسانی کے ساتھ وہ چلتی ہیں۔ جیسے خلا میں دھواں یا ہوائیں چلتی ہیں۔ آگے فرمایا کہ نہریں بھی تمہارے لئے مسخر کیں۔ یعنی تمہارے فائدے کیلئے نکالی ہیں۔ تم ان سے نالیاں نکال کر اپنے کھیتوں تک پانی لے جاتے ہو اور پانی کی تمام ضروریات ان سے پوری کرتے ہو۔ باغات کو سیراب کرتے ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ج ﴿۳۳﴾

اور مسخر کئے تمہارے لئے سورج اور چاند برابر چلنے والے۔ اور مسخر کئے تمہارے لئے رات اور دن

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ط وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط

اور دی تمہیں ہر وہ چیز جو تم نے مانگی۔ اور اگر تم گنو نعمتیں اللہ کی تو نہیں شمار کر سکتے ۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ع ﴿۳۴﴾

بے شک انسان بڑا ظالم بہت بڑا ناشکرا ہے۔

(آیت نمبر۳۳) اور فرمایا کہ سورج اور چاند بھی تمہارے لئے مسخر کئے جو برابر اپنے وقت پر چل رہے ہیں۔ کبھی رکاوٹ نہیں ہوئی اور قیامت تک لگاتار چلتے رہیں گے۔ آگے فرمایا کہ رات اور دن بھی تمہارے لئے مسخر کردیئے جو تاریکی اور روشنی پھیلاتے ہیں تاکہ تمہاری نیند کا سلسلہ رات کو اور معاشی معاملہ دن کو اور دیگر معاملات بھی درست رہ سکیں۔ **فائدہ:** بعض نے اس مقام پر بیان کیا کہ رات افضل ہے یا دن۔ تمام دلائل لکھنے کے بعد علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات افضل ہے۔ اس لئے کہ معراج رات کو ہوئی۔

(آیت نمبر۳۴) سابقہ نعمتیں تمہارے بن مانگے دیں اور آگے فرمایا جو بھی تم نے مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہی کچھ دیا۔ یعنی جن چیزوں میں تمہاری مصلحت تھی۔ وہ تم نے جب مانگی جتنی مانگی رب تعالیٰ نے عطا کی جو کچھ بھی عطا ہوا اور عطا ہوگا۔ وہ تو نعمتوں کا کچھ ہے۔ اسی لئے من تبعیضیہ لایا ہے اصل نعمتیں تو آخرت میں ملیں گی۔

آگے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو اس نے اب تک تمہیں دی ہیں۔ گننا چاہو۔ تمہارے مانگنے سے یا بن مانگے دی ہیں تو تم گن نہیں سکتے (یہ حال بعض نعمتوں کا ہے۔ تو جہاں کل نعمتیں ہونگی (یعنی جنت میں) ان کا شمار کون کر سکتا ہے) یعنی نہ تفصیلاً نہ اجمالاً کسی طرح بھی شمار ناممکن ہے۔

سب سے بڑی نعمت: حضرت سلمہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اس آیت میں نعمت سے مراد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے کہ یہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ (اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کسی اور نعمت پر احسان نہیں جتایا۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر مومنوں کو احسان جتایا) اور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک فرمایا کہ جس کی صفات کا شمار ہی کوئی نہیں۔ جس کی وجہ سے کائنات معرض وجود میں آئی اور جس نے قبر میں آکر جلوہ فرمانا ہے۔ جس نے محشر کے دن شفاعت کرنی ہے۔ اس سے بڑی کون سی نعمت ہوسکتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ

اور جب کہا ابراہیم نے میرے رب کر اس شہر کو امن والا اور بچا مجھے اور میرے بیٹوں

اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ ﴿۳۵﴾

کہ ہم پوجیں بتوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۴) آگے فرمایا کہ بے شک انسان بڑا ظالم ہے کہ اتنی نعمتیں کھا کر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ الٹا مشکلات میں اللہ تعالیٰ پر ہی شکوہ کر کے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ **فائدہ** : نعمت کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب نہ ملے۔ **حکایت** : ہارون رشید سے ایک اللہ والے نے پوچھا۔ اگر آپ جنگل میں پیاسے ہوں۔ پانی ملنا مشکل ہو۔ وہاں کتنی قیمت دیکر آپ پانی لے سکتے ہیں۔ اس نے کہا۔ آدھی بادشاہی دے دوں۔ انہوں نے فرمایا۔ پانی پینے کے بعد وہ باہر نہ نکلے تو پھر کیا دیں گے۔ تو اس نے کہا پھر تو پوری بادشاہی دینی پڑی تو دے دونگا۔ **سبق** : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک پیاسا بادشاہ ایک پیالے پانی کیلئے آدھی بادشاہی قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر پانی پیٹ میں جا کر پیشاب بند ہو جائے تو پھر پوری بادشاہی دیکر نکلوانے کیلئے تیار ہو جاتا ہے تو ایک پیالہ پانی کی قیمت بادشاہی کی قیمت سے زیادہ ہوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور ان کی قیمت کون اندازا لگا سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) اے میرے محبوب یاد کریں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے اللہ پاک اس شہر مکہ کو امن والا بنا۔ یعنی اس میں آنے اور رہنے والوں کو امن و عافیت نصیب فرما تا کہ انہیں یہاں آ کر کسی قسم کی تکلیف نہ پیش آئے۔ نہ درندوں کا ڈر ہو نہ ڈاکوؤں کا خوف ہو نہ تباہ کن مرض لاحق ہو۔ اور اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بچا رکھنا اس سے کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔ **فائدہ** : چنانچہ مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور آپ کی اولاد میں عمرو بن یحییٰ تک کسی نے بت پرستی نہیں کی۔ بلکہ اس کے بعد بھی آپ کی اولاد میں اکثریت بتوں سے نفرت کرنے والے تھے۔

عصمت انبیاء: آیت میں دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی ان میں گناہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ **سبق** : اہل حق کے لئے لازم ہے کہ وہ نہ بتوں کے پاس جائیں نہ بت پرستوں سے میل جول رکھیں اور سب سے بڑا بت تو انسان کا اپنا نفس ہے۔ جس کی وجہ سے وہ حجاب میں ہے۔ لہذا مومن پر لازم ہے کہ وہ ایمان و اعمال صالحہ پر نہ اترائے نہ اعمال پر بھروسہ کرے۔ بلکہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا رہے کہ اے اللہ تعالیٰ موت تک ایمان سلامت رہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنی اولاد کی ایمان پر سلامتی کی دعا کی۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

میرے رب بے شک انہوں نے بہکادیا بہت لوگوں کو۔ تو جو میرے پیچھے چلا بے شک وہ میرا ہے

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾

اور جس نے نافرمانی کی بے شک تو بخشنے والامہربان ہے۔

(آیت نمبر ٣٦) اے میرے رب بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس لئے ہمیں اس گمراہی سے بچانا۔ اس لئے کہ تیری پناہ کے سوا بے شمار لوگ اس کے شکار ہوئے۔ **فائدہ** : گمراہ کرنے کی نسبت بتوں کی طرف مجازا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ وہ ان کے گمراہ ہونے کا سبب بنے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: "غرتهم الحيوة الدنيا" دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکا دیا۔ یعنی دنیا کی زندگی ان کے لئے دھوکا کا سبب بنی۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت حقیقی بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ شیطان بتوں میں داخل ہوکر لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

شیطان ابوجہل کے بت میں: منقول ہے کہ ایک دفعہ شیطان ابوجہل کے بت میں داخل ہوا اور بت ہلنے لگا۔ پھر اس میں آوازیں آنے لگیں اور حضور ﷺ کی شان میں بکواس کرنے لگ گیا۔ ابوجہل نے کہا آج چپ ہو جا کل ہم سب لوگوں کو اور خصوصاً مسلمانوں اور ان کے نبی کو بلائیں گے لہذا یہ تقریر کل پھر سنانا۔ دوسرے دن سب کو بلایا گیا کہ ابوجہل کا بت تقریر کرے گا۔ حضور ﷺ کو بھی بلایا گیا آپ بھی تشریف لائے۔ جب بت کو اونچی جگہ رکھا گیا۔ تو اس سے آواز آئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ بت کوئی نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ بت پرستوں کی ہلاکت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ ابوجہل کو غصہ چڑھا اور بت کو پاش پاش کر دیا اور کہا محمد نے ہمارے بت پر بھی جادو کر دیا۔ چونکہ پہلے دن والا جن کافر تھا۔ جسے دوسرے دن والے مسلمان جن نے قتل کیا۔ دوسرے دن اس مسلمان جن نے بت میں داخل ہوکر حضور ﷺ کی شان میں تقریر کی۔

آگے فرمایا کہ جس نے میری متابعت کی بے شک وہ میرا ہے۔ یعنی وہ پکا مسلمان ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اور میری تابعداری نہ کی۔ پھر بے شک تو بخشنے والامہربان ہے۔

مسئلہ : معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب گناہ معاف کردے۔ البتہ شرک کے بارے میں یہ فرمان خداوندی ہے کہ شرک سے اگر توبہ نہیں کی تو پھر یہ ہرگز معاف نہیں ہوگا۔ باقی گناہ معاف ہونگے مگر جس کیلئے رب چاہے گا۔ (اے اللہ ہمارے صغیرہ کبیرہ سب گناہ معاف فرما۔)

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ

اے ہمارے رب میں نے بسائی کچھ اپنی اولاد ایسی وادی میں جہاں نہیں ہے کھیتی نزدیک تیرے گھر

الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ

حرمت والے کے ہمارے رب اس لئے کہ وہ قائم کریں گے نماز تو تو کردے دل لوگوں کے مائل

اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

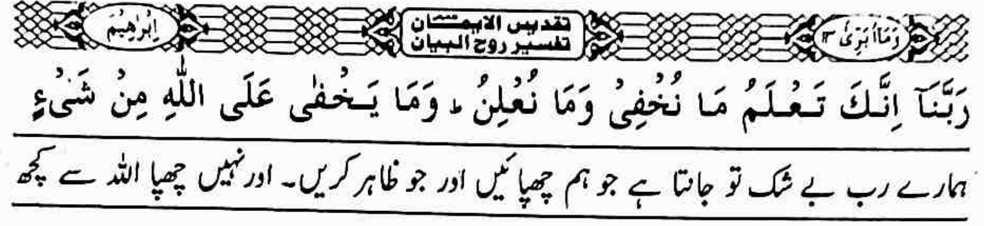
ان کی طرف اور دے انہیں رزق پھلوں سے تاکہ وہ شکر کریں۔

(آیت نمبر ۳۷) اے ہمارے پروردگار۔ **فائدہ**: صفت ربوبیت کے بولنے سے قبولیت کو زیادہ دخل ہے۔ بے شک میں نے سکونت پذیر بنایا کچھ اولاد کو۔ اس سے مراد جناب اسماعیل علیہ السلام ہیں اور آگے ان کی نسل یہاں ہی آباد ہوئی اور عرض کی کہ یا اللہ میں نے بیوی اور بچے کو بے آباد زمین میں آباد کیا ہے۔ یعنی وادی مکہ مکرمہ میں جہاں پتھر ہی پتھر ہیں۔ کھیتی باڑی یا کوئی پیداوار وہاں نہیں ہوتی (اس وقت پانی بھی نہیں تھا۔ بعد میں اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے آب زمزم وافر مقدار میں ہوگیا) آگے فرمایا۔ تیرے عزت وعظمت والے گھر کے پاس۔

فائدہ: گھر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی بزرگی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اتنی بڑی عزت کسی اور چیز کو نہیں ملی۔ جو کعبے کو ملی اس کی وجہ سے شہر بھی عزت والا ہوگیا۔

مسئلہ: اس مسجد حرام میں کسی قسم کی برائی کسی کے ساتھ ظلم، لڑائی، شکار سب حرام ہے۔

آگے فرمایا کہ اے ہمارے رب کریم میں نے اپنے اہل وعیال کو سنگلاخ وادی میں اس لئے چھوڑا کہ یہ تیرے حرم پاک بیت اللہ شریف میں نمازیں ادا کریں گے۔ اس سے اور کوئی بھی مقصد نہیں ہے۔ بقایا اعمال کا نام نہیں لیا۔ صرف نماز کی پابندی سے اصلاح اچھی ہوتی ہے۔ اس لئے نماز کا کہا (دوسرا نماز سارے دین کا ستون ہے۔ نماز قائم تو دین بھی قائم) اور تیسری بات یہ ہے کہ کئی آدمی سب کچھ کر لیتے ہیں۔ نماز کا کہہ دو۔ تو اس سے گھبرا جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا سپیشل ذکر کیا۔ آگے فرمایا کہ لوگوں کے دل ان کی طرف جھک جائیں۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں ایسی شوق اور محبت پیدا کردے کہ وہ میری اولاد جو مکہ کے پاس چھوڑی ہے۔ ان کے پاس آنے کیلئے بے قرار رہیں۔ اور دور دور سے آکر ان کی خدمت کریں۔



رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

ہمارے رب بے شک تو جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔ اور نہیں چھپا اللہ سے کچھ

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

زمین میں اور نہ آسمان میں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) **نکتہ** : اس کے باوجود کہ من تبعیضیہ لگایا ہے پھر بھی غیر ملکیوں کی آمدورفت کا یہ حال ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں (اہل مکہ کے قرب و جوار کے تمام مکانات مسجد حرام میں آ گئے جو رہ گئے وہ کرائے کیلئے ہیں۔ مقامی لوگ آگے پیچھے چلے گئے ہیں)۔ آگے فرمایا کہ اے اللہ میری اولاد کو رزق دے۔ یا جو بھی مکہ مکرمہ میں آ کر ٹھہرے اسے رزق دے۔ جیسا کہ پہلے پارے میں ہے۔ یعنی ہر قسم کا پھلوں سے انہیں رزق پہنچا۔ یا ایسے اسباب پیدا فرما کہ یہاں آسانی اور فراوانی سے ہر قسم کے پھل فروٹ پہنچ سکیں۔

عجوبہ : ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ایک فرشتے نے شام کے علاقے سے باغات کا ایک ٹکڑا اٹھا کر مکہ مکرمہ کے قریب طائف میں لا کر رکھ دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ اب مکہ مکرمہ میں ہمہ وقت ہر موسم کے پھل مل جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ انہیں پھل ملیں تا کہ یہ شکر کریں یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادات کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

طائف نام کی وجہ: یہ ہے کہ شام سے لانے والے فرشتے نے باغ سمیت کعبے کا طواف کیا۔ پھر طائف میں لایا۔ اس کی وجہ سے اس جگہ کا نام طائف ہوا۔

(آیت نمبر ۳۸) اے اللہ تو ہمارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ یعنی ہمیں اپنی حاجات ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ ظاہر کی طرح اندر کی باتوں کو بھی تو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ یہ اس کا علم ذاتی ہے۔ نہ کہ عارضی نہ کسبی ازل سے ابد تک عرش سے تحت الثریٰ تک کوئی ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ تجھ سے تو کچھ بھی چھپا نہیں تجھے ہر جگہ ہر شیء کا علم ہے۔ لہذا ہمارے لئے وہی کر جو ہمارے لئے بہتر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ

تمام تعریفیں اللہ کیلئے جس نے بخشے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق۔ بے شک میرا رب

لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ صلے

سننے والا ہے دعا کو ۔ میرے رب بنا مجھے قائم کرنے والا نماز کو اور کچھ میری اولاد کو۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

ہمارے رب قبول فرما ہماری دعا۔

(آیت نمبر۳۹) سب تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل جیسا خوبصورت بیٹا عطا کیا۔ جس عمر میں عموماً اولاد ہونے سے ناامیدی ہو جاتی ہے۔

فائدہ : اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اسی (۸۰) سال تھی۔ یا اس سے کچھ کم وبیش۔

فائدہ : اسماعیل نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسمع ایل سے بنا اس کا معنی ہے۔ اے اللہ سن تو دعا تو جب دعا قبول ہوئی تو ان کا نام ہی اسماعیل رکھ دیا۔ عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے اللہ کی اطاعت کرنے والا۔ اس کے بعد ننانوے سال کی عمر میں دوسرے صاحبزادے حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے ان کا نام نامی اسم گرامی اسحاق علیہ السلام رکھا گیا۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام شام میں تھے۔ آگے فرمایا بے شک میرا رب دعاؤں کو سن کر قبول فرمانے والا ہے۔

(آیت نمبر۴۰) اے میرے رب بنا مجھے نماز کا پابندی کرنے والا یعنی مقبول نماز کی توفیق عطا فرما اور میری اولاد کو بھی یہ توفیق عطا فرما۔ اگرچہ ساری اولاد نہ سہی۔ بعض کو تو توفیق دے۔ گویا آپ نے حالات زمانہ سے یا نگاہ نبوت سے دیکھ لیا کہ سارے قائم نہیں رہ سکیں گے۔

فائدہ : صرف نماز کا ذکر کیا۔ روزے، حج کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز صحیح تو سارا دین صحیح جو مومن کو عروج بخشتی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہماری دعا کو قبول فرما۔ یعنی انہیں بت پرستی سے بچا اور پکا نمازی بنا۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ع ﴿۴۱﴾

اے ہمارے رب بخش مجھے اور میرے والدین کو اور سب مسلمانوں کو جس دن قائم ہوگا حساب۔

(آیت نمبر ۴۱) اے ہمارے رب مجھے بخش دے کہ اگر کوئی بہ تقاضائے بشریت مجھ سے کوئی کام خلاف اولیٰ ہوا ہو۔ تو تو مجھے بخشش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش دے۔ **فائدہ:** اس دعا سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر نہیں تھا اس لئے کہ آزر مشرک تھا۔ اور مشرک کی بخشش کیلئے دعا سے نبی کو منع کیا گیا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے۔ اس لئے کہ آزر تو مشرک تھا اور مشرک کیلئے بخشش کی دعا سے تو آپ پہلے ہی برأت کا اظہار چکے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ یہ اللہ دشمن ہے۔ تو آپ نے اس کی بخشش والی دعا بند کردی۔ قرآن میں اَب کا لفظ چچا۔ تایا۔ دادا سب کیلئے استعمال ہوا ہے اور والد اپنے سگے باپ کو کہا جاتا ہے لہذا اس والد سے مراد تارخ ہے، آگے فرمایا کہ یوم حساب تک سب مومنوں کو بخش دے۔ یعنی میری اولاد ہو یا دیگر مؤمنین مومنات ہوں۔ چونکہ عورتیں بھی تبعاً مؤمنین میں شامل ہیں۔ اس لئے ضمیر جمع کی لائی گئی۔ **حدیث شریف:** جس نے مومن مردوں اور عورتوں سب کو دعا میں شامل کیا۔ اس کی دعا قبول ہوئی۔ (الریاض النضرۃ)

مسئلہ: سنت یہی ہے کہ دعا صرف اپنے لئے ہی نہ کرے۔ بلکہ سب کو اپنے ساتھ شامل کرے۔ **مسئلہ:** اسرار محمدیہ میں ہے کہ امام کیلئے مکروہ ہے کہ وہ صرف اپنے لئے دعا کرے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ دعا میں سب مسلمانوں کو شامل کر کے جمع کا صیغہ بولے۔ **حدیث شریف:** ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی کسی قوم کی امامت کرے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ دعا مانگتے وقت صرف اپنے کو ہی مخصوص نہ کرے دوسروں کو چھوڑ کر اگر ایسا کیا تو اس نے باقیوں سے خیانت کی۔ (ترمذی شریف)

مسئلہ: تنہائی میں بھی دعا کرتے وقت بہتر یہی ہے کہ جمع کے صیغے استعمال کرے۔ بلکہ اس دعا میں اپنے علاوہ والدین، امہات اولاد، بہنیں بھائی تمام مومن مسلمانوں دوستوں اور تمام نیک اچھے لوگوں کو شریک کرے۔ ایسی عامی دعا میں بزرگوں کا نام بھی لے۔ تاکہ ان کی برکت بھی شامل ہو۔ اور ان کی ارواح بھی اس کی طرف متوجہ ہوں۔ **مسئلہ:** اہل سنت کے تمام بزرگوں کا یہی طریقہ تھا کہ وہ دعا میں سب لوگوں اور بزرگوں کو شامل کرتے اور جتنے لوگوں کو دعا میں شامل کیا ہے۔ اس کے مطابق دعا کرنے والے کے نامہ اعمال میں ثواب درج کیا جاتا ہے۔ "یوم یقوم الحساب" اس لئے کہا کہ وہ آخری دن ہے اس دن کی خلاصی کے بعد دائمی نجات اور بلند درجات ملتے ہیں۔ اس لئے دعا میں اس دن کو خصوصیت سے شامل کیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

اور نہ سمجھنا اللہ کو بے خبر اس سے جو کرتے ہیں ظالم بے شک ڈھیل دے رہا ہے ایسے دن کیلئے

تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

کہ کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اس میں آنکھیں۔ بے تحاشا دوڑتے اٹھائے ہوئے اپنے سروں کو نہیں پھرائیں گے

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

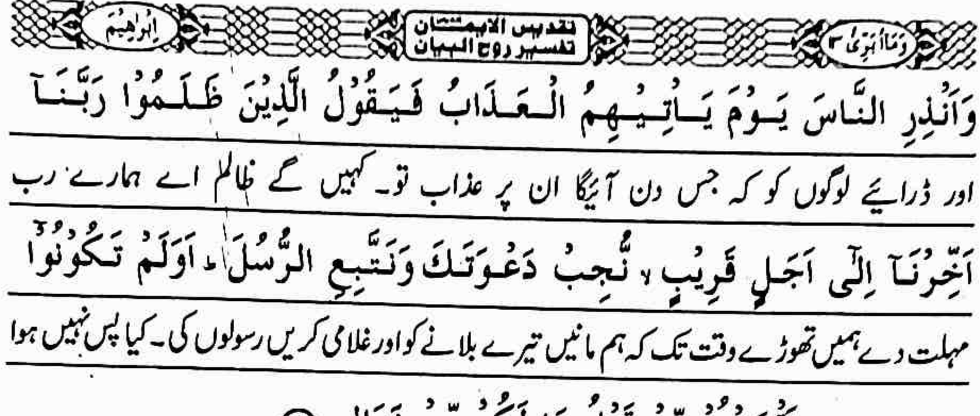
ان کی طرف نگاہیں اور دل ان کے بے سکت ہونگے۔

(آیت نمبر۴۲) یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ یعنی حضور کو تسلی دی گئی کہ اے میرے محبوب آپ اپنے طریقے پر مضبوط رہیں۔ کفار و مشرکین بھی یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر ہے۔ یعنی بروز قیامت ان ظالموں کو اپنے کئے کی پوری پوری سزا دی جائیگی۔ دنیا میں اگر انہیں سزا نہیں مل رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں مہلت دی ہوئی ہے اور سزا اس وجہ سے بھی نہیں ہو رہی کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

آگے فرمایا کہ ان کفار و مشرکین کو لیٹ کر رہے ہیں۔ ایسے سخت دن کیلئے کہ جس دن آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ یعنی سخت عذاب دیکھ کر پلکیں بھی نہیں ہلائیں گے۔ دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلے میں چھوٹا ہوگا۔ ہم انہیں بڑے عذاب میں ڈالنے والے ہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر میدان محشر کی طرف دوڑتے جائیں گے۔ جیسے قیدی کے پیچھے پکڑنے والے ہوں۔ تو وہ تیز سے تیز دوڑتا ہے۔

(آیت نمبر۴۳) سر اوپر کئے ہوئے ادھر ادھر دیکھے بغیر دوڑتے جا رہے ہوں گے۔ پیچھے بھی مڑ کر بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کسی طرف بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ یہاں تک کہ وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ پاؤں کے نیچے کیا ہے اور ان کے دل ایسے ہو جائیں گے، دہشت کی وجہ سے اور حیرت کی وجہ سے گویا جسم سے نکل کر ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کی ہولناکیوں اور سختی سے محفوظ فرمائے۔ آمین یارب العالمین)۔



وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

اور ڈرایئے لوگوں کو کہ جس دن آئیگا ان پر عذاب تو۔ کہیں گے ظالم اے ہمارے رب

اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا

مہلت دے ہمیں تھوڑے وقت تک کہ ہم مانیں تیرے بلانے کو اور غلامی کریں رسولوں کی۔ کیا پس نہیں ہوا

اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

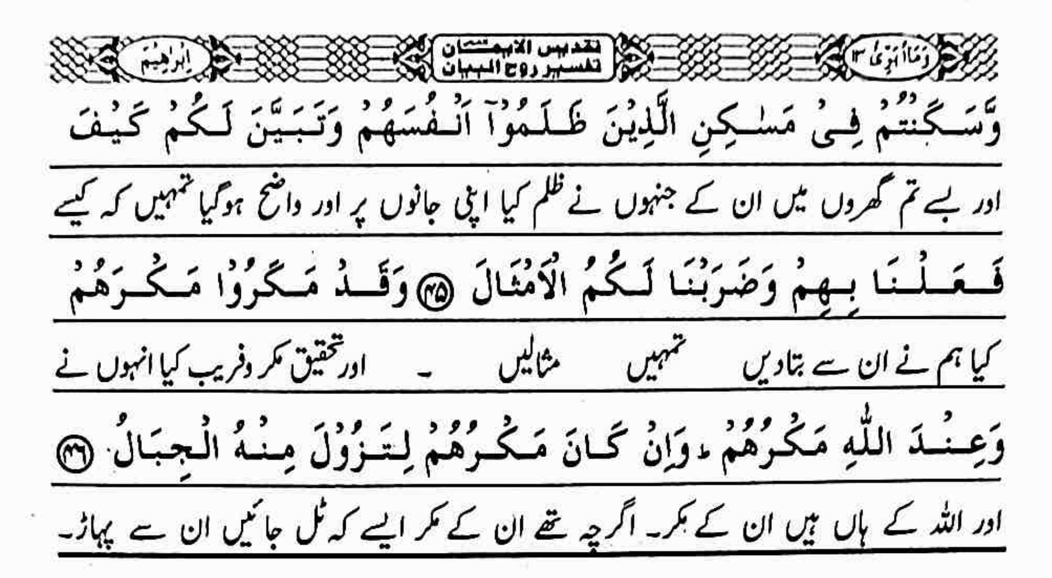
کہ تم نے قسمیں کھائیں اس سے پہلے نہیں ہے تمہیں کہیں ہٹ جانا۔

(آیت نمبر ۴۴) اے میرے محبوب۔ تمام لوگوں کو ڈرسنائیں۔ اس دن سے کہ جس دن ان پر عذاب آجائیگا۔ یا موت کے دن سے ڈرائیں کہ وہ عذاب کا پہلا دن ہوگا۔ سکرات موت کے وقت سختی بھی عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

فائدہ : موت سے عذاب کی ابتداء اصل میں کفار کیلئے ہے۔ یا گناہ گار مومن بالتبع مبتلا ہوسکتے ہیں تو جب وہ عذاب کا دن قیامت کا دن آئے گا۔ تو ظالم کہیں گے۔ یعنی جنہوں نے شرک کیا۔ یا نبی یا قرآن کو جھٹلا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں مہلت دے تھوڑے وقت تک۔

فائدہ : سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ وہ کہیں گے کہ کچھ مدت کیلئے ہمیں واپس دنیا میں ہی پھیر دے۔ تاکہ عذاب سے وہ بچ جائیں یا یہ مطلب ہے کہ ہمیں اتنی مہلت دے کہ ہم واپس دنیا میں جا کر اب ایمان لائیں تجھ پر اور تیری طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کریں۔ اور تیری توحید پر ایمان بھی لے آئیں گے اور جو تیرے رسول ہمارے پاس تیرے احکام لے کر آئے ان کی باتیں مان کر ان پر عمل کریں گے اور جو جو ہم سے خطائیں ہوگئیں۔ ان کا بھی تدارک کریں گے تو اللہ تعالیٰ زجر و توبیخ کے انداز میں فرمائے گا۔ کیا تم پہلے ایک عرصہ دنیا میں نہیں رہے۔ کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہیں کھائی تھیں۔ لیکن تم تکبر اور غرور میں تھے اس وقت میرے بندوں کو برا بھلا کہتے تھے اور تم تو کہتے تھے کہ تمہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ بڑے گھمنڈ اور دولت کے نشے میں مست تھے۔ یا اپنی جگہ تم یہ سوچ بیٹھے تھے کہ اب ہم ہمیشہ یہاں رہیں گے (ان عالی شان بنگلوں میں)۔ آخرت کی تو تمہیں فکر نہ تھی۔

فائدہ : یہ کافرانہ سوچ ہے کہ کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیشہ یہاں دنیا میں رہنا ہے۔ ابھی بہت وقت ہے وغیرہ



وَسَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ
اور بسے تم گھروں میں ان کے جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور واضح ہوگیا تمہیں کہ کیسے
فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ
کیا ہم نے ان سے بتادیں تمہیں مثالیں ۔ اور تحقیق مکر وفریب کیا انہوں نے
وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾
اور اللہ کے ہاں ہیں ان کے مکر۔ اگرچہ تھے ان کے مکر ایسے کہ ٹل جائیں ان سے پہاڑ۔

(آیت نمبر ۴۵) اور تم ان ہی گھروں میں رہے۔ یعنی جو تم سے پہلے شرک وکفر کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ جیسے قوم ثمود، قوم عاد وغیرہ نے ظلم کئے۔ پھر انہوں نے اپنے کئے کی سزا پائی اور تم نے جو غلطیاں کیں۔ ان کی تم سزا پاؤ گے اور تم پر یہ بات خوب واضح ہوگئی کیونکہ تم نے ان جگہوں کا مشاہدہ کیا۔ اور تم تک ان کی خبریں پہنچیں کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ یعنی وہ تباہ اور برباد کیوں ہوئے۔ پھر سخت ترین عذاب میں کیوں گرفتار ہوئے اور ہم نے تمہارے لئے قرآن میں مثالیں بیان کردیں کہ گذرے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ یہ ان کے واقعات اور مثالیں اس لئے بیان کیں تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔ ان پر تو فوراً عذاب آیا اور تمہیں مہلت دی گئی۔ اب تم پر ضروری ہے۔ کفر وشرک اور گناہوں سے باز آجاؤ۔ اور پچھلی قوموں سے سبق اور نصیحت حاصل کرو۔ **سبق** : ہر مسلمان پر لازم ہے کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔ مومن کے لئے مندرجہ ذیل چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے: (۱) علم تاکہ آخرت کی راہنمائی حاصل کرے۔ (۲) نیک دوست جو نیکی اور اطاعت میں اس کی مدد کرے اور برائیوں سے منع کرے۔ (۳) دشمن کی پہچان تاکہ اس سے بچ سکے۔ (۴) عبرت ہو کسی سے تاکہ اسے خوف خدا نصیب ہو۔ (۵) مخلوق کے ساتھ انصاف تاکہ قیامت کے دن اس کا کوئی گریبان نہ پکڑے۔ (۶) موت کی تیاری تاکہ قیامت کے دن رسوا نہ ہو۔

(آیت نمبر ۴۶) اور تحقیق انہوں نے خوب مکر کئے۔ یعنی حق کو مٹانے میں پوری کوشش کی نہ دن دیکھا نہ رات۔ اس مقصد کیلئے وہ گناہ کی ہر حد ہی پھلانگ گئے۔ ہمہ وقت بس یہی کام تھا۔ اور یہی سوچتے رہتے۔ کہ کس طرح حق کو ختم کریں۔ حالانکہ ان کے مکر وفریب اللہ تعالیٰ کے پاس لکھے ہیں۔ یعنی وہ دیکھ رہا تھا اور وہی ان کو اس کی سزا بھی دے گا۔ اگرچہ ان کا مکر اتنا سخت تھا۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ؕ ﴿۴۷﴾

تو کبھی نہ گمان کرنا کہ اللہ وعدہ خلافی کرے گا اپنے رسولوں سے بے شک اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) کہ اگر ان کا مکر پہاڑوں پر ڈالا جاتا تو وہ بھی ملیامیٹ ہو جاتے یعنی ان کے مکر اتنے بڑے اور اتنے سخت تھے کہ پہاڑوں کو فنا کر دیتے۔ **فائدہ** : یہ صرف تمثیل ہے ورنہ کجا پدی اور کجا پدی کا شوربا۔ یعنی کیا وہ اور کیا ان کی حیثیت۔ کہ وہ حق کو ختم کر سکیں۔

(آیت نمبر ۴۷) یہ گمان نہ کر کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا نہیں کرے گا کہ نہ ظالموں کو سزا ملے اور نہ مسلمانوں کی مدد ہو۔ ایسا نہیں ہے ظالموں کو وہ ضرور سزا دے گا اور مسلمانوں کی مدد بھی ضرور کرے گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی مکر وفریب والوں کو عذاب دے گا۔ کوئی روک نہیں سکتا اور اپنے دوستوں کی مدد اور ان کے دشمنوں سے بدلہ لے گا اور خوب لے گا۔

نمرود کی بغاوت: معالم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے صحیح سلامت نکل آئے تو نمرود نے کہا کہ تیرے خدا نے تجھے بچالیا۔ اب میں اس کو آسمان پر جا کر ماروں گا۔ اسے لوگوں نے سمجھایا لیکن وہ نہ مانا اور حکم دیا کہ تین میل کی چوڑائی میں ایک محل جتنا ہو سکے اونچا بناؤ۔ جب بہت اونچا محل بن گیا اور یہ اوپر چڑھا تو ابھی آسمان اتنا ہی اور بھی بلند تھا پھر اتنا اور بھی اونچا بنایا۔ پھر دیکھا کہ ابھی تو وہ اتنا ہی اونچا ہے پھر اترا اور کہا اسے اور اونچا بناؤ لیکن رات کو ایسی تیز ہوا چلی کہ پورا محل نیست ونابود ہو گیا اسے اور زیادہ غصہ آیا تو اس نے حکم دیا کہ چار گدھیں خوب پالو۔ جب وہ خوب موٹی ہو گئیں تو انہیں کئی دن بھوکا رکھا گیا پھر چاروں کے سر پر گوشت لٹکایا گیا۔ ان پر بکسہ باندھا اور اس میں نمرود اپنے غلام کے ساتھ بیٹھا اور چیلوں کو اڑاتا ہوا آسمان کی طرف روانہ ہوا۔ جب سمجھا کہ اب آسمان قریب آ گیا ہو گا تو غلام سے کہا نیچے دیکھو ہم کتنے دور آ گئے۔ اس نے کہا نیچے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اوپر بھی دیکھا تو آسمان اتنا ہی بلند تھا۔ پھر وہاں سے اوپر تیر چلائے وہ تیر نیچے آتے تو ان کے ساتھ خون دیکھا تو اس نے کہا کہ میں نے آسمان والے خدا کو (معاذ اللہ) مار دیا۔ اب ہم واپس چلیں پھر گوشت زیادہ نیچے کر دیا تو چیلوں نے نیچے کا رخ کر لیا تو وہ نیچے آ گرا۔ اس کی اس شرارت سے پہاڑ بھی کانپ اٹھے۔ لوگوں نے اسے بہت بڑا سمجھ لیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر کو حکم دیا اور وہ اس کے ناک سے گھس کر اس کے دماغ میں جا بیٹھا۔ تو نمرود نے نوکروں کو حکم دیا کہ میرے سر پر جوتا مارا جائے۔ جب تک جوتے پڑتے مچھر آرام سے بیٹھا رہتا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ

جس دن بدل جائے گی زمین دوسری زمین سے اور تمام آسمان بھی اور نکل آئیں گے سب اللہ

الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

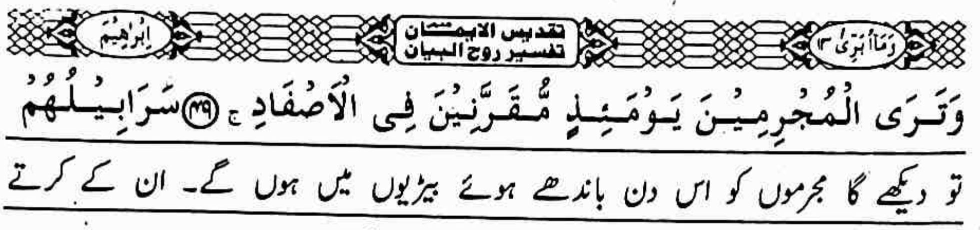
اکیلے زبردست کے سامنے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) جوں ہی جوتے پڑنے بند ہوتے وہ پھر حکم دیتا کہ اور جوتے مارے جائیں۔ اسی طرح وہ جوتے کھاتا کھاتا مردار ہوگیا۔ یہ ہوتی ہے۔ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مکر وفریب کرتے ہیں۔ یہی ذلت موت ہے۔ اس کی جو اللہ اور رسول کے ساتھ مقابلہ کرے۔

سبق : کہاں وہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ۔ اور کہاں یہ جابر وظالم متکبر اور سرکش بادشاہ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) بہرحال اے دوستو یہ سب واقعات عبرت نشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور اس کی عبادت کروان مذکورہ واقعات سے سبق حاصل کرو اور اس دن سے ڈرو۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر ایک سے پورا پورا حساب لے گا اور کسی سے زیادتی نہیں ہوگی۔

(آیت نمبر ۴۸) وہ دن یاد کرو۔ جس دن یہ معلوم زمین بدل دی جائے گی۔ اس زمین کے ساتھ جو غیر معلوم ہے۔ اسی طرح آسمان بھی بدل جائیں گے اور اس وقت قیامت قائم ہو جائے گی اور جہنم پر پل صراط قائم کر دی جائیگی۔ **حدیث شریف** : جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ کیا بروز قیامت ہم اپنے رشتہ داروں کو یاد رکھیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں ہوگا (ہر ایک کو اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہونگے) (۱) پل صراط۔ (۲) حساب۔ (۳) میزان۔ پھر ام المؤمنین نے عرض کی کہ جب زمین وآسمان بدل جائیں گے تو لوگ کدھر جائیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ آج تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے کہ اس سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو مرتبہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ شریف)

۱۔ پہلی مرتبہ: صرف صفت بدلے گی۔ یہ نفخ صور سے پہلے ہوگا۔ جب آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ سورج بے نور ہو جائیگا۔ چاند کی چاندنی ختم ہو جائیگی اور کل جہاں دھوئیں کی طرح نظر آئے گا۔ زمین کی تمام عمارتیں نیست ونابود ہو جائیں گی۔ زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور پہاڑ روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ندی اور دریا خشک ہو کر خاک ہو جائیں گے۔ درختوں کو ختم کر دیا جائے گا۔



وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ

تو دیکھے گا مجرموں کو اس دن باندھے ہوئے بیڑیوں میں ہوں گے۔ ان کے کرتے

مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

رال کے ہونگے اور ڈھانپ لے گی ان کے چہروں کو آگ۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) ۲۔ دوسری مرتبہ: زمین و آسمان کی حقیقت ہی بدل جائے گی۔ زمین چاندی اور آسمان سونے کا ہوگا۔ یہ اس وقت ہوگا کہ جب اہل محشر محشر میں اکٹھے ہوں گے۔ (رواہ علی رضی اللہ عنہ)

آگے فرمایا کہ تمام مخلوق اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ظاہر ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ واحد قہار کے سامنے حساب و کتاب کیلئے سب لوگ موجود ہو جائیں گے۔

نکتہ: اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات (۱) واحد۔ اور (۲) قہار لائی گئی ہیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہاریت بھی معلوم ہو کہ جب اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا کہ بتاؤ۔ آج کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی اعلان فرمائے گا۔ آج وحدہ لاشریک اور زبردست کی بادشاہی ہے۔

فائدہ: المفاتیح میں ہے کہ قہار وہ ذات ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہو اور اس کے قضاء و قدرت کے ماتحت ہو اور سب اس کے آگے عاجز ہوں۔

(آیت نمبر ۴۹) اور تو دیکھے گا کہ جب مخلوق قبروں سے نکل آئے گی تو مجرم لوگ اس دن بیڑیوں اور زنجیروں کے ساتھ جکڑے ہوں گے۔ یعنی جن لوگوں نے دنیا میں ظلم و ستم کئے ہونگے اور گندے عقیدوں والے گمراہ، کافر اور مشرک لوگ شیطانوں کے ساتھ باندھے ہوئے لائے جائیں گے جن شیطانوں نے انہیں گمراہ کیا ہوگا۔

(آیت نمبر ۵۰) آگے فرمایا کہ ان کے کپڑے سیاہ کالے تارکول کے ہوں گے۔ **فائدہ**: بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ سیاہ اور بدبودار جس کی آگ چمڑے کو پکڑے گی (اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے ہمیں پناہ میں رکھے آمین) آگے فرمایا کہ ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔ یعنی چاروں طرف سے آگ گھیرے گی۔ اس لئے کہ حق سے اعراض سب سے پہلے چہرا ہی کرتا ہے۔ اس لئے پہلے آگ بھی چہرے کو گھیرے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ آگ دلوں کو گھیرے گی۔ وہاں بھی توجیہ یہی ہوگی کہ چونکہ دل سارے اعضاء کا سردار ہے جب اس نے حق سے منہ موڑا تو تمام اعضاء نے اس کی مانی۔ اس لئے سب سے پہلے آگ بھی اسی کو گھیرے گی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

تاکہ بدلہ دے اللہ ہر جان کو جو اس نے کمایا بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ حکم پہنچانا ہے لوگوں کو تاکہ ڈرائے جائیں اس سے اور اس لئے کہ وہ جان لیں کہ بے شک وہ معبود اکیلا ہے

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

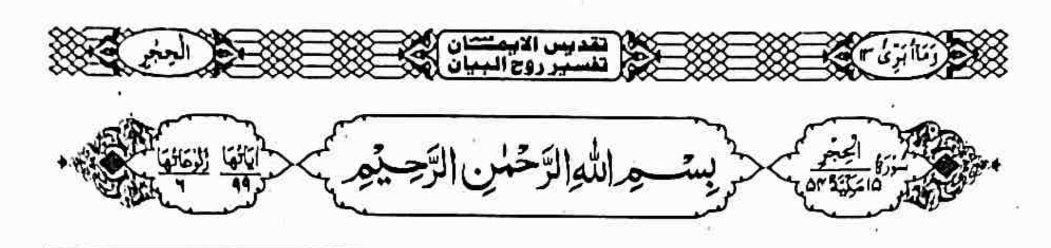
اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل والے

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) **فائدہ** : بحر العلوم میں ہے "وجہ" کا معنی چہرہ ہے۔ لیکن کبھی اس سے مراد سارے اعضاء لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ چہرہ ان کی پہچان ہوتا ہے۔ یعنی آگ صرف چہرے کو نہیں بلکہ سارے بدن کے اعضاء کو گھیرے گی۔

(آیت نمبر ۵۱) تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے ہر نفس جو بھی اس نے عمل کیا۔ از قسم کفر اور عصیان گناہ کئے تو اسکے مطابق بدلہ ملے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ اگر وہ ایک آن میں سب کا حساب لے لے تو کوئی بعید بات نہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ یوم حساب بہت جلد آنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) یہ تبلیغ ہے لوگوں کیلئے۔ یعنی یہ قرآن اور اس میں جتنے وعظ و نصیحتیں ہیں۔ یہ سب لوگوں تک پہنچانے کیلئے ہیں۔ یا لوگوں کیلئے یہ کافی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو نصیحت کی جائے۔ اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا جائے۔ **فائدہ** : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس قرآن کی نصیحت اور تبلیغ انہیں کافی ہے تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کریں اور تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ لہٰذا اسی کی عبادت کریں اور اس کے علاوہ جو بھی ہیں ان کی پوجا چھوڑ دیں۔ یہاں غیر اللہ سے مراد دنیا اور خواہشات نفسانی ہیں اور بت ہیں تاکہ عقل والے ان احکامات پر عمل کر کے نصیحت حاصل کریں۔ بری عادات وصفات سے بچیں اور کفار سے دور رہیں اور نیک مسلمانوں کی صحبت اختیار کریں اور صحیح عقیدے اور نیک اعمال کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔ **فائدہ** : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ کے بندے ان قرآنی نصائح پر چل کر خدا کو پا لیتے ہیں اور احکام و مناہی پر عمل سے متقی بن جاتے ہیں۔

الحمد للہ آج مورخہ ۲۰ نومبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۷ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ
بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء۔ سورۂ رعد ختم ہوئی۔



الۤرٰ ۛ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ①

یہ آیتیں ہیں کتاب اور قرآن روشن کی۔

(آیت نمبرا) سورۃ الحجر مکیہ ہے۔ الۤرٰ ۔ یا تو یہ سورۃ کا نام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے۔ یعنی یہ وہ سورۃ ہے۔ جس کا نام الۤرٰ ہے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات میں کئی اقوال ہیں۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ ان میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے حروف مقطعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی ہے کہ حروف مقطعات کے بارے میں ہم غیر مکلف ہیں۔ یعنی ہم سے قیامت کے دن اس کی پوچھ نہیں ہوگی۔ لیکن ذوق صحیح اور مشرب شافی والے حضرات اولیاء کرام کو ان کے معانی حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ ہم جیسوں کو ان کے معانی بیان کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ اصل میں یہ حروف معانی وحقائق کا وہ خزانہ ہیں۔ جہاں تک ہر آدمی کی رسائی ناممکن ہے۔ (ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال ہو۔ جیسے انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو حاصل ہے) تو وہ الگ بات ہے۔

علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن کا یہ خیال ہے کہ یہ اسرار ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حقائق قرآن کے فہم سے وہ لوگ بالکلیہ محروم ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کا ہر حرف کسی نہ کسی اسم کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ آیتیں کتاب کامل کی ہیں۔ اصل کتاب کہلانے کا مستحق قرآن مجید ہے اور یہ بڑا عظیم الشان ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ یا حق وباطل کو واضح کرنے والا ہے۔

الحمد للہ علی ذالك

آج تیرھواں پارہ بتاریخ ۲۰ نومبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۷ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

بروز جمعۃ المبارک بوقت عشاء اختتام پذیر ہوا

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٢﴾

بہت ہی آرزو کریں گے کافر کاش ہوتے مسلمان۔

(آیت نمبر۲) بار بار آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔ یعنی بروز قیامت منکرین اسلام جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونگے تو اس وقت افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہم نے بھی دنیا میں احکام خداوندی کے آگے سر جھکا دیا ہوتا اور اس کے اوامر ونواہی کو مان لیا ہوتا۔ **حدیث شریف:** جب بروز قیامت کفار جہنم میں جائیں گے تو ان کے ساتھ کچھ مسلمان کہلانے والے بھی (اپنے گناہوں کی وجہ سے) جہنم میں ڈال دیئے تو انہیں کفار دیکھ کر کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہیں تھے تو وہ کہیں گے ہاں تھے تو مسلمان ہی۔ تو وہ کہیں گے کہ کیا تمہیں بھی مسلمانی کام نہیں آئی کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہی جہنم میں آ گئے تو وہ کہیں گے کہ ہمارے گناہ تھے۔ جن کی وجہ سے ہم پکڑے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہوگا تو ارشاد ہوگا جو بھی دنیا میں مسلمان تھے لیکن گناہوں کی وجہ سے جہنم میں گئے۔ انہیں جہنم سے نکال لاؤ تو جوں جوں فرشتے انہیں نکالیں گے تو اس وقت کفار دیکھ کر افسوس کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ ہمیں بھی آج نکال لیا گیا ہوتا۔

حدیث شریف: فرمان خداوندی ہوتا ہی رہے گا جو بھی دنیا میں مسلمان تھا۔ جس نے بھی کلمہ پڑھا تھا انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں لے آؤ تو جب مسلمان نکالے جائیں گے کافر تمنا کریں گے اور بہت زیادہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ اور اب ان کے ساتھ جہنم سے خلاصی پا لیتے۔ تفسیر ابوالسعود، حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ افسوس ایک دفعہ نہیں بلکہ جوں جوں پٹائی ہوگی۔ بلکہ جہنم میں داخلے سے پہلے ہی اپنے آپ کو کوسیں گے کہ کیوں نہ ہم مسلمان ہوئے اور کافر ہی نہیں بلکہ ہر گناہ گار اور ہر غافل اور دین کے کاموں میں سستی کرنے والے سب افسوس کر رہے ہوں گے کہ ہم سے یہ گناہ کیوں ہوئے اور یہ سستی کیوں ہوئی۔

فائدہ: عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خواہ مومن ہے یا کافر دنیا سے جانے کے بعد پچھتا رہا ہوگا اور اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا۔ کافر تو سزا کی وجہ سے اور مسلمان اعمال میں کمی، عزت وحرمت میں کمی اور نعمت پر شکر میں کمی پر بہت افسوس کر رہے ہوں گے۔ ایک **حدیث شریف** میں یہاں تک ہے۔ کہ جنتی بھی جنت میں جانے کے باوجود اس گھڑی اور اس ٹائم پر افسوس کر رہا ہوگا۔ جو وقت یاد الٰہی کے بغیر گذر گیا ہوگا۔ یعنی جو وقت گپوں میں ٹی وی دیکھنے، بیوی بچوں میں ہنس کھیل کر گذارا ہوگا۔ اس پر جنتی بھی افسوس کر رہے ہوں گے۔ (طبرانی والبیہقی)

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٣ وَمَآ

چھوڑیں انہیں تا کہ کھائیں اور نفع اٹھالیں اور غفلت میں رکھا ان کو امید نے عنقریب جان لیں گے ۔اور نہیں

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝٤ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کی (ہلاکت) لکھی ہوئی معلوم تھی ۔ نہ آگے بڑھے کوئی قوم

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝٥

اپنے موت کے وقت سے اور نہ پیچھے رہی۔

(آیت نمبر ۳) اے محبوب چھوڑ ان کافروں کے ذکر کو۔

فائدہ : یہ آیت جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے کفار کی حقارت کی بناء پر یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ دفع کر ان کافروں کو کھا پی لیں۔ اور دنیا کی خواہشات میں لگے ہیں اسی عیش میں لگے رہیں۔ ان کی لمبی عمروں اور لمبی امیدوں نے انہیں غافل بنایا ہوا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ عنقریب جان لیں گے یعنی جب جہنم کے سامنے جائیں گے اپنے کئے کو جان لیں گی کہ انہوں نے کتنا خسارہ پایا اور کتنا فائدہ اٹھایا۔

(آیت نمبر ۴) اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کی اجل جو ان کے مقدر میں تھی وہ لوح محفوظ میں حکمت کے تقاضے کے مطابق لکھ دی گئی۔ جس میں کوئی اور کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی بھی بستیاں ہلاک ہوئیں۔ اس کا وقت ہلاکت ہم نے پہلے ہی لکھا ہوا تھا۔ جب ان کا وقت ہلاکت آیا تو ہلاکت کے اسباب سامنے آ گئے۔ اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔

(آیت نمبر ۵) جب ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا تو نہ اس سے پہلے ہلاکت آئی اور نہ ہی اس وقت سے لیٹ ہوئی۔ **سبق** :لہذا مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ ہمہ وقت موت کیلئے تیار رہے اور اس کو یاد رکھے اور امیدیں کم کرے اور اپنے عمل کو درست کرے اور سستی چھوڑ دے۔ **حدیث شریف** :حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید نے سو دینار سے ایک ماہ کے ادھار پر ایک بچھی خریدی تو میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھی کہ کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اسامہ نے ایک ماہ کے ادھار پر سودا کیا ہے۔ یعنی اس نے لمبی امید لگالی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میری آنکھ نہیں جھپکتی مگر میں یہ گمان کرتا ہوں۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝٦ لَوْمَا تَاْتِيْنَا

اور کفار نے کہا اے وہ شخص اتارا گیا جس پر قرآن بے شک تو مجنون ہے - کیوں نہ لائے

بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧

ہمارے پاس فرشتے اگر تو سچوں سے ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵) کہ فرشتہ میرے دو ہونٹ ملنے سے پہلے میری روح قبض کرلے گا اور میں نگاہ اٹھاؤں تو میں امید کرتا ہوں کہ نیچے آنے سے پہلے میری روح قبض کرلی جائے گی یہاں تک کہ فرمایا کہ اے بنی آدم تمہیں عقل ہے تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جس کا تم وعدہ دیئے گئے وہ ضرور آنے والی اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (احیاء العلوم)

(آیت نمبر ٦) اے وہ شخص کہ جس پر یہ ذکر یعنی قرآن کا نزول ہوا۔

فائدہ: یہ جملہ کفار نے حضور ﷺ سے از روئے مزاح کہا کہ بے شک تو تو (معاذ اللہ) مجنون ہے)

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار جب دیکھتے کہ آپ دنیا سے الگ ہو گئے اور ادھار کی بات کرتے ہو۔ کہ قیامت میں یہ یہ ملے گا۔ اس وقت انہوں نے یہ کہا۔ تو ان کے اس بکواس کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۂ نون میں دیا کہ اے میرے محبوب آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔ ہم نے آپ کو نبی بنایا آپ تو عقل کل ہیں۔ (سب عقلیں آپ کی عقل پر قربان) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنون نقص اور عیب ہے اور تمام انبیاء کرام اس عیب سے (اور ہمارے حضور ﷺ ہر عیب سے) پاک ہیں۔ انبیاء کے طفیل اولیاء کرام بھی اس عیب سے پاک ہوئے۔ اس قسم کے عیوب انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا بالکل ناجائز ہے بلکہ کفر ہے۔

(آیت نمبر ۷) کیوں نہیں لاتے ہمارے پاس فرشتے جو تمہارے معاون ہوں۔ اور آپ کے سچے نبی ہونے کی گواہی دیں۔ ہمیں تکذیب کرنے پر سزا دیں۔ اگر آپ اپنے دعوی رسالت میں سچے ہیں۔ تو ہمارا مطالبہ پورا کیجئے اور تمہارا یہ بھی دعوی ہے کہ میرا خدا بڑی قدرت وطاقت والا ہے تو چلو اسی کو کہہ دو کہ ہمیں سخت سے سخت عذاب دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

نہیں اتارتے ہم فرشتے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہوں پھر مہلت دیئے ہوئے ۔ بے شک ہم نے نازل کیا

الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾

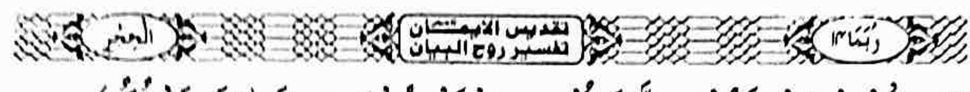
قرآن اور بے شک ہم اس کے محافظ ہیں۔ اور تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول پہلی امتوں میں۔

(آیت نمبر۸) کہ ہم فرشتوں کو یوں ہی نہیں نازل کرتے کہ جب کوئی کہے تو ہم انہیں اتار دیں ایسا نہیں ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے اور حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو اس وقت فرشتے حق کے موافق ہی نازل کرتے ہیں۔ باقی کفار کا مطالبہ نہ تو مبنی بر حقیقت ہے۔ نہ اس لائق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ ایسے بھڑوے قسم کے لوگوں کی بات پر توجہ کی ضرورت ہی نہیں۔ جب فرشتے آ ہی گئے تو کیا یہ زندہ رہیں گے کہ پھر مان جائیں گے۔ پھر تو اس وقت مہلت نہیں دیئے جائیں گے۔ یہی کچھ پہلوں نے کہا۔ لیکن جب عذاب والے فرشتے آئے تو ان جھٹلانے والوں کو سنبھلنے کا بھی موقع نہیں دیا گیا۔ چیختے چلاتے ہی وہ ہلاک ہو گئے۔

(آیت نمبر۹) بے شک ہم نے ہی اس (قرآن مجید) کو اتارا۔ جس کے یہ کفار منکر ہیں اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت بھی کرنے والے ہیں۔ یعنی اس کے تمام مخالفوں سے اس کو بچائیں گے کہ اگر کوئی شیطان اس میں خلط ملط کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا اس میں تحریف و تبدیلی کی کوشش کرے گا۔ یا اس میں کمی یا زیادتی کی کوشش کرے گا تو ہم اس کی حفاظت خود کریں گے۔ علماء و اولیاء ہر زمانے میں ایسے آئیں گے کہ وہ ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں ہونے دیں گے۔ **حدیث شریف:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتداء میں ایسا بندہ پیدا فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد: ۴۲۹۱)

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی اصلی حالت میں قیامت تک موجود رہے گا۔ قرآن مجید کے مفسرین محدثین، فقہاء علماء، قرآن کے حفاظ پیدا ہوتے رہیں گے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اس کو زبانی حفظ کریں گے۔

(آیت نمبر۱۰) اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے رسولان عظام کو کئی گروہوں میں بھیجا۔ شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو ایک مذہب پر متفق ہو اور شیعہ کا حقیقی معنی کسی کے تابعدار ہے۔ شیعہ بھی چونکہ ایک دوسرے کے تابعدار ہوتے ہیں۔ شیعہ کا ایک معنی گروہ بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے اور ہر امت کا الگ رسول تھا تاکہ ہر امت اپنے اپنے رسول کی پیروی کرے۔



وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ

اور نہیں آئے ان کے پاس کوئی رسول مگر تھے اس سے ہنسی مزاح کرتے ۔ اسی طرح گمراہی ڈالتے ہیں

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬

دلوں میں مجرموں کے ۔ کہ نہیں ایمان لائے اس پر اور تحقیق گذر چکا طریقہ پہلوں کا۔

(آیت نمبر۱۱) ان سابقہ امتوں میں کسی کے پاس رسول نہیں آتا تھا۔ مگر وہ لوگ اس رسول سے ٹھٹھہ مزاخ کرتے تھے۔ جیسے کفار مکہ حضور ﷺ کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔

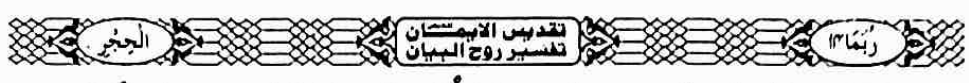
فائدہ : گویا اس آیت میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اے محبوب (ﷺ) ان کفار جاہلوں کی باتوں سے ملول خاطر نہ ہوں۔ ہمیشہ سے جاہل کفار انبیاء کرام علیہم السلام سے اس طرح استہزاء کرتے رہے۔

(آیت نمبر۱۲) اسی طرح سے یعنی پہلوں کے دل میں جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کی استہزاء تھی۔ اسی طرح بعد میں آنے والے مجرموں کے دلوں میں بھی ہم وہی چیز چلاتے رہے ہیں۔ یہاں مجرمین سے مراد کفار مکہ ہیں اور ان کے وہ ساتھی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ استہزاء کرنے میں ان کے تابع ہوئے۔ یعنی اگلے پچھلے نبیوں کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرنے میں ایک ہی جیسے تھے کہ نبیوں کے رحم دل ہونے کی وجہ سے وہ ان سے ٹھٹھہ کرتے ہی رہتے تھے۔

(آیت نمبر۱۳) وہ اس قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے۔ **فائدہ** : یعنی جو لوگ رسولان گرامی علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں بھی یہی بات تھی اور اہل مکہ کے دلوں میں بھی یہی بات ہے۔ یا اس سے تمام مجرم لوگ مراد ہیں کہ جب ان کے دلوں میں نبیوں کے ساتھ استہزاء کا تصور داخل ہو جاتا تو وہ اپنے نبی کی تکذیب کر دیتے۔ جیسے اہل مکہ نبی کریم ﷺ سے قرآن سنتے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں لاتے۔ اس لئے کہ (نبی کی بے ادبی کی وجہ سے) ان میں قبول حق کی استعداد نہیں رہی اور محروم القسمۃ رسوائے زمانہ ہو گئے۔

فائدہ : سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی کفار مکہ نے جھٹلا دیا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ دولت ایمان سے محروم رہ گئے۔ (الا ما شاء اللہ)

آگے فرمایا کہ پہلے لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے استہزاء کرتے اور تکذیب کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہوئے۔ یعنی ان کی تباہی کا باعث بھی یہی بات ہوئی۔



وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۙ ⑭ لَقَالُوْٓا

اور اگر کھول دیں ہم ان کے لئے دروازہ آسمان کا کہ دن میں وہ چڑھتے رہیں ۔ پھر بھی ضرور کہیں گے

اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ؏ ⑮ وَلَقَدْ جَعَلْنَا

کہ نظر بندی کر دی گئی ہماری آنکھوں پر بلکہ ہماری قوم پر جادو کیا گیا ۔ اور تحقیق بنائے ہم نے

فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ ⑯

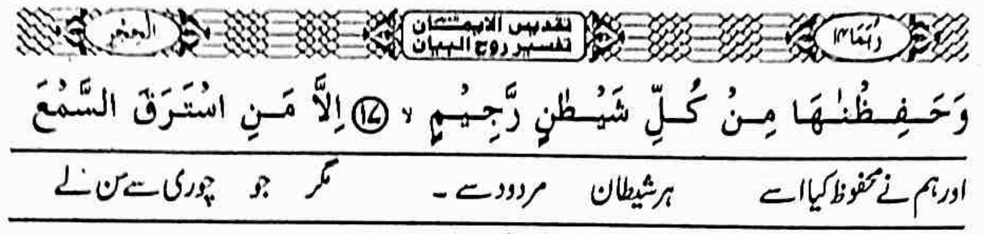
آسمان میں برج اور خوبصورتی دی اسے دیکھنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر ۱۴) ان معجزہ مانگنے والوں پر آسمان سے دروازے بھی اگر ہم کھول دیں اور یہ آسانی سے آسمان پر چڑھ جائیں اور آسمانوں کے عجائبات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ۔ یا یہ مراد ہے کہ فرشتے انہیں اٹھا کر آسمان پر لے جائیں تا کہ وہ آسمان کے عجائب اپنی آنکھوں سے دیکھیں ۔ (تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے)۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کو اوپر نیچے آتے جاتے واضح اور صاف طور پر دیکھ لیں تو بھی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے کبھی بھی مسلمان نہیں ہوں گے۔

(آیت نمبر ۱۵) سب کچھ دیکھ کر کہیں گے کہ بے شک ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ۔ یعنی جو کچھ ہمیں نظر آیا وہ وہم وخیال ہی تھا ۔ یا کہیں گے کہ ہماری تو آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ۔ یا کہیں گے ۔ اس نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جادو کر دیا ۔ پہلے بھی معجزہ دیکھ کر اسے جادو ہی کہا کرتے تھے کہ یہ چلایا ہوا جادو ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان کا مطالبہ پورا کر بھی دیا جائے تو بھی اپنی ہٹ دھرمی (بلکہ بے شرمی) کی وجہ سے ضرور وہ انکار ہی کریں گے۔

(آیت نمبر ۱۶) اور البتہ تحقیق ہم نے آسمان میں برج بنائے یعنی ایسے مقامات کہ جہاں سات ستارے اترتے ہیں اور وہ ساتوں آسمانوں میں ہیں ۔ **فائدہ** : بروج محلات کی شکل میں ہیں ۔ یا وہ قلعے کی شکل کے ہیں ۔ تا کہ کوئی اور اس میں نہ جائے ۔ آگے فرمایا کہ ہم نے ان بروج کو خوب زیب وزینت سے سنوارا ۔ یعنی ان ستاروں سے آسمانوں کو خوبصورت کر دیا دیکھنے والوں کیلئے ۔ یعنی جو دیکھ کر راہ پاتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں ۔ یا اس سے مراد چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں ۔ جہاں وہ ایک ایک دن گذارتا ہے ۔ اٹھائیسویں دن سورج کے پیچھے آ جاتا ہے ۔ اسے محاق کہتے ہیں ۔ انتیسویں کو سورج کے پیچھے سے نکلتا ہے ۔ جس کو نیومون کہتے ہیں ۔



وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ ⑰ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

اور ہم نے محفوظ کیا اسے ہر شیطان مردود سے۔ مگر جو چوری سے سن لے

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱

تو پیچھے لگتا ہے اس کے شعلہ روشن۔

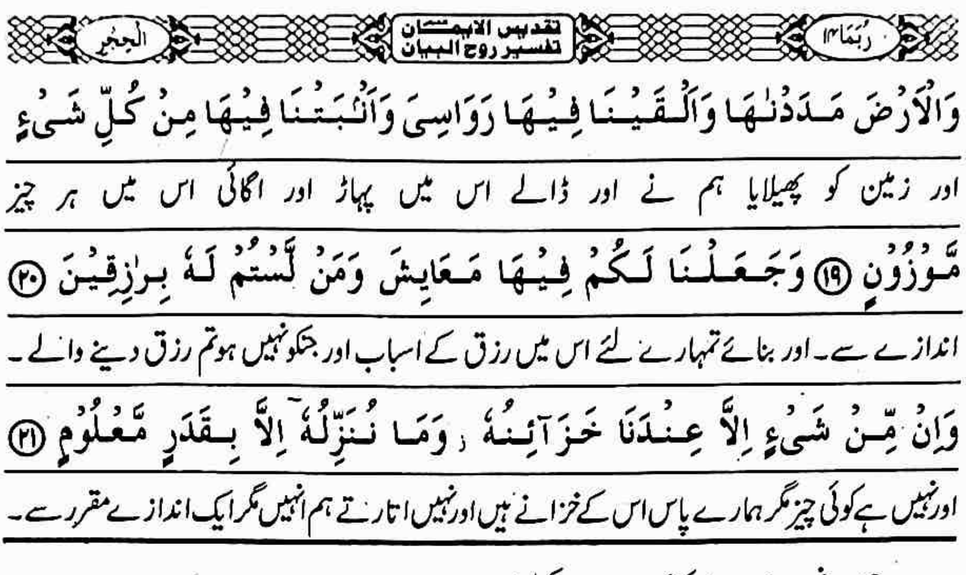
(آیت نمبر ۱۷) اور ہم نے آسمانوں کو ہر قسم کے مردود شیطانوں سے بھی محفوظ رکھا ہوا ہے۔

فائدہ : یعنی شیطان جب آسمانوں کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی گفتگو سنیں تو ستارے ان کو چنگاریاں مارتے ہوئے پیچھے بھگا دیتے ہیں۔ چونکہ وہ آسمانوں تک پہنچ کر وہاں سے احوال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے شیطان کو رجیم کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی مردود ہے۔ اور آسمانوں کی طرف جانے سے بھی مردود ہو گیا ہے۔

شان نبوت : تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شیطان نہ حضور ﷺ کو گمراہ کر سکا۔ نہ ان کی شکل میں آسکا بلکہ کسی کو خواب میں بھی حضور ﷺ کی شکل میں نہیں آسکتا۔ (مسلم شریف: ۲۲۶۶) اور حضور ﷺ کا ساتھی شیطان مسلمان ہو گیا۔ (بفضلہٖ تعالیٰ)۔ اس کے باوجود حضور ﷺ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکم کی تعمیل ہو۔ دوسرا امت کو شیطان کے حملے سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ ورنہ شیطان اور اس کے شطونگڑے حضور ﷺ کے قریب بھی نہیں جاسکتے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حضور ﷺ کے قریب جائیں تو اسی وقت آپ کے نور پاک سے جل کر راکھ ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۱۸) یعنی شیطان جب آسمان پر کوئی بات چوری سے سننے کیلئے جاتا ہے کہ فرشتوں کی بات سنے تو اس کا پیچھا کرتے ہوئے آگ کا چمکدار شعلہ جو بالکل واضح دیکھنے والے کو نظر آنے والا اسے نیچے بھگا دیتا ہے۔

فائدہ : حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے شیطان آسمان پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے تھے اور زمین پر آکر کاہنوں کو بتا دیتے۔ لیکن سرکار دو عالم کی تشریف کے بعد اس کا آسمان تک جانا بند ہو گیا۔ اب جائے تو مار ہی کھا کے آتا ہے۔ اسے کوئی چیز وہاں سے حاصل نہیں ہوتی۔



وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور زمین کو پھیلایا ہم نے اور ڈالے اس میں پہاڑ اور اگائی اس میں ہر چیز

مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اندازے سے۔ اور بنائے تمہارے لئے اس میں رزق کے اسباب اور جنکو نہیں ہو تم رزق دینے والے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور نہیں اتارتے ہم انہیں مگر ایک اندازے مقرر سے۔

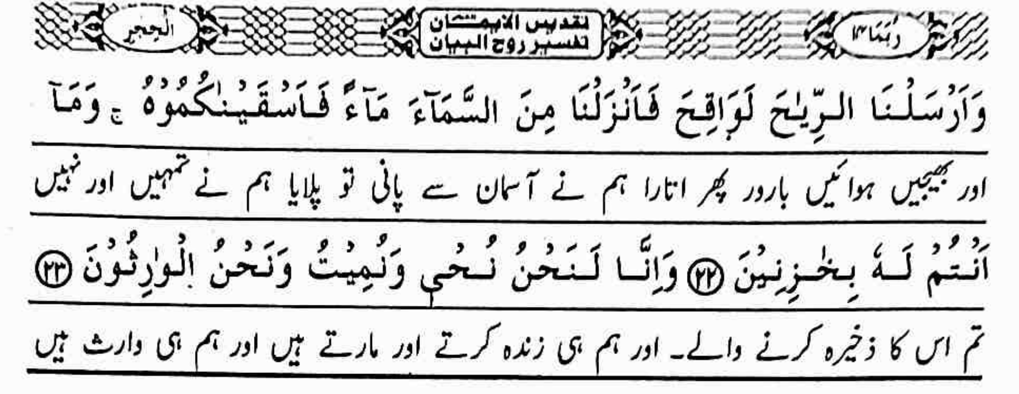
(آیت نمبر ۱۹) اور زمین کو تمہارے رہنے کیلئے پھیلا دیا ہے۔

حدیث شریف: بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے خانہ کعبہ والی جگہ برف کا ڈیلہ سا بنا جہاں فرشتے اس کے اردگرد تسبیح پڑھتے تھے۔ پھر اسی زمین کو پھیلایا گیا۔ اس کے بعد زمین سے ایک دھواں اٹھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان بنا دیا۔ (ہذا فی بعض الآثار)

فائدہ: زمین بننے کے بعد ہل رہی تھی تو فرمایا کہ ہم نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ ورنہ اسے قرار نہ ملتا۔ آگے فرمایا کہ اس زمین میں ہر قسم کی چیزیں اگا دیں۔ ایک خاص اندازے کے مطابق۔

(آیت نمبر ۲۰) پھر ہم نے اس زمین میں تمہاری عیش وعشرت کیلئے ہر قسم کے پودے اور میوہ جات اگا دیئے جو موزوں طور پر یعنی شکل وشباہت اور وزن کے لحاظ سے بہت مناسب ہیں۔ اور ہم نے اس میں ہر قسم کے عیش وعشرت کے سامان تمہارے لئے کر دیئے اور نہیں تھے تم کسی کو رزق روزی دینے والے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اولاد کے پیدا کرنے کی اور ان کے رزق کی منصوبہ بندی کرنے کی تمہیں فکر نہیں کرنی چاہئے۔ اسلئے کہ تم انہیں رزق نہیں دیتے بلکہ تمہارا بھی اور تمہارے اہل وعیال کا بھی رزق ہمارے ہی ذمہ کرم پر ہے۔

(آیت نمبر ۲۱) دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر ہمارے پاس ہی اس کے خزانے ہیں۔ جن خزانوں کو ہم نہیں اتارتے۔ مگر ایک مقرر اندازے سے جیسے جیسے ہماری حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی حکمت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ یا ضرورت کے مطابق ان خزانوں کو اتارتے ہیں۔ تا کہ دنیا والے ان سے فائدے اٹھائیں۔



وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج وَمَآ

اور بھیجیں ہوائیں بارور پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی تو پلایا ہم نے تمہیں اور نہیں

اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

تم اس کا ذخیرہ کرنے والے۔ اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) **فائدہ** :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بقدر معلوم سے مراد ایک اندازے سے بارش کا اتارنا ہے۔اور بحر العلوم میں ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شیء جس سے لوگ فیض یاب ہوں کہ جو جس کے لائق ہوتا ہے۔ اس حساب سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے اور یہ بات صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۲) اور ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو پانی سے بھری بدلیوں کو چلاتی ہیں۔جن ہواؤں سے درختوں کو تقویت ملتی ہے ان کے نشوونما میں مددگار ہوتی ہیں۔جن کی پھل پکنے تک درختوں کو ضرورت ہوتی ہے۔

فائدہ :ریاح وہ ہوائیں جن میں لوگوں کے لئے خیر ہو۔اور ریح وہ ہوائیں جن میں شر ہوتا ہے یا عذاب ہوتا ہے۔اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا میں فرمایا کرتے۔اے اللہ اس ہوا کو ریاح بنانا ریح نہ بنانا۔پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔یعنی ہوائیں ان بادلوں کو چلا کر جہاں حکم الٰہی تھا۔وہاں بارش کی شکل میں پانی اتارا۔(خواہ آسمان سے) یا آسمان کی طرف سے۔آگے فرمایا کہ پھر ہم نے وہ پانی تمہیں پلایا۔کہ تم بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ جتنا چاہو خود پیو اور جتنا چاہو جانوروں کو پلاؤ۔آگے فرمایا کہ تم اس کو جمع کرنے والے نہیں تھے۔یعنی پانی بادلوں میں جمع کرنا اور زمین پر آنے کے بعد۔تالابوں، کنوؤں اور چشموں میں رکھنا یہ صرف میری قدرت سے ہے کہ میں اپنے خزانوں میں جمع کرتا ہوں تاکہ بوقت ضرورت تمہیں کام آئے۔ورنہ پانی کی عادت میں ہے کہ وہ زمین کی تہہ میں چلا جاتا ہے۔**فائدہ** :امام ماتریدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا وہ خود مالک ہے۔جیسے وہ چاہتا ہے۔انہیں وہ زمین والوں پر خرچ کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۳) اور بے شک ہم ہی ضرور جسموں کو زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی جسموں سے حیات نکال کر موت دے دیتے ہیں۔یہ سب اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ حیوانوں میں حیات ڈال کر انہیں زندگی دے دے پھر زندگی نکال کر موت دے دے اور نباتات کو بارش سے تازہ زندگی دے۔اسی طرح اہل ایمان کو ایمان سے زندگی دائمی دے اور کفار کو کفر میں مبتلا کر کے ان کے قلوب کو مردہ کر دے۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ

اور تحقیق ہم نے جانا جو پہلے گذر گئے تم سے اور تحقیق جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو اور بے شک

رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

تیرا رب ہی انہیں اٹھائیگا (قیامت کو) بے شک وہ حکمت و علم والا ہے۔

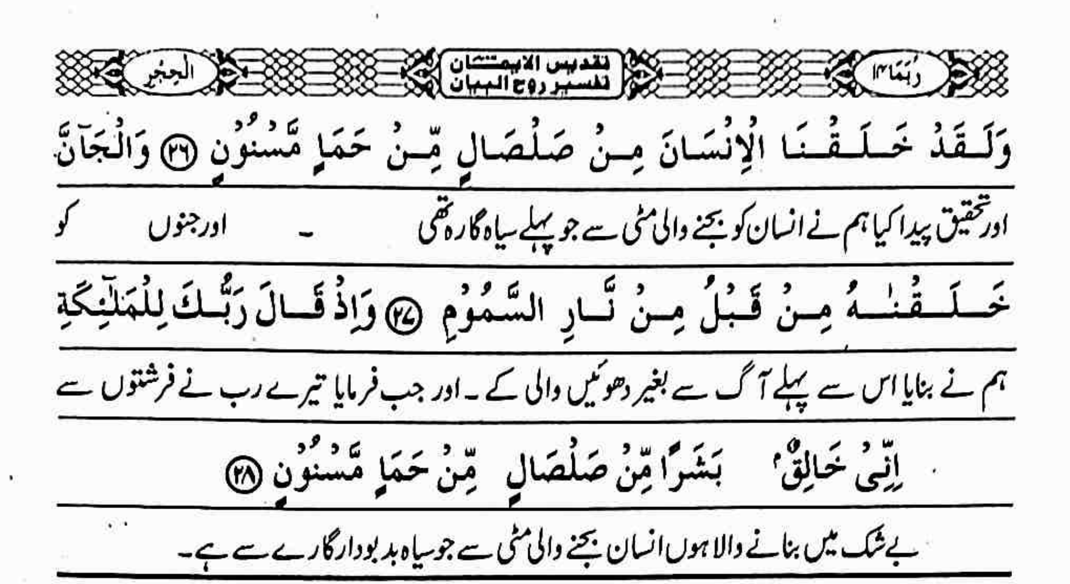
(بقیہ آیت نمبر۲۳) آگے فرمایا کہ ہم ہی وارث ہیں۔ میت کے وارث کو بھی اسی لئے وارث کہا جاتا کہ وہ مرنے والے کے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ تمام مخلوق کے فناہ ہونے کے بعد اور تمام مجازی مالکوں کے مرنے کے بعد ہر شیء کا واحد حقیقی مالک اور رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(آیت نمبر۲۴) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں۔ ان کو جو تم سے پہلے ہو چکے۔ یعنی آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک جو بھی دنیا میں آئے اور وفات پا گئے اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تمہارے بعد پیدا ہونگے اور وفات پائیں گے۔ یعنی جو تا قیامت آئیں گے۔ یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام، جہاد اور اطاعت میں تم سے آگے ہیں اور انہیں بھی جانتے ہیں جو ان باتوں میں پیچھے ہیں یعنی کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

(آیت نمبر۲۵) بے شک آپ کا رب انہیں اٹھائے گا۔ یعنی بروز قیامت جزاء وسزا کیلئے تمام متقدمین ومتاخرین کو جمع فرمائے گا۔ اور کام وہی کر سکتا ہے۔ اس آیت میں منکرین قیامت کا رد ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ بہت بڑا حکیم ہے۔ اپنے تمام کام حکمت سے اور پختگی سے کرتا ہے اور تمام اشیاء کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا اور علیم ہے یعنی اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔

شان نزول : اسباب نزول میں امام واحدی نے بیان کیا کہ بعض لوگ (منافقین) نماز میں جان کر پیچھے کھڑے ہوتے اور رکوع میں پیچھے عورتوں کو تاڑتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اگلے پچھلے سب نمازیوں کو جانتا ہوں اور ان کی تمام حرکات وسکنات کو بھی جانتا ہوں۔ اور ان تاڑنے والوں کو سخت سزا دی جائیگی۔



(آیت نمبر ۲۶) اور البتہ تحقیق ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا۔ جس کی ابتداء جس چیز سے ہوئی اسے بجنے والی مٹی کہا گیا۔ یعنی وہ مٹی جو پہلے گارا کی شکل میں تھی جب خشک ہوئی تو ہاتھ یا پاؤں لگنے سے بجتی تھی اور وہ زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے سیاہ رنگ ہوگئی تھی۔ اسی آدم کو بنایا۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خمیر آدم جب بارش پڑنے سے گارہ بن گئی اور کچھ زیادہ عرصہ اسی طرح رہنے کی وجہ سے اس کا رنگ بھی سیاہی مائل ہوگیا اور بدبودار بھی ہوگئی تو جب وہ خشک ہوئی تو وہ بجنے لگی۔

(آیت نمبر ۲۷) اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا۔ انسانی تخلیق سے بھی بہت پہلے گرم ترین آگ کی لو سے۔

فائدہ : سموم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنی طبعی لطافت کیوجہ سے مسام میں جا کر اثر کرتی ہے۔ خصوصاً جس حصے میں سوراخ ہوں۔ جیسے منہ، کان، ناک وغیرہ۔ بعض نے کہا سموم وہ آگ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔

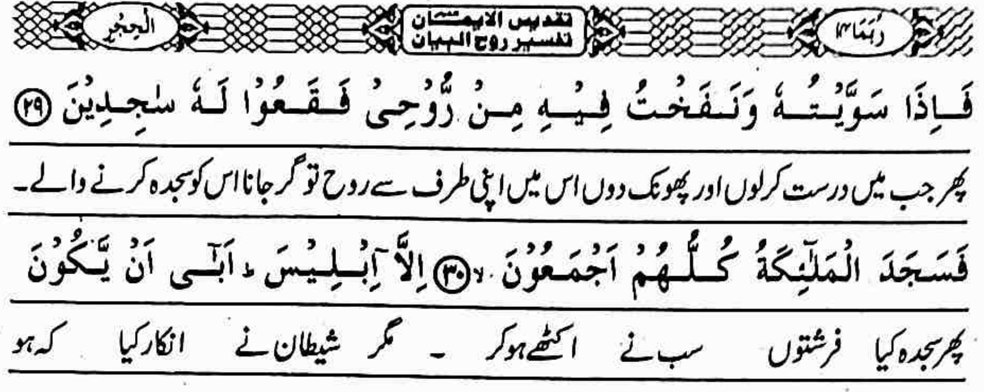
فائدہ : اگرچہ تخلیق پہلے جنوں کی ہوئی لیکن انسان کا پہلے ذکر کیا۔ اس کی عزت وشرافت کی وجہ سے۔

فائدہ : محققین کا اتفاق ہے کہ انسانوں سے پہلے جن ہوئے اور جنوں سے پہلے فرشتے پیدا ہوئے۔

(آیت نمبر ۲۸) اے محبوب وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے زمینی خلافت کے بارے میں فرمایا۔ **فائدہ** : اس سے تمام فرشتے مراد ہیں۔ خواہ آسمانی ہوں یا زمینی۔

ان سے فرمایا کہ بے شک میں ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ جو زمین پر میرا خلیفہ ہوگیا۔

فائدہ : فرشتوں سے یہ مشورہ برائے امتحان تھا۔ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔



فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب میں درست کرلوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے روح تو گر جانا اس کو سجدہ کرنے والے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

پھر سجدہ کیا فرشتوں سب نے اکٹھے ہوکر۔ مگر شیطان نے انکار کیا کہ ہو

مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

ساتھ سجدہ والوں کے۔

(آیت نمبر ۲۹) پھر فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اسے صورت انسانی میں اور خلقت بشری میں مکمل تیار کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں۔ **فائدہ**: شیخ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفخ سے مراد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم میں روح ایسے گئی۔ جیسے نور کا شعلہ اٹھتا ہے۔ اسی شعلے کو نفخ کہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو پھونک مارنے سے پاک ہے۔ **نکتہ**: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سنوارنے اور روح پھونکنے کو اپنی طرف اس لئے منسوب کیا کہ ان کاموں کو اللہ تعالیٰ نے خود بلا واسطہ اور بغیر کیف خود ہی سرانجام دیا۔ تو فرمایا کہ جب آدم میں روح ڈال دوں تو تم سب فرشتے فوراً سجدے میں گر جانا۔ یعنی صرف جھکنا نہیں۔ بلکہ پورے طور پر سجدہ کرنا۔ یہ آدم علیہ السلام کیلئے تعظیمی سجدہ تھا تا کہ آدم کی ان پر فضیلت ظاہر ہو۔

(آیت نمبر ۳۰) آدم علیہ السلام کی پیدائش اور تکمیل کے بعد جب آپ میں روح پھونک دی گئی تو تمام فرشتے خواہ زمین والے تھے یا آسمانوں والے سب کے سب نے جناب آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کیا۔ "کلھم" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی نہیں بچا اور "اجمعون" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یکبارگی سجدہ کیا کسی نے کوئی پس و پیش نہ کیا۔

نور محمدی کو سجدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس سجدہ میں اس نور کی تعظیم تھی۔ جو پیشانی آدم میں تھا اور وہ نور محمدی اور حقیقۃ احمدیہ تھا۔

(آیت نمبر ۳۱) چونکہ فرشتوں میں پوشیدہ طور پر ابلیس بھی رہتا تھا۔ اگرچہ خلقتاً جنوں میں سے تھا۔ لیکن بہت زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے اب کا فرشتوں میں ہی شمار ہوتا تھا۔ سجدہ کیلئے وہ بھی فرشتوں کی طرح مامور تھا۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ صرف یہ کہ سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ اکڑ گیا اور اس نے انکار کر دیا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ مل کر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ

فرمایا او شیطان کیا ہوا تجھے کہ نہ ہوا تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔ کہنے لگا نہیں ہے مجھے گوارہ کہ سجدہ کروں

لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

انسان کو جسے تو نے بنایا بجنے والی مٹی سیاہ بدبودار گارے سے۔ فرمایا نکل جا یہاں سے

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک تو مردود ہے۔

(آیت نمبر ۳۱) **تین گناہ:** شیطان نے کم عقلی سے بیک وقت تین گناہ کر لئے: (۱) امر الٰہی کا انکار۔ (۲) تکبر کرنا آدم کے مقابل۔ (۳) فرشتوں کی جماعت سے خروج۔

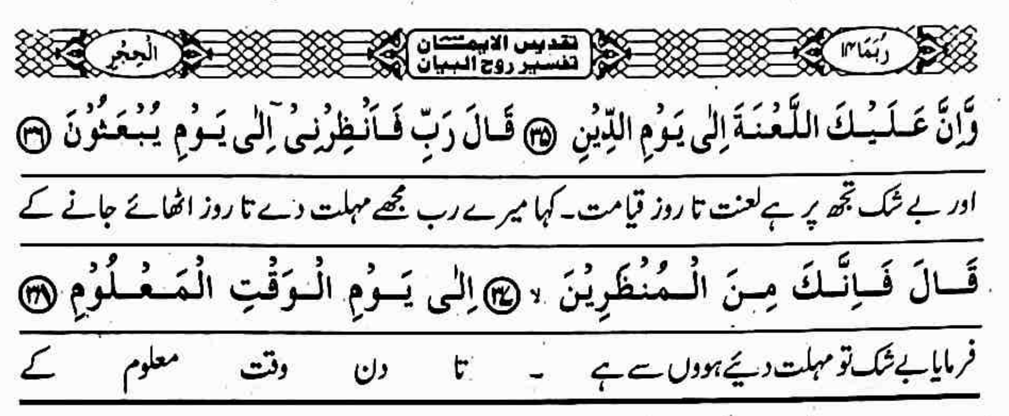
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان سجدۂ تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس وقت خوب روتا ہے کہ ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے اس پر عمل کر کے جنت حاصل کر لی اور میں سجدہ سے انکار کر کے جہنمی بنا۔ معلوم ہوا سجدہ کرتے وقت آدمی شیطان کی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

(آیت نمبر ۳۲) جب شیطان منکر ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا او شیطان کیا ہوا تجھے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ نہیں کیا۔ **فائدہ:** یہ تنبیہ ڈانٹ کے ساتھ تھی کہ تو نے ایک ساعت میں تین مذکورہ گناہ کر ڈالے۔ اس کے باوجود کہ فرشتے اپنی بزرگی میں تجھ سے کم تو نہ تھے۔ مگر انہوں نے سجدہ کر لیا اور تو نے کیوں نہیں کیا۔

(آیت نمبر ۳۳) کہنے لگا کہ نہیں میرے لائق کہ میں سجدہ کروں ایک ایسے بشر کو جو اپنا جسم کثیف رکھتا ہے اور میں روحانی جوہر رکھتا ہوں۔ اسے تو نے بجنے والی مٹی سے بنایا وہ بھی کالی اور بدبودار۔ یعنی آدم ایک خسیس مٹی سے اور میں آگ سے (غالباً یہ بھی سوچا ہوگا۔ مٹی نیچے جاتی ہے اور آگ اوپر جاتی ہے) میں اس کے آگے کیسے جھک جاؤں۔

فائدہ: ابلیس خبیث کی بدبختی کہ اس نے آدم کے ظاہر کو دیکھا کاش اس نے آدم کے باطن کو دیکھا ہی نہیں یا اسے نظر ہی نہ آیا۔ اسے بشریت نظر آئی لیکن خلافت نظر نہ آئی۔ نہ یہ دیکھا کہ یہ حکم کس کا ہے۔

(آیت نمبر ۳۴) تو فرمایا کہ نکل جا اس جنت سے۔ یہ دھمکی آمیز حکم ہے یعنی دفعہ ہو جا چونکہ اس نے فخر غرور کیا۔ لہٰذا اسی وقت اس کی شکل تبدیل کر دی گئی۔ سیاہ رنگ بدشکل اور قبیح ہو گیا (لعنت برسنے لگی رخ نامراد پر)



وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور بے شک تجھ پر ہے لعنت تا روز قیامت۔ کہا میرے رب مجھے مہلت دے تا روز اٹھائے جانے کے

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

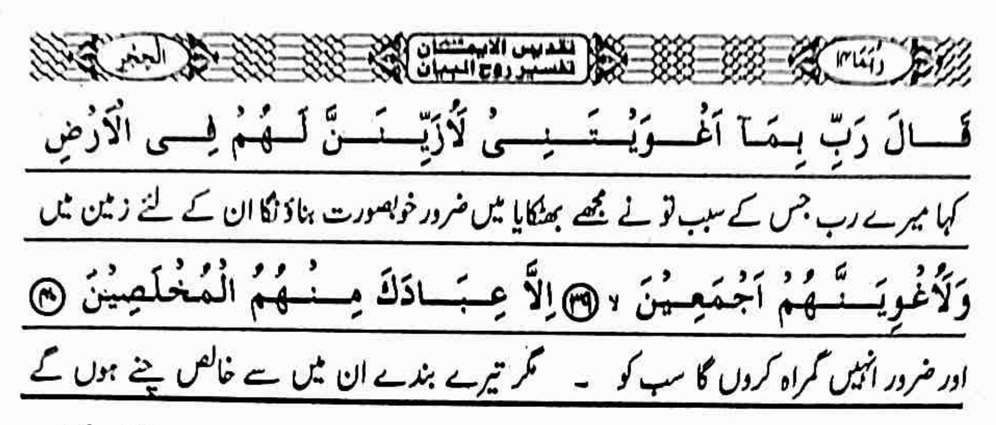
فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں سے ہے ۔ تا دن وقت معلوم کے

(بقیہ آیت نمبر ۳۴) تو حکم ہوا تو نکل جا اس لئے کہ تو مردود ہو گیا (معلوم ہوا گستاخ نبی سے بات ہی نہیں کرنی چاہئے۔ اسے یہی کہا جائے نکل جا یہاں سے) یعنی اے شیطان تو اب راندۂ درگاہ ہو گیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ نص قطعی کے آگے قیاس پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے شیطان نے حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس چلایا۔ ایسا آدمی مردود ہو جاتا ہے۔ جیسے شیطان مردود ہوا۔

(آیت نمبر ۳۵) اور بے شک اب سے تجھ پر لعنت برستی رہے گی قیامت کے دن تک۔ جو روز جزاء و سزاء ہے۔ معلوم ہوا اسے جہنم میں سزا ملے گی۔ وجہ مردود ہونا اور لعنت قیامت تک اور اس کے بعد بھی الگ سزا ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف گمراہ نہیں بلکہ گمراہ گر ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے شر سے قبر تک بچائے آمین)۔

(آیت نمبر ۳۶) شیطان خبیث فوراً کہنے لگا۔ اے میرے رب جب مردود ہو گیا تو اب مجھے مہلت دے دے۔ یعنی میری عمر لمبی کر دے اور اتنی لمبی عمر ملے کہ جب سب لوگ قبروں سے نکالے جائیں۔ یعنی لوگ مر بھی جائیں میں زندہ رہوں تا کہ آخری انسان تک کوئی میری شرارتوں سے بچ نہ جائے اور میرے مکر و فریب قیامت تک جاری رہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک بات تو مان لی کہ ٹھیک تجھے لمبی عمر دے کر لمبی مہلت دے دی گئی۔ اب جو مرضی ہے کر لیکن دوسری بات کہ قیامت تک یہ تو زندہ رہے۔ یہ نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۳۷۔۳۸) فرمایا کہ بے شک تجھے مہلت ہے لیکن قیامت تک نہیں بلکہ ایک وقت تک ہے جب تک میں چاہوں۔ **فائدہ**: شیطان کے علاوہ بھی بہت بڑی مخلوقات ہے۔ جو صور اسرافیل تک زندہ رہیں گے (تفصیلی گفتگو فیوض الرحمٰن میں اسی مقام پر دیکھ لیں) **عجوبہ**: ابلیس پر جب لمبا زمانہ ہو جاتا ہے تو پھر اسے جوانی مل جاتی ہے۔ **فائدہ**: ایک روایت میں ہے کہ ابلیس کے ساتھ کلام الٰہی بالمشافہ نہیں ہوئی بلکہ فرشتے کے ذریعے ہوئی۔ زجر و توبیخ سے ہوئی۔ بالمشافہ کلام رحمت والی ہے جو صرف موسیٰ علیہ السلام سے (یا معراج کی رات ہمارے پیارے آقا ﷺ) سے ہوئی یا بروز قیامت اہل ایمان سے ہوگی۔



قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

کہا میرے رب جس کے سبب تو نے مجھے بھٹکایا میں ضرور خوبصورت بناؤنگا ان کے لئے زمین میں

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور ضرور انہیں گمراہ کروں گا سب کو ۔ مگر تیرے بندے ان میں سے خالص چنے ہوں گے

(بقیہ آیت نمبر۳۷۔۳۸) **فائدہ** :اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جواب میں فرمایا کہ قیامت تک تو تجھے زندگی نہیں مل سکتی البتہ ایک وقت مقرر تک تو زندہ رہے گا۔یعنی جب باقی ساری مخلوق مرے گی تو پھر تو بچ نہیں سکے گا۔اس وقت تیرے سمیت سب فنا ہو جائیں گے۔**فائدہ** :بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ابلیس کا آخری دن وہ ہے جس دن سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔(ابلیس کے مرنے کی تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

نکتہ :ابلیس کی لمبی مدت تک زندہ رہنے کی درخواست اس لئے منظور کی گئی کہ اس نے ایک لمبی مدت ہزاروں بلکہ لاکھوں سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔تا کہ اس کی نیکیوں کا بدلہ اسے دنیا میں ہی مل جائے معلوم ہوا۔اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت ضائع نہیں کرتا۔عبادت کا بدلہ کافر کو دنیا میں اور مومن کو آخرت میں مل جائیگا۔**فائدہ**:یادرہے لمبی عمر نعمت نہیں بلکہ اکثر یہ باعث عذاب بن جاتی ہے۔لمبی عمر مانگنا کفار کا طریقہ ہے۔البتہ اگر لمبی عمر نیکی کے ساتھ ہو تو وہ رحمت ہے۔

(آیت نمبر۳۹) ابلیس نے کہا۔میرے رب جس کے سبب تو نے مجھے گمراہ کیا۔میں ضرور انہیں ان کے گناہ خوبصورت کر کے دکھاؤں گا اور زمین یعنی دنیا میں متاع و مال اور خواہشات میں ان کا دل ایسا لگاؤنگا کہ وہ دنیا کو ہی اپنی اصل اور آخری قرارگاہ سمجھیں گے اور مزید کہا کہ میں ان سب کو ضرور بہ ضرور گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

(آیت نمبر۴۰) مگر جو تیرے خالص اور مخلص بندے ہیں۔یعنی جنہیں تو نے اپنی عبادت کیلئے چن لیا ہے۔جو ہر قسم کے کفر و شرک سے محفوظ ہیں۔ وہ میرے مکر وفریب میں نہیں آئیں گے۔اس لئے کہ وہ اعلیٰ توحید اور اچھی بصیرت کی وجہ سے میرے مکر وفریب کو جلد سمجھ جائیں گے اور بچ جائیں گے۔**حدیث شریف**: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطان لعین نے قسم کھا کر کہا میں ان سب کو گمراہ کروں گا ان کی زندگی کے آخری لمحے تک انہیں گمراہ کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگاؤنگا تو اللہ تعالیٰ نے بھی قسم کھا کر فرمایا جو بھی گناہوں کے بعد سچے دل سے توبہ کرے گا میں بھی اس کو معاف کرتا رہوں گا۔(مشکوٰۃ)

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ

فرمایا یہ ہے راستہ مجھ تک آنے والا سیدھا۔ بے شک میرے بندوں پر نہیں چلے گا تیرا کوئی

سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

بس مگر جو پیروکار ہوا تیرا وہ گمراہوں سے ہے۔ اور بے شک جہنم ہی ان کیلئے وعدہ کی جگہ ہے سب کی۔

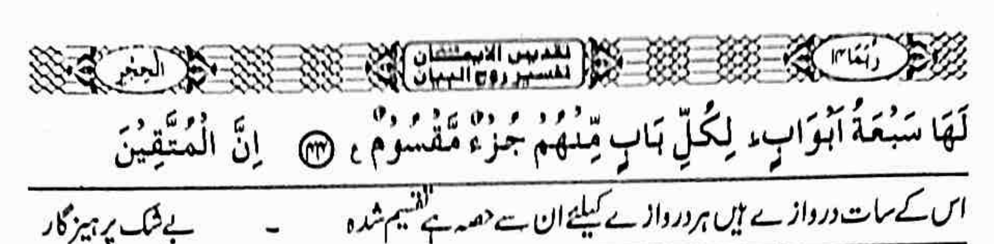
(آیت نمبر ۴۱) اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ میرے مخلص بندے تیرے جال میں نہیں آئیں گے۔ میرا حقیقی راستہ یہی ہے۔ وہ اسی پر گامزن رہیں گے۔ جس کی نگرانی کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے جو اس پر ہمیشہ ثابت اور قائم رہے گا وہی کامیاب ہے اور یہ وہ سیدھی راہ ہے۔ جس میں نہ ٹیڑھا پن ہے۔ نہ اس سے انحراف ہے اور یہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔ یعنی جو اس راہ پر چل رہا ہے وہ لازماً منزل مقصود پر پہنچے گا۔

(آیت نمبر ۴۲) اے ابلیس یہ یاد رکھ جو میرے خالص بندے ہیں۔ چونکہ وہ ایمان لانے میں اور میری اطاعت میں مخلص ہوں گے جو فنافی اللہ کی منزل میں ہوں گے۔ اے شیطان ان کے دلوں پر تیرا تسلط نہیں ہوگا۔ نہ تو انہیں کسی طرح گمراہ کر سکے گا۔ **حکایت:** بی بی رابعہ سے پوچھا گیا۔ شیطان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں ابھی رحمان سے فارغ نہیں۔ جب ادھر سے فارغ ہوں گی۔ پھر بتاؤں گی۔ ساری زندگی اللہ اللہ میں گذار دی۔

حکایت :ایک اللہ والے سے پوچھا گیا کہ شیطان آپ کو کبھی بہکاتا ہے تو فرمایا۔ وہ کیا بلا ہے۔ ہم نے تو جب سے رب کے ساتھ لو لگائی ہمیں تو حق کے سوا کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔

آگے فرمایا۔ مگر تیرے تابعدار تیری گمراہی میں تیرا ساتھ دیں گے۔ انہیں تو گمراہ کرلے گا (وسوسے ڈال کر۔ یا دنیا کی اور مال ومتاع کی لالچ دیکر۔ چونکہ وہ میری بندگی چھوڑ کر تیرے بندے بن گئے۔ لہذا ان کے ساتھ جو مرضی ہے تو کر) گمراہ کرنے کے طریقے اور اس کی تفصیلات فیوض الرحمٰن سے دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۴۳) اور بے شک جہنم شیطان اور اس کے تابعداروں کیلئے وعدہ کی جگہ ہے تفسیر الفتاوی والے نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جہنم نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بہت زیادہ گہرائی ہے۔ کئی ہزار سال میں بندہ اوپر سے نیچے تک پہنچتا ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔



لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کیلئے ان سے حصہ ہے تقسیم شدہ ۔ بے شک پرہیزگار

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

باغات اور چشموں میں ہونگے ۔ داخل ہوان میں سلامتی اور امن کے ساتھ۔

(آیت نمبر ۴۴) جہنم کے سات دروازے ہیں۔ شیطان کے تابعداروں کیلئے ہر دروازہ الگ الگ تقسیم شدہ ہے۔ جیسے گناہ ہوں گے۔ اسی کے مطابق دروازے سے داخلہ ہوگا۔ یعنی طبقات ہوں گے۔ طبقہ (۱) گناہ گار مسلمانوں کیلئے۔ (۲) یہودیوں کیلئے۔ (۳) نصاریٰ کیلئے۔ (۴) ستارہ پرستوں کیلئے (۵) مجوسیوں کیلئے۔ (۶) مشرکین کیلئے۔ (۷) منافقین کیلئے۔ اہل علم کا جہنم کے ناموں میں اختلاف ہے۔ یعنی ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) حطمہ۔ (۲) لظی (۳) جہنم۔ (۴) السعیر۔ (۵) الجحیم۔ (۶) الھاویہ۔ (۷) سقر

(آیت نمبر ۴۵) بے شک پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے۔ تقوی تین قسم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنا یہ عوام کا تقوی ہے۔

۲۔ آخرت کے درجات پانے کیلئے دنیاوی خواہشات سے بچنا۔ یہ خواص کا تقوی ہے۔

۳۔ ماسوی اللہ سے بچنا۔ یہ اخص الخصواص کا تقوی ہے۔

تقویٰ کے ان مراتب کے مطابق ہی جنت میں درجے بھی ہوں گے۔

(آیت نمبر ۴۶) تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے متقی پرہیزگارو۔ جنتوں میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلامتی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو جذبہ الٰہی سے نوازا جائے گا۔

آگے فرمایا امن والے۔ یعنی اس جنت میں ہر قسم کا امن اور سلامتی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن وسلامتی کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو دخول جنت کے بعد کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ نہ دخول جنت کے بعد خروج ہوگا۔ نہ وہاں بیماری تکلیف یا کوئی پریشانی ہوگی۔ نہ کمانے اور گھر میں لانے کی کوئی تکلیف ہوگی۔ نہ جھگڑا نہ لڑائی نہ دشمنی۔ ہر قسم کا اس میں امن ہی امن ہوگا۔



وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٧﴾

اور نکالا ہم نے جو ان کے سینوں میں کوئی بھی کھوٹ تھا بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾

نہ پہنچے گی ان کو جنت میں کوئی تکلیف اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۴۷) ان کے سینوں میں جو بھی کینہ وغیرہ ہوگا وہ ہم نکال دیں گے۔ جیسے دنیا میں ناراضگی یا دشمنی یا حسد بخلی وغیرہ رکھتے تھے۔ وہ آخرت میں سب ختم کر دی جائے گی۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض خوش نصیب لوگوں کے دلوں سے یہ اوصاف قبیحہ دنیا میں ہی نکال دی جاتی ہیں۔ یعنی تزکیہ نفس اور قلب کی صفائی جو اولیاء کاملین کو حاصل ہوتی ہے۔ لیکن عوام کے دلوں سے یہ غل آخرت میں نکالی جائے گی۔

آگے فرمایا کہ آپس میں بھائی بھائی بن کر تختوں پر بیٹھے نظر آئیں گے۔ جن تختوں پر موتی جڑے ہونگے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے ایک دوسرے کو دیکھ کر انتہائی خوش ہونگے۔

(آیت نمبر ۴۸) اور نہیں پہنچے گا ان جنتیوں کو جنت میں جانے کے بعد کوئی دکھ اور نہ رنج ومشقت۔ اس لئے کہ جنت تو عیش وعشرت اور راحت وسرور کی جگہ ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ جنت میں کسی چیز کے حصول کیلئے کوئی تکلیف یا مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ جیسے دنیا میں ایک ایک چیز کو پانے کیلئے کتنے کتنے حیلے کرنے پڑتے ہیں۔ چونکہ جنت میں ہر چیز وافر مقدار میں ہوگی جو چاہو جتنی چاہو جب چاہو۔ جیسے چاہو ملے گی۔ ادھر دل میں خیال آئیگا۔ ادھر چیز موجود ہوگی۔

آگے فرمایا کہ جنت سے نکالے بھی نہیں جائیں گے۔ یعنی وہ ابد الآباد تک وہاں مقیم رہیں گے۔ اس لئے کہ اصل نعمت وہی ہے جو ہمیشہ کیلئے ہو۔ **حدیث شریف**: جنت میں نہ تھوک نہ کھنگار۔ نہ پاخانہ سسٹم۔ وہاں کے برتن سونے کے۔ ہانڈیوں سے خوشبو مہک رہی ہوگی۔ **فائدہ**: دنیا کے نمازوں والے اوقات میں خود بخود ان کے منہ سے تسبیح وتہلیل نکل جائے گی۔ البتہ دنیا والے دن رات کا وہاں حساب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ نہ وہاں سورج نہ چاند۔ تسبیح وتہلیل بھی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ لذت کے طور پر ہوگی۔ یہ چیز اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام فرمائے گا۔ **نکتہ**: جنت میں بندوں کے دل نور الٰہی سے اور آنکھیں دیدار الٰہی سے معمور ہونگی۔

نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ

اے محبوب بتادیں میرے بندوں کو کہ میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب وہ عذاب

الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئۡهُمۡ عَنۡ ضَیۡفِ اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡهِ

دردناک ہے۔ اور انہیں سنائیں قصہ مہمانان گرامی ابراہیم کا۔ جب وہ آئے ان کے پاس

فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾

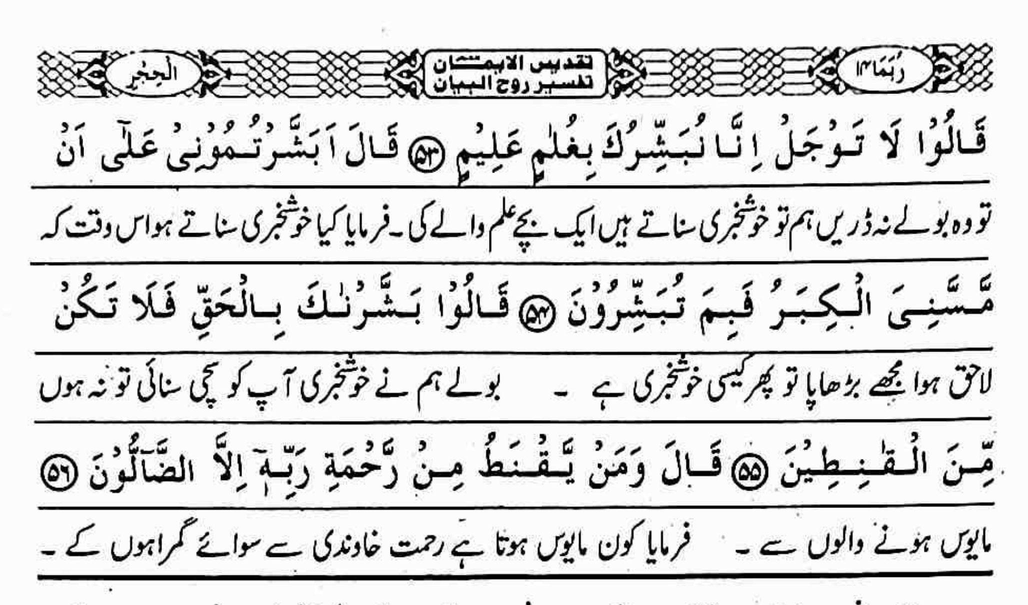
تو کہا سلام ہو۔ فرمایا بے شک ہم تو تم سے خوف زدہ ہیں۔

(آیت نمبر ۴۹) اے میرے محبوب میرے بندوں کو بتادو۔ بے شک میں ہی بخشنے والا ہوں۔ جو بخشش چاہے۔ یعنی جو توبہ کرلے اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہوں اور اس کے عیبوں پر پردہ ڈال دیتا ہوں۔ اور توبہ قبول کرنے والی صرف اکیلی میری ہی ذات ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور جو میری نعمتیں کھاتا ہے اور پھر گناہ کرکے توبہ بھی نہیں کرتا۔ بلکہ بغاوت کرکے مجھ سے روگرداں ہے۔ اسے بھی بتادو کہ میرا عذاب انتہائی دردناک عذاب ہے۔ جس طرح توبہ صرف میں ہی قبول کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے جیسا کوئی عذاب بھی نہیں دے سکتا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی کوئی حساب نہیں اور اس کے عذاب کا بھی کوئی حساب نہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازا ہوتا تو ہر برائی کرتا اور اسے یقین ہوتا کہ ضرور میں بخشا جاؤنگا۔ اسی طرح اگر اسے اس کے عذاب کا علم ہوتا تو عبادت الٰہی میں اتنا مصروف ہوتا کہ ایک لحظہ بھی آرام نہ کرتا۔ تازیست گناہ کا خیال بھی نہ کرتا۔

(آیت نمبر ۵۱) اے پیارے حبیب ﷺ اپنی امت کو خبر دیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی۔ یعنی فرشتے بشری لباس میں بھیس بدل کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔

(آیت نمبر ۵۲) آپ کے پاس آتے ہی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام دیا۔ آپ نے بھی انہیں سلام کا جواب دیا اور ان کیلئے فوراً بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آ گئے۔ لیکن آنے والے مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ روک لئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے حیران ہوکر ان سے فرمایا کہ بے شک ہم تم سے خطرہ محسوس کرتے ہیں چونکہ اس زمانے میں جس گھر میں آنے والے کے برائی کا ارادہ ہوتا۔ اس گھر میں وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آج تو اسی گھر میں کھانا بھی کھاتے ہیں اور اسی گھر میں ڈاکہ بھی ڈالتے ہیں۔



قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِىْ عَلٰٓى اَنْ

تو وہ بولے نہ ڈریں ہم تو خوشخبری سناتے ہیں ایک بچے علم والے کی ۔فرمایا کیا خوشخبری سناتے ہو اس وقت کہ

مَّسَّنِىَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

لاحق ہوا مجھے بڑھاپا تو پھر کیسی خوشخبری ہے ۔ بولے ہم نے خوشخبری آپ کو سچی سنائی تو نہ ہوں

مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

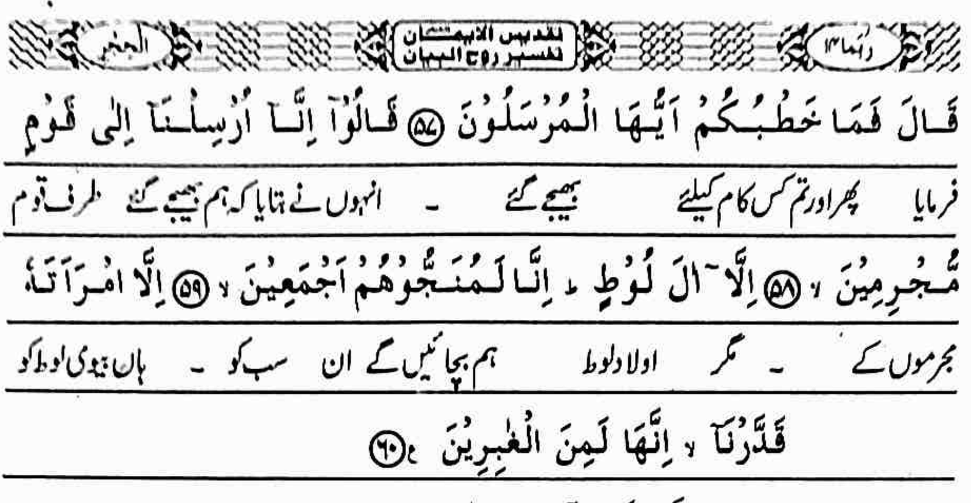
مایوس ہونے والوں سے ۔ فرمایا کون مایوس ہوتا ہے رحمت خاوندی سے سوائے گمراہوں کے ۔

(آیت نمبر ۵۳) تو مہمان فرشتوں نے کہا۔ ڈریں نہیں بے شک ہم تو آپ کو خوش خبری سنانے آئے ہیں۔ ایک ایسے صاحبزادے کی جو بڑے ہو کر صاحب علم ہوں گے۔ یعنی نبوت کے ساتھ ساتھ بہت علوم بھی ان کے پاس ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۴) تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم مجھے اس وقت خوش خبری سنا رہے ہو جب کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا ہے اور میری بیوی بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ ایسے جوڑے سے بچہ پیدا ہو۔ عجیب بات ہے کیونکہ اس عمر میں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر ۵۵) تو فرشتوں نے کہا کہ ہم نے حق بات کی یعنی اس بات کی خوش خبری دیتے ہیں جو ہو کر رہے گی تو آپ ناامید لوگوں سے نہ ہوں۔ بلکہ آپ تو ان خوش نصیب لوگوں سے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو بغیر ماں باپ کے بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس کیلئے کیا مشکل ہے کہ وہ بوڑھے بیوی خاوند سے اولاد پیدا کر دے۔ **فائدہ** :ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو قدرت سے بعید نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ اس عمر میں کہ مرد شیخ فانی ہو اور بیوی بھی بانجھ ہو چکی ہو۔ ایسی حالت میں فضل عمیم اور لطف عظیم پر حیرانی تھی۔ کہ بچے کیسے ہو گا۔

(آیت نمبر ۵۶) تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بھلا کون اللہ کی رحمت سے ناامید ہو سکتا ہے۔ وہ تو قادر قدیر ہے۔ اپنے بندوں سے جیسے چاہے معاملہ کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گمراہ لوگ ناامید ہوتے ہیں۔ جنہیں معرفت نصیب نہیں جیسے یعقوب علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوتے ہیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی ناامیدی نہیں ہے۔ میں نے صرف اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر یہ بات کہی تھی۔



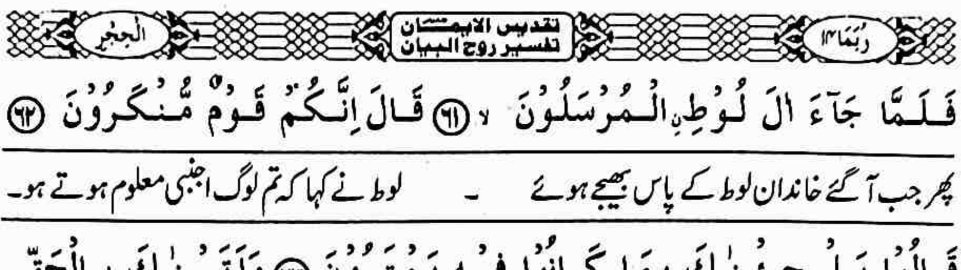
(آیت نمبر ۵۷) پھر ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اے فرشتو اور تمہارا کیا کیا پروگرام ہے۔ کیونکہ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی اور بڑی مہم کیلئے آئے ہو۔ **فائدہ** : یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے معلوم کر لی تھی یا نگاہ نبوت سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ بشارت کے ساتھ کسی اور مہم کیلئے بھی آئے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) تو وہ بولے کہ بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے جرائم اور گناہ اور نافرمانی انتہائی درجے تک پہنچ چکی ہے۔ بلکہ وہ گناہوں کی ساری حدیں پھلاند چکے ہیں۔ اس سے ان کی مراد قوم لوط تھی۔ ساتھ ہی بتلا دیا کہ آل لوط اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی لوط علیہ السلام کے خاندان کو عذاب سے بچا لیا جائے گا۔ صرف ان کی بیوی پچھلے لوگوں کے ساتھ رہ جائے گی۔

(آیت نمبر ۵۹) مگر اولاد لوط کو ہم نجات دینے والے ہیں یعنی جو مصیبت اور لوگوں پر آنے والی ہے۔ اس عذاب سے یہ بچ نکلیں گے۔ اگرچہ وہ ان تمام شہروں کے درمیان میں رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کریمہ سے ان کو بچا لے گا۔ ان کے علاوہ ان شہروں میں کوئی بھی اس رسوا کرنے والے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

(آیت نمبر ۶۰) مگر لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واہلہ ہے۔ اس پر ہمارے عذاب کا حکم اور فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ پچھلوں کے ساتھ یعنی کافروں کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہوگی۔

نکتہ : فرشتوں کا اس تقدیری معاملے کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور وہ اس کی طرف سے آئے ہیں۔ جیسے بادشاہ کے خاص لوگ کسی علاقے میں جا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا اصل حکم اور فیصلہ تو بادشاہ کا ہوتا ہے۔



فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ۙ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پھر جب آ گئے خاندان لوط کے پاس بھیجے ہوئے ۔ لوط نے کہا کہ تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ

بولے بلکہ لائے وہ جس میں تھے وہ شک کرتے۔اورلائے ہم آپ کے پاس حق بات

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

بے شک ہم سچے ہیں۔

(آیت نمبر ۶۱) وہی فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کی مجلس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس تشریف لے آئے۔ جہاں انہوں نے اگلی کارروائی کرنی تھی تو لوط علیہ السلام بھی انہیں دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے۔

(آیت نمبر ۶۲) فرشتوں کو دیکھ کر لوط علیہ السلام نے فرمایا۔ عجب سے اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو تم سے پہچان بھی نہیں ہے اور تم پر کوئی سفر کے نشان بھی نہیں ہیں۔ تم اس شہر کے رہنے والے بھی نہیں ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہیں کوئی آدمی میری وجہ سے تکلیف نہ پہنچائے۔

(آیت نمبر ۶۳) تو فرشتوں نے کہا۔ اے لوط جس بات سے آپ ڈر رہے اس بات کیلئے ہم نہیں آئے بلکہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ خوش ہو جائیں۔ اس لئے ہم آپ کو دشمنوں سے نجات دینے کیلئے آئے۔ ہم اس قوم پر وہ عذاب لیکر آئے ہیں۔ جس کے آنے کا آپ ان کو وعدہ دیتے تھے اور وہ شک کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۶۴) ہم آپ کے پاس حق اور یقینی بات لے کر آئے ہیں یعنی جس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں اور وہ عذاب ہے۔ جس میں یہ لوگ عنقریب مبتلا ہونے والے ہیں۔ اسی طرح ہمارے سچے ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں۔ یعنی ان پر نزول عذاب کی ہم تمہیں سچی خبر دے رہے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

تو لے جائیے اپنے خاندان کو کسی حصے میں رات سے اور خود چلیں ان کے پیچھے اور نہ مڑ کر دیکھے تم سے

اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ

کوئی ایک اور چلے چلو جدھر کا تم حکم دیئے گئے۔ اور ہم نے فیصلہ سنا دیا اسے اس حکم کا کہ بے شک جڑ ان

هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

کافروں کی کٹ جائیگی۔ صبح ہوتے ہی۔

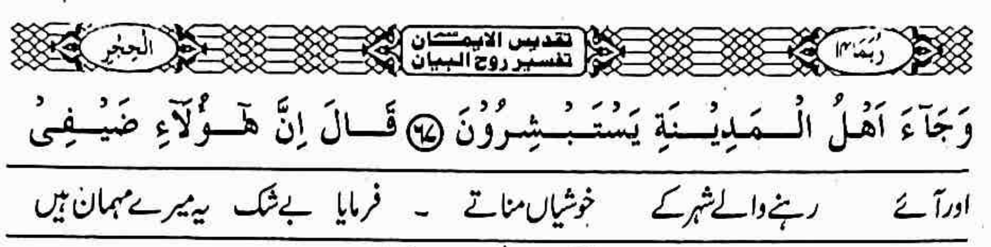
(آیت نمبر۶۵) اب آپ اپنے گھر والوں کو رات کے وقت لیکر نکل جائیں۔یعنی رات کے کسی حصے میں انہیں لے جائیں۔ کیونکہ ان بستیوں میں صبح سے پہلے عذاب آنے والا ہے۔

فائدہ :یہ بات بھی یادرکھیں کہ آپ خاندان کے پیچھے رہیں۔اوران کو تیز چلائیں اور مکمل طور پران کی نگرانی رکھیں کہ کوئی بھی ان میں سے مڑ کر نہ دیکھے۔ ورنہ وہ ہلاک ہو جائیگا۔

فائدہ :برہان القرآن میں ہے چونکہ ان کے پیچھے نجات کا جھنڈا تھا۔انہیں تو نجات ملنا تھی لیکن کفار پر عذاب مقرر ہو چکا تھا جس کی ہولنا کی کو دیکھ کر برداشت کرنے کی کسی میں طاقت نہ تھی۔اس لئے فرمایا کہ پیچھے مڑ کر کوئی بھی نہ دیکھے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ اس لئے فرمایا کہ بار بار پیچھے دیکھیں گے تو چلنے میں رکاوٹ ہوگی اس لئے فرمایا جدھر شام یا مصر کی طرف جانے کا حکم ہوا ہے۔ادھر منہ کر کے چلے چلیں۔

(آیت نمبر۶۶) ہم نے اس قوم کے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کہ اس مجرم قوم کی صبح کے وقت جڑ کٹ جائے گی یعنی یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ان میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا۔ان کی ہلاکت کا وقت مقرر صبح کا ہے۔جب سب سو رہے ہوں گے اور فرشتہ تمام بستیوں کو ایک پر پر اٹھا کر اوپر لے جائے گا۔پھر ان کو الٹ دے گا۔

فائدہ :اس آیت سے معلوم ہوا کہ نجات صرف نسب یا قرابت یا صحبت سے نہیں ہے بلکہ نجات ایمان کے بعد،علم نافع اور عمل صالح سے ہے۔دیکھتے نہیں لوط علیہ السلام کی بیوی کو لوط علیہ السلام کی صحبت نہ بچا سکی اسی طرح کنعان کو نوح علیہ السلام کا بیٹا ہونا کام نہ آیا۔(لہذا سادات کرام کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور وہ اعمال صالحہ کرنے کی کوشش کریں جیسے ان کے آباء واجداد نے پوری زندگی عبادات وریاضات میں گذاری۔



وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ

اور آئے رہنے والے شہر کے خوشیاں مناتے ۔ فرمایا بے شک یہ میرے مہمان ہیں

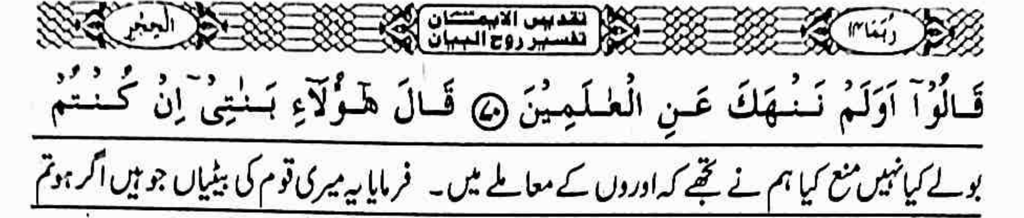
فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

پس نہ رسوا کرو مجھے۔ اور ڈرو اللہ سے اور نہ پریشان کرو مجھے۔

(آیت نمبر ۶۷) تو سدوم شہر کے سب لوگ خوشی کرتے لوط علیہ السلام کے گھر آ گئے۔ سدوم شہر کے اردگرد چھ بڑے شہر اور بھی تھے۔ وہ بھی اسی گناہ والے تھے۔ اور پچاس کے قریب نزدیک چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی تھے اور یہ وباء ہر طرف تھی۔ (ابن جوزی) تو شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے لوط علیہ السلام کے گھر آئے اور گھر کا معاصرہ کر لیا اور انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ لڑکے انتہائی خوبصورت پری پیکر جیسے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اس لئے بہت ہی زیادہ خوش تھے کہ ایسے بے ریش لڑکوں سے اپنی مراد پوری کریں گے۔ یعنی انہیں اپنی حوص کا نشانہ بنا کر اپنی خواہش پوری کریں گے۔

(آیت نمبر ۶۸) تو جناب لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ مہمانوں پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے مہمان ہیں چونکہ فرشتے اعلیٰ خوبصورت لباس میں ملبوس تھے۔ جیسے مہمان لباس پہنتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں اور مہمانوں کے ساتھ اس طرح بے حیائی والا سلوک کرنا تو کسی مذہب اور سوسائٹی میں روا نہیں ہے۔ لہذا مجھے ان مہمانوں کے سامنے ذلیل ورسوا نہ کرو۔ یعنی جو تم لوگ ان کی برائی کرنا چاہتے ہو اور میری موجودگی میں کرو گے۔ تو اس میں میری بڑی رسوائی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ اس کی اپنی قوم میں اتنی بھی عزت نہیں ہے۔ لہذا ان مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک کر کے میری بے عزتی نہ کرو۔ کیونکہ مہمان کی بے عزتی اصل میں میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۶۹) خدا سے ڈرو اور عذاب سے بچو کیونکہ تم اتنے برے فعل کا ارتکاب کر رہے ہو جو دنیا میں باعث بدنامی ہے اور آخرت میں موجب عذاب ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس برے فعل سے باز آ ؤ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کر رہے ہو اور اپنے نبی سے محاذ آرائی بھی کر رہے ہو۔ یہ انتہائی نامناسب اقدام ہے۔ لہذا مہمانوں کو بے عزت کر کے مجھے ذلیل ورسوانہ کرو۔ میں نے ان مہمانوں کو گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔



فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾

یہی کرنے والے۔

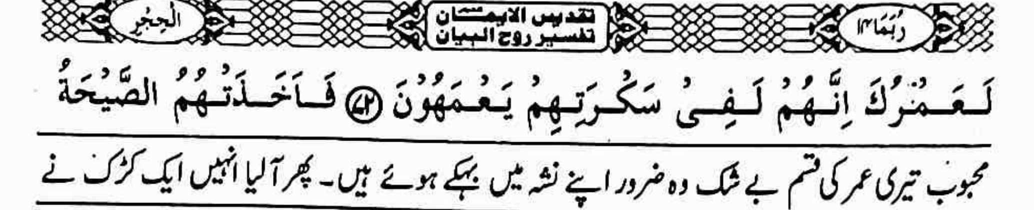
(آیت نمبر ۷۰) تو ان منکروں نے کہا۔ کیا ہم نے آپ کو جہان والوں سے روکا نہیں تھا۔ یعنی ہم نے بارہا اس بات سے آپ کو روکا ہے کہ تم لوگوں کی حمایت سے رک جاؤ۔ چونکہ لوط علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی وہ بدنصیب غریبوں کے بچوں سے لواطت ہوتے دیکھتے تو آپ غریبوں کی طرف داری کرتے ہوئے ان لوگوں کو برا بھلا کہہ کے بچوں کو چھڑا لیتے اور انہیں برائی سے بچنے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ لوط علیہ السلام کو کوسنا شروع کر دیتے کہ تم ایسے موقع پر ہمیں نصیحت نہ کیا کرو۔ اگر اس سے باز نہ آئے تو تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ اب بھی وہ بد بخت بجائے گناہ سے بچنے کے الٹا لوط علیہ السلام سے برسرپیکار ہو رہے تھے اور زبردستی گھر میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (چونکہ بدبختی ان کے سروں پر سوار ہو چکی تھی)۔

(آیت نمبر ۷۱) جب وہ بد بخت زبردستی اندر گھسنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ یہ میری بیٹیاں یعنی جو مجھ پر ایمان لائے۔ ان کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ یعنی جائز طریقہ استعمال کرو۔

فائدہ: چونکہ نبی شفقت و تربیت کے لحاظ سے امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور ان کے لڑکے اور لڑکیاں سب نبی کی روحانی اولاد ہوتی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ تمہاری بیویاں جو گھروں میں موجود ہیں۔ ان سے جماع کرو۔

فائدہ: لوط علیہ السلام کی مہمان نوازی اور آپ کا مہمانوں کی خاطر ایثار قابل داد ہے کہ آپ نے مہمانوں کی خاطر اور ان کی عزت و آبرو کیلئے ہر پریشانی سر پر اٹھائی اور مہمان غیروں کے حوالے نہ کئے۔

فائدہ: لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں ہو سکتا ہے آپ نے ان کا ہی فرمایا ہو۔ لیکن وہ پورے شہر کو تو پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس شہر کے دو بڑے لیڈر تھے۔ شاید ان کو فرمایا ہو کہ میں اپنی بیٹیوں کا تم دونوں سے نکاح کر دیتا ہوں اگر تم کرتے ہو۔ اگر تم نے شہوت رانی ہی کرنی ہے تو جائز طریقے سے کرو۔ یعنی اس طرح کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام کاری سے باز آؤ۔ لیکن ان پر بدبختی غالب آئی ہوئی تھی۔



لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

محبوب تیری عمر کی قسم بے شک وہ ضرور اپنے نشہ میں بھکے ہوئے ہیں۔ پھر آلیا انہیں ایک کڑک نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

سورج نکلتے وقت

(بقیہ آیت نمبر ۷۱) **سبق**: ہر متقی پر لازم ہے۔ وہ جہاں تک ہو سکے برائی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے۔

مسئلہ: شہوت رانی اپنی نکاحی عورتوں سے ہونی چاہئے مردوں سے نہیں۔ بے ریش لڑکے کو تو شریعت نے دیکھنے سے بھی منع کیا ہے اور اس سے لواطت سخت حرام ہے اور نا قابل معافی جرم ہے۔

(آیت نمبر ۷۲) اے محبوب تیری حیات طیبہ کی قسم۔ اس قول کا اکثر مفسرین نے یہی معنی کیا ہے۔

آگے فرمایا۔ بے شک وہ قوم لوط ضرور اپنے نشے میں تھے۔ یعنی گمراہی میں تھے۔ یا اس لواطت جیسے گندے عمل کی وجہ سے انہیں لوط علیہ السلام کی نصیحت کیسے اچھی لگتی۔ بدعملی کی نحوست نیکی کی طرف جانے ہی نہیں دیتی۔

شان حبیب کبریا: اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک حیات کی قسم کھائی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو بھی شان والا نہیں بنایا۔ اسی لئے کسی اور کی قسم بھی نہیں اٹھائی۔ بلکہ قرآن پاک میں متعدد طریقوں سے قسمیں کھائی، کہیں عمر کی قسم، کہیں زمانے کی قسم، کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی قسم کھائی۔

فائدہ: یہ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ وہ جسے بہت معظم سمجھتے اس کی قسم کھاتے تھے چونکہ قرآن بھی اہل عرب کی لغت میں اترا ہے تو اسی انداز کو قرآن مجید میں اپنایا گیا ہے۔ **فائدہ**: اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امت کو بھی معلوم ہو کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی بڑی قدر و منزلت ہے۔

(آیت نمبر ۷۳) پھر پکڑ لیا ان کو ایک گرج یعنی جبریل علیہ السلام کی آواز نے صبح کے وقت یعنی جب کہ سورج طلوع ہونے ہی والا تھا۔ **فائدہ**: ان پر عذاب صبح صادق کے وقت شروع ہوا اور طلوع آفتاب تک جاری رہا۔ جناب جبریل امین نے ان تمام بستیوں کو ایک پر پر اٹھا کر آسمانوں کے قریب لے گئے۔ پھر وہاں سے زمین کی طرف الٹ دیا۔ اس کے بعد ایک سخت کرخت آواز آئی۔ اسی میں تباہ و برباد ہو گئے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾

پھر کردیا ہم اس شہر کا اوپر اس کے نیچے اور ہم نے برسائے ان پر پتھر کنکر کے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾

بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کیلئے ۔ اور بے شک راستے پر ہے چلنے والوں کیلئے

(آیت نمبر۷۴) فرمایا کہ ہم نے ان بستیوں کو تہہ وبالا کر دیا اور وہ تمام بستیاں انتہائی بلندی پر لے جا کر الٹ دی گئیں۔ یہ انتہائی ہولناک عذاب تھا۔ اس کی نسبت کہ انہیں نیچے ہی زیر وزبر کیا جاتا۔ آگے فرمایا کہ پھر ہم نے ان پر عذاب دہرانے کیلئے اوپر سے پتھر برسائے۔ جو کنکریوں کی شکل میں تھے۔ وہ ایسے برسائے جیسے بارش برستی ہے۔

فائدہ :ہر سنگ ریزے پر کافروں کے نام لکھے تھے۔ کاشفی فرماتے ہیں کہ جو کافر اس دن کہیں باہر گئے تھے۔ ان کو وہ پتھر وہیں جا کے لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک کافر مسجد حرام میں تھا۔ وہ جوں ہی مسجد حرام سے نکلا پتھر اس کا انتظار کر رہا تھا اس کو وہیں لگا اور اسے وہیں فی النار کر دیا۔

(آیت نمبر۷۵) اور بے شک اس قصہ میں یعنی لوط علیہ السلام کے پاس مہمانوں کا آنا اور شہریوں کا لوط علیہ السلام کو پریشان کرنا اور ان پر عذاب کا آنا۔ ان میں بڑی نشانیاں ہیں۔ بصیرت والے لوگوں کیلئے یعنی گہری نظر رکھنے والوں کیلئے۔

(آیت نمبر۷۶) اور بے شک یہ الٹنے والی بستیاں ایک بہت بڑی شارع پر واقع ہیں۔ یعنی ان کا محل وقوع ایسی جگہ ہے جو عام لوگوں کی گذرگاہ ہے۔ ان کے کھنڈرات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور وہ مکہ مکرمہ اور شام کے درمیان واقع ہیں۔ اہل مکہ اپنے تجارتی سفروں میں آتے جاتے ان کھنڈرات کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان پر عذاب آیا تھا لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ان کے نشانات باقی ہیں۔ تاکہ آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۷۷﴾ وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۷۸﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے مسلمانوں کیلئے۔ اور بے شک تھے رہنے والے ایکہ کے ظالم۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ٪۷۹﴾

پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے اور بے شک وہ دونوں بستیاں راستے کھلے پر ہیں۔

(آیت نمبر ۷۷) دوبارہ پھر فرمایا کہ بے شک ان بستیوں کے نشانات میں ایمان والوں کیلئے عبرت حاصل کرنے کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم پر یہ عذاب ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آیا تھا۔ بلکہ جس قوم پر عذاب آیا وہ ان کی اپنی شامت اعمال تھی۔ **فائدہ** :اور ان آیات میں فراست کی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو معلوم کر کے صحیح اور حق بات کو معلوم کرنا۔ اس لئے فرمایا کہ ان واقعات سے بصیرت والے ہی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۸) اور بے شک جھاڑیوں والے۔ یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم بھی ضرور ظالم تھے۔

فائدہ :بیری کے چھوٹے درختوں کو جھاڑی کہا جاتا ہے۔ (اب جارڈن میں جہاں شعیب علیہ السلام کا مزار شریف ہے۔ آج بھی وہاں جھاڑیاں ہیں) مدین اور ایکہ میں تھوڑا فاصلہ ہے۔ غالباً مدین والے الگ تھے اور یہ ایکہ والے الگ تھے۔ مدین والے اصحب الرس کہلاتے تھے اور ان کو اصحب الایکہ کہا گیا اور یہ ان کی بستی کا نام تھا۔ یہ بھی حد سے تجاوز کر گئے۔ اس لئے فرمایا کہ ایکہ والے بہت بڑے ظالم تھے۔ یعنی کفر و شرک والے۔

(آیت نمبر ۷۹) پھر ہم نے ان سے انتقام لیا۔ یعنی ان پر عذاب نازل کر کے ان سے بدلہ لیا۔

فائدہ :تبیان میں ہے کہ مدین والوں پر صیحہ (چیخ) کا عذاب اور ایکہ والوں پر آگ کا عذاب آیا۔ یعنی گھروں میں گرمی سے تنگ آ کر باہر آ گئے جب سب باہر اکٹھے ہوئے تو اوپر سے ایسی آگ آئی کہ اس میں سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ **فائدہ** :بعض تفسیروں میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیجا وہ گرمی کی شدت سے تنگ آ کر باہر اس بادل کو بارش سمجھ کر اس کے نیچے آئے۔ جب سب آ گئے تو بادلوں سے آگ کے انگارے برسے اس میں وہ سب جل گئے۔ اس لئے اسے عذاب یوم الظلہ سے تعبیر کیا گیا۔ یہ دونوں شہر یعنی قوم لوط کا شہر سدوم اور قوم شعیب کا شہر ایکہ کھلے راستے پر واقع ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا

اور تحقیق جھٹلایا اصحاب حجر نے رسولوں کو۔ اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں اپنی وہ تھے

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ ﴿۸۱﴾

ان سے منہ پھیرنے والے۔

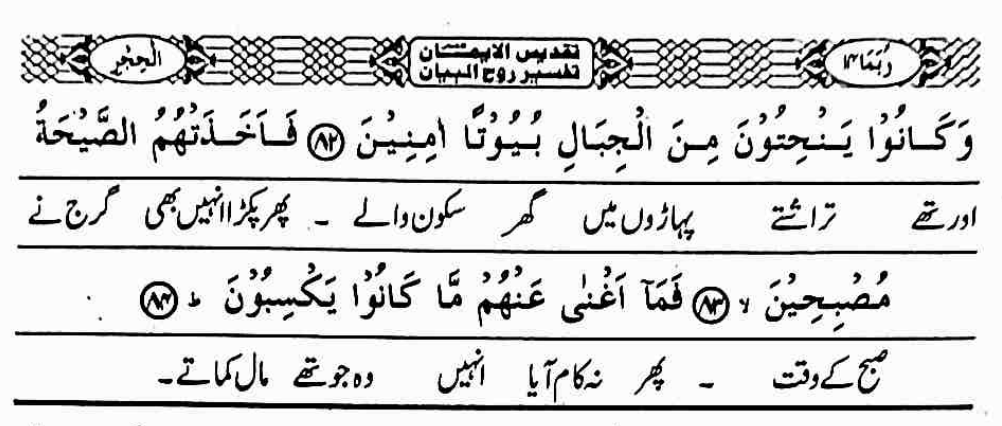
(بقیہ آیت نمبر۷۹) **فائدہ** :امام اسے کہا جاتا ہے۔جس کی اقتداء کی جائے۔یہ لفظ عام ہے۔خواہ نماز پڑھانے والا ہو۔خواہ سبق دینے والا ہو۔قرآن پاک میں قران کو بھی اور توراۃ کو اور لوح محفوظ کو بھی امام کہا گیا ہے۔

قوم شعیب میں کفر وشرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے کا گناہ تھا۔شعیب علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ نافرمانیوں سے باز نہ آئے۔اس وجہ سے ان پر عذاب آیا۔**حدیث شریف**: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک طعام بیچنے والے کے پاس سے گذرے۔اس نے طعام سجا کر رکھا ہوا تھا۔آپ نے ادھر ادھر کر کے دیکھا تو نیچے ردی تھا۔تو آپ نے فرمایا ردی کو الگ کر کے بیچ جس نے کھوٹ ملایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔اور ایک حدیث میں فرمایا جب امانت میں خیانت ہو تو سمجھو قیامت قریب ہے۔(مسند احمد ج ۴،۳۷۱۳)

(آیت نمبر۸۰) اور البتہ تحقیق حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔یعنی انہوں نے پہاڑوں میں اپنے مکانات بنائے تھے۔(تا کہ ہم عذاب سے بچ جائیں)۔

فائدہ :جناب صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے علاقے کا نام حجر ہے۔یہ مدینہ شریف اور شام کے درمیان واقع ہے۔ان میں صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔کافی زمانہ آپ نے تبلیغ فرمائی۔صرف چند غریب لوگوں نے آپ کی پیروی کی۔باقی کورے ہی رہے۔اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے۔اس لئے وہ عذاب میں گرفتار ہوئے۔

(آیت نمبر۸۱) اور دیں ہم نے ان ثمودیوں کو اپنی آیات یعنی نشانیاں جیسے (۱) اونٹنی وغیرہ (اس ایک اونٹنی میں بھی کئی نشانیاں تھیں) جیسا کہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کا پتھر سے نکلنا ہی بے شمار عجائب رکھتا ہے:(۲) اس طرح کی لمبی موٹی اونٹنی پوری دنیا میں کہیں بھی نہ تھی۔(۳) پتھر سے نکلنا۔(۴) نکلتے ہی بچہ جن دینا۔(۵) بچہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔(۶) دودھ اس قدر دیتی کہ پوری قوم ثمود اس سے سیراب ہو جاتی۔(۷) کنویں کا سارا پانی پی جاتی۔



(بقیہ آیت نمبر ۸۱) **فائدہ**: فتح القریب میں ہے کہ قوم کا مطالبہ ہی یہی تھا۔ چنانچہ جیسی مانگی ویسی ہی ملی (اس کی تفصیل گذر چکی) اتنی نشانیاں دیکھنے کے باوجود انہوں نے ان آیات سے منہ پھیر لیا۔ یعنی وعدہ کر کے منکر ہو گئے۔ بلکہ نبی سے مخاصمہ کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ناقۃ اللہ کو قتل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی اور اس کے کرم واحسان بھی بھول گئے۔

(آیت نمبر ۸۲) اور پہاڑوں کو کرید کر گھر بناتے تھے۔ بیت اس مقام کو کہا جاتا ہے جس کی چار دیواریں ہوں۔ اوپر چھت ہو اور اندر جانے کا دروازہ ہو۔ جہاں آرام سے رات بسر ہو جائے۔ آگے فرمایا امن والے یعنی چوری ڈاکہ اور تخریب کاروں سے محفوظ ہو اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ باہر کھلی جگہ عذاب آجاتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے اندر غاروں میں ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ اپنی جگہ انہوں نے ان کے گھر میں امن سمجھا۔ حالانکہ امن تو اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے میں ہے لیکن جب بدبختی سر پر سوار ہو تو وہاں وعظ بھی اثر نہیں کرتا۔

(آیت نمبر ۸۳) اور وہاں بھی جبریل امین کی ایک ہی گرج نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یعنی جبریل امین کی ایک ایسی چیخ پڑی کہ وہ گھروں کے اندر ہی تباہ و برباد ہو گئے۔ جس امن کیلئے گھروں کو پختہ بنایا تھا۔ وہ امن وہاں نہ مل سکا۔ **فائدہ**: بعض روایات میں ہے کہ وہ گرج آسمان سے آئی۔ جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور وہ وقت صبح کا تھا اور ان کے چہرے سیاہ ہو گئے تھے جو ان کی بدبختی کا نشان تھا۔

(آیت نمبر ۸۴) جب ان پر عذاب آگیا تو پھر انہیں نہ بچا سکا کوئی نہ ان کے بت وغیرہ اور نہ بچا سکے جو جو وہ مال وغیرہ کماتے تھے۔ **فائدہ**: مروی ہے کہ جب وہ قوم ہلاک ہو گئی تو جناب صالح علیہ السلام ایمان والوں کو ساتھ لے کر فلسطین میں گئے پھر مکہ شریف میں تشریف لے گئے۔ (مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ اور ہم جب کربلا گئے تو نجف کے بہت بڑے قبرستان میں دو قبریں دیکھیں جن کی تختیوں پر ھود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کے نام مبارک لکھے ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے مگر ساتھ حق کے۔ اور بے شک قیامت

لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

ضرور آنے والی ہے تو آپ درگذر کریں اچھی طرح۔ بے شک آپ کا رب ہی بہت پیدا کرنے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۸۴) **حدیث شریف:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مقام حجر سے گذرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ظالموں کے گھر ہیں۔ یہاں سے روتے ہوئے اور تیزی سے گذر جاؤ کہیں تم بھی عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ وہاں سے سواریاں تیز کی گئیں۔ غالباً یہ غزوۂ تبوک کا موقع تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد)

فائدہ :معلوم ہوا کہ جہاں ظالمین کافرین ہوں وہاں سکونت اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ خصوصاً جہاں ان پر عذاب آیا۔ بلکہ ان کھنڈرات کو خالی رکھا جائے تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔

(آیت نمبر ۸۵) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ مگر حق کے ساتھ یعنی حکمت کے تحت۔ نہ تو ان کا بنانا عبث ہے۔ نہ باطل بلکہ ان سے مقصد یہ ہے کہ لوگ ہماری قدرت پر یقین کریں۔

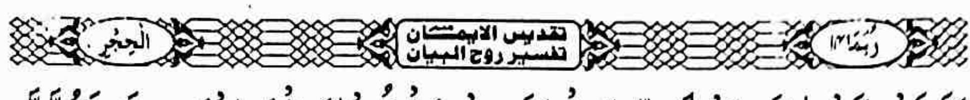
آگے فرمایا کہ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ یعنی اس کی آمد کی توقع یقینی ہے۔

فائدہ :ابن شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کو ساعۃ اس لئے کہتے ہیں کہ انفاس کی مسافت اسی طرح طے ہو رہی ہے۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب ان جھٹلانے والوں کو اچھی طرح درگذر فرمائیں ان کی ایذاؤں پر صبر کریں۔

(آیت نمبر ۸۶) بے شک آپ کا رب آپ کو یہ مراتب دینے والا پوری کائنات اور موجودات کا مطلق خالق ہے اور وہ سب چیزوں کا تفصیلی حال جاننے والا ہے۔ اس کا سارا علم ذاتی ہے۔

شان مصطفٰے ﷺ: حضور ﷺ پوری انسانیت میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں۔ آپ مخلوق پر رحم دل اور حلیم ہیں۔ سب سے زیادہ معاف کرنے والے اور سب سے بڑھ کر سخی تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو "خلق عظیم" کا ٹائٹل دیا۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ

اور تحقیق دیں ہم نے آپ کو سات آیات دھرائی جانے والی اور قرآن عظمت والا - نہ اٹھائیں

عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ

اپنی آنکھیں طرف اس کے جو نفع دیا ہم نے جوڑوں کو ان سے اور نہ غم کھائیں ان کا اور نیچے کرلو

جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

اپنے رحمت والے پروں کو مومنوں کیلئے

(آیت نمبر ۸۷) اور البتہ تحقیق دیں ہم نے آپ کو سبع مثانی۔ یعنی سات آیات وہ جو بار بار نمازوں میں دھرائی جاتی ہیں۔ بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ **شانِ نزول** : حسین بن الفضل فرماتے ہیں کہ قریش کے سات قافلے سامان سے لدے بھرے مکہ شریف میں آئے۔ جن میں اعلیٰ قیمتی سامان تھا تو حضور ﷺ کے دل مبارک مین خیال آیا کہ مسلمان بھوکے ہیں بدن کے کپڑے تک نہیں ہیں۔ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں ان غریبوں پر خرچ کر دیتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ (جس میں سات آیات ہیں) دی ہیں۔ (یعنی یہ سات قافلے سامان سے لدے ہوئے ان سات آیات کا مقابلہ نہیں کر سکتے) اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہم نے تمہیں قرآن عظیم بھی دیا ہے۔ جس کی ہمارے ہاں بہت بڑی قدر و منزلت ہے۔ **فائدہ** :سورۂ فاتحہ کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز میں بار بار دھرائی جاتی ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں ابتدائی نصف اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ بقایا نصف میں بندے کی دعا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی سورۃ سکھاتا ہوں جو قرآن مجید میں بڑی فضیلت والی ہے۔ پھر فرمایا وہ سبع مثانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف مجھے عطا فرمائی (صحیح بخاری تفسیر سورۂ فاتحہ)۔ علامہ حقی فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ حقائق کی جامع ہے۔ اس پر کل قرآن کا اطلاق بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں کل قرآن کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۸) اے میرے پیارے محبوب اپنی آنکھیں ان کافروں کے ساز و سامان کی طرف نہ پھرائیں کہ جو ہم نے انہیں دنیا کا کچھ سامان دیا۔ یعنی دنیا کی رونق اور اس کی زینت اور محاسن اور اس کے ظاہری نقش و نگار ان کو دیا۔ اس کو رغبت کے ساتھ نہ دیکھیں۔ ان کا دنیوی سارا ساز و سامان آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کی نبوت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

اور بتادو بے شک میں ہی ہوں ڈر سنانے والا واضح۔ جیسا کہ ہم نے اتارا تقسیم کرنے والوں پر

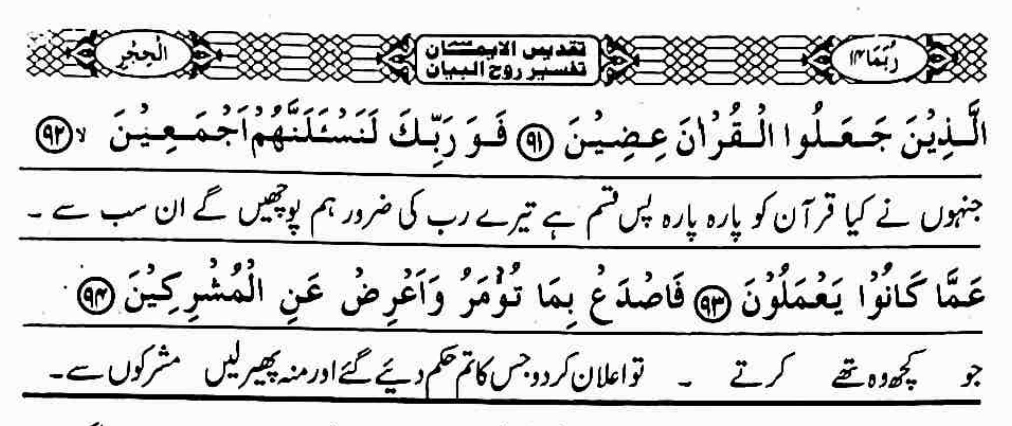
(بقیہ آیت نمبر۸۸) آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ان کافروں کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ عارضی ہے۔ آپ کے کمالات دائمی ہیں۔

ارشاد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے قرآن کی دولت ملی وہ اس کے باوجود سمجھتا ہے کہ فلاں کو دنیوی جاہ وجلال ملا۔ مجھے کیا ملا۔ وہ بے وقوف انسان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی عظیم دولت کو حقیر سمجھ رہا ہے۔ کفار کو جو ملا وہ کافروں کے اقسام سے ہے۔ آگے فرمایا اگر اے محبوب وہ ایمان نہیں لاتے تو اس پر غمزدہ نہ ہوں۔ ایمان وہی لائے گا۔ جس کے مقدر میں ہم نے کیا ہے اور اے میرے محبوب آپ ایمان والوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جاری رکھیں۔ دولت مندوں پر ان غریبوں کو ترجیح دیں۔

(آیت نمبر۸۹) اور اے محبوب آپ ان کو بتادیں کہ میں تمہیں کھلے عام ڈر سنانے والا ہوں۔ اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ پر اتارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑ پر کھلے عام اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا۔

(آیت نمبر۹۰) جیسا کہ ہم نے عذاب نازل کیا تقسیم کرنے والوں پر۔ یہود ونصاریٰ پر کتابیں نازل کیں اور انہوں نے اپنی اپنی کتابوں کے حصے بخرے کرلئے۔ اسی طرح قران جو ہم نے آپ پر اتارا۔ اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ محض بغض اور حسد کی وجہ سے۔ یہی معنیٰ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کئے ہیں۔ اس سے قرآن مجید کو بظاہر تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن اس کے معانی اور مطالب غلط ملط بیان کرکے گویا انہوں نے روح قرآن کو مٹانے کی مذموم کوشش ضرور کی ہے۔

فائدہ :مقتسمین کا مفسرین نے ایک اور معنیٰ یہ بیان کیا ہے۔ کفار مکہ نے مکہ کے گردونواح میں بارہ یا سولہ افراد مقرر کئے کہ وہ تمام راستوں پر کھڑے ہوجائیں اور حرم شریف میں آنے والوں کو نبی پاک علیہ السلام کے پاس آنے سے روکیں خصوصاً حج کے موقع پر تو اور زیادہ اہتمام کرتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں غلط تاثر پیدا کرتے۔ کوئی مجنون کہتا کوئی ساحر کہتا۔ کوئی جادوگر کوئی کاہن وغیرہ کہتے تھے۔ تاکہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی متنفر ہوجائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکیں۔



الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾

جنہوں نے کیا قرآن کو پارہ پارہ پس قسم ہے تیرے رب کی ضرور ہم پوچھیں گے ان سب سے ۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

جو کچھ وہ تھے کرتے ۔ تو اعلان کردو جس کا تم حکم دیئے گئے اور منہ پھیرلیں مشرکوں سے ۔

(آیت نمبر ۹۱) یہ وہ ہیں جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ یعنی کچھ لوگوں نے اسے بہت پڑھا۔ لیکن ان کا مقصد تھا کہ دنیا میں انہیں بہت بڑا قاری کہا جائے۔ کچھ لوگوں نے حفظ کیا تا کہ لوگ انہیں بڑا حافظہ کہیں اور وہ اس کے ذریعے روزی کماتے تھے اور کچھ لوگوں نے لالچ میں من مانی تفسیریں اور تاویلیں کیں۔ کچھ لوگوں نے اس سے قصے اور مرضی کے مسائل نکالے۔ تا کہ وہ مال حاصل کریں وغیرہ۔

(آیت نمبر ۹۲) اے محبوب تیرے رب کی قسم۔ ہم بروز قیامت ان سب سے سوال کریں گے۔ خواہ یہ قرآن کے ٹکڑے کرنے والے ہوں یا یہ رستے میں لوگوں کو روک کر گمراہ کرنے والے ہوں۔ ہم ان سے ضرور پوچھیں گے۔

(آیت نمبر ۹۳) ان کے قول وفعل کے بارے میں کہ جو کرنا تھا وہ کیوں نہیں کیا اور جو نہیں کرنا تھا وہ کیوں کیا۔ یا یہ کہا جائے گا کہ یہ یہ کام تو نے کیوں کئے۔

فائدہ :علماء کرام فرماتے ہیں کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کلمہ توحید کے متعلق سوال فرمائے گا کیونکہ اس کلمہ سے نجات ہوتی ہے اور یہی کلمہ علیاء ہے۔ جس کا وزن چودہ طبق سے بھی زیادہ ہے جو ایک مرتبہ سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ گناہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

(آیت نمبر ۹۴) اے محبوب واضح بیان فرمادیں۔ جس کا آپ حکم دیئے گئے۔ یعنی شرعی احکام کو کھل کر بیان کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اوامر وانواہی مراد ہیں۔ اور ان کے سامنے حق وباطل کو الگ الگ کردیں۔ یعنی کلمہ توحید سے اسلام وکفر میں فرق کردیں۔

شان نزول : اس آیت کے اترنے سے پہلے چھپ چھپا کر اسلام کی تبلیغ ہوتی تھی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے کھلے عام توحید کا درس شروع فرمادیا۔ آگے فرمایا کہ ان مشرکوں سے منہ پھیرلیں۔ یعنی نہ ان کی باتوں پر دھیان دیں نہ ان کا بدلہ دیں۔ **فائدہ** :یادرہے۔ حضور ﷺ کا کسی کو بددعا کرنا آپ کے عفو وحلم کے منافی نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا تو ہر قول وفعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

بے شک ہم کافی ہوں گے آپ کی طرف سے ان ہنسنے والوں کو ۔ جو بناتے ہیں ساتھ اللہ کے خدا اور

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾

عنقریب وہ جان لیں گے۔ اور تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ تنگ ہوتا ہے دل آپ کا اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

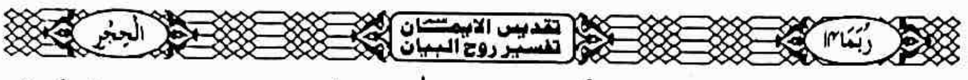
(آیت نمبر ۹۵) بے شک ہم ان استہزاء کرنے والوں کو کافی ہیں۔ آپ کی طرف سے۔ یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کا قلع قمع کر دیں گے۔ کاشفی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب ہم آپ کو ان استہزاء کرنے والوں کے شر سے بچائیں گے۔ اور یہ مزاخیں کرنے والے جلد انجام کو پہنچ جائیں گے۔

شان نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت کفار کے ان پانچ لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جو ہمیشہ حضور ﷺ کو ایذا دیا کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ سے ٹھٹھہ مخول کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو بدر کے دن ہلاک کر دیا۔ (۱) ان میں ایک عاص بن وائل السہمی تھا۔ جو حضور ﷺ کے پیچھے ناک بھوں چڑھا کر ہنسی کرتا کبھی پیچھے سے گندی آوازیں دیتا۔ یہ سفر میں ایک جگہ پیشاب کرنے بیٹھا تو سانپ نے ڈس لیا تو اسی تکلیف میں واصل جہنم ہوا۔ دوسرا: حارث بن القیس العطلبہ۔ تیسرا: الاسود بن مطلب بن الحارث۔ چوتھا: اسود بن عبد یغوث۔ پانچواں: ولید بن مغیرہ۔ ان پانچوں کا انجام انتہائی برا ہوا۔ آخرت میں جو ہوگا وہ الگ ہے۔

(آیت نمبر ۹۶) اس آیت میں حضور ﷺ کو ستانے والوں کی صفت بیان ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہ عنقریب جان لیں گے۔ یعنی ان کے کردار کا انہیں بدلہ ملے گا تو وہ جان لیں گے ۔ اس سے انہیں وعید سنائی گئی۔ یعنی آخرت میں انہیں بدترین سزائیں دی جائیں گی۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ اے محبوب جو تیرے ساتھ تضحیک کرتے ہیں۔ ان کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا۔

(آیت نمبر ۹۷) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ مبارک تنگ ہو جاتا ہے ان کافروں کی باتوں سے۔ یعنی جب یہ کفر و شرک بکتے ہیں اور قرآن پر طعن کرتے ہیں تو آپ ان کے بکواسات سے دل تنگ اور پریشان ہو جاتے ہیں۔



فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ

پھر پاکی بیان کرو ساتھ تعریف اپنے رب کے اور ہو جائیں سجدہ کرنے والوں سے۔ اور عبادت کئے جائیں

رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ع ﴿۹۹﴾

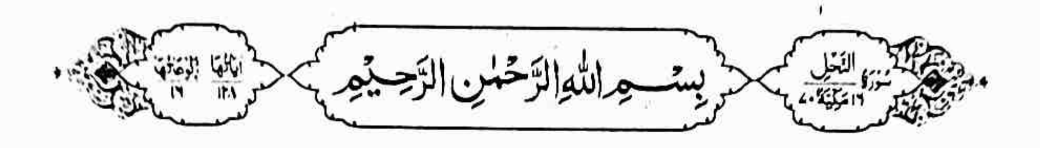
اپنے رب کی یہاں تک آ جائے آپ کو وفات۔

(آیت نمبر ۹۸) اپنے رب کریم کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کریں۔ یعنی "سبحان الله والحمد لله" کا ورد کرتے رہیں۔ "سبحان الله" کہنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام عیوب ونقائص سے اور ہر عیب سے پاک جاننا اور "الحمد لله" کہنے سے تمام صفات کمال کا ثابت کرنا یعنی کمال کی تمام اقسام اس کی ذات اور صفات میں موجود ہیں۔ اور فرمایا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

(آیت نمبر ۹۹) اور اپنے رب کی اتنی زیادہ عبادت کیجئے۔ یہاں تک کہ یقین آ جائے۔ یعنی یقینی چیز موت آ جائے۔ چونکہ اس کا ہر ایک کو یقین ہے۔

نکتہ : نماز کو موت تک اس سے ملحق کیا تا کہ معلوم ہو کہ عبادت آخری سانس تک کرنی ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہی حکم الٰہی ہے کہ میں دنیا کا مال جمع نہ کروں۔ بلکہ یہ وحی ربانی ہوئی کہ میں سجدہ ریز ہوں اور زندگی کے آخری حصے تک عبادت میں ہمہ وقت مصروف رہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب انسان مرجاتا ہے۔ تو اس کے عمل ختم ہو جاتے ہیں اور ثواب باقی رہ جاتا ہے۔

الحمدللہ! ۲۸ نومبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۵ صفر المظفر ۱۴۳۷ بروز ہفتہ صبح کی نماز
سے کچھ دیر پہلے یہ سورت اختتام پذیر ہوئی



اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ①

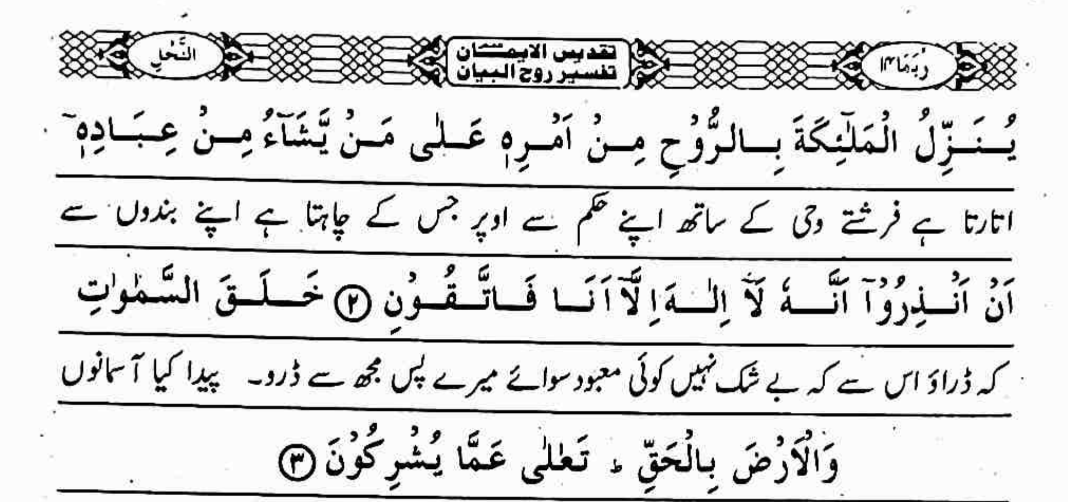
آ گیا حکم الٰہی تو تم نہ جلدی کرو اس کی وہ پاک اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں

(آیت نمبرا) حکم الٰہی آ پہنچا لہذا اے کافرو عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرو۔

شان نزول : کفار مکہ اکثر نبی پاک علیہ السلام سے تمسخرا کہا کرتے کہ وہ عذاب کب آئے گا اور کہتے کہ ہم پر عذاب نہیں آ سکتا، اگر آ بھی گیا تو یہ بت ہمیں بچائیں گے۔

فائدہ :امر اللہ سے مراد عذاب اور اتیان سے مراد قرب ہے۔یعنی وہ جلد آئیگا مگر جب آئے گا تو اس میں تمہیں نجات نہیں ملے گی۔کافر اگرچہ ٹھٹھہ کرتے ہیں مگر اس آیت میں اس کی حقیقت کو بیان کر دیا گیا ہے کہ تم اس کا مزاح اڑانا چھوڑ دو۔یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بزرگ و برتر ہے۔اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک بنایا جائے۔

فائدہ :جب "اتی امر اللہ" والی آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ گھبرائے اور قیامت کے خوف سے فورا کھڑے ہو گئے اور لوگ بھی قیامت کے خوف سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔اتنے میں یہ حکم آیا کہ اس کے مانگنے میں جلدی نہ کرو۔اس کے بعد سب مطمئن ہوئے۔**حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔میں اور قیامت اس طرح ہیں۔جس طرح یہ دو انگلیاں۔یعنی میرے بعد جلد قیامت آئے گی۔(صحیح مسلم شریف)۔ایک اور حدیث شریف میں فرمایا۔کہ قیامت کی علامات میں میرا تشریف لانا بھی ہے۔



يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

اتارتا ہے فرشتے وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اوپر جس کے چاہتا ہے اپنے بندوں سے

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کہ ڈراؤ اس سے کہ بے شک نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس مجھ سے ڈرو۔ پیدا کیا آسمانوں

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾

اور زمین کو برحق۔ بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

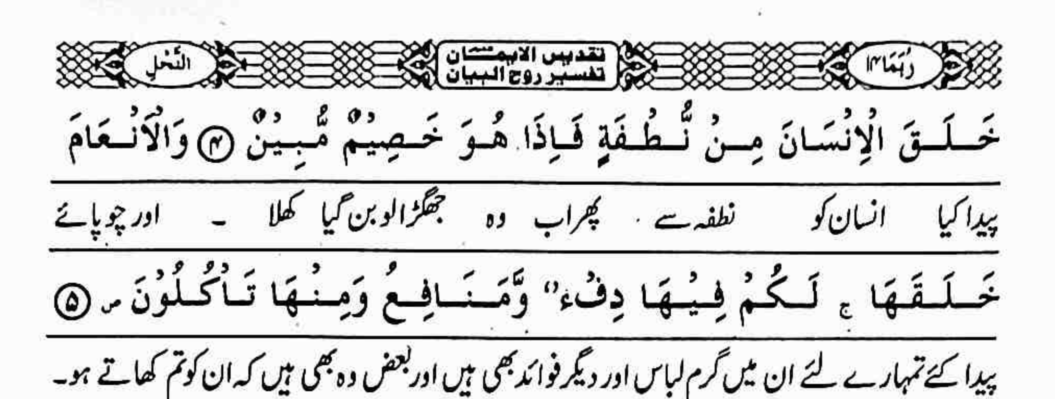
(آیت نمبر۲) اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتارتا ہے۔ یعنی وحی لانے والے جبریل یا دوسرے فرشتے جو حفاظت کیلئے اترتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی اترتے ہیں۔

نکتہ: سورۂ فاتحہ جناب اسرافیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر آئے۔ یعنی یہ سورت جبریل لے کر نہیں آئے۔ بالروح سے مراد وحی ہے۔ قرآن مجید بھی اس میں شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ مردہ دلوں کو روح کی طرح زندہ کرتا ہے۔ یعنی دل جب جہالت کی وجہ سے مردہ ہو گئے تو تلاوت قرآن سے ان میں زندگی آجاتی ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ جب فرشتہ وحی لیکر اترتا ہے تو اس کی نگرانی کیلئے اس کے ساتھ روح بھی اترتی ہے۔ جیسے انسانوں کے محافظ فرشتے اسی طرح فرشتے کے محافظ روح ہیں۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ اپنا حکم اس پر اتارتا ہے۔ جو اپنے اندر اس وحی کے حامل ہونے کے صفات اور اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ نازل اس لئے ہوا کہ تم ڈراؤ۔ یعنی اے انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں تک تم احکام الٰہی پہنچاؤ۔ بے شک یہ پکی بات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی ان کو شرک سے ڈراؤ۔ یا مراد ہے کہ کفار جن قبائح کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرتے ہیں۔ اس سے انہیں ڈراؤ اور ان کو بتاؤ کہ میں ہی اللہ ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرو اور میرے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔

(آیت نمبر۳) پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ **فائدہ:** اس کی تفصیلات پیچھے گذر گئی ہیں۔ بالحق سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور مصلحت کے مطابق تخلیق ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تخلیق بے مقصد اور عبث نہیں ہے۔ ایک مقصد نہیں۔ بلکہ کئی مقاصد ہیں۔



خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ

پیدا کیا انسان کو نطفہ سے پھر اب وہ جھگڑالو بن گیا کھلا ۔ اور چوپائے

خَلَقَهَا ج لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ص ﴿۵﴾

پیدا کیے تمہارے لیے ان میں گرم لباس اور دیگر فوائد بھی ہیں اور بعض وہ بھی ہیں کہ ان کو تم کھاتے ہو۔

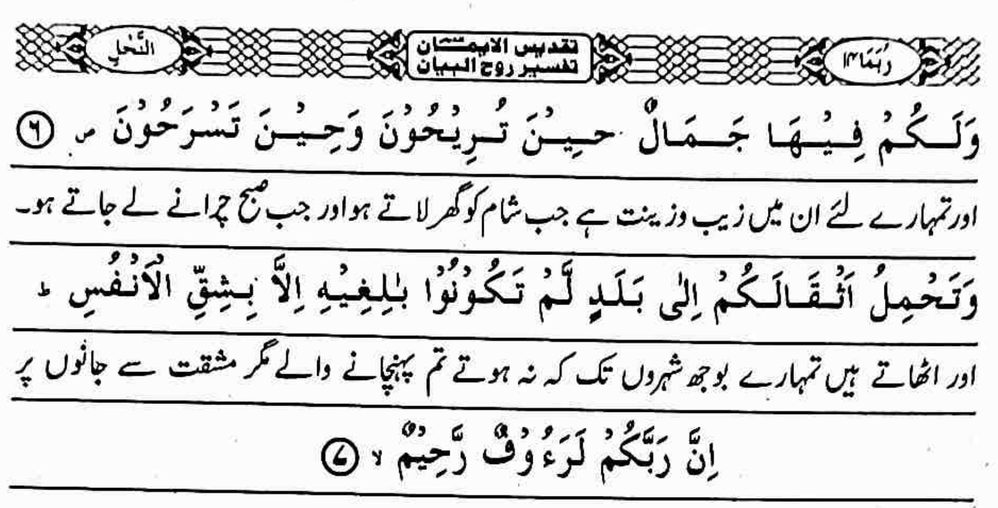
(بقیہ آیت نمبر۳) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات بزرگ و برتر ہے۔ اس سے جو یہ شرک کرتے ہیں۔ حالانکہ جن کو یہ مشرک اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔ وہ تو محض بے کار کسی قسم کی ان میں صلاحیت نہیں ہیں۔ نہ ان میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت نہ موت اور دوبارہ زندگی دینے کی صلاحیت۔ انہیں پوجنے والے پاگل ہی ہیں۔

(آیت نمبر۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ (اس سے مراد اولاد آدم ہے)۔ کیونکہ آدم علیہ السلام تو مٹی سے بنے۔ اور ان کی اولاد نطفہ سے بنی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے پانی سے پیدا کیا۔ جو محض جماد تھا۔ جس میں نہ حس نہ حرکت نہ فہم نہ وضع نہ شکل۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے یہ عقل و فہم والا انسان بنایا۔ لیکن انسان پیدا ہونے کے بعد بے وفائی کرتے ہوئے کھلے طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے متعلق جھگڑا کرنے لگا۔ جھوٹے سچے دلائل سے اپنی بات ثابت کرنے لگ گیا۔

شان نزول : ابی بن خلف جمحی ایک دفعہ بوسیدہ ہڈیاں لا کر حضور ﷺ سے کہنے لگا کہ کیا اللہ تعالیٰ ان بوسیدہ ہڈیوں کو پھر زندہ کرے گا۔ جیسا کہ سورہ یاسین کے آخر میں آتا ہے۔ **فائدہ :** حالانکہ چاہئے تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتراض کرنے سے پہلے وہ اپنی تخلیق پر غور کر لیتا۔ اہل حق فرماتے ہیں۔ جسے پلید نطفہ سے بنایا گیا۔ اسے تو تواضع اور انکسار کرنا چاہئے تھا۔ **سبق :** جو اونچے مراتب چاہتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ عمل میں اخلاص پیدا کرے اور جنگ وجدال سے باز رہے۔ اور عاجزی اختیار کرے۔

(آیت نمبر۵) اللہ تعالیٰ نے چوپائے پیدا کئے کہ ان میں تمہارے لئے مصالح اور منافع ہیں۔ خصوصاً تم گرم کپڑے ان سے بناتے ہو جو ان کی اون اور بالوں سے تیار ہوتے ہیں۔ تا کہ وہ پہن کر سردی سے بچ سکو۔

فائدہ : چمڑے کو بھی دباغت سے پاک بنا کر ہر طرح سے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ کا جبہ مبارک خاص قسم کے چمڑے کا تھا۔



وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ص ⑥

اور تمہارے لئے ان میں زیب وزینت ہے جب شام کو گھر لاتے ہو اور جب صبح چرانے لے جاتے ہو۔

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ط

اور اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ شہروں تک کہ نہ ہوتے تم پہنچانے والے مگر مشقت سے جانوں پر

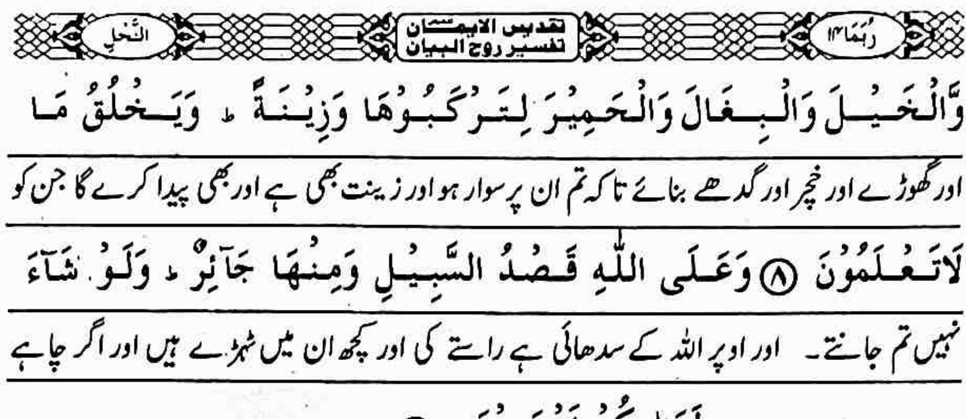
اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ لا ⑦

بے شک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵) آگے فرمایا کہ جانوروں کے منافع میں سے دودھ حاصل کرنا اوران کی نسل بڑھانا۔ان پر سواری کرنا کھیتی باڑی کیلئے ہل جوتنا۔ بیچ کر پیسے حاصل کرنا اور بعض وہ جو حلال جانور ہیں۔کہ انہیں کھایا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۶) ان مذکورہ فوائد کے علاوہ جانوروں میں تمہارے لئے زیب وزینت بھی ہے۔یعنی جب تم صبح وشام کو انہیں چرانے لے جاتے ہو اور لے کر واپس آتے ہو۔ چونکہ ان دو وقتوں میں وہ باہر لوگوں کو نظر آتے ہیں اور تمہارا دل بھی انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔رات کو بند ہوتے ہیں اور دن کے وقت جنگل میں ہوتے ہیں۔معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کے ہیں۔لہذا صبح وشام شور مچاتے جاتے ہیں اور آتے ہیں تو انہیں دیکھ کر مالک خوش ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۷) وہ جانور تمہارا مال ومتاع اور ساز وسامان کا بوجھ اٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں۔خواہ وہ کتنے دور ہوں۔خصوصاً یمن سی شام تک تمہارا تجارت کا مال لانا اور لے جانا۔ جو کہ تم خود اٹھا کر نہیں لے جاسکتے تھے۔اگر تمہارے پاس یہ اونٹ وغیرہ نہ ہوتے تو تم ان شہروں تک نہ پہنچ سکتے اگر پہنچتے بھی تو مگر بڑی مشقت کے بعد۔آگے فرمایا۔ بے شک تمہارا رب تعالیٰ تم پر بڑا شفقت فرمانے والا مہربان ہے کہ وہ تم پر بڑے بڑے انعام واکرام کررہا ہے۔اس کے رحم وکرم کی علامت ہے کہ اس نے جانور بنائے۔تاکہ تم ان سے فوائد حاصل کرو۔ ان پر بوجھ لاد کر جہاں مرضی ہو لے جاتے ہو۔



وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بنائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت بھی ہے اور بھی پیدا کرے گا جن کو

لَاتَعْلَمُوْنَ ⑧ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ

نہیں تم جانتے۔ اور اوپر اللہ کے سدھائی ہے راستے کی اور کچھ ان میں ٹیڑھے ہیں اور اگر چاہے

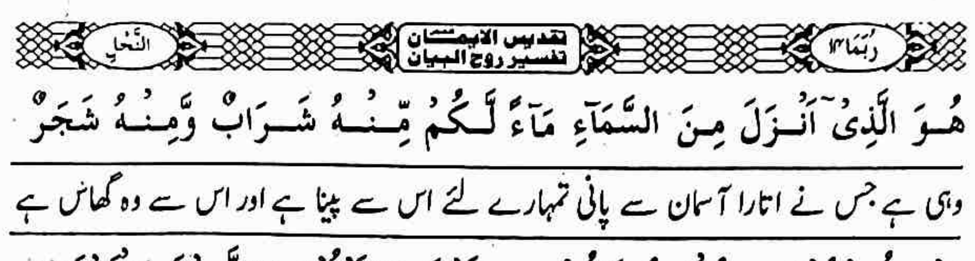
لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ع ⑨

تو ہدایت دیدے تم سب کو۔

(آیت نمبر ۸) اور گھوڑے پیدا فرمائے۔ روایات میں آتا ہے کہ جانور آدم علیہ السلام سے بھی پہلے پیدا ہوئے۔ اسماعیل علیہ السلام نے ہمیشہ گھوڑے کی سواری کی۔ حضور ﷺ کو بھی گھوڑے کی سواری بہت پسند تھی۔

آگے فرمایا کہ خچر پیدا کئے۔ حضور ﷺ بھی خچر پر سواری کرتے تھے۔ ایک کا نام دلدل رکھا ہوا تھا۔ اور فرمایا کہ گدھے بھی پیدا فرمائے۔ حضور ﷺ جس پر سواری فرماتے اس کا نام یعفور تھا۔ جو صحیح عاشق رسول تھا۔ ساری زندگی حضور ﷺ کی خدمت کی اور وصال مبارک کے بعد صدمہ نہ برداشت کرتے ہوئے اس نے کنویں میں چھلانگ لگا کر جان دے دی۔ تو فرمایا کہ یہ مذکورہ جانور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں زیب و زینت بھی ہے اور ابھی اور بھی پیدا فرمائے گا۔ جنہیں تم نہیں جانتے۔ (ان چودہ سو سالوں میں اب تک کیسی کیسی ایجادات ہوگئیں۔ ابھی اور معلوم نہیں کیا کیا ایجادیں ہونگی یہ علم صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے۔)

(آیت نمبر ۹) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو صراط مستقیم دکھایا اگرچہ اس پر یہ حق واجب نہیں تھا کہ وہ توحید کے دلائل ہمیں دکھائے یا رسولوں کو بھیجے یا کتابیں اتارے۔ تاکہ لوگ اسلام قبول کریں۔ یہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سی رسول اور کتابیں بھیجیں۔ آگے فرمایا بعض راستے بہکا دینے والے ہیں۔ جن پر چلنے والا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی گمراہی والا راستہ جیسے یہودیت، نصرانیت یا مجوسیت کا راستہ یا دیگر کفار اور اہل ہوا کے طریقے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا یعنی توحید کی وہ راہ دکھاتا جو منزل مقصود تک لے جاتی۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا میں رسول اللہ (ﷺ) ہوں۔ میں راہ دکھاتی ہوں۔ اللہ ہدایت دیتا ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں ہدایت ہوتی تو دنیا میں کوئی گمراہ نہ ہوتا اور گمراہی ابلیس کے ہاتھ میں نہیں ورنہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوتا۔ (بلغۃ الغواص فی الاکوان)



هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ

وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس سے پینا ہے اور اس سے وہ گھاس ہے

فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ⑩ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ

جو جانوروں کو کھلاتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے لئے اس پانی سے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪

اور ہر قسم کے پھل۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں

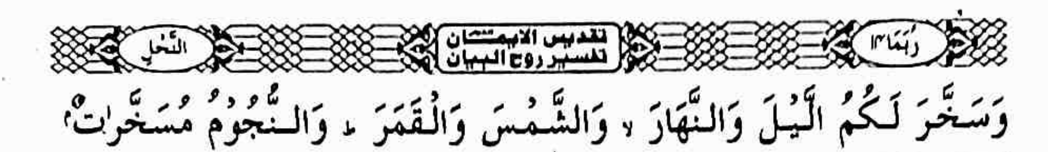
(آیت نمبر ۱۰) وہ وہ ذات ہے جس نے اپنی زبردست قدرت سے پانی آسمان سے اتارا تمہارے لئے۔ اسی کو تم پیتے ہو اور اسی کی وجہ سے درخت پیدا ہوتے ہیں جو تم جانوروں کیلئے گھاس بناتے ہو۔ یعنی جو بھی سبز ابڑا یا چھوٹا اگتا ہے۔ اپنی پنڈلی پر کھڑا ہے یا زمین پر لیٹا ہو۔ وہ اس پانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یا آسمان کی طرف سے اتارا جس سے زمین میں گھاس پیدا ہوا۔ اور وہی گھاس تم جانوروں کو بھی چراتے ہو۔

(آیت نمبر ۱۱) اسی پانی کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اللہ اگاتا ہے۔ تمہارے لئے کھیتی۔ جو تمام غذاؤں کی اصل ہے۔ بلکہ معاش کی بنیاد ہے۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ غلہ ہے۔ جو غذاؤں کے حصول کیلئے کاشت کیا جاتا ہے۔

کھیتی باڑی کی ابتداء: کعب اخبار نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے۔ تو میکائیل علیہ السلام نے چند دانے گندم کے لا کر دیئے کہ یہی آپ کا رزق ہے۔ زمین نرم کر کے اس میں دانے ڈالیں۔ وہاں سے کھیتی باڑی کی ابتداء ہوئی۔ آگے فرمایا کہ اس پانی سے زیتون نکالا۔ یعنی زیتون کا درخت۔ جس سے تیل نکلتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ زیتون کو سالن اور تیل کے طور پر استعمال کرو۔ اس لئے کہ یہ شجرۂ مبارکہ سے ہے (رواہ البیہقی فی الکبریٰ)۔ آگے فرمایا کہ کھجور بھی اسی پانی سے پیدا ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھجور کے درخت سے بڑھ کر شان والا کوئی درخت نہیں۔ اور فرمایا کہ انگور پیدا فرمائے۔ باقی صیغے واحد کے اور یہ جمع کا اس لئے لائے کہ انگور کی کئی اقسام ہیں۔ اس کا نام کرم دور جاہلیت میں رکھا گیا۔ لیکن حضور ﷺ نے انگور کا یہ نام رکھنے سے منع فرمایا۔ اس لئے کرم مومن کے دل کو کہتے ہیں۔



وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ

اور مسخر کئے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند۔ اور ستارے جو باندھے ہیں

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲﴾

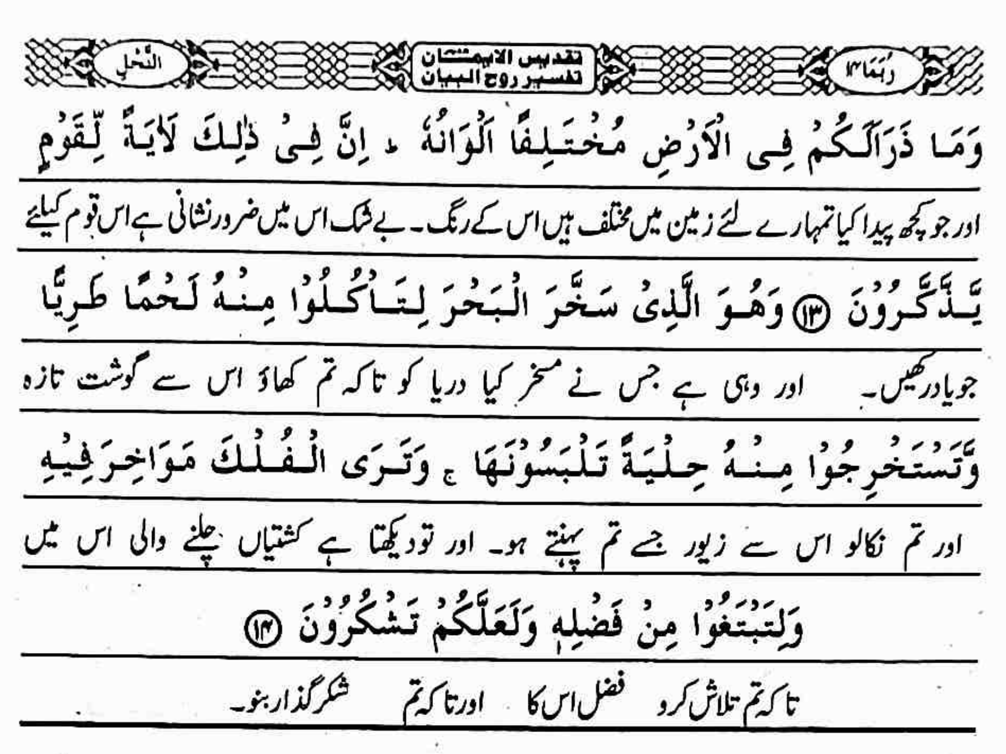
اس کے حکم سے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں قوم عقلمند کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) آگے فرمایا کہ مزید کچھ پھل اور میوہ جات بھی بنائے۔ اس سے مراد وہ ثمرات ہیں جن کو عوام جانتے ہیں۔ اصل ثمرات تو جنت میں ہوں گے۔ ان شاء اللہ: جن کی لذت اور مزہ ہی کچھ اور ہوگا۔

آگے فرمایا کہ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بڑے دلائل ہیں اور اس کے علم وقدرت اور حکمت کے کمال کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن یہ ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ یعنی دانہ اور گٹھلی زمین کے اندر جاتے ہیں۔ پھر انہیں پانی کی تری پہنچتی ہے۔ دانہ اور گٹھلی پھٹ جاتے ہیں جس سے چند باریک جڑیں نکلتی ہیں۔ پھر وہ مختلف حالتیں اور شکلیں بدل کر انتہاء تک پہنچانے والی کوئی ذات ہے۔ جس نے یہ سارے کام کئے ہیں۔ اسی ذات کو اللہ وحدہ لاشریک کہتے ہیں اور اس سوچنے کا نام غور وفکر ہے۔ اور یہ سوچ نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا نام معرفت ہے۔

حدیث شریف : ایک ساعت کا غور وفکر کرکے اللہ کو پہنچانا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۱۹۰)

(آیت نمبر ۱۲) رات اور دن تمہارے لئے مسخر کئے جو آگے پیچھے اپنے وقت پر آرہے ہیں۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی تمہارے لئے مسخر کئے کہ وہ بھی اپنے پورے وقت پر چل رہے ہیں۔ مسخر کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب تمہارے منافع کیلئے ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ اے انسان (کل جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے)۔ **فائدہ** : تسخیر کا یہ مطلب نہیں کہ مذکورہ اشیاء انسان کے حکم پر چلتی ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ اس طرح چلاتا ہے کہ جس طرح تمہارے مصالح اور منافع ہوں۔ اس لئے کہ تمام انسانوں کے مصالح اور منافع کو صرف وہی ذات جانتی ہے اور کسی کے پاس اتنا علم نہیں اور اس میں بھی عقل مند لوگوں کیلئے بے شمار نشانیاں ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہیں۔ جن سے وہ عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ سب سے بہتر عقل اس کا جو رضا الٰہی کا طالب اور محارم سے بچنے والا ہو۔ (شمائل النبی)



وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

اور جو کچھ پیدا کیا تمہارے لئے زمین میں مختلف ہیں اس کے رنگ۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اس قوم کیلئے

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

جو یاد رکھیں۔ اور وہی ہے جس نے مسخر کیا دریا کو تاکہ تم کھاؤ اس سے گوشت تازہ

وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ

اور تم نکالو اس سے زیور جسے تم پہنتے ہو۔ اور تو دیکھتا ہے کشتیاں چلنے والی اس میں

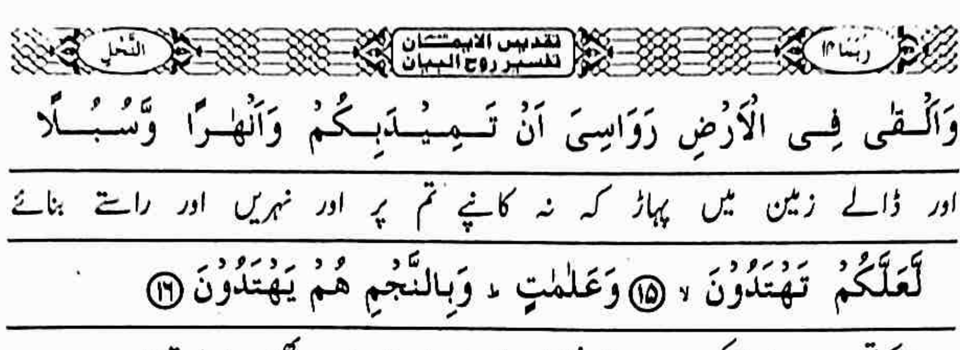
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تاکہ تم تلاش کرو فضل اس کا اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔

(آیت نمبر۱۳) اور اس نے جو بھی تمہارے لئے زمین میں پیدا فرمایا۔ حیوانات یا نباتات وغیرہ جن کے مختلف رنگ ہیں۔ یہ سب انسان کے لئے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک ان اشیاء میں بھی وہ وہ نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔ لیکن یہ نشانیاں ان لوگوں کیلئے ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ **حدیث شریف** : اگر شیطانوں نے انسانوں کے دلوں پر گھیرا نہ ڈالا ہوتا تو انسان "ملکوت السموات" اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ (احیاء العلوم)

(آیت نمبر۱۴) اور وہ وہی ذات جس نے دریا مسخر فرمائے۔ یعنی تم ان سے جس طرح چاہتے ہو نفع اٹھاتے ہو۔ پانی جہاں مرضی ہو زمینوں تک لے جاتے ہو۔ کشتیاں چلا کر دریا عبور کرتے ہو۔ مچھلیوں کا شکار کرتے ہو۔ غوطہ لگا کر اس سے زیور اور اس میں لگنے والے موتی نکالتے ہو۔ اور ان دریاؤں سے تازہ مچھلیاں نکال کر ان کا گوشت کھاتے ہو۔ **مسئلہ** : دریائی حیوانات حلال ہیں سوائے: (۱) سرطان۔ (۲) مینڈک۔ (۳) کچھوے کے

اور پھر تم دریا سے سونے اور چاندی کے زیور نکالتے ہو۔ جو بطور زینت استعمال کرتے ہو۔ یعنی عورتیں اپنے بناؤ سنگار میں استعمال کرتی ہیں۔ مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ چونکہ عورتیں مردوں کو خوش کرنے کیلئے ہی زیور استعمال کرتی ہیں اور کشتیوں کو دریا میں چلتے ہوئے تم دیکھتے ہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اس لئے دیا تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔



وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا

اور ڈالے زمین میں پہاڑ کہ نہ کانپے تم پر اور نہریں اور راستے بنائے

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

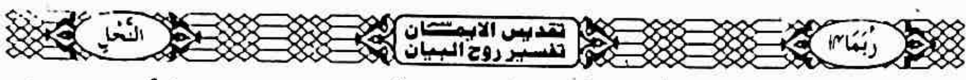
تا کہ تم راہ پا سکو ۔ اور نشانات ہیں اور ستاروں سے بھی وہ راہ پاتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۴) یعنی تجارت کر کے رزق میں وسعت تلاش کرو۔ اس لئے کہ خشکی کی تجارت سے بحری تجارت میں زیادہ منافع ہیں۔ **فائدہ** :ان سب نعمتوں کے حقوق پہچان کر تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ وہ اس طرح کہ تم اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اور توحید کو مان کر اطاعت گذار بن جاؤ۔

(آیت نمبر ۱۵) اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے۔ یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

فائدہ :زمین بنائی اور اسے عالم کے وسط میں بنایا چونکہ پانی پر ہونے کی وجہ سے ہل رہی تھی۔ اس لئے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے جو مدد کے بغیر قائم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ یہ مذکورہ تمام کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہی آسان ہیں۔ مخلوق کے لئے بے حد مشکل ہین۔ پہاڑ زمین پر اس لئے رکھے تا کہ زمین جم جائے اور مضبوط ہو تا کہ ہلے نہیں اور لوگ مطمئن ہو کر اس پر چلیں۔ آگے فرمایا کہ نہریں نکالیں اور راستے بنائے۔ یعنی سمندر سے دریا اور دریا سے نہریں اور نہروں سے چھوٹے نالے نکالے۔ تا کہ ہر جگہ تک پانی پہنچ جائے اور لوگ اس سے نفع اٹھائیں۔ اسی طرح ایک علاقے سے دوسرے علاقے یا شہر سے شہر تک پہنچنے کیلئے بڑے اور چھوٹے ہر طرح کے راستے بنائے تا کہ لوگ بہ آسانی منازل مقصودہ تک پہنچ سکیں۔

(آیت نمبر ۱۶) اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والوں کیلئے کچھ اور بھی بہت ساری علامتیں رکھ دیں۔ مثلاً جو لوگ دن کے وقت سفر کرتے ہیں۔ ان کے لئے پہاڑ یا درخت وغیرہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ لوگ دیکھے جو زمین کو سونگھ کر راستے بتا دیتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔ یعنی جو لوگ دریاؤں۔ سمندروں میں کشتیوں پر سفر کرتے ہیں یا جو لوگ ریتلے جنگلوں میں رہتے ہیں۔ وہ ان صحراؤں میں رات کو سفر کرتے ہیں۔ تو وہ ستاروں کے ذریعے راستے طے کرتے ہیں۔ خصوصاً اونٹوں پر سامان لاد کر جو لوگ جب رات کو سفر کرتے ہیں تو وہ ستاروں کو ہی دیکھ کر چلتے ہیں۔ ورنہ ان کے لئے منزل تک پہنچنا مشکل ہو جائے۔



اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ

کیا پس جو پیدا کرے اس جیسا ہے جو نہ پیدا کرے کیا تم نہیں نصیحت پکڑتے ۔ اور اگر تم گننے لگو نعمتیں

اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اللہ کی تو نہیں شمار کر سکتے ان کو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

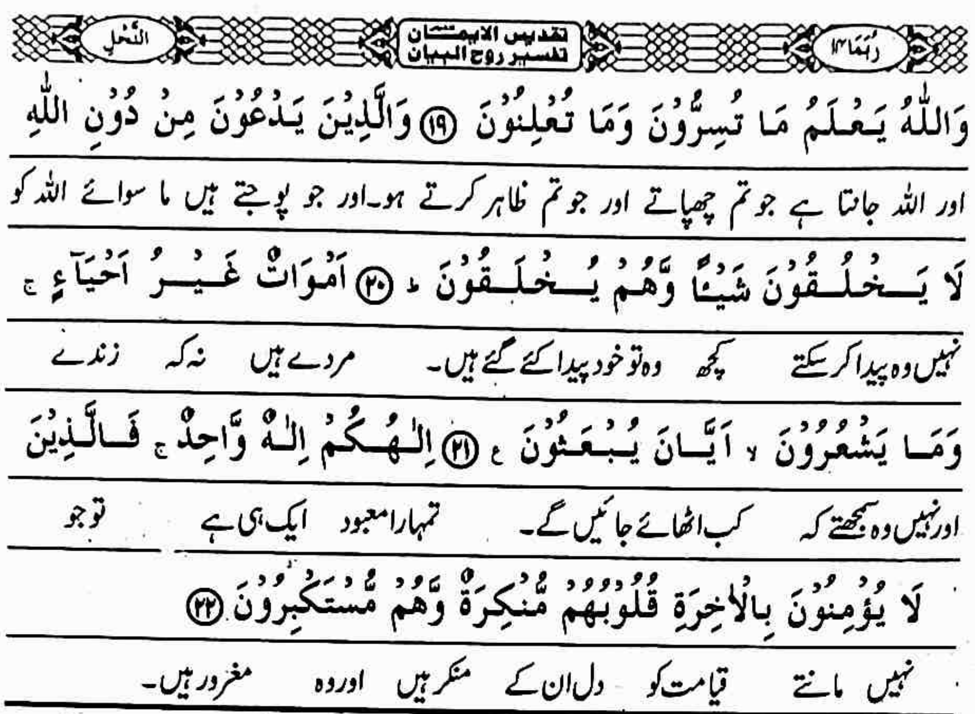
(بقیہ آیت نمبر ۱۶) اصل میں یہ ذکر اہل مکہ کا ہے کہ وہ تجارت کیلئے شام کو جب جاتے اور آتے تو وہ ستاروں کو دیکھ کر ہی سفر طے کرتے تھے۔ (علم نجوم اور سیارگان کے متعلق تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں۔ سعودیہ میں اب بھی جنگلوں کا سفر ستاروں کو دیکھ کر کرتے ہیں۔ اب نیوی گیشن بن گئے۔ شاید اب اس پر چلتے ہوں گے۔)

(آیت نمبر ۱۷) کیا پھر ایسی ذات ہے جو اتنی بڑی اعلیٰ مصنوعات پیدا کر سکتا ہو۔ نہیں اس جیسا ہرگز کوئی نہیں ہے جو پیدا کر سکے۔ یعنی کیا بت جو غیر ذوالعقول ہیں۔ انہیں کسی وجہ سے کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت یا کوئی مشابہت یا کوئی کسی طرح مناسبت ہے۔ یقیناً کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔ ایک عاجز ہے اور دوسرا ہر چیز پر قادر ہے ان دونوں کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شریک ٹھہراتا ہے تو وہ پرلے درجے کا احمق اور جاہل ہے۔ یا عناد سے وہ ایسا کرتا ہے۔

آگے فرمایا کہ کیا تم اتنے دلائل ہوتے ہوئے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

(آیت نمبر ۱۸) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ تم تو اس کی تعداد کو ہی نہیں جانتے۔ شمار کیسے کر سکتے ہو۔ بے شمار وہ نعمتیں بھی ہیں جو ابھی تم نے دیکھی نہیں۔ نئی نئی ایجاد ہو رہی ہیں۔ دنیا کی ہر چیز انسان کے کسی نہ کسی نفع کیلئے بنائی گئی ہے۔

آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو چھپاتا ہے۔ یعنی تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم تو اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اور وہ تو تمہاری غلطیوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ بہت مہربان ہے۔ یعنی تمہاری خطاؤں کا تقاضا تو یہی تھا کہ تم سے رحمت ہٹالی جائے۔ لیکن وہ اپنی رحمت سے تمہارے گناہوں کے باوجود تمہیں محروم نہیں فرماتا۔ نہ تمہارے کفران نعمت پر تمہیں سزا دیتا ہے۔ **فائدہ** : انسان اگر پوری زندگی بھی اعمال صالح اور شکر الٰہی کرتا رہے پھر بھی صرف اپنے وجود کی نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ باقی نعمتوں کا شکر کہاں ادا کر سکتا ہے۔ (سبحان اللہ والحمد للہ)



وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔اور جو پوجتے ہیں ما سوائے اللہ کو

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ

نہیں وہ پیدا کر سکتے کچھ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں۔ مردے ہیں نہ کہ زندے

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِيْنَ

اور نہیں وہ سمجھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ تمہارا معبود ایک ہی ہے تو جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

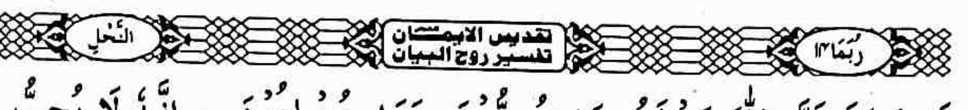
نہیں مانتے قیامت کو دل ان کے منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں۔

(آیت نمبر ۱۹) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو یعنی تم جو عقائد دل میں رکھتے ہو اور وہ اعمال جو تم ظاہر کرتے ہو۔اس کے وسیع علم کے سامنے تمہارے ظاہر و باطنی تمام اعمال سب برابر ہیں۔اس لئے بندے پر لازم ہے کہ ان عقائد و اعمال سے بچ کر رہے۔جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوں۔

(آیت نمبر ۲۰) اور وہ جن معبودان باطلہ کی پوجا کرتے ہیں۔اللہ کے سوا۔یعنی جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں۔وہ تو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔اس لئے کہ وہ تو عاجز ہیں۔بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔وہ اپنے پیدائش میں کسی خالق کے محتاج ہیں۔وہ کسی کو کیا پیدا کریں گے۔

(آیت نمبر ۲۱) اور وہ تو خود مردہ ہیں۔یعنی بت محض پتھر ہیں۔ان میں روح بھی نہیں۔وہ کسی کو کیا زندہ کریں گے۔انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے پجاری کب اٹھائے جائیں۔**فائدہ**: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔جسے قیامت میں اٹھنے کا وقت معلوم ہے۔اس آیت میں کفار کو بھی تنبیہ کر دی کہ تم پر موت بھی آئیگی پھر مرنے کے بعد ضرور اٹھو گے۔چونکہ کفار مرنے کے تو مانتے تھے مگر قیامت کے دن اٹھنے کو نہیں مانتے تھے۔آگے فرمایا کہ جن کی تم پوجا پاٹ کر رہے ہو۔وہ مردے ہیں۔لہذا اس کی پوجا کرو جو ہمیشہ زندہ ہے۔(افسوس ہے کچھ غلط عقائد والے ان بتوں والی آیات نبیوں ولیوں پر چسپاں کرتے رہتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۲۲) خدا تمہارا ایک ہی ہے۔ہم اس کا کسی کو شریک نہیں بناتے لیکن جو لوگ آخرت اور اس کے احوال پر ایمان نہیں لاتے۔یعنی قیامت میں اٹھنے اور جزا و سزا کو جو نہیں مانتے ان کے دل ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر ہیں۔



لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

درحقیقت اللہ ہی جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

مغروروں کو

(بقیہ آیت نمبر۲۲) چونکہ ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا۔ یعنی زبان سے اقرار ہو اور اس کی دل سے تصدیق ہو تو جو قیامت کے منکر ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہی منکر ہیں اور وہ وہی ہیں جو اپنے غرور اور تکبر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ہی منکر ہیں۔ حق کو قبول کرنے سے منکر ہونا ان کی پرانی عادت ہے۔

(آیت نمبر۲۳) لامحالہ یعنی یہ پختہ بات ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کو جو دل میں حق کے انکار کو چھپاتے ہیں اور وہ جو غرور وغیرہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے توحید کے منکروں کو پسند نہیں فرماتا۔ متکبر جو اپنے آپ کو اپنی قدر سے بڑھاتے ہیں اور حق کا انکار کرنے والا خواہ مشرک ہو یا مومن۔ اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں فرماتا۔ **حدیث شریف:** متکبر کے ساتھ تکبر سے پیش آنا صدقہ کے برابر ثواب ہے۔ (کشف الخفاء۔ العجلونی)۔

فائدہ :عوارف میں ہے کہ انسان کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کبر ہے اور لوگوں کے سامنے اپنی بڑھائی بیان کرنا اس کا تکبر ہے اور حق کے بالمقابل باطل کا کبر استکبار ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں شیطان نے تکبر کیا۔ **حدیث شریف:** ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا (مسلم، ترمذی، ابوداؤد) اور جس میں ایمان کامل یا اعمال صالح ہوگا۔ وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں کبر سے مراد کفر ہے۔ کیونکہ یہاں کبر کے مقابلے میں ایمان ہے۔

فائدہ :فتح القریب میں ہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ مومن متکبر جہنم میں جاکر اپنے تکبر کی سزا پانے کے بعد پھر وہ جنت میں چلا جائیگا۔ البتہ سزا سے پہلے اس کا داخلہ جنت میں نہیں ہوگا۔ (الا ماشاء اللہ) **سبق** :انسان کیلئے تواضع ضروری ہے اور فخر سے اجتناب ضروری ہے۔ اس لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک کا نام تواضع ہے اور فخر دوزخ کا دروازہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تواضع والے کو اپنا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے اور غرور والے کو اپنا دروازہ بند رکھنا چاہئے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوٓاْ أَسَٰطِيرُ ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب کہا گیا انہیں کیا نازل فرمایا تمہارے رب نے بولے قصے ہیں پہلوں کے۔

لِيَحۡمِلُوٓاْ أَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةٗ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ ۙ وَمِنۡ أَوۡزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم

تاکہ اٹھائیں بوجھ اپنے بھی پورے بروز قیامت اور کچھ بوجھ ان کے جنہیں گمراہ کیا

بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

نادانی سے۔ خبردار برا ہے جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۴) اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا۔

شان نزول: سعدی مفتی نے لکھا۔ قریش مکہ نے چند آدمیوں کو مکہ مکرمہ کو آنے والے تمام راستوں پر مقرر کیا کہ باہر سے آنے والوں کو محمد ﷺ سے بدظن کرو۔ لہذا وہ باہر سے آنے والے لوگوں کو وہ کہتے محمد (ﷺ) کے پاس نہ جانا وہ قصے سنا کر تمہیں مذہب سے ہٹادیں گے۔ بدنصیبوں کو ورغلا لیتے تھے اور خوش نصیب کسی بہانے حضور ﷺ تک پہنچ ہی جاتے اور مسلمان ہو جاتے تو جو لوگ مشرکین سے پوچھتے کہ محمد ﷺ پر تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ جھوٹ بولتے ہوئے انہیں کہتے۔ کچھ بھی نہیں۔ وہ پہلے لوگوں کے قصے لوگوں کو سنا دیتے ہیں کیونکہ وہ نزول قرآن کے تو قائل ہی نہیں تھے اور نبی کریم ﷺ پر الزام لگاتے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اترا بلکہ یہ بناوٹی قصے ہیں جو لوگوں کو سنا دیتے ہیں اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۵) تاکہ وہ اپنے گناہوں کا بھی پورا بوجھ اٹھائیں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا۔ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ان کے بھی گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ یعنی جنہوں نے ان کے کہنے پر گناہ کئے تھے۔ کیونکہ ان گناہوں میں یہ دونوں برابر کے شریک ہیں۔ مختصر یہ کہ مجرم لوگ قیامت کے دن سب کے گناہ سر پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ اپنے بھی اور جن کو گمراہ کیا ان کے بھی۔

فائدہ: وہ اس لئے گمراہ کرتے تھے کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس گمراہ کرنے کا گناہ کتنا بڑا ہے اور اس کی سزا قیامت کے دن کتنی بڑی ہوگی۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کسی مسئلے سے لاعلمی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ ہر عمل کرتے وقت غور و فکر کرے کہ کون سا عمل حق ہے اور کون سا عمل چھوڑنے کے لائق ہے۔

12

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

تحقیق فریب کئے ان سے پہلوں نے تو لیا اللہ نے بنیادوں سے ان کی دیواروں کو پھر گرے

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آیا ان پر عذاب جہاں سے نہیں وہ سمجھ رہے تھے

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) آگے فرمایا۔ خبردار ہوجاؤ۔ بہت برا وہ بوجھ ہے جسے وہ اٹھار ہے ہیں۔

مسئلہ: قرآن مجید کو قصہ کہانی والی کتاب کہنا یا قصہ سمجھ کر لوگوں کو سنانا یہ گمراہی ہے۔

سبق: عقل مند آدمی وہی ہے۔ جو شریعت وطریقت کے صحیح طریقوں کو پہچانے اور گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے والے تمام طریقوں سے بچے۔ یعنی جو کام شرع کے خلاف ہیں ان سے دور رہے۔

(آیت نمبر ۲۶) ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر وفریب کئے۔ لیکن ان کا مکر وفریب ان کیلئے ہی ہلاکت کا باعث بنا۔ کہاوت ہے کہ جو کوئی دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ اس میں خود ہی گرتا ہے۔ اسی طرح اہل مکہ بھی مکر وفریب کرتے ہیں تو یہ بھی اپنی ہلاکت کا سامان کرر ہے ہیں۔

نمرود کا مکر: مدارک میں ہے کہ نمرود نے بابل شہر میں پانچ ہزار گز اونچا مینار بنوایا۔ تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کرے اور ابراہیم علیہ السلام کے خدا کو دیکھے حکم الٰہی اس کی تباہی کا آیا۔ تو اسے اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا وہ چھت ان کے ہی اوپر آ گری۔ ظاہر ہے کہ جب بنیادیں اور دیواریں نہ رہیں تو چھت کہاں ٹھہر سکتی ہے تو حکم الٰہی سے ایسی آندھی چلی کہ اس اتنے بڑے محل کو تہس نہس کر دیا۔

آگے فرمایا کہ ان پر ایسے طریقے سے عذاب آیا کہ انہیں اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔

فائدہ: اسی طرح یہ اہل مکہ بھی مکر وفریب اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ قرآن گذشتہ لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں۔ ان پر بھی عذاب ایسے آئے گا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ نمرود کی ذلت ایسے ہوئی کہ ایک لنگڑا مچھر اس کے دماغ میں جا بیٹھا۔ جب تک سر پر جوتے پڑتے اسے آرام رہتا۔ جوں ہی جوتے بند ہوتے۔ مچھر پھر اپنی کارروائی شروع کر دیتا۔ اسی طرح وہ جوتے کھاتا کھاتا ہی آخر کار فی النار ہوا۔ کفار مکہ بھی بدر میں بری موت مرے۔ (یعنی گستاخ رسول ذلت کے ساتھ مرتا ہے اور مداح رسول ہمیشہ عزت کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے)۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

پھر بروز قیامت رسوا کرے گا انہیں اور فرمائے گا کہاں ہیں شریک میرے وہ کہ تھے

تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ

جھگڑتے جن کے بارے میں۔ کہیں گے اہل علم بے شک رسوائی ہے آج اور برائی

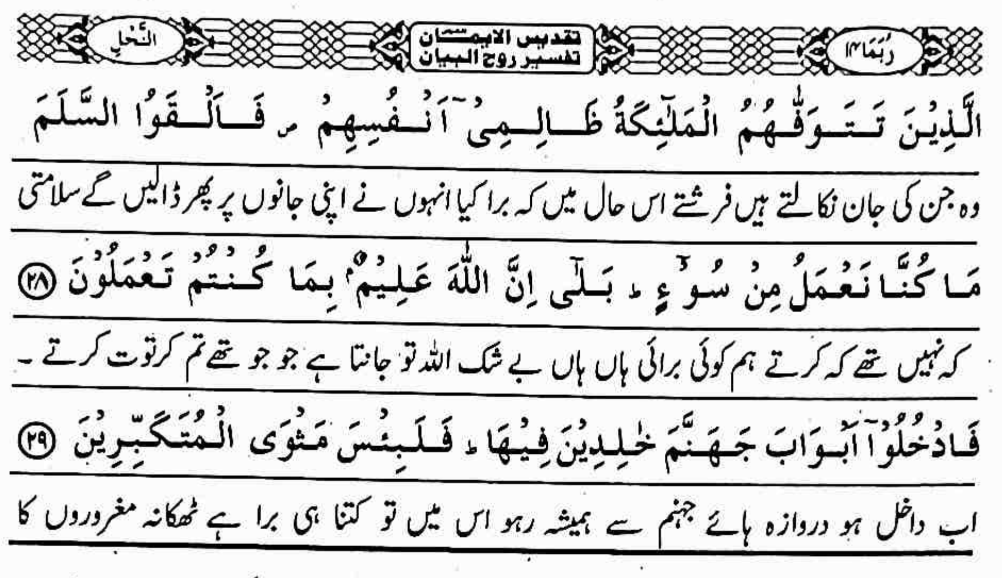
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ ﴿۲۷﴾

ہے اوپر کافروں کے۔

(آیت نمبر ۲۷) پھر بروز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں رسوا فرمائے گا۔ یعنی یہ افتراء کرنے والے جب حاضر ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان پہلوں اور پچھلوں کو سرمحشر پوری دنیا کے سامنے ذلیل ورسوا کرے گا اور انہیں زجر وتوبیخ کے ساتھ فرمائے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جنہیں تم ہمارے برابر سمجھتے تھے جن کی طرف داری میں تم انبیاء کرام سے اور مسلمانوں سے جھگڑے کیا کرتے تھے۔

فائدہ :یہاں بتوں کی شفاعت کے عقیدے کا ابطال مقصود ہے کہ جن بتوں کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ وہ شفاعت کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشوائیں گے۔ وہ بت اب کدھر ہیں۔ چونکہ کفار اور مشرکین کا یہ بھی خیال تھا کہ بت اللہ تعالیٰ کو مجبور کر کے ہمیں چھڑالیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسد عقیدے کی تردید فرمائی ہے تو اس پر اہل علم یعنی جو دنیا میں توحید کو ماننے والے تھے جس کی وجہ سے وہ کفار متکبران سے جھگڑتے تھے۔ وہ کہیں گے بے شک آج ذلت ورسوائی اور عذاب کی برائی ان کافروں پر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور آیات کے منکر تھے۔

فائدہ :عذاب کفار اور مسلمان گناہ گاروں دونوں کو ہوگا۔ مگر فرق یہ ہے کہ کفار کا عذاب دائمی اور شدید ہوگا۔ مسلمان گناہ گاروں کا وقتی اور نرم ہوگا۔ اور کچھ عرصہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر یا کسی کی سفارش سے ان کی سزا معاف ہوجائے گی اور وہ جہنم سے نکل جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ کفار کے چہرے جل کر سیاہ ہوجائیں گے۔ پہچانے نہیں جائیں گے۔ جبکہ مسلمانوں کے چہرے نہیں جلیں گے۔ اور دیکھنے والے انہیں پہچان لیں گے۔



الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ برا کیا انہوں نے اپنی جانوں پر پھر ڈالیں گے سلامتی

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کہ نہیں تھے کہ کرتے ہم کوئی برائی ہاں ہاں بے شک اللہ تو جانتا ہے جو جو تھے تم کرتوت کرتے۔

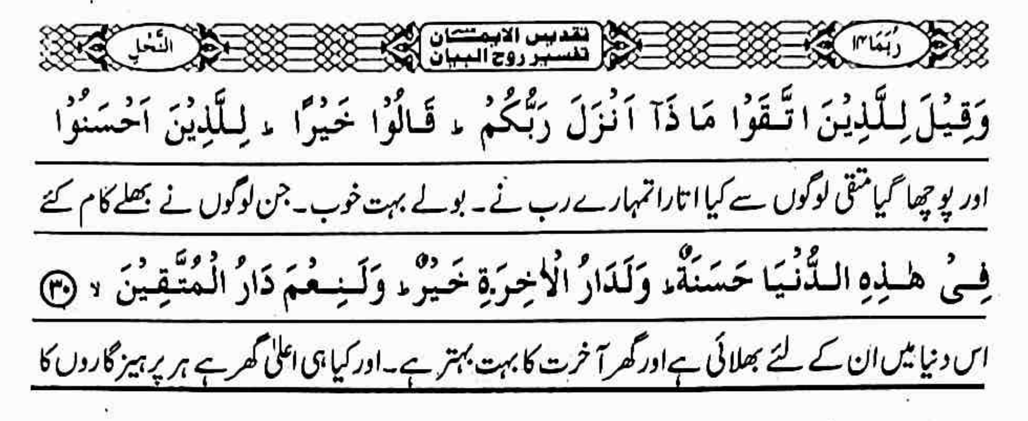
فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾

اب داخل ہو دروازہ ہائے جہنم سے ہمیشہ رہو اس میں تو کتنا ہی برا ہے ٹھکانہ مغروروں کا

(آیت نمبر ۲۸) اس سے مراد وہ کافر ہیں جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں۔ جو زندگی کے آخری لمحے تک کفر پر ہی قائم رہے۔ ان کے لئے اس کے بعد ہمیشہ کیلئے ذلت اور رسوائی ہوگی۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر وشرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوگا۔ کفر وشرک اور انبیاء واولیاء کے سامنے تکبر اور غرور کر کے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنایا۔ وہ بروز قیامت عذاب کو دیکھ کر اپنی سلامتی کے متعلق بات کریں گے۔ چونکہ اس وقت دنیا والا غرور کا نشہ تو کافور ہو چکا ہوگا۔ دنیا میں اپنے کئے ہوئے کفر وشرک کی برائی کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نے تو کوئی برائی کی ہی نہیں۔ تا کہ کسی طرح عذاب سے بچ جائیں تو اہل علم ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے۔ ان کی حقیقت کو واضح کر دیں گے کہ ہاں تم تو شرک کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ سے نہ چھپاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو جو تم عمل کرتے تھے۔ اب تمہارا انکار تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ نہ یہاں تمہارا جھوٹ چلے گا۔

(آیت نمبر ۲۹) ادھر حکم ہوگا کہ جہنم کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے گئے۔ ان میں داخل ہو جاؤ۔ ہمیشہ کیلئے اس میں رہو گے۔ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

نکتہ :اگر چہ جہنم کا داخلہ کفر وشرک کی وجہ سے ہوا۔ لیکن ان کافروں نے کفر تکبر کی وجہ سے کیا (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کو گھٹیا سمجھتے تھے)۔ اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ نہ صرف اپنے آپ کو بڑا سمجھتے۔ بلکہ غریبوں پر ظلم وستم بھی کرتے تھے۔ اس لئے ان پر سخت اور ہمیشہ کا عذاب مسلط ہوگا۔



وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اور پوچھا گیا متقی لوگوں سے کیا اتارا تمہارے رب نے۔ بولے بہت خوب۔ جن لوگوں نے بھلے کام کئے

فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ (۳۰)

اس دنیا میں ان کے لئے بھلائی ہے اور گھر آخرت کا بہت بہتر ہے۔ اور کیا ہی اعلیٰ گھر ہے ہر پرہیزگاروں کا

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) تکبر کی اقسام:

۱۔ **تکبر علی العباد:** کہ اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا۔ یہ بھی بہت برا ہے۔ اس کی وجہ سے بھی جہنم میں سزا ہوگی۔

۲۔ **تکبر علی الرسل:** کہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسے بشر کہتے اور ان کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنے آپ کو ان سے زیادہ معزز سمجھتے یہ اس پہلے سے بھی زیادہ برا ہے۔ لہذا اس کی سزا پہلے سے بہت زیادہ ہے۔

۳۔ **تکبر علی اللہ:** یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کو کوئی اہمیت نہ دینا۔ یہ پہلی دونوں قسموں سے زیادہ قبیح ہے اور خبیث ترین جو جہالت محض ہے۔ اس کی سزا پہلوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (بحر العلوم سمرقندی)

(آیت نمبر ۳۰) اور پوچھا گیا متقیوں سے۔

شان نزول: حج کے ایام میں مختلف علاقوں سے آنے والے لوگ مکہ مکرمہ میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے۔ آگے مشرکین ملتے تو وہ کہتے وہ کاہن ہے جادوگر ہے (معاذ اللہ) اس کے پاس مت جاؤ۔ یہاں سے ہی واپس ہو جاؤ۔ اگر وہ کہتے ہم اتنے دور سے آئے ہیں۔ ہم مل تو لیں۔ تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق و امانت کی تعریف کرتے پھر وہ پوچھتے کہ تمہارے رب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا نازل کیا۔ تو وہ ان کو جواباً کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت نازل فرمائی۔ چونکہ انہوں نے جیسا سوال کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کے مطابق جواب دیا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیر و برکت ہی نازل فرمائی۔

فائدہ: امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے خیر سے مراد قرآن مجید لیا ہے کہ قرآن مجید واحد کتاب ہے۔ جس میں ہر قسم کی خیرات و برکات پائی جاتی ہیں اور تمام دینی اور دنیوی اور صوری اور معنوی صفات اس میں موجود ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ط

جنات عدن میں وہ جائیں گے جہاں بہتی ہونگی ان باغات میں نہریں ان کیلئے اس میں وہ ہے جو وہ چاہیں گے

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿۳۱﴾

ایسے ہی اچھا صلہ دیتا ہے اللہ پرہیز گاروں کو

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) آگے فرمایا کہ جن لوگوں نے اچھے کام اور نیکیاں کیں اور خاص کر کلمہ "لا الـــــہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا خوب ورد کیا۔ جو سب کلمات سے اعلیٰ کلمہ ہے۔ ان متقی پرہیز گار لوگوں کیلئے اس دنیا میں بھی بہت اچھا اجر ہے جو انہیں ان کے نیک اعمال کے بدلے میں نصیب ہوگا۔ یعنی دنیا میں انہیں نیک اعمال کی برکت یوں ملے گی کہ ان کے جان و مال میں برکت دشمنوں پر فتح و نصرت وغیرہ ہوگی۔ اور مال غنیمت کے علاوہ دنیا میں نیک نامی حاصل ہوگی۔ اور دار آخرت میں ثواب کا ملنا جو کہ اس دار دنیا میں ملنے والی تمام اشیاء سے بہتر ہوگا۔ یا یہ معنی ہے کہ مطلق دار آخرت دار دنیا سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ دار آخرت یعنی جنت گویا موتی ہے اور اس کے مقابلے میں دنیا گویا ایک ٹھیکری ہے۔ موتی ٹھیکری سے ہزار درجے زیادہ بہتر اور قیمتی ہوتا ہے اور ٹھیکری کی موتی کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں۔ آگے فرمایا کہ پرہیز گاروں کیلئے آخرت میں ملنے والا صلہ کتنا ہی اچھا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد دار دنیا ہو۔ اس لئے کہ متقی لوگوں نے آخرت کا سارا سرمایہ اسی دار دنیا میں جمع کیا ہو۔ چونکہ آخرت کی ساری عیش و عشرت ملنے کا سبب یہی دنیا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے۔ اس سے مراد دار دنیا ہو۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ اس جملہ سے دار دنیا کی تعریف مراد ہو کہ اسی سے متاع آخرت نصیب ہوئی۔

(آیت نمبر ۳۱) آخرت کا بہترین گھر وہ جنت عدن ہے۔ یعنی عدن کے باغات۔ جن میں پرہیز گار لوگ جائیں گے۔ جن کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ جن کا ذکر آگے آئیگا اور ان پرہیز گاروں کیلئے اس جنت عدن میں وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ یہ نیک لوگوں کے نیک اعمال کا اور پرہیز گاروں کو ان کی پرہیز گاری کا کتنا بہترین بدلہ ملا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

جن کی روح نکالتے ہیں فرشتے ان کی خوشی کے حال میں پھر کہتے ہیں سلامتی ہو تم پر داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جنت میں بوجہ اس کے جو تھے تم عمل کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۱) **فائدہ** :امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کی ہر مراد جنت میں پوری ہوگی۔علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مراد کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کی اچھی مراد ہوگی وہ پوری ہوگی اور بری مراد کی پہلے تو دل میں سوچ بھی پیدا نہیں ہوگی۔ جیسے دنیا میں گندے خیالات ذہن میں آتے ہیں۔ وہاں وہ بھی نہیں آئیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں گندے خیالات سے بچائے۔ اگر ایسا خیال آ بھی گیا تو فوراً اس کے خیال کو اچھے خیال میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ چونکہ گندے خیالات یا وسوسات شیطان کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ جہنم ہوگا۔لہذا جنت میں اچھے خیالات ہوں گے۔ برے وسوسات وغیرہ نہیں ہوں گے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔ پرہیزگار لوگوں کو جو شرک سے اور تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔ وہ متقین اور نیک لوگ جن کی روحیں عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی قبض کرتے ہیں یعنی وہ پاک روحیں جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ والا ظلم نہیں کیا ہوگا۔

فائدہ :تقویٰ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ظلم کے گرد و غبار سے بچائے اور فطرت الٰہی کے مطابق موت تک بچتا رہے۔اس میں مومنوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ تقویٰ حاصل کرنے کی پوری جدوجہد کریں۔

(آیت نمبر ۳۲) آگے فرمایا کہ فرشتے جب پرہیزگاروں کی روح قبض کرتے ہیں تو ان کی عظمت کی خاطر اور انہیں بشارت دینے کیلئے کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔اب تم ہمیشہ سلامتی میں ہو گے۔

فائدہ :امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن کامل کی موت کا وقت آتا ہے تو ملک الموت اس کے قریب آکر کہتا ہے۔اے اللہ کے پیارے دوست تجھے میرا سلام ہو۔اور اللہ تعالیٰ بھی تجھے سلام دیتا ہے اور تجھے جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔تو فرشتے سلام دینے کے بعد مومنوں کو کہتے ہیں۔ داخل ہو جاؤ۔ جنت عدن میں۔الجنۃ میں اگر الف لام عہدی ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ پھر ملائکہ مومنین کو جنت کے دروازے پر سلامی دیں گے اور کہیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بہ سبب اپنے نیک اعمال اور تقویٰ کے اور طاعت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْيَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

نہیں منتظر (یہ مشرک) مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے حکم تیرے رب کا۔ ایسے ہی کیا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ان سے پہلوں نے بھی۔ اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے لیکن تھے اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع ﴿۳۴﴾

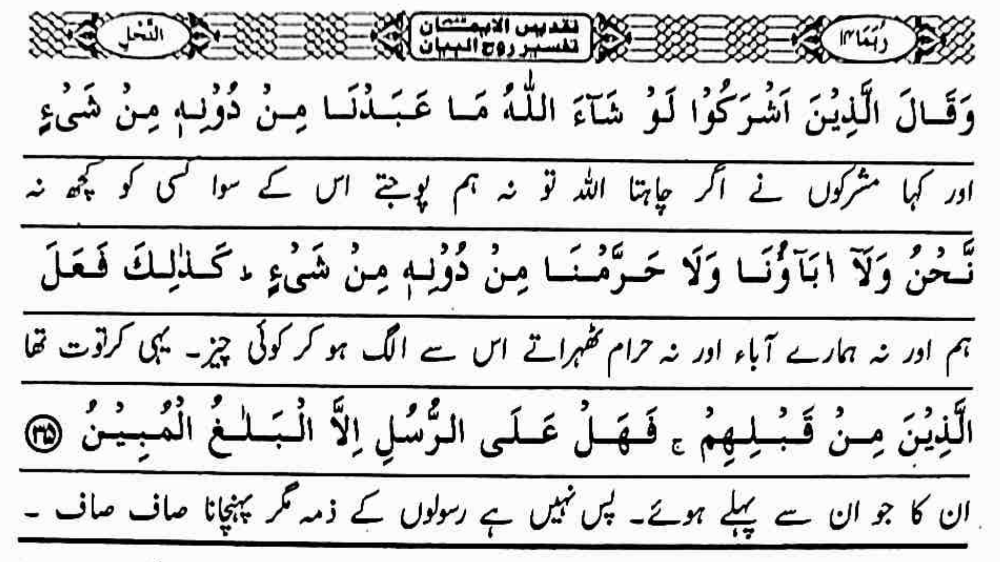
پھر پہنچیں ان کو بری سزائیں اس کی جو انہوں نے عمل کئے اور گھیر لیا ان کو عذاب نے جو تھے اس کا مزاح اڑاتے

(آیت نمبر۳۳) کفار مکہ نہیں انتظار کر رہے مگر اس کی کہ آئیں فرشتے ان کے پاس۔ گویا اب یہ کفار مکہ قصداً اپنے لئے عذاب کے منتظر ہیں۔ یا ان کا خیال ہے کہ آپ کے رب کا حکم آجائے۔ یعنی دنیا میں عذاب آجائے۔

آگے فرمایا کہ اسی طرح کفر وشرک کیا اور ظلم وتکذیب اور انبیاء سے استہزاء کیا۔ ان لوگوں نے جو ان سے پہلے ہوئے۔ یعنی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اسی لئے ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ اب یہ بھی اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اللہ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا تھا۔ وہ خود کفر وشرک کر کے اور بڑے بڑے گناہوں میں پڑے تو عذاب آیا۔ اگر یہ اتنے بڑے گناہ نہ کرتے تو عذاب نہ آتا۔ اسی طرح کفار مکہ پر بدر کے دن عذاب آیا اور انہیں تباہ وبرباد کر گیا۔ چونکہ انہوں نے بھی ظلم کیا۔ ظلم کی سزا یہی ہوگی۔

(آیت نمبر۳۴) پھر اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہی یہ تھا کہ ان کی برائیوں پر آنے والا عذاب ان پر آپہنچا۔ جو ان کے اعمال کا نتیجہ تھا اور ان کو اس عذاب نے ایسا گھیرا کہ ہر قسم کی تکالیف میں وہ گھر گئے۔ اس وجہ سے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مزاحیں کیا کرتے تھے۔ پھر جب ان پر عذاب الٰہی آیا تو اس نے انہیں مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا کہ وہ کہیں بھاگ کر نہ نکل سکے اور تباہ وبرباد ہوگئے اور جن باطل سہاروں کی امید پر تھے کہ وہ بچائیں گے وہ بھی اس وقت کام نہ آئے۔



وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ

اور کہا مشرکوں نے اگر چاہتا اللہ تو نہ ہم پوجتے اس کے سوا کسی کو کچھ نہ

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

ہم اور نہ ہمارے آباء اور نہ حرام ٹھہراتے اس سے الگ ہو کر کوئی چیز۔ یہی کرتوت تھا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

ان کا جو ان سے پہلے ہوئے۔ پس نہیں ہے رسولوں کے ذمہ مگر پہنچانا صاف صاف۔

(آیت نمبر۳۵) مشرکیں مکہ کہنے لگے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم شرک نہ کریں تو ہم اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کر سکتے۔ اور نہ ہمارے باپ دادا کسی اور کی پوجا کرتے۔ جن کے پیچھے چل کر ہم بھی غیروں کی پوجا کرتے رہے اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو ہم نہ کرتے۔ یعنی ان کا خیال تھا کہ بندہ مجبور محض ہے جو کرتا کراتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جن جانوروں کو ہم نے اپنے اوپر حرام کیا۔ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم حرام بھی نہ کرتے۔ جیسے بحیرہ۔ سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو حرام کیا۔

مسئلہ : کفار کی یہ بات بالکل مکر و فریب ہے اور ان کا استدلال ہی باطل پر مبنی ہے (ورنہ کسی قاتل کو کچھ نہ کہا جائے نہ کسی چور کو مارا جائے۔ کیونکہ قاتل کا قتل کرنا اور چور کا چوری کرنا بھی پھر اللہ کے کرنے کے تحت ہوگا۔ یہ ان کی غلط سوچ تھی)۔ **فائدہ** : صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ کفار کا یہ قول استہزاء تھا۔ یعنی ٹھٹھہ مزاح کرتے ہوئے یہ جملہ کہا ہے۔ **فائدہ** : علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہل اور عارف میں یہی فرق ہے کہ جاہل قبیح چیزوں کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے۔ اور عارف اچھائیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور برائیوں کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے ہوئے۔ یعنی پہلے نبی جو آئے ان کی امتوں نے بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہی کچھ کیا جو کچھ اہل مکہ کر رہے ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کئی خدا بنائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کیں انہیں حلال جانا اور جنہیں حلال فرمایا۔ انہیں حرام ٹھہرایا اور رسولان عظام علیہم السلام کی نافرمانیاں کیں اور جب اس پر انہیں خبردار کیا گیا اور حق والا راستہ دکھایا گیا۔ تو مشرکین ان سے بگڑ گئے اور ان سے جھگڑا کیا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

اور تحقیق بھیجے ہم نے ہر امت میں رسول کہ پوجو صرف اللہ کو اور بچو شیطان سے

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا

پھر بعض ان میں وہ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے اور بعض ان کے وہ تھے مسلط ہوئی جن پر گمراہی۔ پس پھرو

فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

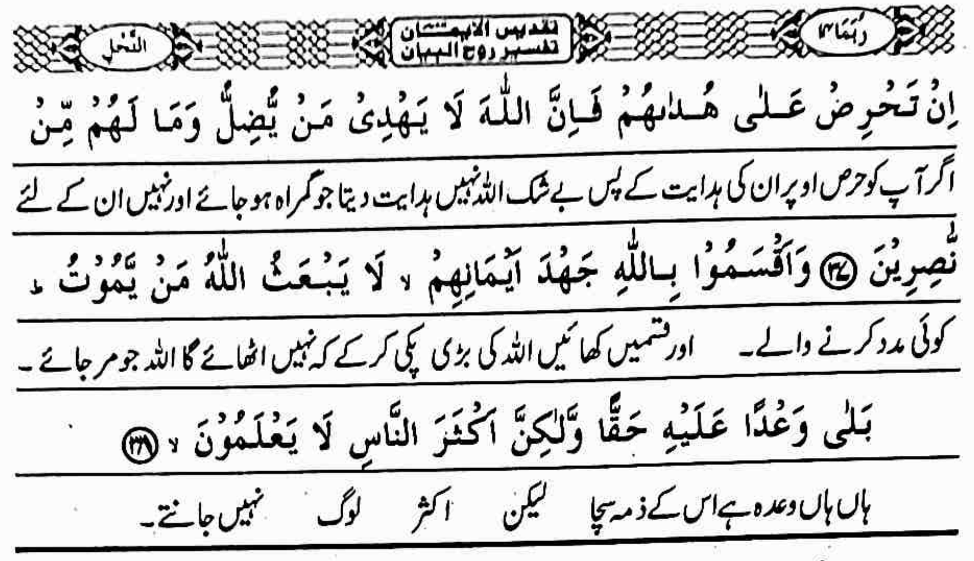
زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) آگے فرمایا کہ نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پہنچانا واضح طور پر یعنی رسولان عظام علیہم السلام کا کام تبلیغ رسالت ہے اور بطلان شرک ہے۔ یعنی لوگوں کو واضح کر کے بتا دینا کہ اللہ کے سوا تمام معبودان باطل ہیں اور یہ بھی بتایا کہ شرک انتہائی برا فعل ہے لیکن کسی کو وہ حق کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اور نہ وہ کسی کو زبردستی بات منواتے ہیں۔ بلکہ حق کو واضح کر کے لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں۔ آگے لوگوں کی مرضی ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

(آیت نمبر ۳۶) اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ہر گروہ میں رسول۔ جیسے ہم نے آپ کو بھیجا۔ اور سب رسولوں نے اپنی امتوں کو یہی کہا۔ کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ معبود برحق صرف وہی ہے اور طاغوت یعنی شیطان سے بچ کر رہو۔ یا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے۔

فائدہ: رسولان گرامی بھیجنے کا مقصد وحید یہی تھا جو بیان ہوا تا کہ وہ قیامت کے دن یہ عذر نہ پیش کریں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ کون مانے گا اور کون نہیں مانے گا۔

آگے فرمایا کہ پھر ان گذشتہ امتوں میں سے بعض وہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور بعض ان میں وہ بھی تھے کہ جن پر گمراہی ثابت ہوگئی اور اپنی دشمنی اور عناد سے انہوں نے مرتے دم تک حق کو قبول نہیں کیا۔ اپنے عناد پر ہی ڈٹے رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی توفیق ہدایت ان سے سلب کر لی۔ آگے فرمایا کہ اے قریش مکہ تم زمین میں سفر کرو۔ یعنی زمین پر چل پھر کر ذرا ان مقامات کا ملاحظہ کرو۔ جہاں قوم عاد اور قوم ثمود آباد تھے۔ ان کے کھنڈرات دیکھ کر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کیسا انجام ہوا انبیاء کرام کو جھٹلانے والوں کا۔ ان کے مقامات جہاں ان پر عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئے انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔



اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

اگر آپ کو حرص او پر ان کی ہدایت کے پس بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا جو گمراہ ہو جائے اور نہیں ان کے لئے

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ

کوئی مدد کرنے والے۔ اور قسمیں کھائیں اللہ کی بڑی پکی کر کے کہ نہیں اٹھائے گا اللہ جو مر جائے۔

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۳۸﴾

ہاں ہاں وعدہ ہے اس کے ذمہ سچا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(آیت نمبر ۳۷) اے میرے محبوب اگر چہ آپ کو حرص قریش کی ہدایت کیلئے ہے۔ جس کی آپ پوری کوشش کرتے ہیں۔ تو آپ جان لیں کہ جو کوئی اپنے اختیار سے گمراہی اور کفر کی طرف جانا چاہتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بھی زبردستی اسے ہدایت نہیں دیتا آخرت میں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔ جو ان کو عذاب سے بچالے۔

فائدہ :انبیاء کرام علیہم السلام کو مخلوق کی طرف بھیجنے کا یہی مقصد ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سکھائیں اور ماسوی اللہ کی پرستش سے بچائیں۔ **فائدہ**: حکماء کہتے ہیں کہ دوائی سے علاج کرنا اچھا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ مضر اشیاء سے پرہیز زیادہ زیادہ ضروری ہے۔ تاکہ صحت مند بن جائے۔

فائدہ : آج کل کے زاہدوں کا بھی عجیب حال ہے کہ عبادت بھی کرتے ہیں۔ اور نفس کی پرورش بھی پوری کرتے ہیں۔ (یہ تو علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ چار سو سال پہلے کے پیروں کی بات کرتے ہیں اور آج کل کے پیروں کا حال تو یہ ہے کہ نہ عبادت نہ ریاضت اور پورے نفس کے پجاری ہیں اور اپنے آپ کو غوث سے کم بھی نہیں سمجھتے۔ العیاذ باللہ الا ماشاء اللہ) تو علامہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ زاہد لوگ فرائض واجبات کی پابندی کرتے اور رذیل باتوں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفتوں سے باز رہتے تو ان کیلئے بہت بہتر ہوتا۔

(آیت نمبر ۳۸) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں۔

شان نزول : ابو العالیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کا ایک مشرک پر قرضہ تھا۔ جب مسلمان نے اس مشرک سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس تقاضے میں مشرک سے جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان نے کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی مرنے کے بعد زیارت ہوگی تو مشرک نے کہا مرنے کے بعد بھی تجھے جی اٹھنے کی امید ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ

تاکہ وہ واضح فرمائے ان کو اختلاف کرتے ہیں جس میں۔ تاکہ جان لیں کافر کہ بے شک

كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿۳۹﴾

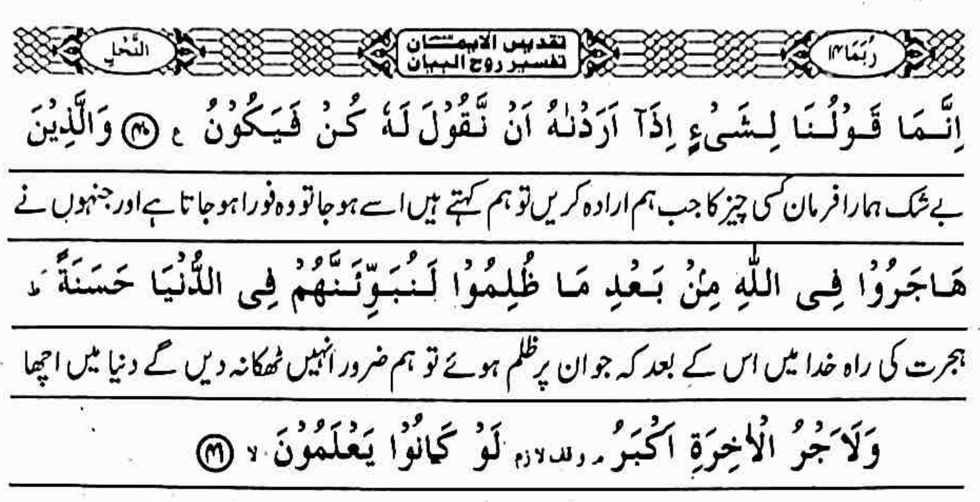
تھے وہ جھوٹے

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) مسلمان نے کہاہاں مجھے یقین ہے کہ مرنے کے بعد ضرور اٹھیں گے۔تو اس مشرک نے پورے شد ومد سے قسم کھائی کہ مرنے کے بعد کوئی اٹھنا نہیں ہے۔ جہد ایمان کا مطلب ہے کہ بات کو پکا کرنے کیلئے سخت تر قسم کھانا تو فرمایا کہ وہ اللہ کی قسمیں کھانے میں مبالغہ کرتے ہیں۔

فائدہ: ابواللیث فرماتے ہیں کہ مشرکین عموماً بتوں کی قسمیں کھاتے لیکن جب بات پکی کرنے ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے تھے۔ اسی کو جہد ایمان کہا گیا تو اس مشرک نے قسم کھا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ وعدۂ الٰہی برحق ہے۔ یعنی ان کفار و مشرکین کی غلط فہمی ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد ضرور اٹھائے گا۔ جو اس نے وعدہ کیا ہے۔ اس کو ضرور وہ پورا کرے گا۔ وہ وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ واقعی بروز قیامت ضرور اٹھائے جائیں گے کفار کا یہ کہنا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہی ان کی جہالت کا ثبوت ہے کہ وہ اللہ کی قدرت وحکمت کو نہیں سمجھتے نہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی شان کے لائق کون سا کلمہ ہے وہ ویسے ہی بک رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۹) اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ خواہ وہ مومن ہے یا کافر۔ تاکہ وہ ان پر اس بات کو واضح فرمائے۔ جس میں (یعنی ایمان میں) وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی کفار جو قیامت کو اٹھنے اور جزاء وسزا کے اثبات میں (جو بالکل برحق بات ہے)۔ اس میں مسلمانوں سے اختلاف کرتے ہیں۔

قیامت قائم ہوگی: ان کافروں اور مشرکوں اور حشر ونشر کے منکروں اور وعدۂ الٰہی کے جھٹلانے والوں کو قبروں سے اٹھتے ہی معلوم ہو جائے کہ بے شک وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ **فائدہ**: اس آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت کو اٹھنے اور حشر ونشر میں حکمت یہ ہے تاکہ حق وباطل میں فرق ہو جائے۔ حق والے کو جزاء اور باطل والوں کو سزا دی جائے۔ حق والا جنت کی طرف اور باطل والا جہنم کی طرف چلا جائے۔



إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ

بے شک ہمارا فرمان کسی چیز کا جب ہم ارادہ کریں تو ہم کہتے ہیں اسے ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے اور جنہوں نے

هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

ہجرت کی راہ خدا میں اس کے بعد کہ جو ان پر ظلم ہوئے تو ہم ضرور انہیں ٹھکانہ دیں گے دنیا میں اچھا

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

اور اجر آخرت میں بہت بڑا ہوگا کاش ہوتے جانتے۔

(آیت نمبر ۴۰) سوائے اس کے نہیں ہمارا جب حکم ہو۔ کسی چیز کیلئے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ یعنی کسی چیز کو وجود میں لانے کا ہمارا ارادہ ہو جائے تو پھر ہم اسے اتنا ہی کہتے ہیں۔ ہو جا۔ تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے کسی چیز کا ایجاد کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ جیسے کوئی مطاع اپنے مطیع کو حکم دے تو وہ فوراً اس کی اطاعت کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ ہی عجیب ہے۔ نہ کوئی قول ہے۔ نہ مقول لہ ہے۔ نہ آمر نہ مامور بہ۔ بس صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یہ کمال ہے کہ وہ ذات معدوم کو جب موجود کرنا چاہے تو دیر نہیں لگاتا۔ اسی طرح بروز قیامت مخلوق کو دوبارہ اٹھانے میں بھی کوئی شیء مانع نہیں ہوگی۔ یہ کام اس کے مقدورات میں معمولی سا ہے۔

فائدہ: فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لفظ کن کہہ کر اشیاء کو پیدا فرماتا ہے۔ اگرچہ اس ذات کو اس لفظ کے کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ چاہے۔ تو کسی دوسرے کلمے سے یا کسی کلمے کے بغیر پیدا فرمادے۔ اصل چیز اس کا ارادہ ہے۔

فائدہ: کلمہ کن سے بھی کلام نفسی مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کلام حروف واصوات سے بھی منزہ ہے۔ یعنی اس کے کلام کو لفظوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مرکب کلام حادث ہوتا ہے۔ اور اللہ کی ذات کیلئے حدوث محال ہے۔

(آیت نمبر ۴۱) اور جن لوگوں نے اللہ کے حکم اور اس کی رضا کیلئے ہجرت کی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔ اس کے بعد کہ جب ان پر ظلم ہوا۔ یعنی اہل مکہ نے صحابہ کرام پر ظلم وستم کیے اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

شان نزول: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر کفار کی طرف سے مسلسل ظلم وستم ہوتے ہوئے دیکھا تو رمایا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ اچھا آدمی ہے۔ اس کا ملک عدل وصدق اور سلامتی سے پر ہے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲

جنہوں نے صبر کیا اور اوپر اپنے رب کے بھروسہ کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) وہاں اللہ تعالیٰ تمہاری تکالیف و مشقت دور کر کے فرحت و سرور عطا کرے گا۔

آگے فرمایا کہ ہجرت کرنے والوں کو ہم ضرور بہترین جگہ سے سرفراز فرمائیں گے۔ ان کیلئے دنیا میں بھی بہتر جگہ ہوگی یعنی مدینہ منورہ میں ان کو سکونت عطا کی گئی۔ پھر فتح و نصرت سے مکہ مکرمہ بھی انہیں واپس مل گیا۔ (اور ظالم نیست و نابود ہو گئے)۔

آگے فرمایا کہ ان اطاعت گذاروں کو آخرت میں جو اجر اس ہجرت کرنے پر ملنے والا ہے۔ وہ تمام عبادات سے بہتر اور بہت بڑا ہے۔ اور اس کے بعد غزوات میں شرکت اور شہادت کے درجات کا تو کوئی اندازا ہی نہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو بندہ محض دین و ایمان کو بچانے کیلئے اگرچہ ایک بالشت بھر بھی ہجرت کرے تو اس کیلئے جنت واجب ہو جاتی ہے (کشاف) اور قیامت کے دن اسے جناب ابراہیم اور جناب محمد رسول اللہ علیہما السلام کا قرب نصیب ہوگا۔

فائدہ: بہت بڑے اجر سے مراد یہ ہے کہ انہیں ہجرت سے دنیا میں بھی بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ آخرت میں اس سے بھی کہیں زیادہ انہیں فوائد ملیں گے۔ (جو صرف اللہ اور رسول کی رضا کیلئے ہجرت کرتا ہے)۔

آگے فرمایا۔ کاش کہ وہ جانتے اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کاش ان کافروں کو ان انعامات کا علم ہوتا تو وہ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے۔

(آیت نمبر ۴۲) جن لوگوں نے صبر کیا۔ یعنی وہ مومنین مہاجرین جنہوں نے حرم شریف جیسے پیارے وطن سے نکلتے وقت اس کی جدائی پر صبر کیا۔ یا عزیز و اقارب سے جدائی پر صبر کیا۔

فائدہ: مسلمان جہاں بھی ہو۔ اسے حرم شریف کے ساتھ از حد محبت ہے۔ تو پھر جو لوگ رہتے ہی حرم شریف کے قریب و جوار میں تھے۔ جن کے گھر ہی حرم شریف کے پاس تھے۔ ان کا حرم شریف سے نکلتے وقت کیا حال ہوگا۔

کعبہ سے محبت: جب نبی کریم ﷺ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کیلئے مکہ شریف سے نکلے تو حرم شریف پر نگاہ پڑتے ہی آپ رو پڑے اور فرمایا کہ اے مکہ مکرمہ مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور مجھے بھی محبوب ہے۔ اگر یہاں کے باشی مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں کبھی تجھ سے جدا نہ ہوتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے (رسول) مگر وہ مرد تھے ہم وحی کرتے ان کی طرف۔ پس پوچھ لو اہل علم سے

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۴۳﴾

اگر ہو تم نہیں جانتے۔

(بقیہ آیت نمبر۴۲) **فائدہ** : یہی حال ان لوگوں کا تھا۔ جنہوں نے کفار کی اذیتیں برداشت کیں اور اہل وعیال سے جدائی وطن سے دوری رضاء الٰہی (اور محبت رسول) میں برداشت کی۔

آگے فرمایا۔ کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی غیروں سے بالکل قطع تعلق کر کے سب معاملات اپنے رب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ **فائدہ** : جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے اسی کا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اسے ہر کام میں کفایت فرماتا ہے۔ یعنی اس کے تمام کام وہ کر دیتا ہے۔

حکایت : ابو سعید حزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم مکہ شریف میں تین دن رہے ہمارے سامنے والے مکان میں ایک درویش رہتے تھے۔ جن کے پانی کا لوٹا گھر میں لٹکا رہتا اور کبھی ہم نے انہیں کھانا کھاتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کی آج ہم آپ کے مہمان ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ پھر اپنی گودڑی سے دو درہم نکال کر دیئے کہ بازار سے کھانا لے آؤ۔ میں نے پوچھا یہ کرامت آپ کو کیسے ملی تو فرمایا کہ ایک حرف سے۔ وہ یہ کہ دل سے مخلوق کے تصورات نکال دو۔ پھر جو چاہو وہی پاؤ۔

(آیت نمبر۴۳) ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر مردوں کو۔ (رسول بنا کر بھیجا)

شانِ نزول : جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور مشرکین کو دعوت اسلام دی۔ تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اتنی بڑی ذات نے اپنی توحید کے اعلان کیلئے ایک بشر کو کیسے بھیجا۔ یہ تو اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ اگر بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتا۔ تو اس کے رد میں فرمایا۔ کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے۔ ان میں کوئی فرشتہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ سب مرد ہی تھے۔

فائدہ: قرآن پاک میں جو فرشتوں کو رسول کہا گیا ہے۔ وہ اس لئے کہ فرشتوں میں بھی رسول ہوئے ہیں۔ یا انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی لانے کی وجہ سے انہیں رسول کہا گیا۔

بِالۡبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ

واضح دلائل اور صحیفے دے کر۔ اور اتاری ہم نے آپ کی طرف یادگار چیز تا کہ آپ بیان کریں لوگوں کیلئے جو اترا

اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

ان کی طرف تا کہ وہ غوروفکر کریں۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۳) **فائدہ** :اسی طرح کسی عورت کو بھی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ اس لئے کہ نبی کیلئے تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ اور عورت کیلئے پردہ ضروری ہے۔ اور بھی کئی وجوہات کی بناء پر عورت کو امام نہیں بنایا گیا۔ نبی ہونا تو بڑے دور کی بات ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم فرشتوں کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام تک وحی پہنچاتے ہیں۔ اگر چہ بلاواسطہ بھی وحی آئی جیسے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے۔ لیکن قاعدہ اکثریہ کہ فرشتہ وحی لے کر آتا تھا۔ آگے فرمایا کہ اے قریش مکہ تم اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں بتادیں گے کہ سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشر تھے۔

فائدہ :اہل کتاب سے پوچھنے کا اس لئے فرمایا کہ مشرکین مکہ اکثر امور میں یہود و نصاریٰ سے مشورے لیتے رہتے تھے۔ یہ بھی اتمام حجت کیلئے فرمایا کہ اگر تم خود نہیں جانتے تو ان سے پوچھ لو۔

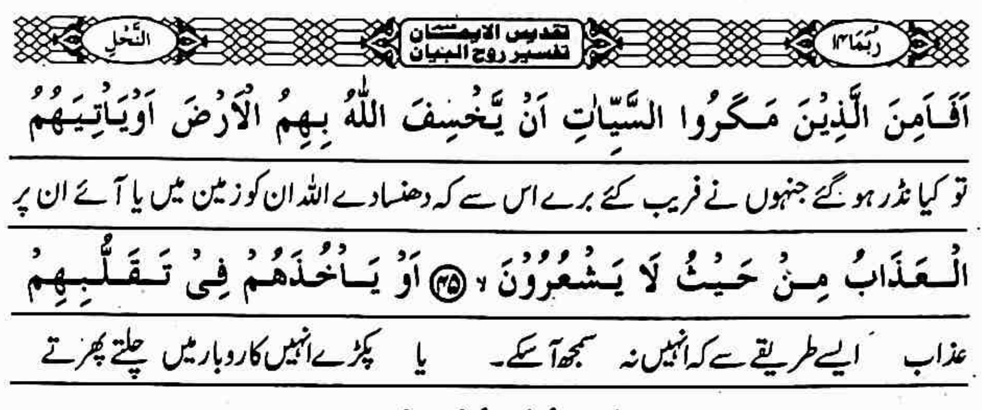
مسئلہ: معلوم ہوا کوئی بھی دینی مسئلہ پوچھنا ہو۔ تو علماء سے پوچھو۔ ہر ایک سے نہیں پوچھنا چاہیے۔

حکایت : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ تمام علوم پر حاوی کیسے ہوئے تو فرمایا۔ اسی آیت پر عمل کر کے کہ جو مسئلہ سمجھ نہ آیا تو علماء کرام سے رجوع کیا۔

(آیت نمبر ۴۴) انبیاء کرام علیہم السلام معجزات اور صحیفے دیکر بھیجے گئے اور اے محبوب ہم نے آپ کی طرف ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا۔ **فائدہ**:معلوم ہوا اہل ذکر قرآنی علوم کے جاننے والے کو کہتے ہیں۔

فائدہ :قرآن کو ذکر اس لئے کہا گیا کہ غافلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دیتا ہے۔

آگے فرمایا کہ قرآن اس لئے نازل کیا تا کہ آپ تمام عرب و عجم کے لوگوں کے سامنے اسے کھول کھول کر بیان فرمادیں یعنی جو جو احکام و شرائع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی طرف بھیجی گئیں اور وہ اعمال جو عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ آپ انہیں تفصیل کے ساتھ بتادیں تا کہ وہ خوب غوروفکر کرلیں۔ اور اے محبوب پاک آپ کے غلام نور ذکر سے بہرہ ور ہو جائیں۔



اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْيَاْتِيَهُمُ

تو کیا نڈر ہو گئے جنہوں نے فریب کئے برے اس سے کہ دھنسا دے اللہ ان کو زمین میں یا آئے ان پر

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ

عذاب ایسے طریقے سے کہ انہیں نہ سمجھ آ سکے۔ یا پکڑے انہیں کاروبار میں چلتے پھرتے

فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ﴿۴۶﴾

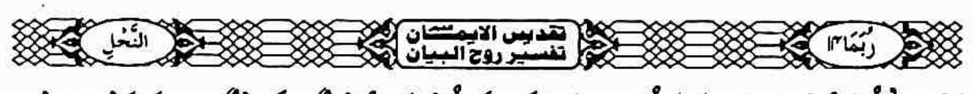
پھر نہیں وہ تھکا دینے والے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۴) **دل روشن کرنے کا نسخہ:** حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ دلوں کو جلاء کیسے ملتی ہے تو آپ فرمایا (۱) ذکر الٰہی سے۔ (۲) تلاوت قرآن۔ (۳) درود شریف سے یا موت کو کثرت سے یاد کرنا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیسے ایمان تازہ کیا کریں تو فرمایا کہ کثرت کے ساتھ ذکر الٰہی سے (رواہ احمد والطبرانی)۔ **سبق:** اہل دعوت پر یہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو دلائل کے ساتھ حق بات بتا دیں یعنی جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے ان تک پہنچا۔ وہ قبول کریں۔ اور لوگوں کو واضح کر کے سمجھا دیں۔

(آیت نمبر ۴۵) کیا بے خوف ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے۔ اس سے کفار مکہ مراد ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو ختم کرنے پر پوری کوشش کی۔ (لیکن جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون) کیا انہیں اس بات کا خوف نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے۔ یعنی زمین کے نچلے حصے میں غرق ہو جائیں قارون کی طرح۔ اور یا ان پر عذاب آ جائے۔ یعنی انہیں ایسے طریقے سے عذاب گھیر لے کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔ تا کہ انہیں ان کے مکر وفریب کی سزا دی جائے۔

(آیت نمبر ۴۶) یعنی کفار جو بے خوف ہو کر زمین کی سیر وسیاحت اور کاروبار تجارت اور اسباب دنیا میں بے خوف وخطر گھوم پھر رہے ہیں۔ انہیں اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسی حال میں پکڑ لے۔

فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ ظاہراً تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پکڑ ان پر حالت نیند میں ہو۔ یا جب پرسکون ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان پر یہ عذاب آسمان سے نازل ہو۔ رات کو آئے یا دن کو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتے۔ نہ اس کی قضا اور قدر سے نکلنے والے ہیں۔ کہ پکڑے نہ جائیں۔



اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

یا پکڑے انہیں خوف زدہ حالت پر۔ پس بے شک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے۔ کیا نہیں دیکھتے

اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ

طرف اس کے جو پیدا کیا اللہ نے جو کچھ۔ کہ جھکتے ہیں سائے اس کے حکم سے دائیں اور بائیں

سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

سجدہ کرتے اللہ کو اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) یعنی ان کے مختلف مقامات تک گھومنے پھرنے سے وہم نہ ہو کہ ممکن ہے۔ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں وہ بچ جائیں۔ **حدیث شریف** : اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے کہ شاید وہ صحیح راہ پر آ جائے۔لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر سخت کر کے پکڑتا ہے۔(ریاض الصالحین)۔اس حدیث میں مظلوم کو تسلی دی گئی اور ظالم کو وعید سنائی گئی۔

(آیت نمبر ۴۷) یا اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح پکڑے کہ وہ نقصان میں مبتلا ہوں اور ساتھ ہی موت کے منہ میں چلے جائیں یا انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے عذاب دے۔اگرچہ کفار پر عذاب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے آتا ہے۔لیکن اگر وہ کسی بڑے گناہ کے بجائے کسی چھوٹی غلطی پر بھی پکڑ لے تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ **فائدہ** :اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ وہ جس طرح چاہے کفار کو تباہ و برباد کرے۔آگے فرمایا کہ بے شک تمہارا رب شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔اسی لئے وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) کیا انہوں نے دیکھا نہیں۔یعنی انہوں نے اس میں غور وفکر نہیں کیا کہ کیا کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔تھوڑے تھوڑے ڈھلتے ہیں سائے ایک طرف سے دوسری طرف۔جیسے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے۔کفار مکہ یہ تو دیکھیں کہ سائے دائیں بائیں ڈھلتے ہیں۔یعنی شروع دن میں دائیں اور پچھلے پہر بائیں طرف سائے ڈھلتے ہیں گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے والے ہیں۔اس حال میں کہ وہ عاجز ہو کر پیش ہوتے ہیں۔یعنی سائیوں کا دائیں بائیں ڈھلنا ان کی فرمانبرداری کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل رہے ہوتے ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔یا وہ سجدہ کر رہے ہیں۔

13/13

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ

اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں چلنے والے اور فرشتے

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ

اور وہ نہیں غرور کرتے۔ خوف رکھتے ہیں رب کا اپنے اوپر اور وہی کرتے ہیں

مَا يُؤْمَرُوْنَ السجدة ع ﴿۵۰﴾

جس کا حکم دیئے گئے۔

(آیت نمبر ۴۹) اور اللہ وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی عجز و نیاز سے اور خشوع و خضوع سے سب اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ کسی اور کے آگے سجدہ نہیں کرتے۔ نہ مستقل سمجھ کر نہ شریک کر کے۔ خواہ وہ آسمانوں میں ہیں۔ جیسے چاند سورج ستارے وغیرہ یا دیگر آسمانی مخلوق اور خواہ وہ زمینی مخلوق ہیں جانوروں میں سے۔ دابہ سے مراد ہر وہ چیز جو اپنی ٹانگوں سے چلے۔

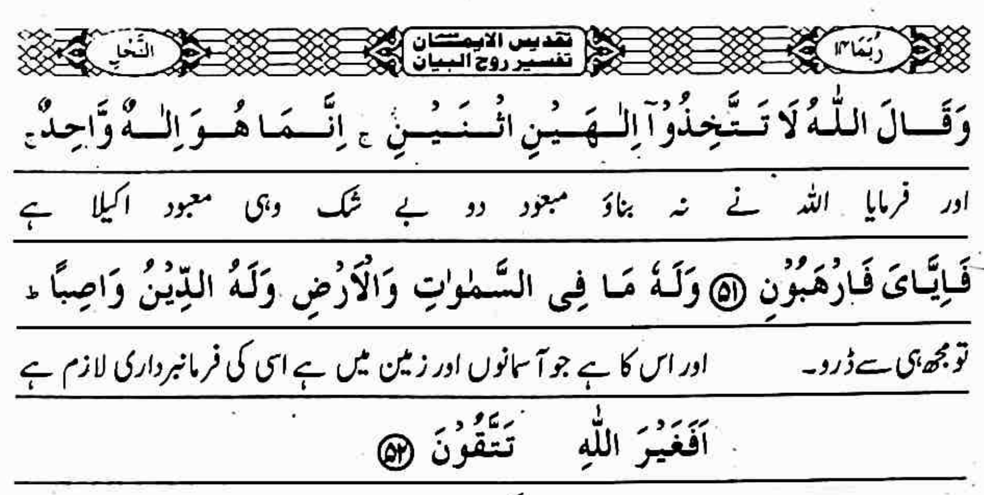
فائدہ :اگر چہ کچھ مخلوق زمین والی اڑتی بھی ہے۔ لیکن یہ قدموں کے ساتھ چلنے کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح آسمانی مخلوق میں پاؤں سے چلنے والے ہوں۔ تو بھی کوئی مانع نہیں ہے۔ یہاں (ما) عام ہے۔ خواہ عقل والے ہوں یا نہ ہوں۔ نیز مسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ چونکہ غیر عقل والے زیادہ ہیں۔ اس لئے ما کو یہاں لایا ہے۔

آگے فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ وہ عالی شان مخلوق ہونے کے باوجود وہ عبادت الٰہی کرنے میں کوئی تکبر نہیں کرتے۔ نہ سجدے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ عجز و انکساری ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ :معلوم ہوا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اپنی شان کے لائق سجدہ میں ہے۔ بعض زبانِ قال سے بعض زبان حال سے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔

فائدہ :ایک مقام پر فرمایا کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ پڑھ رہی ہو اس کی حمد کے ساتھ۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

(آیت نمبر ۵۰) اپنے رب سے وہ ڈرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال اور قہر کو مدنظر رکھ کر وہ ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں اوپر سے عذاب ہی نہ آ جائے اور جو نہیں حکم الٰہی ملتا ہے۔ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔



وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور فرمایا اللہ نے نہ بناؤ معبود دو بے شک وہی معبود اکیلا ہے

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ

تو مجھ ہی سے ڈرو۔ اور اس کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی فرمانبرداری لازم ہے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾

کیا سوائے اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) **حدیث شریف** میں ہے کہ ساتویں آسمان میں فرشتے ہیں جو جب سے پیدا ہوئے۔ سربسجود ہیں اور قیامت تک سجدہ میں رہیں گے اور خوف خدا میں ان کے کاندھے کانپ رہے ہیں قیامت کے دن وہ سر اٹھائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔

سبق :لیکن انسان پر تعجب ہے کہ گناہوں سے بھی بھرا پڑا ہے اور زمین پر ہنستا ہوا اکڑ کر چلتا ہے اسے کوئی خوف خدا نہیں آتا۔ کہ مرنے کے بعد میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلّف بندوں سے فرمایا کہ تم دو خدا نہ بناؤ۔ سوائے اس کے نہیں وہ خدا ایک ہی ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک نہ اس کے کوئی مشابہ۔ صرف مجھ سے ہی ڈرو۔ یعنی میرے عذاب سے ڈرتے رہو کیونکہ جو دوسرے خدا کا قائل ہے وہ مشرک ہے اور مشرک کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۲) اسی کا ہے۔ جو آسمانوں میں ہے۔ یعنی فرشتے وغیرہ اور جو زمین میں ہے۔ یعنی جن اور انسان وغیرہ اور اسی کی ہر چیز مطیع و فرمانبردار ہے۔ خواہ وہ آسمانی ہو یا زمینی اور یہ دین ثابت ہے۔ اسے کبھی زوال نہیں۔ اس لئے کہ وہ اس معبود کی طرف سے ہے جو واجب الوجود ہے وہ اس لائق ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے کیا توحید کا علم ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی ہے۔ پھر بھی تم غیر اللہ کی اطاعت کرتے اور ان سے ڈرتے ہو۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ

اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے پھر جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف تو اسی کی طرف

تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ

تم پناہ لیتے ہو ۔ پھر جب اللہ دور کر دے تکلیف تم سے تو اس وقت ایک جماعت تم سے اپنے رب کا

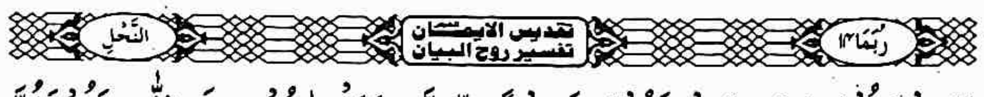
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

شریک ٹھہراتے ہیں۔ تاکہ ناشکری کریں اس کی جو ہم نے انہیں دیا تم نفع اٹھالو عنقریب جان لو گے

(آیت نمبر ۵۳) اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے یعنی مال و دولت ۔ صحت اور خوشحالی وغیرہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یعنی ان کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ساری نعمتیں جو انہیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ پھر جب تمہیں کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے۔ یعنی محتاجی آجائے یا جسمانی بیماری وغیرہ آجائے۔ یا قحط یا کوئی اور تکلیف چھوٹی یا بڑی آجائے تو پھر بھی اسی ذات کی طرف تم پناہ لیتے ہو اور عرض کرتے ہو کہ یا اللہ اس مصیبت کو ٹال دے۔ یعنی اس وقت معبودان باطل کا نام بھی نہیں لیتے تو عام حالات میں بھی پھر اسی کو پکارا کرو۔

(آیت نمبر ۵۴) پھر جب اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو دور فرما دیتا ہے تو اچانک ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں بت کی وجہ سے تکلیف دور ہوئی۔ **فائدہ**: اس آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوق کی اکثریت غیر اللہ کی پرستش کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کر لیتے ہیں حالانکہ سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ سب کچھ بنانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ **فائدہ**: یاد رہے تمام دکھوں اور تکالیف کو ٹالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھی اسے مسبب الاسباب نہیں مانتا وہ مشرک ہے۔

(آیت نمبر ۵۵) وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ کفر کریں یا ناشکری کریں اپنے رب کی۔ جبکہ ان کے پاس جو بھی نعمتیں ہیں وہ ہم نے انہیں دی ہیں۔ اور ان کے دکھ تکلیف کو بھی ہم نے دور کیا اور انہوں نے شرک کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفران نعمت ہے اور یہاں کفران کا معنی ناشکری ہے۔ آگے فرمایا۔ پس تم نفع اٹھالو۔ یعنی دنیا کی زندگی میں عیش کر لو اور متاع دنیا سے چند روز نفع حاصل کرو۔۔ عنقریب تم اپنے انجام اور اس عذاب کو جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔ جلد عنقریب دیکھ لو گے۔ تو تمہیں سب معلوم ہو جائیگا۔



وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ط تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ

اور بناتے ہیں ان کیلئے جنہیں نہیں جانتے حصہ اس سے جو دیا ہم نے ان کو۔ خدا کی قسم تم ضرور پوچھے جاؤ گے

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

جو تھے تم جھوٹ گھڑتے

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) **فائدہ**: غیر اللہ سے مراد خواہشات بھی ہیں۔ یعنی جن اشیاء کی طرف طبیعت میلان کرے اور نفس خواہش کو پورا کرنے کیلئے مجبور کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے۔ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔ یعنی جو ہر وقت خواہشات کو پورا کرنے میں لگا ہے۔ گویا اس نے خواہش کو خدا بنالیا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو نفس کی پرستش کرے۔ (رواہ طبرانی)۔ یعنی جو نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں ہر وقت لگا رہے۔ گویا وہ نفس کی پوجا کر رہا ہے۔

کرامت ولی: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم کشتی پر سفر کر رہے تھے کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اور میری بیوی ایک تختے پر بیٹھے تھے کہ میری بیوی کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اتنے میں بچی پیدا ہوگئی۔ میری بیوی چیخ کر پانی مانگنے لگی اور کہا اگر پانی نہ ملا تو میں مر جاؤں گی تو اللہ تعالیٰ کو اس کے حال پر رحم آ گیا کہ ہوا میں ایک بزرگ نظر آئے۔ اسنے اپنا لوٹا ہماری طرف کیا کہ تم پانی پی لو۔ سبحان اللہ۔ وہ پانی عطر کی طرح خوشبودار برف کی طرح ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا تیرے آقا یعنی اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ میں نے پوچھا یہ مرتبہ کیسے ملا تو فرمایا۔ ترک خواہشات سے۔ پھر وہ غائب ہوگیا۔

(آیت نمبر ۵۶) یہ کفار مکہ بتوں کا حصہ نکالتے ہیں۔ جن کی وہ نہ حقیقت کو جانتے ہیں۔ نہ ان کی حساسیت کو جانتے ہیں اور عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ وہ نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں اور اللہ کے ہاں سفارش کریں گے۔ وہ حصہ نکالتے ہیں اس میں جو ہم نے انہیں رزق دیا۔ یعنی کھیتی اور جانور اور دیگر مال اسباب میں سے۔ حالانکہ دیا میں نے ہے اور حصہ اوروں کا نکالتے ہیں۔ تا کہ ان سے تقرب حاصل ہو تو فرمایا۔ خدا کی قسم تم ضرور پوچھے جاؤ گے جو جو تم ان کے متعلق عقیدے گھڑتے ہو یعنی جو تم کہتے ہو کہ بت واقعی بہت کچھ کر سکتے ہیں لہذا یہ بھی عبادات کے لائق ہیں۔ ان تمام باتوں کے بارے میں تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

اور ٹھہراتے اللہ کیلئے بیٹیاں حالانکہ وہ اس سے پاک ہے اور ان کیلئے ہے جو وہ چاہیں۔ اور جب خوش خبری ملے

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى

ان میں ایک کو لڑکی کی تو ہو جاتا ہے چہرا اس کا سیاہ کالا اور وہ کڑھتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ

لوگوں سے اس برائی سے۔ جو بشارت ملی اسے اب کیا رکھے گا ذلت پر یا دبادے گا اسے

فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

مٹی میں خبردار برا ہے جو فیصلہ کرتے ہیں

(آیت نمبر ۵۷) اور وہ کہا کرتے تھے جیسا کہ قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کے لوگ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کفار بکواس کرتے کہ جن اللہ کی بیویاں اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ)۔ اللہ سے پیدا ہوئیں۔ حالانکہ اس کی ذات لڑکیاں لڑکوں سے پاک ہے اور ان کیلئے وہ ہے جو وہ چاہیں یعنی اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکیاں خبردار کتنے برے وہ فیصلے کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۸) ان ہی میں سے کسی کو اگر لڑکی کی خوش خبری سنائی جائے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوگئی تو اس کا چہرہ دکھ اور غم سے سیاہ ہو جائے اور وہ لوگوں سے شرمندگی کر کے چھپتا پھرتا ہے اور وہ اندر اندر سے کڑھ رہا ہوتا ہے کہ ہمارے گھر میں لڑکی کیوں پیدا ہوگئی ہے۔ **تعبیر خواب**: علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کو خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے اور اس کی بیوی حاملہ ہے تو جان لے کہ اس کے ہاں عنقریب لڑکی پیدا ہوگی۔

(آیت نمبر ۵۹) چھپتا پھرتا ہے اپنی قوم یعنی اپنے رشتہ داروں سے اور احباب سے۔ اس بری خوشخبری کی وجہ سے جو اسے دی گئی کہ وہ اسے عار دلائیں گے۔ یا اسے خود عار محسوس کرے گا کہ اس کے گھر میں بچی کی پیدائش ہوگئی ہے۔ اب اسے روکتا ہے۔ یعنی زندہ رہنے دیتا ہے۔ تو اس کو ذلت وخواری سے رکھے گا اور لوگ بھی اسے عقلمندوں میں شمار نہیں کریں گے۔ لہذا وہ انتہائی متردد ہے کہ اسے رہنے دے یا مٹی میں زندہ درگور کر دے۔ جیسے بنو تمیم اور مضر کے لوگ اپنی نومولود بچیوں کو عار کی وجہ سے مٹی میں دبا آتے تھے۔ (استغفر اللہ)

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۖ

ان کی جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر صفت بہت بری ہے۔ اور اللہ کی صفات اعلیٰ ہیں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾

اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) **فائدہ** :بنوتمیم اور مضر کے لوگوں کا یہ گندہ عقیدہ تھا کہ جس گھر میں بچی پیدا ہو جاتی۔اس میں کوئی بھی داخل نہ ہوتا۔نہ اس گھر میں ایک ساعت کیلئے بھی بیٹھنا گوارا کرتے۔بلکہ جب تک اس گھر والے بچی کو زندہ درگور نہ کر لیتے۔اس وقت تک اس گھر میں کوئی بھی داخل نہ ہوتا تھا۔اس لئے آخر میں فرمایا گیا۔خبردار کتنا ہی برا ہے۔جو وہ مشرکین فیصلہ کرتے تھے۔**فائدہ** :ان کے اپنے نزدیک تو لڑکیوں کی یہ قدر و قیمت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیوں کی نسبت کرتے ہیں (جسے لڑکے لڑکیوں کی ضرورت ہی نہیں) خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کا یہ فیصلہ خطا والا ہے کہ جس شیء کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔عقیدے کے طور پر اسے اللہ تعالیٰ کیلئے مان لیتے۔

(آیت نمبر ۶۰) ان لوگوں کیلئے۔جن کی برائی ابھی بیان ہوئی۔وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ان کیلئے یہ بری مثال ہے۔یعنی ان کی اس برائی کو مثال کیلئے بیان کرنا بھی برا ہے۔لڑکی کی پیدائش ان کے لئے گویا موت ہے۔ کہ وہ لڑکے کی پیدائش پر خوش ہوتے ہیں۔اور بدقسمتی سے لڑکی پیدا ہو جائے تو درگور کرتے ہیں تا کہ عار کوئی نہ دلائے اور کئی لوگ تنگدستی کی وجہ سے بھی زندہ درگور کر آتے تھے۔حالانکہ ان کو محتاجی بھی تھی کہ لڑکیاں نہ ہوئیں تو نکاح کس سے کریں گے۔آگے فرمایا۔کہ اللہ کیلئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں کہ وہ واجب الوجود ہے اور وہ غنی مطلق ہے۔مخلوق کی تمام صفات سے پاک ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات محمود اور قدیمی ہیں اور وہ اپنے کمال میں منفرد ہے اور حکمت والا ہے۔یعنی حکمت کا تقاضا کے مطابق جیسے چاہے وہ کرتا ہے۔

سبق :عقل مند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سر جھکاتا ہے اور اس کے ہر امر پر عمل کرتا ہے۔

فائدہ :الشرعہ میں ہے۔جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ لڑکے کی نسبت زیادہ خوشی کرے تا کہ جاہلیت کی مخالفت ہو۔**حدیث شریف** میں ہے۔جو لڑکیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا۔اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔(رواہ البخاری)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ

اور اگر پکڑنے لگے اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر تو نہ رہے اس زمین پر کوئی جانور

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

لیکن ڈھیل دیتا ہے انہیں ایک وقت مقرر تک پھر جب آ گیا ان کا وعدہ نہیں لیٹ ہوں گے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) **حدیث شریف :** جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں۔ وہ ان کی اچھی تربیت کرے۔ تو وہ جہنم سے آڑ بن کر اسے بچائیں گی (بخاری)۔ **حدیث شریف :** حضور ﷺ نے فرمایا۔ لڑکیوں سے کراہت نہ کیا کرو۔ میں بھی کئی لڑکیوں کا باپ ہوں (رواہ احمد فی مسندہ)۔ (اس میں شیعہ کا بھی رد ہے۔ جو ایک لڑکی کے قائل ہیں)

(آیت نمبر ۶۱) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں یعنی کافروں کو ان کے ظلم یعنی کفر اور گناہوں پر پکڑ کرے تو اس زمین پر کوئی بھی پاؤں پر چلنے والا نہ چھوڑے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کافروں مشرکوں کے کفر و شرک پر فوری پکڑ کر کے تباہ و برباد کرنا شروع کر دیتا تو پھر زمین پر کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔

ظلم کی شہادت : ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے کہا کہ ظالم اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے تو فرمایا کہ ظالم کے ظلم کی نحوست عالم گیر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس ظلم کی نحوست سے پرندے بھی اپنے گھونسلوں میں مرجاتے ہیں۔ **فائدہ :** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظالم کے ظلم کا اثر ظاہری بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی۔ جیسے کوئی اپنے مکان کو جلائے تو نہ صرف اس کا مکان جلے گا بلکہ پڑوسیوں کے مکانات بلکہ ہو سکتا ہے پورا محلہ ہی جل جائے۔ اس کے ساتھ کیڑے مکوڑے بھی جل جائیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے۔ ایک وقت مقرر تک۔ یعنی جب تک کہ ان کی عمریں مکمل نہیں ہوتیں جو لوح محفوظ میں لکھ دی گئیں یا ان کی قسمت میں جو اولاد ہے۔ وہ جن نہیں لیتے تا کہ ان کی کثرت ہو جائے۔ لیکن جب وہ وقت مقرر آ جائے پھر وہ اپنے مقررہ وقت سے پیچھے نہیں ہوتا اور وہ بھی اسے پیچھے دھکیلنے سے عاجز ہیں۔ ایک ساعۃ یعنی ایک لمحہ کیلئے بھی پیچھے نہیں کر سکتے اور نہ وہ وقت مقرر اور اصل وقت سے پہلے آتا ہے۔



وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ

اور بناتے ہیں اللہ کیلئے (بیٹیاں) جو خود ناپسند کرتے ہیں اور بولتے ہیں اپنی زبانوں سے جھوٹ کہ ان کیلئے ہی

الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

بھلائی ہے۔ بالکل یقیناً ان کیلئے آگ ہے اور بے شک یہ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر۶۲) اور یہ کفار اپنے زعم فاسد میں اللہ تعالیٰ کیلئے وہ اشیاء ثابت کرتے ہیں جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ جیسے اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند کرتے ہیں لیکن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسروں کو شریک بناتے ہیں اپنے مال میں دوسروں کی شراکت ناپسند کرتے ہیں۔ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ اتنی خرابیوں کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا انجام اچھا ہوگا۔ یعنی پہلی تو بات ہے۔ کہ کوئی قیامت وغیرہ نہیں اور ہم کبھی بھی۔

دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے اور اگر زندہ ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ جنت ہمیں دے گا۔ جیسا کہ ان کا یہی مقولہ دوسرے مقام پر بھی بیان ہوا کہ جنت ہمارے لئے ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں۔

حکایت :ایک ولی نے دولت مند سے کہا کہ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس نے بادشاہوں کو جو تحفے تحائف دیئے وہ لاؤ۔ تو وہ تمام ہیرے جواہرات۔ سونا۔ چاندی اور اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں دی ہوں گی۔ وہ لائیں گے پھر حکم ہوگا کہ میری راہ میں جو کچھ دیا وہ بھی لے آؤ۔ تو وہ پھٹے پرانے کپڑے۔ ردی اور بے کار چیزیں وہ لے کر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے دنیا کے دولت مند۔ تجھے شرم نہیں آئی اور تجھے یہ بھی خیال نہ آیا کہ میں نے ایک دن اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ میری بارگاہ میں گھٹیا چیزیں اور دنیوی حکام کیلئے تو نے اعلیٰ چیزیں دیں اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی تو کفار کے اس مذکورہ قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کفار کو بے شک جنت کی جگہ جہنم نصیب ہوگی۔ جہاں عذاب ہی عذاب ہوگا اور کچھ نہیں جو دکھوں کا مرکز ہے اور بے شک وہ اس میں دھکیلے جائیں گے۔ یعنی زبردستی ان کو اس میں لے جایا جائے گا اور پھر انہیں ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈال کر گویا انہیں بھلا دیا جائے گا۔ اس لئے وہ حد سے گذرے ہوئے لوگ ہیں۔ جنہوں نے دنیا کو خوش کرنے کیلئے تو سب کچھ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے کچھ نہیں کیا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

قسم بہ خدا تحقیق ہم نے رسول بھیجے طرف امتوں کے آپ سے پہلے تو خوبصورت بنائے ان کیلئے شیطان نے ان کے عمل پھر وہی

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

حمایتی ہے ان کا آج اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک ۔ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب

اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

مگر تاکہ واضح کرے ان کو وہ چیز کہ اختلاف کیا جس میں اور وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۶۳) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے محبوب یہ کفار اپنی جہالت وحماقت سے بکتے ہیں۔ اس پر پریشان نہ ہوں اور صبر کریں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی امتوں کے پاس رسول بھیجے اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو حق کی طرف بلایا۔ لیکن انہوں نے رسولوں کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اس لئے کہ شیطان نے ان کے برے اعمال ان کو خوبصورت کر کے دکھائے۔ یعنی ان کے انکار اور تکذیب کو بھی اس خبیث نے کہا شاباش بچہ شاباش تم نے بہت اچھا کیا اور وہ آج بھی ان کا ہی دوست ہے۔ جو کہ ان کے ساتھ ہی وہ جہنم میں جائے گا وہ بہت برا ساتھی ہے۔ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے کہ جس دن شیطان ان کی مدد کرنے سے عاجز ہوگا۔

فائدہ : علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ کا زمانہ ہے۔ یعنی شیطان آج کے کافروں کا بھی دوست ہے۔ جو ان کے برے اعمال کو انہیں خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ان کیلئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ یعنی وہ جو جنت کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کیلئے جہنم کا انتہائی سخت عذاب ہوگا۔ جہاں درد والم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۶۴) اور ہم نے جو آپ پر کتاب نازل کی اس سے اور کوئی غرض وغایت نہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے واضح فرمائیں۔ اس چیز کو جس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ (یعنی توحید کا عقیدہ)۔ آخرت کے حالات اور حلال وحرام وغیرہ جن مسائل میں ان کے اختلاف ہیں۔ آپ اس کلام (قرآن مجید) کے ذریعے انہیں سمجھائیں۔ اس لئے کہ قرآن میں ایسی ہدایت ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے ہر قسم کی گمراہی سے بچ جاتا ہے اور یہ سراپا رحمت ہے مسلمانوں کیلئے۔ مسلمانوں کا نام اس لئے لیا کہ اس سے صحیح نفع اہل ایمان نے اٹھایا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین کو بعد مرنے کے۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ؏ ﴿۶۵﴾

اس میں ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۴) **بدمذہبی کا رد:** سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ تک پہنچنا قرآن کے بغیر ناممکن ہے اور قرآن کو سمجھنا نبی کریم ﷺ کے بغیر ناممکن ہے۔ اور نبی کریم ﷺ تک رسائی صحابہ، اہل بیت اور اولیاء کرام کے بغیر بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اسلام کے ارکان ہیں۔

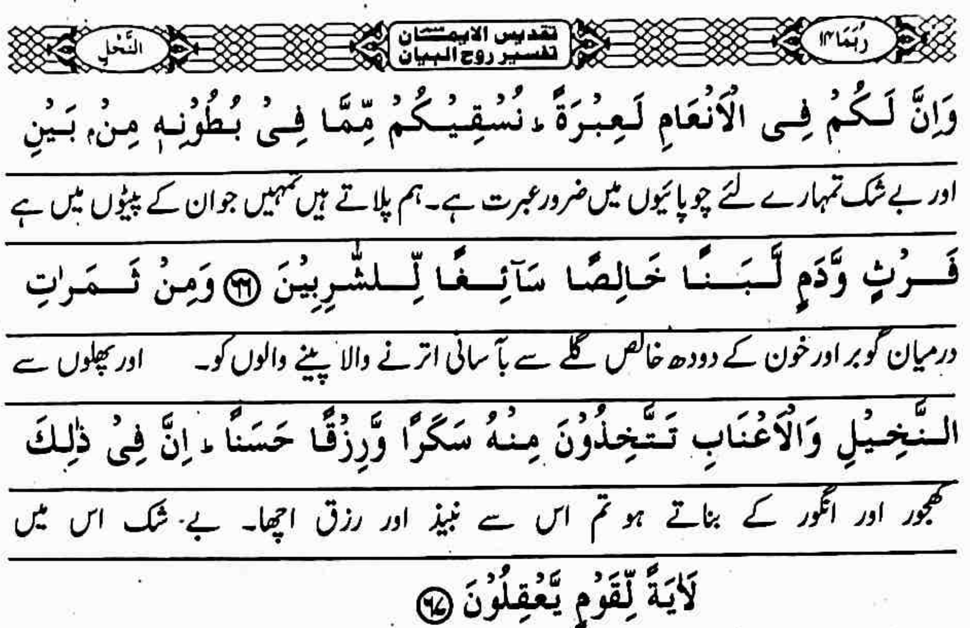
ارشاد مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ میں نے عرض کی۔ آپ کو کیسے علم ہوا۔ تو فرمایا کتاب اللہ (قرآن) سے۔ اس میں گذشتہ اور آئندہ اور موجودہ حالات کی تمام خبریں پائی جاتی ہیں۔

فائدہ :قرآن مجید کی علمی وسعت تو مسلم ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی ہر خبر سچی ہے اور ہر فیصلہ مبنی بر عدل ہے جو بھی اس پر عمل کرے نجات پا جاتا ہے۔ یہ صراط مستقیم تک صحیح راستہ بتاتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۵) اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یا آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ یعنی بارش اتاری۔ پھر اس پانی سے ویران زمین کو آباد کیا۔ یعنی زمین میں کھیتیاں سرسبز کیں۔ زمین کے خشک ہونے اور ویران ہونے کے بعد۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خشک سالی کے بعد خوش حالی۔ ویرانی کے بعد ہریالی کر دی۔

فائدہ :اللہ تعالیٰ نے زمین کی سرسبزی اور شادابی کی رونق کو حیات سے تشبیہ دی اور خشکی اور ویرانی کو موت سے تشبیہ دی۔

اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں بے شک نشانی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر واضح دلیل ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی دے سکتا ہے اور یہ بات اس کی وحدانیت۔ علم اور قدرت اور حکمت پر واضح دلیل ہے۔ کہ اس کام کو صرف وہی ذات کر سکتی ہے اور کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ نشان ان لوگوں کیلئے ہے جو ایسے اعلیٰ نصائح کو سنتے اور قبول کرتے ہیں اور ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔ یہاں سننا بمعنی قبول کرنا ہے۔



وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ

اور بے شک تمہارے لئے چوپائیوں میں ضرور عبرت ہے۔ ہم پلاتے ہیں تمہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے

فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ

درمیان گوبر اور خون کے دودھ خالص گلے سے بآسانی اترنے والا پینے والوں کو۔ اور پھلوں سے

النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

کھجور اور انگور کے بناتے ہو تم اس سے نبیذ اور رزق اچھا۔ بے شک اس میں

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

نشانی ہے اس قوم کیلئے جو سمجھیں۔

(آیت نمبر ۶۶) تمہارے لئے ان چوپائیوں میں عبرت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم تمہیں پلاتے ہیں وہ چیز جو ان کے پیٹوں میں ہے۔ یعنی حلال جانوروں کی مادہ میں یہ نعمت رکھی گئی اور وہ نعمت گوبر اور خون کے درمیان سے نکل کر آئی ہے۔ جسے دودھ کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا خاص کرشمہ ہے۔ پھر وہ بالکل خالص صاف اور شفاف آتا ہی۔ نہ اس میں خون کی ملاوٹ ہے نہ گوبر کی بو وغیرہ ہوتی ہے اور پینے والے کو بھی پی کر مزہ آجاتا ہے۔ یعنی آرام سے حلق میں اترنے والا۔ کھانے پینے کی تمام اشیاء میں سب سے زیادہ نفع مند ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ: حضور ﷺ نے فرمایا۔ دودھ پی کر کہو (اللھم بارک لنا فیه وزدنا منه) اے اللہ اس میں ہمیں برکت دے اور مزید بھی عطا فرما (رواہ ابوداؤد)۔ قدرت خداوندی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ گوبر اور خون دو پلیدیوں کے درمیان سے دودھ طیب وطاہر دیتا ہے۔ ایسے ہی وہ خبیث ماں باپ سے طیب وطاہر بیٹا بھی عطا کر دیتا ہے۔ جس پر ماں باپ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر ۶۷) کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی ہم تمہیں پلاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کھانے میں آتے ہیں۔ لیکن پیچھے دودھ کا ذکر ہے۔ اس لئے اس ترتیب کی وجہ سے پینے کا معنی کیا گیا۔

آگے فرمایا کہ تم اس سے شراب بھی نکالتے ہو۔ نبیذ یعنی جوس وغیرہ نکال کر پیتے ہو۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ

اور الہام کیا تیرے رب نے طرف شہد کی مکھی کے کہ بنا پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں

وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور جو چھتے بناتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۷) **فائدہ**: چونکہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے کی ہے۔اس لئے اسے نعمت میں شمار کیا گیا۔جب شراب کی حرمت نازل ہوئی پھر یہ نعمت نہ رہی۔کیونکہ حرام شیء کبھی نعمت نہیں ہوسکتی۔بلکہ وہ زحمت ہوتی ہے اور کھجور اور انگور کو رزق حسن کہا گیا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس خوبصورت طریقے سے دودھ۔شراب اور رزق حسن کو ترتیب سے بیان فرمایا۔مثلاً دودھ بنانے میں صرف اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے۔اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے۔اس لئے اس کے متعلق فرمایا۔وہ ہم تمہیں پلاتے ہیں۔شراب اور رزق حسن میں انسانی عمل کا بھی دخل ہے۔اس لئے فرمایا۔کہ تم ان پھلوں سے شراب وغیرہ خود بناتے ہو۔

آگے فرمایا۔اس میں بے شک نشانی ہے۔یعنی ان نعمتوں کے بنانے میں نشانی واضح دلیل ہے۔ان لوگوں کیلئے جو اپنے عقل وفہم کو استعمال کر کے ان میں تدبر اور تفکر کرتے ہیں۔

فائدہ: محققین فرماتے ہیں۔عقل ایک درخت ہے اور اس کا پھل علم اور حلم ہے۔اللہ تعالیٰ نے عقل کے دو ہزار حصے کئے۔ایک ہزار حصے تمام انبیاء کرام کو دیئے۔اور نوسو ننانوے ہمارے حضور ﷺ کو اور ایک حصہ باقی دنیا کو دیا۔**سبق**: عقلمند وہ ہے۔جو موت سے پہلے اپنی اصلاح کرے خواہشات نفسانی سے ہوشیار رہے۔ہدایت کے راستے پر سیدھا چلتا رہے۔

(آیت نمبر ۶۸) اے محبوب تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔یعنی مکھی کے دل میں بات ڈالی۔**مسئلہ**: وحی کا اطلاق غیر نبی کیلئے جب بولا جائے تو لغوی معنی مراد ہوتا ہے۔اصطلاحی معنی مراد لینا غیر نبی کیلئے کفر ہے۔وحی کا لفظ غیر نبی کیلئے قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔**مسئلہ**: شہد کی مکھی بیچنا منع ہے۔اس کا چھتا بیچنا جائز ہے۔اگر اس میں شہد بھی موجود ہو۔ورنہ ناجائز ہے۔اسی طرح ریشم بنانے والے کیڑے کی بیع جائز ہے۔

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ

پھر کھا ہر قسم کے پھل پھر چلی جا اپنے رب کے راستوں پر جو آسان ہیں۔ نکلتی ہے

مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ

اس کے پیٹ سے پینے کی چیز جدا جدا ہیں رنگ اس کے اس میں شفا ہے لوگوں کیلئے۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اس میں ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کریں۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی کے دل میں ڈالا کہ وہ اپنے لئے پہاڑوں کے سوراخوں میں اپنے رہنے کی جگہ بنائے اور پھر کہیں سے بھی گھوم پھر کر اسی جگہ واپس آ جائے۔

فائدہ: مکھی جہاں شہد بناتی ہے۔ اسے بیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسے گھر کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور وہ گھر ایسی مہارت سے بناتی ہے۔ جسے دیکھ کر انجینئر بھی حیران رہ جائیں۔ ایسا گھر وہ آلات کے باوجود بھی شاید نہ بنا سکیں۔

آگے فرمایا کہ اگر پہاڑ میں نہ بنا سکے تو درختوں پر کسی حصے میں بنا لیتی ہے۔ یعنی وہ اپنے چھتے جہاں بھی بنائیں اس سے شہد اتارنا جائز ہے۔ لیکن اس درخت پر سے شہد نہ اتاریں جو کسی کی ملکیت میں ہو۔

(آیت نمبر ۶۹) پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھاؤ۔ یعنی جو پھل ملے۔ جہاں سے ملے۔ جو تجھے پسند ہو وہ کھاؤ۔ تجھے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ پھر پھل کھانے کے بعد اپنے رب کے راستے پر چل یعنی پہاڑوں یا درختوں کی طرف جو رب کریم نے تیرے لئے راستے مقرر فرمائے واپس لوٹ کر اپنے گھر کی طرف آ جاؤ۔ وہ راستے تیرے پہنچنے کیلئے آسان بنا دیئے گئے۔

فائدہ: شہد کی مکھی کھانے کے اسباب کیلئے کئی مرتبہ بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ لیکن واپس آتے ہوئے وہ کبھی راستہ نہیں بھولتی کیونکہ اس کی راہنمائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پھر جب وہ واپس آ جاتی ہے۔ تو اس کے پیٹ سے قے کی طرح شہد نکلتا ہے۔ جو پینے کے کام آتا ہے اسی لئے اسے شراب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس شہد میں شفاء رکھی ہے۔ جو ہر بیماری کیلئے مفید ہے۔

فائدہ: شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کے اجزاء لطیفہ طیبہ کھاتی ہے اور ثمرات کی رس چوستی ہے۔ پھر واپس آ کر قے کرتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شہد بنا دیتا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ شہد کی مکھی باوجودیکہ ہر قسم کا پھل کھاتی ہے کڑوا بھی۔ پھیکا بھی اور ترش بھی کھاتی ہے۔ مگر شہد اس سے میٹھا ہی نکلتا ہے۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ رزق الٰہی میں سے پاکیزہ اور لذیذ چیزوں کا کھانا جائز ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو۔

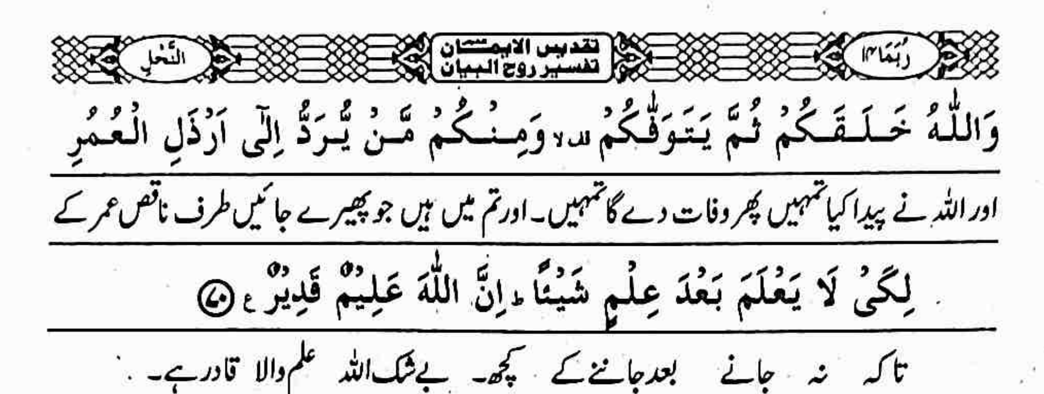
آگے فرمایا کہ اس شہد کے رنگ مختلف ہیں۔ سفید۔ زرد۔ سرخ۔ سیاہ یہ رنگوں کا اختلاف شہد کی مکھیوں کے سن کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً نوعمر مکھیوں کا شہد سفید ہوگا۔ اور درمیانی عمر والوں کا شہد سرخ اور بہت زیادہ عمر والیوں کا زرد اور بعض اوقات ان کے رنگ کا اختلاف پھولوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (شہد اور اس کی مکھیوں کی مزید معلومات دیکھنی ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھیں)۔

آگے فرمایا (فیہ شفاء) اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے۔ یعنی یہ وہ دوا ہے۔ جس میں شفاء ہی شفاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیز بنائیں ان میں شفاء دینے کا مادہ رکھا ہے۔ قاعدہ کلیہ نہیں اکثر یہ ضرور ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات اسے عموم پر محمول کرتے ہیں۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی (فیہ شفاء) میں فرماتے ہیں کہ شہد بذات خود بہت ساری بیماریوں کیلئے شفاء ہے۔ خصوصاً آج کے زمانے میں ڈاکٹر حضرات اکثر دوائیوں میں شہد ملاتے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی میرے بھائی کو اسہال آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اسے شہد پلاؤ۔ جب شہد پلائی گئی۔ تو اسہال اور تیز ہو گئے وہ پھر حاضر ہوا اور عرض کی کہ شہد سے اسہال بڑھ گئے وہ تین دفعہ آیا آپ نے ہر بار شہد ہی پلانے کا حکم دیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شہد ہی پلاؤ رب کا قرآن سچا ہے۔ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چوتھی دفعہ شہد پلایا گیا تو وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ (بخاری شریف)۔ بعض دفعہ دوائی اثر دکھانے میں دیر ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں میں شفاء رکھی ہے۔ (۱) کلونجی۔ (۲) حجامہ (پچھنے لگوانا) وَ (۳) شہد۔ (۴) بارش کا پانی۔ (بخاری و مسلم)۔

آگے فرمایا۔ بے شک اس شہد کی مکھی میں بھی قدرت کاملہ کی نشانی ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے جو تفکر و تدبر کرتے ہیں۔ یعنی اگر ایک نہایت صغیر چیز کا اتنا عظیم کارنامہ ہے تو اس پر ضرور کسی بڑی ذات کی نظر عنایت ہے۔



وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور اللہ نے پیدا کیا تمہیں پھر وفات دے گا تمہیں۔ اور تم میں ہیں جو پھیرے جائیں طرف ناقص عمر کے

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

تاکہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ۔ بے شک اللہ علم والا قادر ہے۔

(آیت نمبر ۷۰) اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں پیدا کیا۔ یعنی تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔ پھر تمہارے روح قبض کر کے تمہیں موت دے گا۔ کسی کو کسی عمر میں اور کسی کو کسی عمر میں موت آتی ہے۔ کسی کی موت بھی اپنے وقت مقررہ سے لیٹ نہیں ہوتی اور فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو ایک رذیل عمر یعنی انتہائی بڑھاپے میں پہنچ جاتے ہیں۔ کئی تو تھوڑی عمر میں ہی اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ اٹھا بیٹھا نہیں جاتا۔ اور کئی سو سال تک ٹھیک اور صحت مند ہوتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ آخر وہ وقت آجاتا ہے کہ جاننے والا بھی اس وقت کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت بچوں والا حال ہو جاتا ہے۔ کوئی بات بتائی جائے تھوڑی دیر میں پھر بھول جاتا ہے۔ مزید یاد کرنا تو درکنار جو یاد ہوتا ہے۔ وہ بھی بھول جاتا ہے۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم وقدرت والا ہے۔

مسئلہ: زندگی کے ایام قادر وحکیم کی تقدیر پر ہے۔ اور ان کے جسم اور مزاج اپنی تقدیر کے مطابق پیدا کیں۔

فائدہ: بڑھاپے کا دور سخت برا ہے۔ جب عقل وقوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور کوئی سنبھالنے دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو۔ اور زیادہ برا ہے۔ البتہ نیک اعمال والے کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتا۔

تلاوت قرآن کی برکت: حدیث میں ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ کثرت سے تلاوت قرآن کرنے والا ارذل عمر سے نقصان نہیں پائے گا (اخرجہ الحاکم والبیہقی)۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ علماء کو ارذل عمر میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ چونکہ ان میں خوف خدا ہوتا ہے۔ یعنی باعمل علماء۔ یا اس سے مراد علماء آخرت ہیں جو زیادہ وقت ذکر وفکر میں رہتے ہیں۔ **حدیث شریف**: لمبی عمر نیک اعمال میں گذری ہو۔ پھر تو قابل صد مبارک ہے۔ لیکن وہ لمبی عمر بہت بری ہے۔ جو گناہوں میں گذار دی۔ (ریاض الصالحین ومشکوۃ)

14

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں بعض کو اوپر بعض کے رزق میں۔ تو نہیں وہ جنہیں بڑھائی دی گئی

بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ

لوٹانے والے اپنی روزی کو طرف ان کے جوان کے غلام باندیاں ہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں گے کیا نعمت

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

خداوندی کا وہ انکار کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۱) اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں بڑھائی دی۔ یعنی دولت مندی میں درجے رکھے۔ سب کو برابر نہیں کیا۔ کسی کو کم، کسی کو زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔

فائدہ : یعنی نہ دولت عقل ودانائی اور محنت پر رکھی نہ تنگ دستی بے وقوفی اور کم عقلی یا محنت کی کمی میں رکھی۔ بلکہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ تو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال ودولت میں کوئی فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق ان کو دینے والے نہیں ہیں جن پر ان کے داھنے ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی مالک اپنے غلاموں کو مال ودولت نہیں دیں گے کہ وہ کہیں ان کے برابر نہ ہو جائیں۔ یعنی غلام مال میں مالک کے برابر نہ ہو جائے یہ مالک کو برداشت نہیں تو اللہ تعالیٰ کیسے برداشت کرتا ہے۔ کہ کوئی اس کی برابر ہو جائے۔ سبحان اللہ! کتنی خوبصورت مثال دے کر مسئلہ سمجھایا گیا۔

فائدہ : اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے زبردست طریقے سے بت پرستوں کی حماقت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے مال میں غلام کو شریک نہیں کرنا چاہتے کہ کہیں وہ اور مالک برابر نہ ہو جائیں تو وہ بتوں کو اللہ کا شریک کیسے بناتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے منکر ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توحید اور نفی شرک کی دعوت دی۔ تاکہ شرک کے اندھیرے سے نکل کر ایمان کے نور میں آجائیں۔

سبق : بندوں پر اطاعت اور رضاء الٰہی کے حصول کی جدوجہد لازم ہے۔ اس لئے کہ اس نے رزق اپنے فضل سے دیا۔ لہذا چاہئے کہ ہم بھی اطاعت اس کی خوشنودی کیلئے کریں۔ اور اس کے دیئے ہوئے رزق پر اس کا شکر کریں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اللہ نے بنائیں تمہارے لئے تم سے ہی بیویاں اور بنائے تمہارے لئے تمہارے جوڑوں سے

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ

بیٹے اور پوتے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ۔ کیا باطل پر یقین کر لیتے ہیں اور نعمت

اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ ﴿۷۲﴾

خداوندی کے وہ منکر ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی نفسوں سے جوڑے بنائے یعنی تمہاری عورتیں بنائیں۔ تا کہ تم ان سے انس حاصل کرو۔ اوران کی وجہ سے اپنے دنیوی مصالح کو بہتر بناؤ تا کہ اولاد بھی تمہاری طرح ہو۔

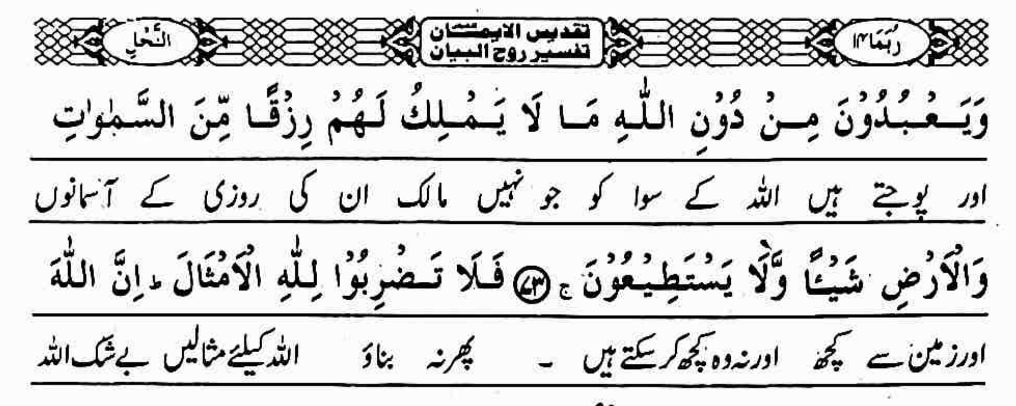
مسئلہ: علماء اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ انسان انسانی عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ جن عورت سے نہیں۔ کیونکہ جنات انسانوں کے ہم جنس نہیں۔

آگے فرمایا کہ تمہارے جوڑے یعنی بیوی خاوند سے بنائے تا کہ تمہارے لئے بیٹے اور پوتے ہوں تا کہ وہ تمہاری اطاعت وخدمت کریں۔ اور تمہاری مدد کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پروگرام ہے۔ جو آج تک اسی طرح چل رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ تمہیں پاکیزہ رزق دیئے۔ طیبات سے لذت داراور مزیدار اشیاء مراد ہیں۔ یہ دنیا کی طیبات نمونہ ہیں جنت کی طیبات کا۔ آگے فرمایا کہ کیا وہ باطل پر یعنی بتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ایسی بلند شان والے معبود کو چھوڑ کر ذلیل اور باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کر کے شرک کر دیتے ہیں۔

فائدہ: باطل سے مراد بت یا ہر وہ کام جو شرک کا سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مراد اسلام ہے۔ یا قرآن جس میں توحید واحکام ہیں۔ یعنی اسلام کے بجائے وہ کفر کرتے ہیں اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

تورات کے احکام: کعب اخبار نے تورات سے مندرجہ ذیل احکام نقل فرمائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ لہذا کھیل کو چھوڑ کر صرف میری عبادت کر۔



وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا کو جو نہیں مالک ان کی روزی کے آسمانوں

وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ج ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ط اِنَّ اللّٰهَ

اورزمین سے کچھ اور نہ وہ کچھ کرسکتے ہیں ۔ پھرنہ بناؤ اللہ کیلئے مثالیں بے شک اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

جانتا ہے اورتم نہیں جانتے۔

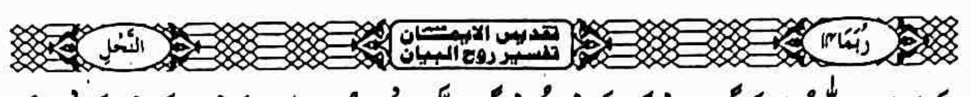
(بقیہ آیت نمبر۷۲) ۲۔ میں نے تیرارزق ازل سے لکھ دیا۔ زیادہ محنت کا دکھ سر پر نہ رکھ اور نہ اپنی قسمت سے زائد کی امید رکھ۔ نہ اس سے کم ہونے کا فکر کر۔ یعنی جو اور جتنا لکھ دیا وہ تو ضرور ملے گا۔

۳۔ اے ابن آدم میں نے سات آسمان اور زمینیں تیرے لئے بنائیں۔ پھر بھی میں نہیں تھکا۔ کیا تیری دو روٹیوں سے تھک جاؤں گا۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی میری محبت کی قدر پہچان۔

۴۔ تو مجھ سے کل کا رزق کیوں مانگتا ہے جبکہ میں تجھ سے کل کا عمل نہیں مانگتا۔ جب میں نافرمانوں کو رزق دینا نہیں بھولتا تو فرمانبرداروں کے رزق کو کیسے بھول سکتا ہوں۔

(آیت نمبر۷۳) کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جنہیں ان کو رزق دینے کی کسی قسم کی کوئی قدرت نہیں۔ نہ وہ آسمانوں سے کوئی بارش اتار سکتے ہیں۔ نہ زمین میں پھل پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں تو کسی چیز کی طاقت ہی نہیں ہے۔ یعنی یہاں اس آیت کے اندر بت پرستوں کی بت پرستی کا سارا بھانڈا ہی پھوڑ دیا ہے کہ وہ کس لئے ان کی عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے انہیں دیا بھی کچھ نہیں مفت میں اپنی عبادت کروالی۔ لہذا بت پرستوں کو چاہئے کہ وہ اپنی حماقت کا کچھ علاج کرائیں۔ اور پہچانے کہ یہ ہر قسم کی نعمتیں کون دے رہا ہے۔

(آیت نمبر۷۴) تم نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں۔ یعنی کسی طرح اور کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ کوئی تشبیہ نہ دو۔ اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازلی ابدی طور پر یکتا حقیقی ہے۔ مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ اسے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے کنہ اور اس کے انجام کو جانتا ہے۔ پھر عمل کے مطابق ہی وہ جزاء و سزا دے گا۔



ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ

بیان کی اللہ نے مثال ایک غلام کی جوملکیت میں ہے نہیں قادر کسی چیز پر اور (دوسرا) جسے ہم نے رزق دیا

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ

اپنی طرف سے رزق بہت اچھا پھر وہ خرچ کرتا ہے اس سے پوشیدہ اور ظاہر۔ کیا وہ برابر ہیں۔ سب تعریفیں

لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ بلکہ ان کے اکثر کو علم ہی نہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۴) جتنا گناہ بڑا اتنی سزا بھی بڑی ہوگی۔ لیکن بندوں کو فرمایا۔ تم اس بات کو نہیں جانتے۔ یعنی اگر تم جانتے تو گناہوں پر یوں جرأت کیوں کرتے۔ بندوں کے خطا وثواب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بندے کی خطا یہ ہے کہ وہ ہوائے نفس اور مخلوق سے مقاصد پورے کرنے کیلئے عبادت کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کیلئے تشبیہیں بناتا ہے۔

حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ تمہارے دیکھنے سے پردے میں ہے۔ اسی طرح بصیرت یعنی دل کی آنکھ سے بھی وہ پردے میں ہے اور جیسے تم اس کی طلب میں ہو۔ اسی طرح ملا اعلیٰ والے بھی اس کی طلب میں سرگرداں ہیں۔ **فائدہ :** اس لئے کہ نہ اس کیلئے زماں ہے نہ مکاں۔ اگرچہ زمان ومکان اسی کے نور سے منور ہیں۔ یہ زمان ومکان صرف انسان کیلئے بنائے گئے۔ تاکہ وہ اسے پہچانیں۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے: موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا یا اللہ میں تجھے کہاں پاؤں۔ تو فرمایا۔ جہاں چاہو گے۔ میں وہیں پر موجود ہوں گا۔ اس کا مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

(آیت نمبر ۷۵) اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی۔ یعنی اس نے اپنے اور بتوں کے درمیان فرق بتایا۔ جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ یہ بطور انشاء ہے۔ ایسا نہیں کہ کبھی کسی زمانہ میں واقعی کوئی مثال بیان کی۔ کہ مثلاً ایک غلام جو پورا کسی کی ملکیت میں ہے۔ یعنی وہ عاجز اور ضعیف اتنا ہے کہ وہ کسی چیز پر تصرف کی کوئی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ آزاد انسان ہے جسے ہم نے رزق کا مالک بنایا۔ اور اسے اپنی طرف سے اچھا پاک حلال طیب رزق دیا۔ کاشفی فرماتے ہیں کہ اس سے وافر اور بے حد رزق مراد ہے اور اس کے خرچ کرنے میں بھی اسے کوئی مشکل نہ آئے۔ کہ اسے خرچ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور وہ اسے ظاہراً اور چھپا کر خرچ کرتا ہے۔ **فائدہ :** چھپا کر خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

اور بیان فرمائی اللہ نے مثال دو مردوں کی۔ ان میں ایک گنگا ہے نہیں کر سکتا کچھ

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ

اور وہ بوجھ ہے اوپر مالک کے جدھر جائے نہ لائے خیر۔ کیا وہ برابر ہے

هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اس کے جوحکم کرے انصاف کا اوروہ ہے بھی اوپر راستے سیدھے کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) **فائدہ** :تواللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیاوہ جوخرچ کرنے پر ذرا اختیار نہیں رکھتا اوروہ جو ہر طرح تصرف کرنے پر قادر ہے۔ کیا دونوں برابر ہیں؟۔یعنی غلام اور آزاد دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔اس لئے کہ مملوک اپنے آقا اور صاحب اقتدار لوگوں کا محتاج ہوتا ہے۔یہی فرق اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان ہے۔بت جماد محض ہیں اور اللہ تعالیٰ خالق و مالک کائنات ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک کہاں مٹی کے ڈیلے اور کہاں رب العالمین۔دونوں کوایک جیسا سمجھنے والا بڑا احمق اور جاہل ہی ہے۔

آگے فرمایا۔الحمد للہ۔ ہر تعریف کا مالک اللہ ہی ہے۔عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔اکثر ان مشرکوں میں سے بلکہ یوں کہو سارے ہی مشرک اس بات کو نہیں جانتے کیونکہ وہ جاہل ہیں۔

(آیت نمبر ۷۶) پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری مثال دی۔مقصود تو دونوں مثالوں کا ایک ہی ہے۔فرق یہ ہے کہ یہ دوسری مثال ذرا زیادہ واضح ہے تو فرمایا دو آدمی ہیں۔جن میں سے ایک مادر زاد گونگا ہے اور لازمی بات ہے کہ گونگا بہرہ بھی ہوتا ہے۔جو اپنی قلت فہم کی وجہ سے اپنے معاملات کو درست نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ وہ اپنے مالک پر بھی بوجھ ہے اور وہ اپنے آپ کو بھی نہیں سمبھال سکتا مالک کو کیا فائدہ پہنچائے گا اور وہ جدھر جاتا ہے یا اسے مالک جدھر بھیجتا ہے۔تو وہ خیر کی خبر نہیں لاتا۔یعنی مالک کیلئے پریشانی کی خبر لاتا ہے تو کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے۔جو فصیح اللسان صاحب کلام صائب رائے والا فہم وذکا والا ہر کام میں ہوشیار۔اور سب کو فائدہ دینے والا بے شمار فضائل ومکارم کا جامع اور گفتگو میں فصاحت وبلاغت کا ماہر۔اور وہ ہے بھی سیدھی راہ پر۔یعنی اچھی سیرت والا۔تو کیا یہ دونوں برابر ہیں۔یعنی یہ دونوں ہرگز ہی برابر نہیں ہو سکتے۔دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

اور اللہ کی ہیں چھپی چیزیں آسمانوں اور زمین میں۔ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر مثل جھپکنے آنکھ کے

اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

یا اس سے بھی قریب۔ بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

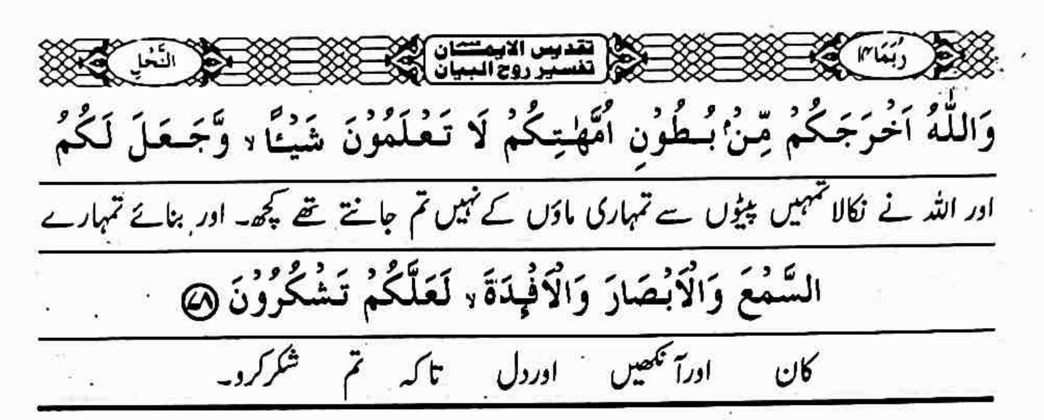
(بقیہ آیت نمبر ۷۶) **فائدہ** : امام سہیلی فرماتے ہیں۔ بہرے گنگے سے مراد ابو جہل ہے اور "یامر بالعدل" سے مراد عمار بن یاسر ہیں رضی اللہ عنہ۔ اور فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے مبہم مقامات میں سے ایک یہ ہے: بکم: بہرے گنگے کو بھی کہتے ہیں اور بے وقوف کو بھی کہتے ہیں۔ **حکایت** : ایک شخص بے وقوفی میں مشہور تھا۔ اس نے گیارہ درہم میں ایک ہرنی خریدلی۔ راستے میں کسی نے اس سے پوچھا کہ کتنے میں خریدی۔ تو اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھولیں اور ساتھ جیب (زبان) بھی نکال کر گیارہ کا اشارہ کیا۔ اتنے میں ہرن بھی بھاگ گیا۔

(آیت نمبر ۷۷) غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور کوئی بھی عالم الغیب نہیں کہلا سکتا)۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کو پسند کر کے علم غیب سے نوازے تو یہ کوئی محال نہیں۔

شان نزول : قریش مکہ ٹھٹھہ مخول کرتے ہوئے قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ زمین و آسمان کے تمام پوشیدہ علوم اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں۔ اور نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر آنکھ جھپکنے کی دیر۔ الساعۃ سے مراد قیامت کے قائم ہونے کا وقت۔ یعنی قیامت کے قائم کرنے کیلئے لمبا وقت نہیں چاہئے۔ بلکہ صرف اتنا جتنی دیر میں تم آنکھ کو اوپر سے نیچے کرتے ہو۔ یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ یعنی قیامت کو بہت قریب سمجھو۔
فائدہ : آنکھ جھپکنے کی ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ اس سے زیادہ قریب اور جلدی کوئی چیز نہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرنے اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور قیامت کو قائم کرنے اور مخلوق کو زندہ کرنے میں کوئی لمبا وقت نہیں درکار ہوگا۔

عشق ومحبت کا صلہ: ایک صحابی نے عرض کی قیامت کب ہے تو آپ نے فرمایا تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی۔ تو اس نے عرض کی کچھ نہیں صرف یہ ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ اس دیہاتی کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ محبت بے کار ہے کوئی عمل کر۔



وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ

اور اللہ نے نکالا تمہیں پیٹوں سے تمہاری ماؤں کے نہیں تم جانتے تھے کچھ۔ اور بنائے تمہارے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر کرو۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا تو قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری شریف)۔ لیکن اس سے مراد یہ بھی ہے کہ محب اور محبوب کا دین ایک ہی ہو۔ کیونکہ جو جس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی اطاعت بھی کرتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

(آیت نمبر ۷۸) اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا۔ جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ نہ امور دنیا کو نہ امور آخرت کو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں کان۔ آنکھیں اور دل جیسی نعمتیں دیں۔ جو تمہارے کام آتے ہیں۔ تاکہ تم ان کے ذریعے سے معرفت حاصل کرسکو۔

مسئلہ :جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کا دوسری جگہ نکاح حرام ہے۔ اس کی دلیل حدیث شریف ہے: حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنا پانی غیر کی کھیتی میں نہ ڈالے۔ یعنی جب بچہ پیدا ہو جائے تو یہ پیٹ دوسرے خاوند کیلئے حلال ہو جائے گا۔ پھر وہ اس کھیتی کو استعمال کرسکتا ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ نعمتیں اس لئے دیں تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی انہیں وہاں استعمال کرو۔ جہاں اللہ راضی ہو۔ مثلاً کان کلام الٰہی سننے کیلئے آنکھیں دیں عبرت کیلئے دل سمجھنے کیلئے۔ جو بندہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ بروز قیامت اعلیٰ جزاء سے نوازے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر استعمال کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے دنیا میں ہی ذلیل کرے گا۔



اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ

کیا نہیں دیکھتے طرف پرندوں کے جو لٹکے ہیں فضاء آسمانی میں نہیں روکتا انہیں

اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

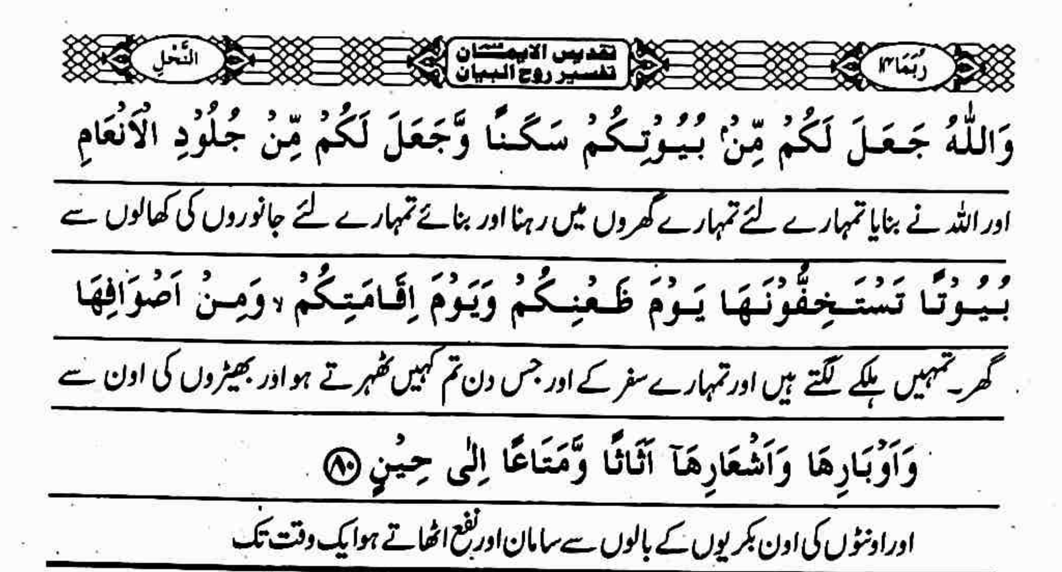
مگر اللہ نے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

(آیت نمبر ۷۹) کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو حکم الٰہی پر اڑ رہے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پر عطا کئے۔ تا کہ وہ جب اور جہاں چاہیں اڑ کر جائیں۔ پر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ دوسرے اسباب بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں۔

مسئلہ: معلوم ہوا پرندوں کا اڑنا ان کی اپنی ذات کے تابع نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ ورنہ اور کوئی چیز فضاء میں نہیں ٹھہر سکتی فوراً نیچے گر جاتی ہے۔ لیکن پرندے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا ہے۔ تا کہ وہ اسے اڑائے۔ بلکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ کسی چیز میں ذاتی اثر کوئی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تاثیر ہر چیز میں کارفرما ہے۔ اسی طرح پرندے بھی آسمانی فضاء میں اڑ کر زمین کے قریب ہی رہتا ہے۔ (ان سے بلند آج ہوائی جہاز اڑ رہا ہے۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے تھاما ہوا ہے)۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ انہیں فضاء میں نہیں روک رکھا مگر اللہ تعالیٰ نے فضا میں روکا ہوا ہے۔ پرندہ ہوا میں ایسے اڑتا ہے۔ جیسے پانی میں تیرنے والی چیز آسانی سے تیر لیتی ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اس میں یعنی پرندوں کے اڑنے اور ان کیلئے ہوا کو مسخر کرنے میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ جو ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کرامات نصیب ہوتی ہیں۔

غور وفکر پر انعامات:

۱۔ آیات الٰہی میں غور وفکر سے معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات میں غور وفکر کرنے سے محبت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور ثواب میں غور وفکر کرنے سے رغبت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی وعیدوں اور سزاؤں میں غور وفکر کرنے سے خوف الٰہی نصیب ہوتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کے مقابلے میں نفس امارہ کے ظلم وجفا کے غور وفکر سے ندامت وحیا پیدا ہوتی ہے۔



وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

اور اللہ نے بنایا تمہارے لئے تمہارے گھروں میں رہنا اور بنائے تمہارے لئے جانوروں کی کھالوں سے

بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

گھر۔ تمہیں ہلکے لگتے ہیں اور تمہارے سفر کے اور جس دن تم کہیں ٹھہرتے ہو اور بھیڑوں کی اون سے

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾

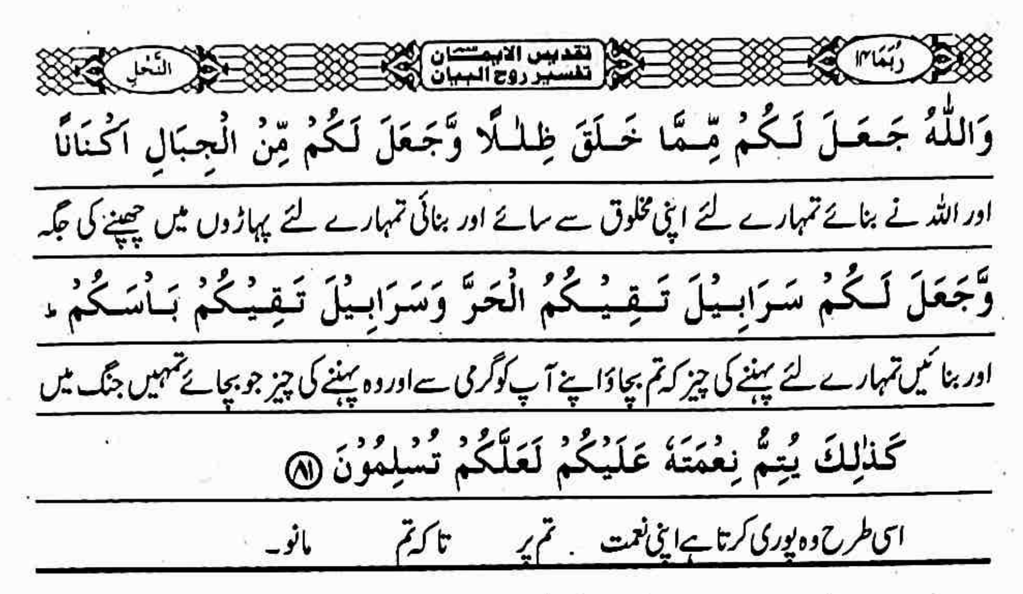
اور اونٹوں کی اون بکریوں کے بالوں سے سامان اور نفع اٹھاتے ہو ایک وقت تک

(آیت نمبر ۸۰) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے گھر بنائے جنہیں تم مختلف چیزوں سے تیار کرتے ہو۔ پھر جن میں تم سکونت اختیار کرتے ہو خصوصاً کاروبار سے تھک ہار کر وہاں سکون پاتے ہو۔

فائدہ: اسرار محمدیہ میں ہے کہ مسکن سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان گرمی اور دھوپ میں یا بارش سے یا سردی سے بچ سکے۔ گرمیوں میں مکان کے بغیر گذارہ ممکن ہے۔ مگر سردیوں میں تو بالکل ممکن نہیں۔ ورنہ سخت سردی میں موت یا سخت بیمار ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے ضروریات زندگی کیلئے اچھا مکان ورنہ معمولی درجے کا مکان ہونا زہد وتقوے کے منافی نہیں۔ نیز نیک نیت اچھے مقاصد کیلئے مکان بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مکان بنایا۔ کسی پر ظلم یا تجاوز کے بغیر تو جب تک اس میں مخلوق خدا فائدہ اٹھائے گی۔ مکان بنانے والے کو اجر و ثواب ملتا رہے گا۔ (اخرجہ احمد والطبرانی)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے گھر بنائے۔ یعنی خیمے ۔۔۔۔۔ اور شامیانے بنائے۔ جیسے خانہ بدوش لوگ بنا کر ان میں گذارہ کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ تم انہیں بنا کر ہلکا محسوس کرتے ہو۔ یعنی آسانی سے بنا بھی سکتے ہو۔ کچھ دیر کیلئے کسی جگہ خیمہ لگانا ہو تو لگا سکتے ہو۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا چاہو تو آسانی سے لے جا سکتے ہو۔ تمہارے کوچ کرنے اور کسی جگہ قیام کرنے کے وقت کوئی مشکل درپیش نہیں ہوتی۔ خیمہ لگا کر اس میں آرام کرتے ہو۔ آگے فرمایا کہ ہم نے تمہارے فائدہ کیلئے بھیڑوں اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بال لگائے جو لباس کے لئے اور بستر بنانے کیلئے کام دے اور مزید بھی اس سے نفع ہے۔ جس سے کئی طرح کا تم کام لو ایک مقررہ مدت تک۔



وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا

اور اللہ نے بنائے تمہارے لئے اپنی مخلوق سے سائے اور بنائی تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ

اور بنائیں تمہارے لئے پہننے کی چیز کہ تم بچاؤ اپنے آپ کو گرمی سے اور وہ پہننے کی چیز جو بچائے تمہیں جنگ میں

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اسی طرح وہ پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تا کہ تم مانو۔

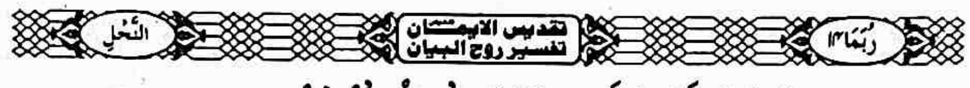
(بقیہ آیت نمبر۸۰) **فائدہ**: چونکہ عام دھاگے سے بال زیادہ سخت ہوتے ہیں اس لئے بالوں اور اون سے بنی ہوئی چیزیں زیادہ دیر تک رہ سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ جانور انسانوں کے بے شمار فوائد کے لئے بنائے۔ان کے گوشت۔چمڑے اور بال اور مادہ سے دودھ حاصل کرنا وغیرہ۔

مسئلہ: مردار جانور کی چربی سے بھی نفع لینا حرام ہے۔**حدیث شریف**: بہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ نے عام الفتح کے موقع پر فرمایا (جب آپ مکہ شریف میں تھے) کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے شراب کی خرید وفروخت اور مردار اور خنزیر اور بتوں کو حرام قرار دیا ہے۔پوچھا گیا کہ مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے تو فرمایا وہ بھی حرام ہے۔(صحیح البخاری کتاب البیوع)

(آیت نمبر۸۱) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لباس بھی پیدا فرمایا۔یعنی جس میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔یعنی وہ چیزیں رب تعالیٰ نے پیدا فرمائیں کہ جن کے ذریعے تم گرمی سے بچتے ہو۔جیسے بادل، درخت اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ چونکہ بات ان سے ہو رہی ہے جو سخت گرمی میں رہتے ہیں۔یعنی اہل مکہ اس لئے ان کو یہ احسان جتایا۔

آگے فرمایا کہ تمہارے لئے بنایا پہاڑوں کو اوڑھنا۔یعنی وہ مقام جہاں آدمی چھپ سکے۔جیسے غاریں وغیرہ۔جو لوگ پہاڑوں میں زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ان کیلئے یہی بڑی نعمتیں ہیں۔اس لئے ان پر احسان جتایا۔آگے فرمایا کہ تمہارے لئے لباس بنایا۔یعنی روئی پیدا کی جس سے لباس تیار کیا جائے۔جو گرمی کے ضرر سے تمہیں بچائے۔

فائدہ: سردی سے بچانے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ جن سے بات ہو رہی ہے۔وہاں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔اور سردی کم ہوتی ہے۔یعنی سال میں زیادہ تر گرمی ہی رہتی ہے۔



فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر اگر وہ مڑ جائیں تو بے شک آپ پر پہنچانا ہے صاف صاف۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۱) آگے فرمایا۔ اور تمہارے لئے وہ لباس بھی بنایا جیسے (لوہے کی زرہیں) جو تمہیں جنگ کی تکلیف میں بچاتی ہیں۔ یعنی نیزوں اور تلواریں وغیرہ کے حملے کے وقت تمہارے جسم کو وہ لباس بچاتا ہے۔

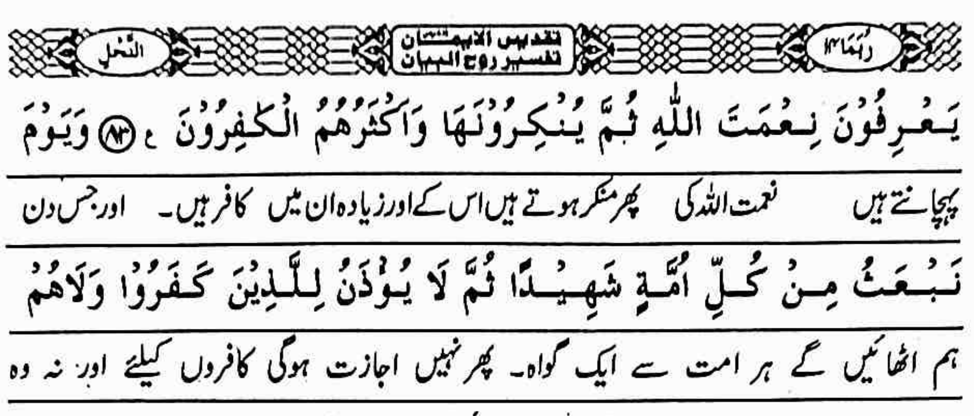
فائدہ: سب سے پہلے زرہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کر دیا تھا۔ جیسے موم نرم ہوتا ہے۔ وہ لوہے سے ہر قسم کا جنگی سامان تیار کر لیتے تھے۔

فائدہ: لقمان حکیم داؤد علیہ السلام سے ملنے آئے۔ دیکھا کہ وہ زرہیں بنا رہے ہیں تو ادب سے خاموش دیکھتے رہے اور سوچا کہ جب زرہ بن کر مکمل ہوگی تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ یعنی بزرگوں کے سامنے خاموشی ہی ادب ہے۔

آگے فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو تم پر مکمل فرمایا تا کہ اے قریش تم فرمانبردار ہو جاؤ یعنی ہم نے اس ارادہ سے تم پر نعمتیں ظاہری اور باطنی مکمل فرمائیں تا کہ تم نعمتیں دینے والے کا حق پہچانوں اور اس پر ایمان لاؤ اور بتوں کو پوجنا چھوڑ دو اور ایک ذات وحدہ لاشریک معبود حقیقی کے سامنے جھک جاؤ۔

(آیت نمبر ۸۲) اور اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کریں یعنی آپ کے بیان کئے ہوئے دلائل کو نہ مانیں اور عبرت حاصل نہ کریں۔

نکتہ: فطرۃ انسانی کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور غیر اللہ کی طرف دھیان بھی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے خود بتوں کو گلے لگایا اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی۔ تو اے میرے محبوب آپ کے ذمہ پیغام پہنچانا ہے۔ آپ نے تبلیغ کما حقہ بہ طریق احسن و اکمل کر دی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ) ہم نے فریضہ نصیحت کو پورا کر دیا اور پوری زندگی اسی میں بسر کر دی۔ اگر کسی کو ہماری نصیحت کی طرف توجہ نہیں۔ تو بے شک نہ ہو پیغام پہنچانے والوں کا کام ہے پیغام پہنچانا اور بس۔ آگے فرمایا کہ جسے تو سودمند سمجھتا ہے وہ بات کہہ ڈال۔ خواہ کسی کو پسند ہو یا نہ ہو اس لئے کہ بروز قیامت پریشان وہی ہوگا۔ اور فریاد کر کے کہے گا کہ افسوس میں نے فلاں کی بات کو کیوں نہ سنا۔ اور کیوں نہیں مانا۔



يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ

پہچانتے ہیں نعمت اللہ کی پھر منکر ہوتے ہیں اس کے اور زیادہ ان میں کافر ہیں۔ اور جس دن

نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ

ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ۔ پھر نہیں اجازت ہوگی کافروں کیلئے اور نہ وہ

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

منائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۸۳) مشرکین اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بالکل پہچانتے ہیں۔ وہ نعمتیں جن کا اس سورۃ میں بیان ہوا اور وہ مانتے ہیں کہ واقعی یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ پھر وہ انکار ماننے سے کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ ایسے ایسے افعال کر دیتے ہیں۔ جو انکار پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے بتوں کو پوجنا وغیرہ۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ وہ نعمت دینے والے کے آگے جھکتے۔ لیکن وہ غیر اللہ کے آگے جا جھکے جبکہ اللہ نے وہاں جھکنے سے منع کیا اور وہ بتوں کو ہی سب کچھ ماننے لگے اور ان کی اکثریت دل سے اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں اور مذکورہ بالا نعمتوں کا وہ اعتراف ہی نہیں کرتے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیں۔ **حکایت** : جناب عیسیٰ علیہ السلام ایک دولت مند آدمی کو لیکر تنگدست کے پاس گئے اور فرمایا۔ یہ بدحال ہے اور تو خوش حال۔ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے مالی وسعت بخشی اس پر تجھے شکر کرنا چاہئے۔ پھر تنگ دست کو لیکر بیمار کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ تو تنگ دست ہی ہے۔ بیمار تو نہیں اگر بیمار بھی ہو تو کیا کر سکتا تھا تجھے اللہ کا شکر کرنا چاہئے اس کے بعد اس بیمار کو ایک کافر کے ہاں لے گئے اور فرمایا کہ اگر تو بھی کفر پر ہوتا تو تو کیا کر سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ کا شکر کر کہ تجھے دولت ایمان تو ملی ہوئی ہے۔

سبق : اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا نعمت خداوندی کے کفران (ناشکری) سے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے بندے کو لازم ہے۔ کہ کفران نعمت سے بچے تاکہ کفر باللہ سے بچ جائے۔

(آیت نمبر ۸۴) اے محبوب روز قیامت کو یاد فرمائیں۔ جب ہم اٹھائیں گے ہر گروہ سے گواہ۔ یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت کے ایمان یا کفر کی گواہی دیں گے تو پھر کافروں کو عذر کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ معذرت کا دن نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام جب اپنی امت کے ایمان یا کفر کی گواہی دے دیں گے تو پھر کسی کا عذر یا کوئی بہانہ نہیں سنا جائیگا۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور جب دیکھ لیں گے ظالم عذاب کو جو نہ ہلکا ہوگا ان پر اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے

وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ

اور جب دیکھ لیں گے مشرک اپنے شریکوں کو تو کہیں گے ہمارے رب یہی شریک ہیں ہمارے جنہیں

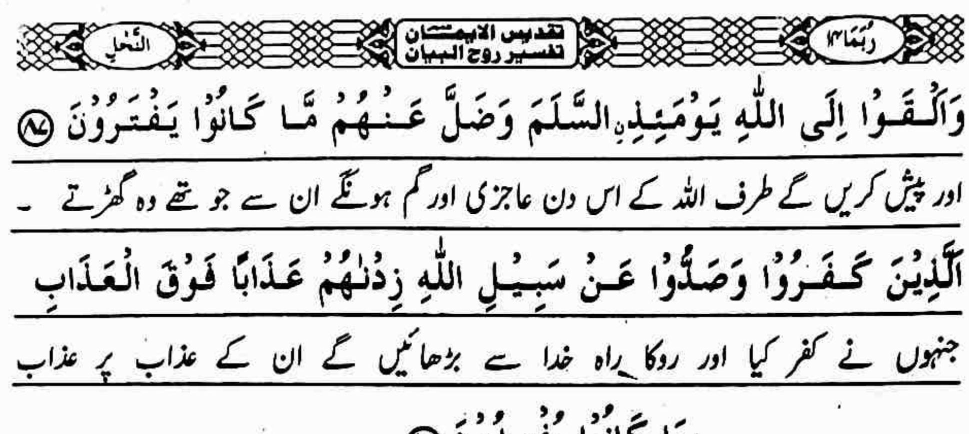
کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾

تھے ہم پوجتے تیرے سوا۔ تو وہ ڈالیں گے ان پر ہی بات کہ بے شک تم جھوٹے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۴) **فائدہ**: عذر کا مطلب یہ ہے کہ انسان گناہ کا انکار کردے کہ میں نے یہ گناہ لاعلمی سے کیا۔ یا کہے میں نے یہ گناہ اس وجہ سے کیا۔ اب آئندہ میں یہ گناہ نہیں کرونگا۔ تو فرمایا کہ نہ ان کا کوئی عذر سنا جائیگا اور نہ ان کو منایا جائیگا۔ یعنی ان کو ایسا کوئی موقع نہیں دیا جائیگا کہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکیں۔ اس لئے کہ رضا الٰہی تو ایمان اور عمل صالح سے متعلق ہے اور یہ دنیا سے متعلق ہے۔ آخرت تو دار الجزاء ہے۔ وہاں نہ عمل ہوگا نہ ایمان کی تکلیف دنیا کو اسی لئے آخرت کی کھیتی کہا گیا کہ بیج دنیا میں ڈالنا ہے اور کاٹنا آخرت میں ہے۔ اگر کوئی بیج اس وقت ڈالے جب لوگ فصل کاٹ رہے ہوں تو پھر کھیت میں کچھ نہیں اگے گا۔

(آیت نمبر ۸۵) اور جب کافر لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔ جو ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر لازم ہوا۔ تو چیخیں گے اور جہنم کے داروغے سے تخفیف کی آرزو کریں گے کہ عذاب ختم نہیں ہوتا تو کچھ کم کردیا جائے تو اسکے متعلق یہ فرمایا کہ نہ عذاب ہلکا ہوگا۔ نہ مہلت دیئے جائیں گے تاکہ کچھ دیر کیلئے آرام کرلیں۔ یعنی ہمہ وقت عذاب ہوگا اور سخت سے سخت تر عذاب ہوگا۔ درمیان کو بریک وغیرہ نہیں ہوگی۔

(آیت نمبر ۸۶) اور جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے۔ جن کو دنیا میں خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا تو کہیں گے۔ اے ہمارے رب ان کو ہی ہم نے تیرا شریک بنا رکھا تھا۔ ہم تجھے چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے رہے۔ **فائدہ**: یعنی مشرکین اور کفار اپنے اپنے جرموں کا اعتراف کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ ان کے معبودوں کو بھی ان کے ساتھ عذاب میں شریک کیا جائے۔ تو وہ منگھڑت معبودان کافروں پر بات ڈالیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ اے مشرکو تم ضرور اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔ اس لئے کہ نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا۔ نہ تمہیں ایمان لانے سے منع کیا۔ ہمارا تمہارا کیا واسطہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح و عبادت میں لگے رہے۔ تم خواہ مخواہ شیطان کے ورغلانے پر بتوں کو پوجتے رہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔



وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾

اور پیش کریں گے طرف اللہ کے اس دن عاجزی اور گم ہونگے ان سے جو تھے وہ گھڑتے ۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ

جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ خدا سے بڑھائیں گے ان کے عذاب پر عذاب

بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾

بوجہ اس کے جو تھے فساد کرتے۔

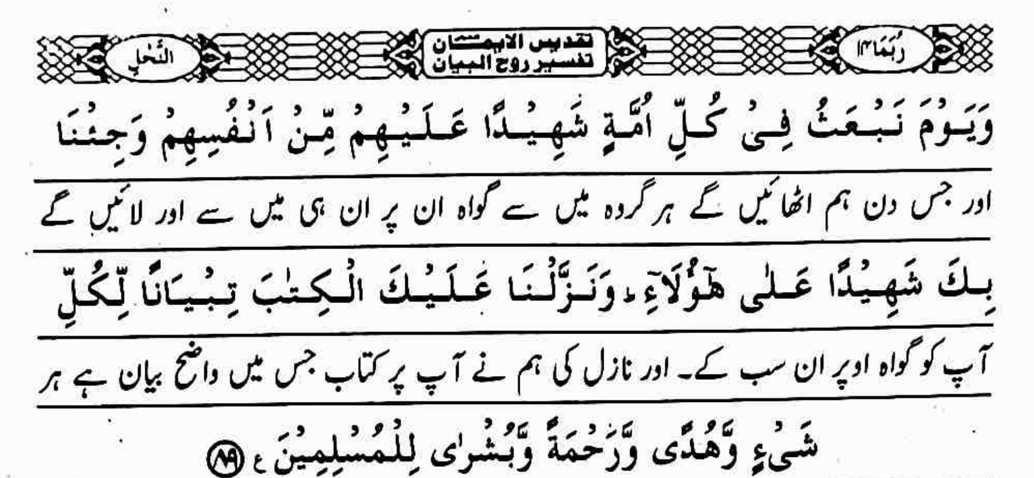
(آیت نمبر ۸۷) مشرکین اس دن اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیں گے اور سلامتی مانگیں گے اور عاجزی کا اظہار کریں گے جبکہ دنیا میں بڑے اکڑ خان تھے۔اور کسی نبی ولی کی نصیحت کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

آگے فرمایا کہ ان سے گم ہو جائیں گے یا دنیا میں ہی رہ ہو جائیں گے جو جو وہ دنیا میں گھڑتے تھے۔یعنی بتوں کے بارے میں جو جو وہ غلط نظریات رکھتے تھے کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔اللہ کے ہاں سفارش کر کے بخشوائیں گے۔ اس کا تو اب سارا پول کھل جائیگا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔خواہ مخواہ ان کو سجدے کرتے رہے۔

فائدہ :یعنی جنہیں وہ خدا مانتے رہے۔اگر وہ بت تھے تو پتھر تھے وہ دنیا میں رہ گئے۔اگر وہ انسان تھے یا جن وغیرہ تو وہ ان کو جواب دے دیں گے کہ اب ہم تمہاری کوئی مدد وغیرہ نہیں کر سکتے۔تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے سر جھکا کر سلامتی مانگیں گے۔

(آیت نمبر ۸۸) یہ وہی لوگ ہیں جو خود بھی کافر تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی ایمان کی طرف آنے اور دین اسلام پر چلنے سے روکتے تھے اور کفر پر ابھارتے۔اس وجہ سے فرمایا کہ ہم ان کے عذاب پر عذاب کو بڑھائیں گے۔چونکہ جرموں پر جرم کئے تھے اور پھر ان کے عذاب میں اضافے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ زمین میں فساد مچاتے تھے یا فساد سے مراد بھی راہ حق سے روکنا ہے۔

عذاب میں اضافہ: (۱)۔ابن جبیر فرماتے ہیں کہ عذاب میں خچر کے برابر بچھو اور بختی اونٹ کے برابر سانپ جن کے ایک ڈنگ سے چالیس سال تک تکلیف نہیں جائیگی۔(۲) ابن عباس اور مقاتل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پگھلے ہوئے تانبے کی پانچ نہروں میں کھڑا کر کے عذاب دیا جائیگا۔دنیا کی عمر کے برابر۔(استغفر اللہ)



وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا

اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر گروہ میں سے گواہ ان پر ان ہی میں سے اور لائیں گے

بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ

آپ کو گواہ اوپر ان سب کے۔ اور نازل کی ہم نے آپ پر کتاب جس میں واضح بیان ہے ہر

شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ع ﴿۸۹﴾

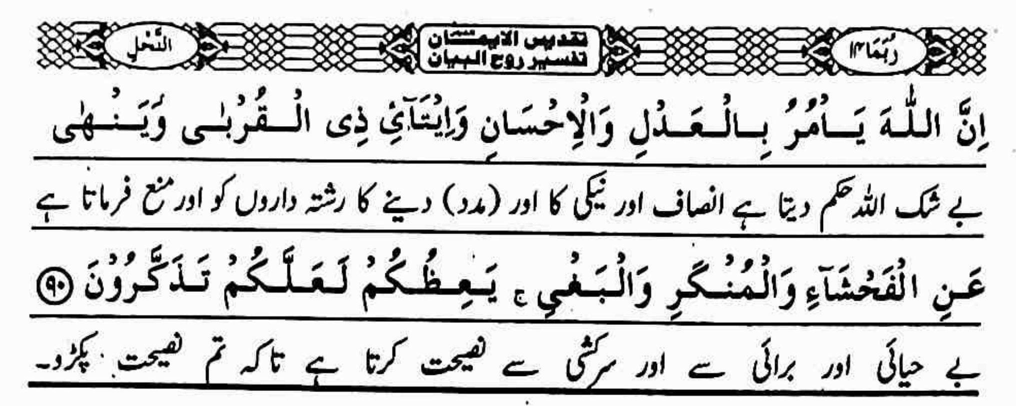
چیز کا اور ہدایت ہے اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۸) **نکتہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کی پانچ نہروں کی تعداد میں نکتہ یہ ہے کہ انسان کی تطہیر کیلئے پانچ ارکان اسلام یا پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان کو جس نے ضائع کر دیا اس کو ان پانچ نہروں میں غوطے دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۸۹) اے محبوب اس دن کو یاد کریں۔ جس دن ہم ہر امت میں سے ان پر گواہ کھڑا کریں گے (یہ جملہ دوسری بار لانا امت کی تنبیہ کیلئے ہے) یعنی ہر نبی اپنی امت کا گواہ بن کر آئے گا۔ ان کے نفسوں میں سے یعنی ان کی جنس سے ہوگا۔ تا کہ کوئی عذر نہ کرسکیں کہ دنیا میں ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں نبی بھیجا ان کی جنس یعنی ان کی ہی برادری میں سے۔ تا کہ اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔

فائدہ: اگر کوئی نبی باہر سے بھی آیا۔ تو ان میں شادی کر کے ان ہی میں سے ہو گیا۔ جیسے جناب لوط علیہ السلام نے سدوم شہر میں شادی کی پھر انہوں نے زندگی ان میں بسر کی تو اسی قوم میں شمار ہو گئے۔

فائدہ: علیہم کا مطلب ان کی موجودگی میں یا ان کے خلاف یا ان کے سامنے گواہی دیں گے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ان گواہوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن مجید میں موجود ہیں اور ہم نے آپ پر ایک کامل مکمل کتاب اتاری۔ اس کائنات میں کتاب کامل صرف قرآن مجید ہے۔ اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اس سے مراد یا تو دین ہے یا قرآن بمع حدیث میں سب کچھ آ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قول نبی کو قول حق قرار دیا ہے اور بعض مسائل اجماع میں آ گئے۔ کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے پیچھے چلو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اسی طرح قیاس بھی اس حکم میں داخل ہوگا کیونکہ قیاس بھی قرآن اور حدیث سے ہی نکلتا ہے۔



(بقیہ آیت نمبر ۸۹) آگے فرمایا کہ یہ قرآن سراپا ہدایت کامل ہے۔ یعنی یہ کتاب لوگوں کو گمراہی سے بچاتی ہے اور ہدایت عطا فرماتی ہے اور کل جہانوں کیلئے یہ کتاب رحمت ہے۔ کافروں نے اس رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کی اپنی بدنصیبی ہے کتاب کے رحمت ہونے میں فرق نہیں پڑتا اور فرمایا کہ یہ کتاب خوشخبری دیتی ہے جنت کی ان مسلمانوں کو جو نیک اعمال کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۰) بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے۔ نہ دوسروں پر ظلم کرو نہ کسی کو ظالم کے حوالے کرو۔ اپنے حقوق میں برابری کا خیال رکھو اور ہر حق والے کا حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں میانہ روی کا حکم دیتے ہیں۔ یا یہ کہ تم اپنے اعتقاد کو درست رکھو۔ جبری اور قدری عقیدہ والوں اور دوسرے غلط عقائد والوں سے دور رہو۔ اہل سنت کے عقیدے پر قائم رہو۔ اور عبادات میں بھی میانہ روی رکھو۔ نہ فرائض واجبات اور سنتوں میں کمی کرو اور نہ رہبانیت اختیار کر کے گھر بار سے ہی بالکل نکل جاؤ۔ نہ بخل کرو۔ نہ فضول خرچی کرو۔ بلکہ سخاوت اختیار کرو۔ ہر حال میں میانہ روی اپناؤ۔

مسئلہ : امام کو چاہئے کہ نماز نہ زیادہ زور سے پڑھائے۔ نہ بہت آہستہ بلکہ درمیانہ آواز سے تلاوت کرے۔ آگے فرمایا۔ (والاحسان)۔ یعنی لوگوں سے اچھا برتاؤ کرو۔

حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ (اربعین النووی) **حدیث شریف**: ایک عورت کو عذاب صرف اس وجہ سے ہوا کہ اس نے بلی کو باندھا۔ نہ اسے کچھ کھلایا نہ پلایا۔ اسی طرح وہ مر گئی۔ اسی طرح ایک عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (بخاری)۔ مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ احسان کے بعد احسان کرنا بدلہ ہے۔ احسان سے پہلے احسان کرنا نیکی ہے۔ **مسئلہ**: کسی کے جرائم سے درگذر کرنا اور برائی کرنے والے سے احسان کرنا بھی اس آیت کے تحت ہے۔ **مسئلہ**: نیک اعمال کی ادائیگی اور برائی سے بچنے کی تکلیف بھی اسی ضمن میں ہے۔ قیامت کے دن فرائض کے اندر

کی یعنی رکعات میں کسی رکعت کی خرابی یا خامی نوافل سے پوری کی جائیگی۔ یعنی اگر کوئی رکعت خراب ہوئی تو نفل کی رکعت اس کے ساتھ لگادی جائے گی۔

15

حدیث شریف: نوافل کو اچھی طرح کر کے پڑھا کرو۔ اس لئے کہ ان سے ہی فرائض کی تکمیل ہوتی ہے (خزینۃ الاسرار)۔ **حدیث شریف**: نوافل مومن کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیہ ہے۔ اس لئے اس ہدیہ کو اچھا اور بہتر کر کے بھیجا کرو (کشف الخفاء)۔ آگے فرمایا کہ قریبی رشتہ داروں کو بقدر ضرورت مال وغیرہ دو۔

فائدہ: صلہ رحمی کی فضیلت باقی جگہ مال دینے سے زیادہ ہے۔ اس لئے اسے الگ ذکر کیا۔

مسئلہ: ذوالقربیٰ میں ہر قسم کے رشتہ دار آتے ہیں۔ محرم غیر محرم وارث غیر وارث۔

مسئلہ: قطعی رحمی حرام ہے اور وہ غضب الٰہی کا سبب ہے۔ قطع رحمی کرنے والے کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ **فائدہ**: صلہ رحمی سے رزق و عمر میں برکت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کی دعا سے برکت عطا فرماتا ہے۔

صلہ رحمی یہ ہے کہ رشتہ داروں کو ہدیہ بھیجنا۔ اگر نزدیک ہوں تو اکثر ملاقات رکھنا۔ دور ہوں تو ان کو سلام بھیجنا۔ کبھی کوئی خط وغیرہ لکھ دینا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ بے حیائی اور برائی سے۔ اس میں چھوٹے بڑے سب گناہ آجاتے ہیں۔ یا المنکر سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرع اور سنت رسول کے خلاف اعمال ہیں۔ "البغی" سے مراد لوگوں پر ظلم و زیادتی ہے۔ ان کے عیوب تلاش کرنا اور ان کی غیبت اور ان پر طعن و تشنیع ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان امور مستحسنہ پر عمل کرنے اور تین برے امور سے منع فرمایا ہے۔ یہ تمہیں نصیحت ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور اس پر عمل کرو۔ **فائدہ**: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں خیر و شر کی جامع ترین آیت یہی ہے۔ اسی لئے اکثر خطباء اس آیت کو خطبہ جمعہ میں پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو خیر و شر کے متعلق نصیحت ہو۔ **فائدہ**: خارجیوں نے خطبات جمعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کے الفاظ داخل کر لئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے لعنت کے الفاظ ختم کر کے اس آیت کے پڑھنے کا حکم دے دیا۔ **فائدہ**: پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں۔ (اور ان کی خلافت خلافت راشدہ ہے)۔

15/15

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا

اور پورا کر وعدہ اللہ کا جب وعدہ کرو اور نہ توڑو قسموں کو بعد پختہ ہونے کے

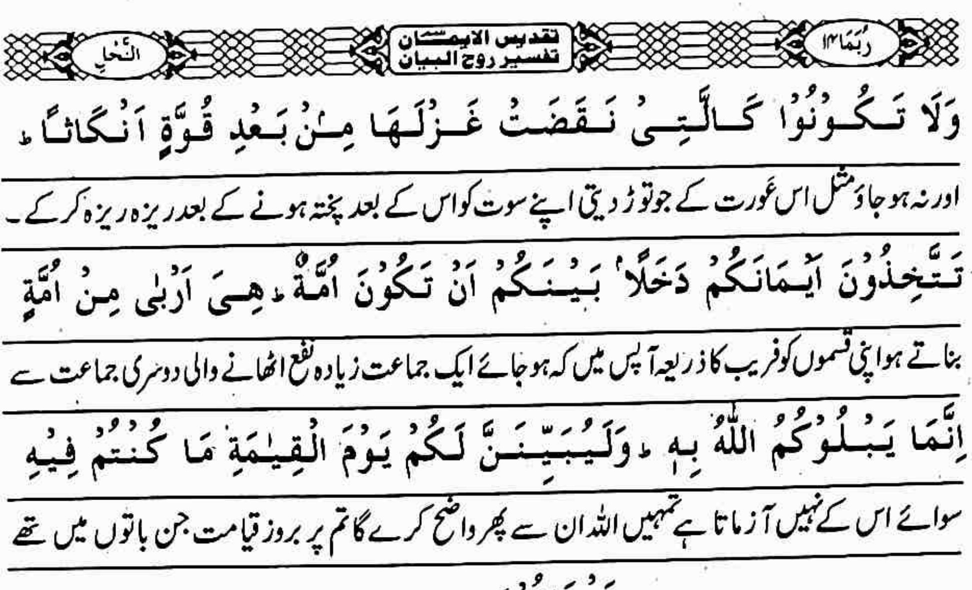
وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۹۱﴾

تحقیق تم کر چکے اللہ کو اپنے اوپر ضامن۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(آیت نمبر۹۱) اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کرو۔ اس سے مراد وہ معاہدہ ہے۔ جو حضور ﷺ نے بیعت کے وقت لوگوں سے لیا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ سے بیعت اصل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت ہے۔ وہ ایک معاہدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بیعت کرتا ہے وہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اللہ رسول کی اطاعت کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ثواب دینے کا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جو تم نے وعدہ کیا ہے وہ پورا کرو اور قسمیں پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔ یعنی معاہدہ کرتے وقت جو قسمیں کھاتے ہو انہیں نہ توڑو۔ اس لئے کہ تحقیق تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو شاہد اور ضامن بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ لہذا وعدوں یا قسموں کو پورا کرو گے تو وہ ثواب دے گا اور توڑ دو گے تو سزا دے گا۔

فائدہ :البتہ اگر قسم ایسی کھائی جس میں گناہ ہے۔ مثلاً کہے میں مسجد نہیں جاؤں گا تو اس قسم کا توڑنا واجب ہے اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے۔

دھوکہ نہ کھاؤ: متکلمین فرماتے ہیں۔ اگر کوئی ہوا میں اڑ رہا ہو یا پانی پر چل رہا ہو تو اس سے دھوکہ نہ کھانا کہ یہ کوئی شاید ولی اللہ ہے۔ ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو حدود اللہ کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرے اور شریعت کا پابند ہو۔



وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ط

اور نہ ہو جاؤ مثل اس عورت کے جو توڑ دیتی اپنے سوت کو اس کے بعد پختہ ہونے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے۔

تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ

بناتے ہو اپنی قسموں کو فریب کا ذریعہ آپس میں کہ ہو جائے ایک جماعت زیادہ نفع اٹھانے والی دوسری جماعت سے

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ط وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ

سوائے اس کے نہیں آزماتا ہے تمہیں اللہ ان سے پھر واضح کرے گا تم پر بروز قیامت جن باتوں میں تھے

تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾

تم اختلاف کرتے۔

(آیت نمبر۹۲) اے مسلمانو وعدہ خلافی کر کے اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنا دن بھر کا کاتا ہوا سوت توڑ کر ریزہ ریز کر دیتی تھی۔ وعدہ خلافی کرنے والے کو اس بے وقوف اور وہمی عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بڑی محنت کے ساتھ دھاگا تیار کر کے پھر توڑ دیتی تھی۔ وہ بے وقوف عورت ربطہ بنت سعد قریشیہ مکہ مکرمہ کی رہنے والی تھی۔ بہت بڑی بے وقوف اور وہم کی مریضہ تھی۔ صبح سے دوپہر تک اپنی ساتھی عورتوں کو ملا کر چرخہ کاتتی رہتی۔ پھر کاتا ہوا سارے کا سارا ساتھیوں کی مدد سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تو جو وعدہ کر کے توڑتا ہے۔ وہ اس بے وقوف عورت کی طرح ہے۔

آگے فرمایا کہ تم اس عورت کی طرح اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا سبب بناتے ہو۔

دخل: اسے کہتے ہیں جو ایسی شیء میں داخل ہو جو اس کی جنس سے نہ ہو۔

آگے فرمایا کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ ایک جماعت یعنی قریش مکہ دوسری جماعت یعنی مسلمانوں سے گنتی میں زیادہ ہو یا انہیں مالی کثرت حاصل ہو۔ تاکہ تمہیں اس سے کچھ نفع حاصل ہو۔ یاد رہے کفار سے کسی کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔ کفار سے مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان ہی ہوا ہے۔

فائدہ: اس میں اس شخص کو اس بری عادت سے منع کیا گیا جو کسی قوم کو اپنا خلیف بنائے۔ پھر جب دیکھے کہ کوئی اور قوم تعداد یا مال کے لحاظ سے بڑی نظر آئے تو پہلی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو اپنا خلیف بنا لے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

اور اگر چاہتا اللہ تو کر دیتا تمہیں امت ایک ہی لیکن گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

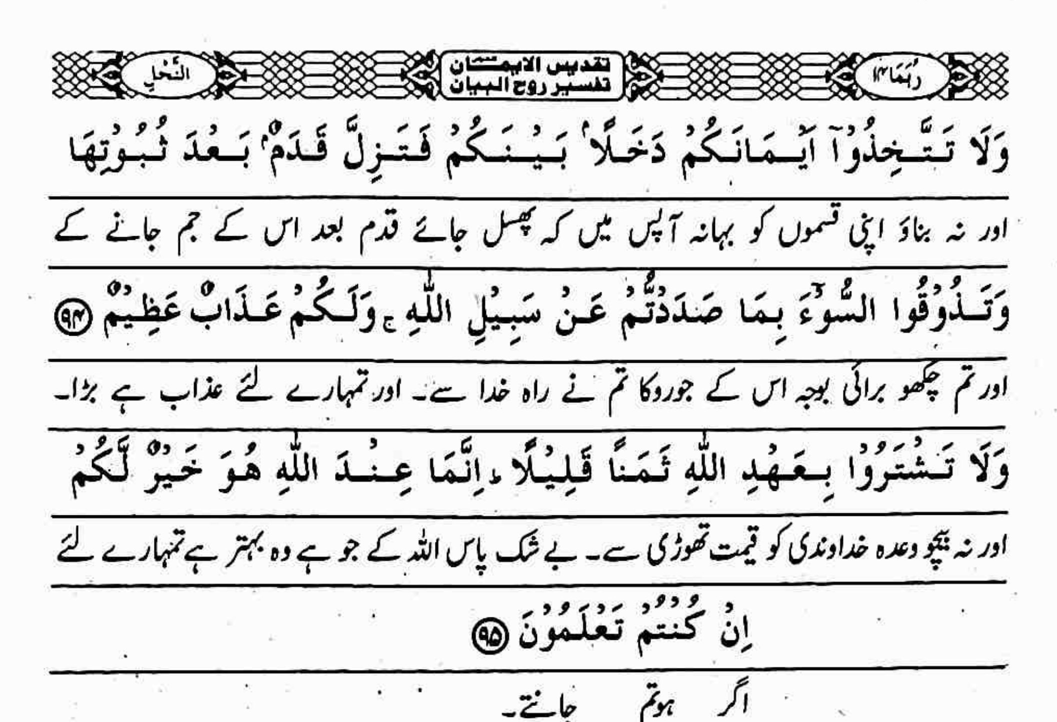
جسے چاہتا ہے۔اور تم ضرور پوچھے جاؤ گے اس کے بارے جو تھے تم عمل کرتے

(بقیہ آیت نمبر۹۲) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس بات میں آزمائش کرتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ ورسول سے جو تم نے بیعت وفا کی اس کو مضبوط رکھتے ہو۔یا قریش مکہ کی شان وشوکت اوران کے مال ودولت سے دھوکہ کھاتے ہو اور ضرور اللہ تعالیٰ بروز قیامت تم پر واضح فرمائے گا وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔پھر تمہارے نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر سزا دے گا۔

(آیت نمبر۹۳) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہارا ایک ہی گروہ بنا دیتا۔یعنی تم سب ایک دین پر ہوتے۔لیکن اس نے اس بات کو نہیں چاہا۔اس لئے کہ یہ اس کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے۔بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جو مرضی سے گمراہ ہونا چاہئے اسے گمراہ کردے۔اور جو ہدایت پر آنا چاہے۔اس کے اندر ہدایت چاہنے کا ملکہ پیدا فرما دیتا ہے۔چونکہ اللہ تعالیٰ کو نہ ہمارے ایمان سے فائدہ ہوتا ہے۔نہ عدم ایمان سے نقصان ہوتا ہے۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور ہدایت کی تخلیق بندہ کے کسب واختیار کے مطابق ہے۔یہ وہ عظیم راز ہے جسے صرف علماء باللہ ہی جانتے ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ قرآن میں واضح طور پر بیان کر دیا۔جو ہدایت چاہتا ہے۔وہ قرآن سے ہدایت لے۔آگے فرمایا کہ ضرور تم بروز قیامت پوچھے جاؤ گے۔

فائدہ :یہ پوچھنا بڑا سخت زجر وتوبیخ کا ہوگا اور جزاء وسزا سنانے کیلئے ہوگا۔اور سوال اس بارے میں کہ جو وہ عمل کرتے تھے۔یعنی کون ہیں۔جنہوں نے وعدے کی پابندی کی اور ایمان لا کر عمل صالح کئے تا کہ انہیں اس کا اچھا بدلہ دیا جائے اور کون ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر کے بدعہدی کی تا کہ انہیں سزا ملے۔**فائدہ** :عہد وپیان سے مراد وہ ہے جو بیعت کے وقت پیر مرید سے وعدہ لیتا ہے۔مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح کی پابندی اس پر لازم ہے (لیکن آج کل تو یہ رسم ہی ہے۔پیری مریدی سے پیر کو تو فائدہ ہوتا ہے۔مرید بے چارہ تو دونوں طرح خسارے میں ہے خواہ پیر مرید کے گھر جائے یا مرید پیر کے گھر میں جائے۔لٹتا مرید ہی ہے)۔آج کل کے پیر ایمان اور عمل صالح کا نہیں پوچھتے وہ تو کاروبار کا پوچھتے ہیں۔



وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَکُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَکُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو بہانہ آپس میں کہ پھسل جائے قدم بعد اس کے جم جانے کے

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَکُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم چکھو برائی بوجہ اس کے جوروکا تم نے راہ خدا سے۔ اور تمہارے لئے عذاب ہے بڑا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۚ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ

اور نہ بیچو وعدہ خداوندی کو قیمت تھوڑی سے۔ بے شک پاس اللہ کے جو ہے وہ بہتر ہے تمہارے لئے

اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اگر ہوتم جانتے۔

(آیت نمبر۹۴) اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو مکر وفریب کا بہانہ آپس میں ورنہ پھسل جائیں گے صراط مستقیم سے قدم تمہارے پختہ ہونے کے بعد اور پھر چکھو گے تم بہت برا عذاب بوجہ منع کرنے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔ یعنی دین اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو روکا۔ اس سے دین وایمان کے جن وعدوں کو لازمی پورا کرنا تھا انہیں توڑ دینا اور مرتد ہو جانا مراد ہے۔ یعنی انہوں نے ہدایت کو چھوڑ دیا اور غیروں کے طریقے کو اپنا لیا۔ اس وجہ سے ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ **فائدہ** :اس سے معلوم ہوا کہ وعدے کا پورا کرنا اور ایمان پر ثابت قدم رہنا اور مشکلات پر صبر کرنے کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملے گا۔

سبق :عقل مند وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں یعنی علماء صالحین کاملین کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کو نہیں توڑتا۔ یعنی وہ ایمان وعمل صالح کا ہمہ وقت پابندر رہتا ہے۔

(آیت نمبر۹۵) اور نہ خریدو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کے بدلے میں تھوڑی یعنی معمولی قیمت۔ یعنی دنیا کے معمولی مال کی خاطر ایمان ضائع نہ کرو۔ **فائدہ** :اس کا یہ مطلب نہیں کہ تھوڑی قیمت نہ لو زیادہ لے لیا کرو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا بھی اللہ تعالیٰ ورسول سے کئے ہوئے وعدے کا بدل نہیں ہوسکتی۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

جو پاس تمہارے ہے ختم ہو جائیگا اور جو پاس اللہ کے وہ باقی ہے اور ضرور صلہ دیں گے جنہوں نے صبر کیا ان کا اجر

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

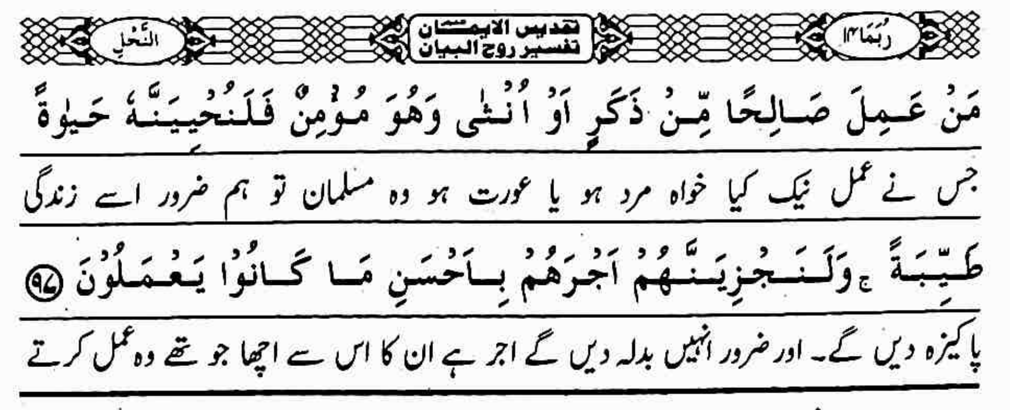
اس سے زیادہ اچھا ہو گا جو تھے وہ عمل کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۵) **شان نزول** : کفار مکہ کمزور قسم کے مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کیلئے انہیں مال ودولت کی لالچ دیکر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ یعنی دنیا میں دشمنوں پر غلبہ اور مال غنیمت اور آخرت میں ثواب کا ملنا۔ وہ بہت بہتر ہے تمہارے لئے۔ بہ نسبت اس کے جسے تم بہتر سمجھ رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اگر تم جاننے والے اور اس میں فرق سمجھنے والے ہو۔ **فائدہ** :بندہ اگر راہ راست سے پھسلتا ہے۔ تو اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے۔ کیونکہ بے وقوف لوگوں کو خیر و شر کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ نہ وہ قرآنی تعلیمات سے واقف ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۶) جو کچھ بھی دنیوی مال واسباب تمہارے پاس ہے۔ خواہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ ایک دن ختم ہو جائیگا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس مخفی رحمتوں کے خزانے ہیں۔ وہ باقی ہیں۔ یعنی کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

فائدہ :اس سے جہمیہ مذہب والوں کا بھی رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں کی بھی ایک انتہاء ہے۔ ایک دن وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ آگے فرمایا البتہ ہم ضرور بہ ضرور اچھا بدلہ ان لوگوں کو دیں گے۔ جنہوں نے صبر کیا۔ یعنی مشرکوں کی اذیتوں پر اور اسلام کی مشقتوں پر صبر کیا اور جو نبی سے بیعت کر کے وعدہ کیا اس پر قائم رہے تو انہیں ان مذکورہ اعمال کا اچھا اجر ملے گا جو بہت ہی بہتر اور احسن ہو گا۔ یعنی بندے کا عمل اتنا احسن نہیں جتنا اجر احسن واعلیٰ ہو گا۔

حکایت :ایک عالم دین بیان کرتے ہیں کہ میں شہر معیصہ میں تھا کہ وہاں دو بزرگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ہمیں گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ آگے ایک جگہ بیٹھ کر ہم نے معاہدہ کیا کہ جنگل میں عبادت کرتے ہیں اور وہ کھانا نہیں کھائیں گے جو مخلوق کی طرف سے ملے۔ اس شرط پر مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ معاہدہ کے بعد وہ مجھے جبل لکام پر لے گئے اور کہا یہاں عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ میں ایک غار میں جا کر عبادت میں لگ گیا۔ ان میں سے ایک صاحب روزانہ میرے پاس کھانے لاتے۔



مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

جس نے عمل نیک کیا خواہ مرد ہو یا عورت ہو وہ مسلمان تو ہم ضرور اسے زندگی

طَيِّبَةً ج وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

پاکیزہ دیں گے۔ اور ضرور انہیں بدلہ دیں گے اجر ہے ان کا اس سے اچھا جو تھے وہ عمل کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۹۶) ایک عرصہ تک میں معاہدے پر قائم رہا۔ ایک دن دل میں خیال آیا کہ میں یہاں کیوں پڑا رہوں۔ مجھے جا کر علم دین کی خدمت کرنی چاہئے۔ اکل حلال پر گذارہ کریں گے۔ اس خیال سے میں نکل کر شہر طرطوس میں آیا اور درس و تدریس میں مشغول ہو گیا۔ ایک عرصہ بعد ان میں سے ایک بزرگ وہاں آ گئے اور فرمایا کہ تم نے معاہدہ توڑ کر خیانت کی اور بغیر بتائے چلے آئے۔ اگر کچھ صبر کرتے تو ہماری طرح تمہیں بھی کرامات مل جاتیں تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں تین کرامات ملیں: (۱) طی ارض یعنی مشرق مغرب تک ایک ساعت میں پہنچ جانا۔ (۲) پانی پر چلنا۔ (۳) جب چاہیں غائب ہو جائیں یہ کہا اور غائب ہو گئے۔

سبق: اس سے معاہدہ توڑنے کی مذمت اور اس سے بہت بڑی کرامات سے محرومی حاصل ہونے کا سبق ملا۔

(آیت نمبر ۹۷) جو نیک عمل کرے رضاء الٰہی کیلئے جس میں خواہش نفسانی اور ریاء کا کوئی دخل نہ ہو اور وہ نیک عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ **فائدہ**: ثواب کا حق دار ہونے کیلئے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ کافر کو کسی نیک عمل کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ البتہ اس کے عذاب میں کمی ہونا ممکن ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ کافر سخی کے متعلق اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغہ سے فرمائے گا کہ اس کی سخاوت کے مطابق اس کے عذاب میں کمی کر دو۔ حضور ﷺ نے معراج کی رات جہنم میں جھانکا تو ایک کونہ میں ایک شخص دیکھا جس کے قریب آگ نہیں آ رہی تھی۔ تو جبریل امین نے بتایا کہ یہ حاتم طائی ہے۔ جس کے جود و سخا کی وجہ سے آگ اس کے قریب بہت کم آ رہی ہے۔ (مواہب)

آگے فرمایا کہ اس نیک عمل والے کو دنیا میں بھی بہترین عیش و عشرت کی زندگی کا موقع دیں گے۔ اور آخرت میں بھی اجر عظیم ہو گا۔ جس سے اطمینان اور آرام نصیب ہو گا۔ برخلاف فاسق و فاجر کے کہ اس کی دنیا بھی تلخی اور تنگی والی۔ خواہ وہ کتنا ہی مال و دولت والا ہو اور آخرت اس سے بھی زیادہ تلخ ہو گی۔ آگے فرمایا کہ نیک عمل والوں کو ہم ضرور اجر و ثواب دیں گے۔ جو ان کے اعمال سے بھی کئی گناہ زیادہ اچھا ہو گا۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ

تو جب آپ پڑھنے لگیں قرآن تو مانگو پناہ اللہ کی شیطان مردود سے۔ بے شک نہیں ہے

لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اس کا قابو اوپر ان کے جو ایمان لائے اور اوپر اپنے رب کے وہ بھروسہ کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ اگر کسی کی نیکی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گناہ بڑھائیگا اور اپنی طرف سی بہت بڑا اجر دے گا۔ **سبق**: بہر حال نیک اعمال کی جزاء ضرور ملتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(آیت نمبر ۹۸) جب تم تلاوت قرآن کا ارادہ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرو تا کہ وہ شیطان سے پناہ دے اور اس کے شر سے حفاظت کرے۔ شیطان جس میں شر ہی شر ہے اور ملعون ہے وہ نماز و تلاوت کے وقت وسوسوں میں مبتلا کر کے عبادات ضائع کرواتا ہے لیکن اگر فوراً ''اعوذ باللہ'' پڑھ لی جائے تا کہ وہ عبادت خراب نہ کر سکے کیونکہ مخلوق کا ہر فرد اس کے قبضہ میں ہے۔ **مسئلہ**: تلاوت قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنے کا بھی یہی مطلب ہے۔

(آیت نمبر ۹۹) شیطان کو کوئی غلبہ اور تسلط حاصل نہیں ہے۔ ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ **فائدہ**: اس سے اولیاء کاملین مراد ہیں۔ اس لئے کہ ان پر شیطان کا کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ شیطان کے شر سے کامل ایمان والا اور سچے توکل والا ہی بچ سکتا ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ کی امت میں بعض وہ لوگ بھی ہیں۔ جن کے سائے سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔ یہ حال غلاموں کا ہے تو آقا کی شان کا عالم کیا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ مومن کا نور ایمان وسوسہ شیطان پر غالب ہے۔ اور شیطان مومن کامل کے نور سے بھاگتا ہے۔ اگر عام مومن کے نور کا یہ عالم ہے تو حضور ﷺ کے نور کی کیا کیفیت ہو گی۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا ساتھی شیطان میرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہے۔ اب وہ مجھے نیکی کی ترغیب ہی دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

فائدہ: اس آیت میں ظاہراً خطاب حضور کو ہے۔ لیکن باطناً یہ خطاب امت کو ہے۔ حضور ﷺ کو خطاب اس لئے ہوا تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ جب حضور ﷺ کیلئے حکم ہے کہ وہ تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھیں تو امت کا اس سے زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ تلاوت قرآن سے پہلے تعوذ پڑھیں۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ع ﴿۱۰۰﴾

سوائے اس نہیں قابو اس کا اوپر ان کے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور وہ ہی اس کا شریک کرنے والے ہیں

(آیت نمبر ۱۰۰) سوائے اس کے نہیں شیطان کا تسلط اور غلبہ ان لوگوں پر ہے۔ جو شیطان کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کی دعوت کو قبول کر کے اس کے حکم پر چلتے ہیں۔

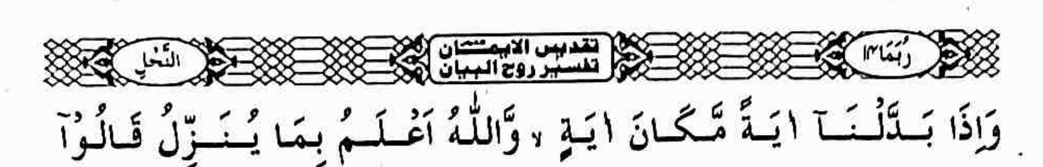
فائدہ: شیطان اگر چہ انسان کو برائی پر مجبور نہیں کرتا۔ وہ قیامت کے دن صاف کہہ دے گا کہ مجھے تو تم پر کوئی تسلط نہیں تھا۔ میں نے تمہیں صرف دعوت دی اور تم نے اپنی حماقت سے قبول کر لی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان کو وسوسہ دل میں ڈالتا ہے۔ آگے انسان اگر رب تعالیٰ کا سچا غلام ہے تو اس کے مکر کو سمجھ جاتا ہے اور فوراً سیدھی راہ پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ شیطان کا غلام ہے تو وہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ شیطان کا تسلط مشرکین پر یوں ہے۔ کہ وہ ان سے بتوں کی پوجا کرواتا ہے۔ اور اس کے کہنے پر وہ شرک کرتے ہیں۔ یعنی شیطان ہی ان سے بتوں کی پوجا کرواتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ کے ذکر سے چڑ کھاتا ہے تو ہم اس کا ساتھی شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں۔ تا کہ وہ اسے اچھی طرح گمراہ کرے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے شیطانی حملوں سے اور وسوسوں سے بچنے کا بہترین نسخہ بتا دیا کہ تعوذ پڑھیں پھر وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

تلاوت سے پہلے تعوذ: پڑھنے سے شیطان دور ہو جائے گا اور بندے کو غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرنے کا موقع نصیب ہو جائے گا۔ پھر ہی تو وہ احکام الٰہی پر عمل کرے گا۔ منہیات سے باز رہے گا۔

فائدہ: شیطان کے تسلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کر کے اس سے نور ایمان نکالنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ لیکن انسان کا ایمان اگر کامل ہو۔ اسے توکل اور زہد حاصل ہو اور آخرت کی طرف متوجہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے شر سے بچا لیتا ہے۔ ایسے خوش نصیب کو وہ گمراہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ ڈھیٹ اتنا ہے کہ اس کے پیچھے پڑا ہی رہتا ہے دل میں بھی وسوسے ڈالتا ہے۔

پانچ آدمیوں پر شیطان کا تسلط نہیں: ۱۔ اپنے گناہوں پر پشیمان ہونے والا۔
۲۔ اپنے خاتمے سے ڈرنے والا۔ ۳۔ لوگوں کو کھانا کھلانے والا۔
۴۔ بندوں پر رحم کرنے والا۔ ۵۔ اللہ کے حکم پر راضی بہ رضا رہنے والا۔



وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا

اور جب ہم بدلیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت تو اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے۔ کافرون نے کہا

اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

بے شک آپ اپنی طرف سے بناتے ہو۔ بلکہ اکثر ان میں نہیں جانتے۔

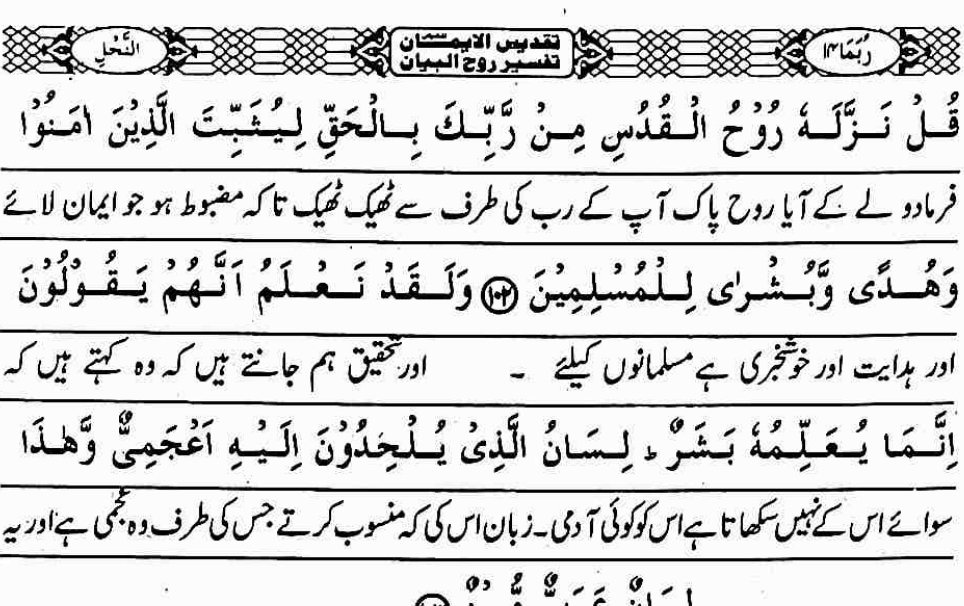
(بقیہ آیت نمبر ۱۰۰) **حدیث شریف** میں ہے کہ جس نے دن میں دس دفع شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس سے شیطان کو دور رکھتا ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی)

مسئلہ : استاد کو سبق سناتے وقت تعوذ نہ پڑھی جائے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ حنفی اور شافعی حضرات کے نزدیک تعوذ صرف پہلی رکعت میں ہے۔ اور تلاوت کی ابتداء میں ہے۔ باقی رکعات بسم اللہ سے شروع کی جائیں۔

(آیت نمبر ۱۰۱) جب ہم قرآن مجید کی کسی ایک آیت کے بدلے دوسری آیت اتار دیتے ہیں۔ یعنی پہلی آیت کو منسوخ کر کے اس کے عوض دوسری آیت لے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے کہ وہ کیا اتار رہے ہیں۔

فائدہ : یہ جملہ اصل میں کفار کو زجر و توبیخ کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔

شان نزول : جب کوئی آیت منسوخ ہوتی اور اللہ تعالیٰ بندوں پر شفقت کرتے ہوئے نرم حکم نازل فرماتا تو کفار مکہ کہتے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہوتی تو بدلتی کیوں یہ اصل میں محمد (ﷺ) اپنے صحابہ سے تمسخر کرتے ہیں۔ کبھی ایک حکم دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں وہ حکم منسوخ ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ لہذا یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں۔ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو ان کے اس بکواس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا نازل فرمایا۔ جب کافروں نے حضور ﷺ سے کہا کہ بے شک تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے والا ہے۔ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں تم خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے اصلاح احوال کیلئے احکام نازل فرماتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اور لوگوں کی آسانی کیلئے اس میں ردوبدل بھی فرما دیتا ہے۔ البتہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو نسخ کے احکام کو اور اس کی حکمت کو جانتے ہیں۔ لیکن وہ بھی دشمنی سے انکار کرتے ہیں۔



قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فرمادو لے کے آیا روح پاک آپ کے رب کی طرف سے ٹھیک تا کہ مضبوط ہو جو ایمان لائے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ

اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے ۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ

اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا

سوائے اس کے نہیں سکھاتا ہے اس کو کوئی آدمی ۔ زبان اس کی کہ منسوب کرتے جس کی طرف وہ عجمی ہے اور یہ

لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

زبان ہے عربی واضح ۔

(آیت نمبر۱۰۲) اے میرے محبوب ان کو بتادو کہ قرآن مقدس جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے اتار کر لائے ہیں جو تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت اتار کر لاتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ حق اور ثابت ہے۔ اور تقاضا حکمت کے موافق ہے اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تو اتار دیا۔ پھر چاہا تو منسوخ کر دیا۔ یہ اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور وہ یقین کریں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ اس میں غور وفکر کریں اور وہ سمجھ جائیں کہ یہ آیات بندوں کے حال کے مطابق ہیں تا کہ ان کے شک دور ہو جائیں اور ان کے عقائد پختہ ہو جائیں اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ آگے فرمایا کہ یہ قرآن ہدایت دینے والا اور جنت کی بشارت سنانے والا ہے سب مسلمانوں کو۔

(آیت نمبر۱۰۳) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہیں گے کہ اس (محمد ﷺ) کو کوئی بشر آ کر سکھا جاتا ہے۔

شان نزول : واحدی نے اسباب نزول میں لکھا ہے۔ مسلمہ فرماتے ہیں کہ عین التمر کے دو باشندے ہمارے غلام تھے۔ ایک کا نام یسار دوسرا جبر نامی جو تلواروں کو صیقل کرنے کا کام کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کبھی کبھی ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ وہ اپنی کتاب اپنی زبان میں پڑھ رہے ہوتے۔ حضور ﷺ بھی ان سے سن لیتے تو مشرکین نے اڑادی کہ یہ ان سے سیکھ کر آتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترا ہے۔ تو اس کے رد میں فرمایا کہ بولی اس شخص کی جس کی طرف کفار منسوب کر رہے ہیں۔ عجمی ہے اور یہ قرآن تو فصیح عربی زبان میں ہے۔ تو عجمی کو عربی کی فصاحت سے کیا تعلق ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ

بے شک جو نہیں ایمان رکھتے آیات خداوندی پر نہیں ہدایت دیتا ان کو اللہ اور ان کیلئے عذاب ہے

أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ

دردناک۔ بے شک گھڑتے ہیں جھوٹ وہی جو نہیں ایمان رکھتے آیات خداوندی پر اور

هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾

وہ ہی جھوٹے ہیں۔

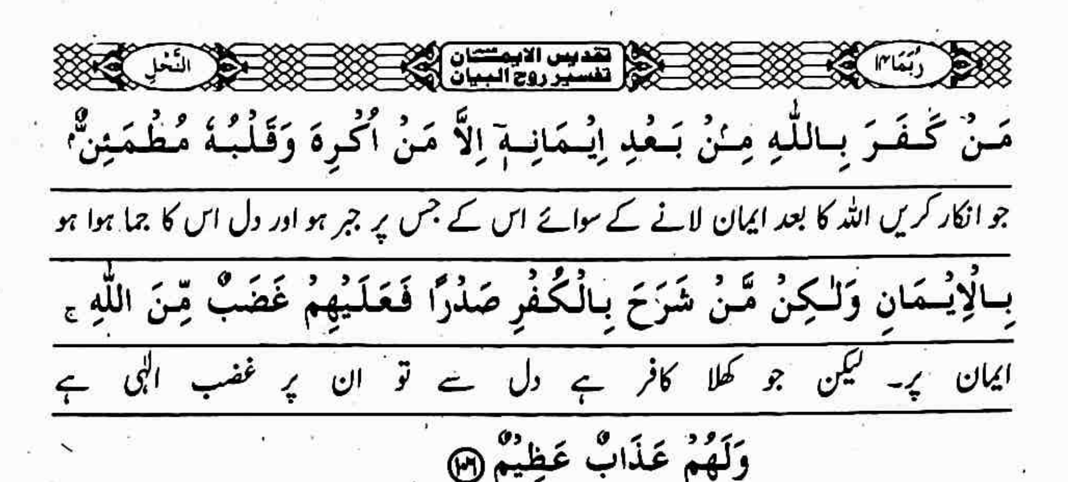
(بقیہ آیت نمبر۱۰۳) جسے کفار مکہ بھی مانتے تھے کہ اس قرآن کے الفاظ اور معانی ایسے فصیح و بلیغ ہیں کہ اس کے مقابل کلام لانا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے اور اس قرآن میں غیبی خبریں اور یقینی علم ہے لیکن کفار یہ جانتے ہوئے بھی کہہ دیتے ہیں کہ کوئی عجمی آدمی آ کر اسے سکھا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے۔ جس کے کلام کا مقابلہ کرنے سے پوری دنیا عاجز ہے۔ اسے کوئی بندہ کیسے بنالیتا ہے۔ یہ وہ معجزہ ہے۔ جس کا مقابلہ قیامت تک کوئی نہیں کرسکتا۔

(آیت نمبر۱۰۴) بے شک جو لوگ آیات خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور یہ نہیں مانتے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سیدھی راہ نجات کی طرف راہنمائی بھی نہیں فرماتا۔ تاکہ وہ مطلوب کو پاسکیں اور ان کیلئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ یہ سزا انہیں اس وجہ سے ملی ایک تو انہوں نے قرآن کے ساتھ کفر کیا اور دوسرا نبی کریم ﷺ کی طرف افتراء یعنی جھوٹ گھڑنے کی نسبت کی۔ حالانکہ یہ خود بہت بڑے مفتری ہیں۔

(آیت نمبر۱۰۵) سوائے اس کے نہیں جھوٹا افتراء وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ انہیں عذاب آخرت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جو مومن ہوگا وہ کبھی بھی اللہ رسول پر افتراء نہیں گھڑے گا۔ کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔

سبق : جب مومن کی یہ شان ہے تو پھر مومن کے آقا ﷺ تو نور علی نور ہیں۔ ان سے افتراء کا صدور کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ آگے فرمایا وہی لوگ جو آیات الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے وہ بہت بڑے جھوٹے ہیں۔

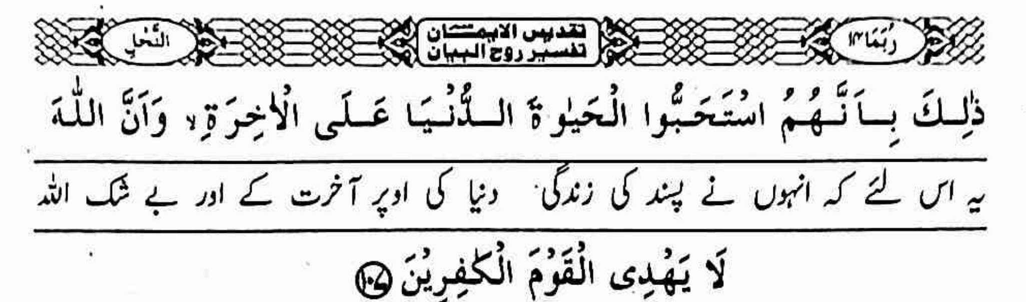
فائدہ : یاد رکھیں آیات الٰہی پر طعن و تشنیع کرنا یہ باطل پرستوں کا شیوہ ہے اور ان کا جھوٹ بالکل واضح ہے۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) **حدیث شریف** : حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن چور بھی ہوسکتا ہے۔ فرمایا ممکن ہے۔ پھر عرض کی گئی کہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے فرمایا یہ ناممکن ہے (اخرجہ ابن جریر فی تہذیب الآ ثار)۔ اس سے اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ جھوٹ کتنی بری چیز ہے۔ **نکتہ** : اخلاص کی قدر و قیمت کا اندازا اس سے لگائیں کہ شیطان نے کہا میں سب کو گمراہ کروں گا۔ لیکن اس نے خود اقرار کیا کہ میں مخلصین مومنین کو گمراہ نہیں کرسکوں گا۔ اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ میرا وسوسہ ڈالنا نیک لوگوں پر فائدہ مند نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۰۶) جس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق کلمہ کفر کہا۔ ایمان کا اظہار کرنے کے بعد ان پر غضب الٰہی ہوگا۔ مگر وہ آدمی جسے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا۔ جیسے کسی کو یوں کہا کہ اگر تو نے یہ کلمہ کفر نہ کہا تو قتل کردیا جائیگا۔ یا تیرا کوئی عضو کاٹ دیا جائیگا۔ یعنی جو جبر و اکراہ سے کلمہ کفر بولے وہ غضب و عذاب الٰہی سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ کفر پختہ عقیدہ سے متعلق ہے۔ یعنی دل سے اقرار کرے۔ جیسے صرف زبان سے کلمہ پڑھنے سے مسلمان نہیں ہوتا۔ جب تک کہ دل سے تصدیق نہ ہو۔ اسی طرح زبان سے کلمہ کفر غلطی سے نکلا یا جبر سے نکلوایا گیا۔ تب بھی کافر نہیں ہوگا۔ جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے اور اس کے عقیدے میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔

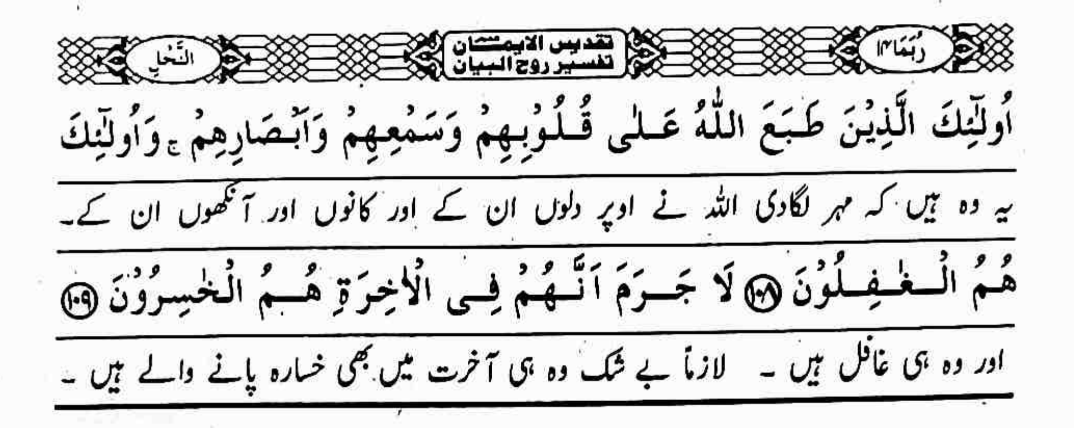
شان نزول : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار نے حضرت عمار اور ان کی والدہ اور حضرت بلال حضرت خباب رضی اللہ عنہم کو سخت اذیتیں دیں۔ تاکہ یہ اسلام کو چھوڑ کر کفر میں آجائیں حتیٰ کہ حضرت سمیہ اور ان کے خاوند یاسر کو بے دردی سے شہید بھی کردیا۔ یہ اسلام کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ حضرت عمار کو کہا کہ تم یہ کلمہ کفر منہ سے نکالو۔ ورنہ قتل ہوجاؤ گے تو انہوں نے وہ کلمات کہہ دیئے۔ جو وہ کہلوانا چاہتے تھے۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۰۶) **علم نبوی** : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے کہا کہ عمار تو کافر ہو گیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمار تو سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس کی رگ و پے میں اسلام سرایت کر گیا ہے۔ وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ اتنے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے در اقدس پر حاضر ہوئے اور پورا واقعہ عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس محبِ صادق کے آنسو صاف کئے اور فرمایا اگر آئندہ بھی وہ ایسا کہیں تو جو وہ کہیں تم وہی کہہ لینا۔ تمہارے ایمان میں کوئی خلل نہیں آئیگا۔ **فائدہ** :معلوم ہوا کہ جبر و اکراہ کے وقت مجبوراً کلمہ کفر منہ سے نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ جو شخص کلمہ کفر پورے شرح صدر کے ساتھ کہے۔ یعنی کفری عقیدے کے ساتھ اور پوری خوشی اور رضا سے کلمہ کفر بکے۔ اس پر غضب (عذاب) الٰہی ہے۔ اور آخرت میں اس کیلئے جہنم کا بڑا سخت عذاب ہے۔ کیونکہ اس کا جرم ناقابل معافی ہے اس لئے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۷) ان کا کفر بعد ایمان اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے پسند کر لی اپنے لئے دنیا کی زندگی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اور بے شک اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی انہیں ان امور سے نہیں بچائے گا۔ جن کی وجہ سے آخرت میں دردناک عذاب اور غضب الٰہی ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی۔ اور ایمان پر کفر کو زیادہ پسند کر لیا۔ **فائدہ** :یہ بات یاد رکھیں کہ کفار کو ہدایت نہ ملنے کی وجہ۔ ان کے اپنے غلط کرتوت ہیں جو انہوں نے اپنی مرضی سے اختیار کئے (خدا کو چھوڑ کر بتوں سے محبت اور جنت کو چھوڑ کر دنیا سے محبت وغیرہ)۔ ایسے اعمال ہیں۔ جن کی نحوست سے ایمان نصیب نہیں ہوتا۔



اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

یہ وہ ہیں کہ مہر لگادی اللہ نے اوپر دلوں ان کے اور کانوں اور آنکھوں ان کے۔

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

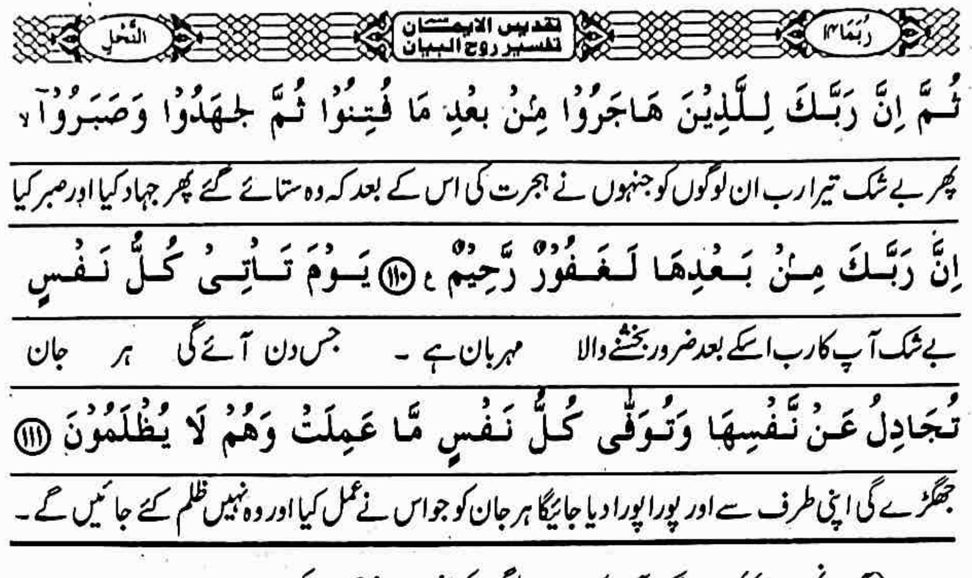
اور وہ ہی غافل ہیں ۔ لازماً بے شک وہ ہی آخرت میں بھی خسارہ پانے والے ہیں ۔

(آیت نمبر ۱۰۸) یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کی برائیاں بیان کی گئیں۔ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی۔ تا کہ وہ حق تک نہ پہنچ سکیں اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے۔ تا کہ حق نہ سن سکیں اور ان کی آنکھوں پر بھی ہے تا کہ حق بات نہ دیکھ سکیں۔ یہی لوگ غافل ہیں جو اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔

فائدہ :تاویلات نجمیہ میں ہے۔ غافل لوگ ہی گھاٹے میں رہیں گے۔ عبادت میں اعضاء کی غفلت اور سستی دل کیلئے مواہب رحمانیہ سے محرومی کا سبب ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس سے جہالت وغفلت ہی اس کا حجاب ہے۔ (اور جب بندہ عبادت ذوق وشوق سے کرے تو غفلت خود بخود دور ہو جاتی ہے)۔

(آیت نمبر ۱۰۹) لازماً بے شک وہ آخرت میں بڑے خسارے والے ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی عمریں گناہوں اور نافرمانیوں میں ضائع کر دیں اور دائمی عذاب کیلئے صرف کر دیں۔

فائدہ :ان کے لئے خسارہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنا سرمایہ حیات بھی صرف کیا اور آخرت میں ملا بھی کچھ نہیں۔ بلکہ بروز قیامت ان جیسا مفلس وتنگدست اور کوئی بھی نہیں ہوگا اور اس حالت پر وہ سخت پشیمان ہوں گے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بازار میں منازل اعمال کے مطابق ہونگے۔ اگر مفلس ہو کر آئیگا تو شرمسار ہوگا۔ جس کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے۔ اس کے مراتب بارگاہ خداوندی میں بلند ہوں گے۔


ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ

پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کو جنہوں نے ہجرت کی اس کے بعد کہ وہ ستائے گئے پھر جہاد کیا اور صبر کیا

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ

بے شک آپ کا رب اسکے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔ جس دن آئے گی ہر جان

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

جھگڑے گی اپنی طرف سے اور پورا پورا دیا جائیگا ہر جان کو جو اس نے عمل کیا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۱۰۰) پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کو جنہوں نے ہجرت کی۔

شان نزول: قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ان کا ایمان قبول نہیں تو اہل مدینہ مسلمانوں نے مسلمانان مکہ کی طرف خطوط لکھ کر انہیں متنبہ کیا کہ ہجرت کر آؤ۔ ورنہ ایمان سلامت نہیں ہوگا تو انہوں نے تیاری کی مگر کفار آڑے آ گئے۔ بلکہ کچھ مسلمان مقابلے میں شہید بھی ہو گئے۔ ان کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ لوگ جنہوں نے دارالاسلام مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ جیسے عمار وصہیب وبلال وخباب وغیرہم رضی اللہ عنہم اس کے بعد کہ وہ فتنہ میں ڈالے گئے یعنی انہوں نے کفار کی اذیتیں برداشت کیں۔ پھر راہ حق میں جہاد کیا اور جہاد کی مشکلات میں صبر کیا تو پھر بے شک آپ کا رب تعالیٰ ہجرت وجہاد پر صبر کی وجہ سے ضرور ان کے گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔ **مسئلہ:** جو دین وایمان کی حفاظت کیلئے ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ جہاں اس کے دین کی حفاظت اور تعظیم وتکریم ہو۔ اس نیت سے ہجرت کرنے والے پر جنت واجب ہو جاتی ہی۔ خواہ ایک بالشت ہی دور ہو۔

(آیت نمبر ۱۱۱) جس دن آئے گا ہر نفس یعنی بروز قیامت اپنے نفس کی طرف سے آ کر جھگڑا کرے گا۔ اے محبوب آپ اس وقت کو یاد کریں یا اس سے مراد عام ہے۔ جو بھی خطاب کا اہل ہے۔ وہ اس وقت کو یاد کرے کہ جب قیامت کے دن ہر انسان اپنی جان بچانے کیلئے عذر ومعذرت کیلئے پوری کوشش کرے گا۔ مثلاً کافر کہیں گے فلاں نے ہمیں گمراہ کیا۔ مشرک کہیں گے ہم نے شرک نہیں کیا۔ ہر آدمی کو اپنی جان بچانے کی فکر ہو گی کسی دوسرے کا خیال نہیں

ہوگا (خواہ کتنا قریبی ہو) یہاں تک کہ جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام بھی نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے۔ سوائے ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ امتی امتی پکار رہے ہوں گے۔

اس لئے کہ آپ فنا فی اللہ اور باقی باللہ کی منزل میں ہیں اور معراج کی رات آپ تمام کمالات سے نوازے گئے۔ اسی لئے کہ آپ کو "السلام علیك ایھا النبی" کا خطاب ملا۔ آپ رحمت الٰہی کا خزینہ بن کر خلق خدا کی ہدایت کیلئے تشریف لائے۔ آگے فرمایا اور ہر شخص کو جزا یا سزا کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا جو جو اس نے کیا۔

فائدہ : یاد رہے قیامت کے دن جزاء و سزا اور مجادلہ کے الگ الگ دور ہوں گے۔ دونوں کام ایک وقت میں نہیں ہوں گے۔ اگرچہ دن ایک ہی ہوگا۔

آگے فرمایا۔ کہ ان پر ظلم و زیادتی نہیں کی جائیگی۔ یعنی نہ اجر و ثواب میں کمی ہوگی۔ نہ بلا وجہ سزا ہوگی۔ نہ گناہوں کی مقدار سے زیادہ سزا ملے گی۔

جھگڑے کی کہانی:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر ایک ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالیں گے۔ یہاں تک روح اور جسم بھی آپس میں جھگڑا کریں گے۔ ایک دوسرے پر گناہوں کی ذمہ داری ڈالیں گے۔ اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

حکایت : جیسے ایک لنگڑا اندھے پر بیٹھ کر باغ میں چلے گئے۔ اندھے نے اٹھایا ہوا تھا۔ لنگڑا دیکھ کر درختوں سے پھل اتار کر خود بھی کھاتا اور اندھے کو بھی دیتا۔ جب مالک آ گیا۔ دونوں گرفتار ہوئے تو اندھا کہتا مجھے لنگڑا لایا۔ لنگڑا کہتا مجھے اندھا لے کر آیا۔ ورنہ میں تو چل ہی نہیں سکتا تھا۔ بالآخر دونوں کو سزا ہوئی۔ قیامت کو بھی خواہ جتنا جھگڑا کریں۔ سزا سب کو ہوگی۔ جنہوں نے برے عمل کئے۔ وہ سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ وہ بچ جائیگا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا

اور بیان کی اللہ نے مثال ایک بستی کی جو تھی امن میں مطمئن آتی تھی وہاں روزی کثرت کے ساتھ

مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ

ہر طرف سے ناشکری کی انعامات خداوندی کی تو پھر چکھایا انہیں اللہ نے مزا بھوک اور ڈر کا

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

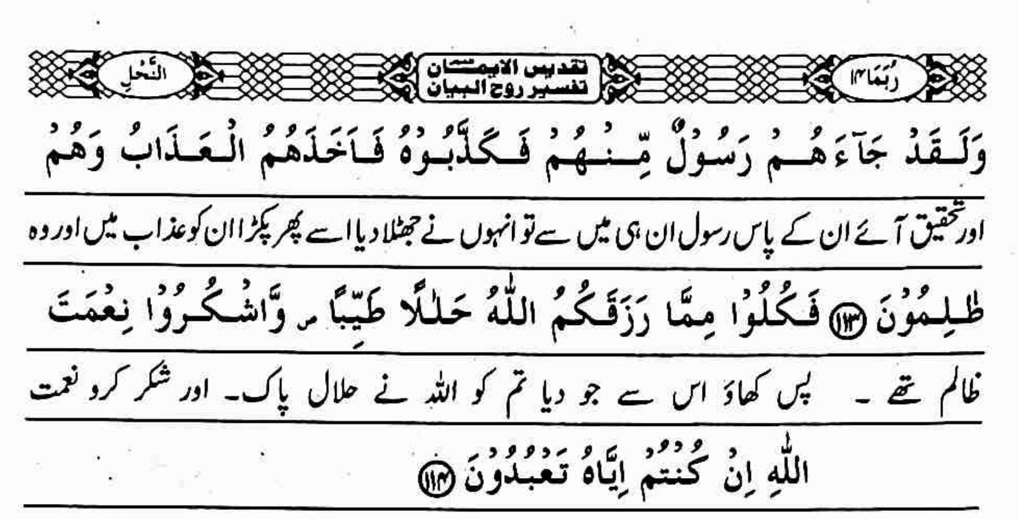
بوجہ اس کے جو تھے وہ کرتے

(آیت نمبر۱۱۲) اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانہ کے ایک قریہ (بستی) کی مثال بیان فرمائی۔ اس سے مراد ایکہ کی بستی ہے۔ جو مصر اور ینبع کے درمیان واقع ہے۔ یاد رہے یہ مثال اہل مکہ کیلئے بیان ہوئی۔ یا اس سے مراد وہ سب لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ لیکن وہ نعمتیں پہچان نہ سکے۔ کہ وہ بجائے نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تو ان نعمتوں کو عذاب سے بدل دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ حکم اہل مکہ وغیرہ سب کیلئے ہے۔ تو اس بستی والے ہر قسم کے خوف سے پُرامن تھے۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں کہ وہ بستی سرکش بادشاہوں کے نزول اور ظالموں کے دست برد سے بڑی امن اور سلامتی میں تھی اور انتہائی مطمئن تھی کہ وہاں کے رہنے والے خوش حال تھے کہ اس بستی کو چھوڑنا کوئی گوارہ نہیں کرتے تھے اور انہیں ہر طرح کا اور ہر موسم کا رزق وافر مقدار میں مل رہا تھا۔ اس لئے پرسکون تھے آرام اور چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے روزی آرہی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی اور ناقدری کی۔

فائدہ : یہاں تک کہ روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کر لیا کرتے تھے لہذا نعمتوں کی ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مزہ چکھایا کہ انہیں بھوک کا لباس ایسا پہنایا کہ پھر وہ گندی غلاظت کو بھی کھا جاتے تھے۔

فائدہ : جیسی بد اعمالیاں ہو سزا بھی ایسی ہی ملتی ہے۔ **نکتہ** : بعض بزرگوں نے فرمایا بھوک اور ڈر کا لباس اس طرح کہ بھوک کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور جس طرح لباس انسانی جسم کو گھیرتا ہے۔ اسی طرح بھوک اور ڈر نے ان کے جسموں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ سب ان کے اپنے کردار یعنی کفران نعمت کی وجہ سے تھا۔ اور خوف ہی ہو گیا۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں نے ان کی نیندیں حرام کر دیں۔



وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

اور تحقیق آئے ان کے پاس رسول ان ہی میں سے تو انہوں نے جھٹلا دیا اسے پھر پکڑا ان کو عذاب میں اور وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ

ظالم تھے۔ پس کھاؤ اس سے جو دیا تم کو اللہ نے حلال پاک۔ اور شکر کرو نعمت

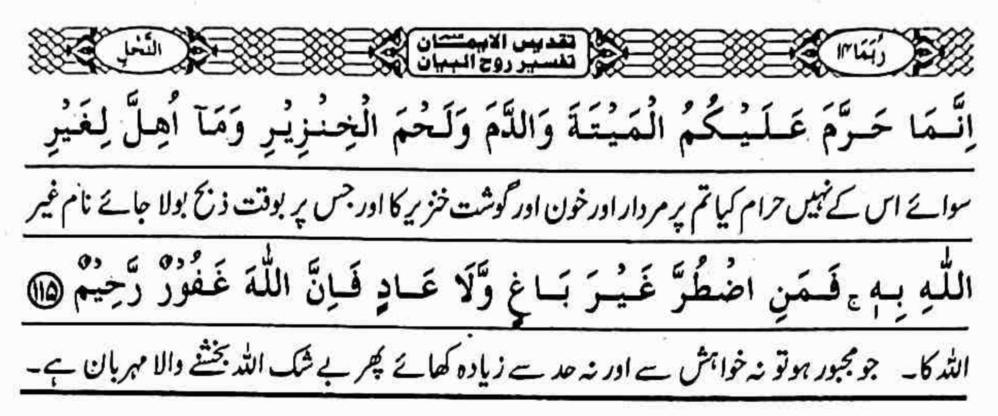
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

خداوندی پر اگر ہو تم اسی کی عبادت کرتے۔

(آیت نمبر ۱۱۳) اور البتہ تحقیق ان بستی والوں کے پاس رسول بھی تشریف لائے۔ جو ان کی برادری سے تھے۔ لیکن اس بستی والوں نے اس رسول کی بھی تکذیب کی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام نے انہیں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنا تم پر لازم ہے۔ اگر ناشکری اور ناقدری کرو گے تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ اس کے باوجود انہوں نے رسول کی بات نہیں مانی۔ بلکہ اس کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی بھی کوئی قدر نہ کی۔ بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ جس سے ان کی جڑ کٹ گئی۔ یعنی تباہ و برباد ہو گئے کہ بھوک اور خوف نے پہلے ہی ان کا برا حال کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ظالم تھے کہ انہوں نے بجائے نعمتوں پر شکر کرنے کے ناشکری کی۔ اور تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔ اور جس قوم نے بھی اپنے رسول کی تکذیب کی پھر عذاب آنے میں دیر نہ ہوئی۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مثال اہل مکہ کیلئے دی گئی ہے کہ وہ بھی بڑے پر امن تھے۔ انہیں بھی کسی قسم کا خوف نہ تھا اور ہر طرف سے غلہ پھل اور فروٹ ان تک پہنچ رہا تھا۔ تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت تھے تو اہل مکہ نے تمام نعمتوں کی ناشکری کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی کی تو اس پاداش میں ان مشرکین پر قحط و تنگدستی اور بھوک کا وہ دور آیا کہ وہ مردار اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں کھا گئے پھر بھی باز نہ آئے تو غزوہ بدر میں تو ان کا بہت برا حال ہوا۔

(آیت نمبر ۱۱۴) پس کھاؤ اس میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے رزق دیا۔ یعنی کہ اے اہل مکہ تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں اور اللہ کے رسول کی تکذیب کریں تو ان کا انجام انتہائی برا ہوتا ہے۔ ان کے انجام کو تم نے جان لیا۔ وہی عادات تمہارے اندر بھی پائی جاتی ہیں کہ تم نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو۔



اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ

سوائے اس کے نہیں حرام کیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور جس پر بوقت ذبح بولا جائے نام غیر

اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اللہ کا۔ جو مجبور ہو تو نہ خواہش سے اور نہ حد سے زیادہ کھائے پھر بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۴) اور رسول کی تکذیب بھی کرتے ہو۔ اب بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاؤ جو تمہارے لئے حلال طیب تمہاری دل پسند اور لذیذ ہیں انہیں خوب مزے سے کھاؤ اور نعمتیں دینے والی ذات کا شکریہ بھی ادا کرو وران کے حقوق پہچانو اور اس کی ناشکری نہ کرو۔ **فائدہ** : ویسے تو ہر حال میں اس کا شکر کرے۔ لیکن اس کی عطا کردہ نعمتوں کو جب استعمال کیا جائے۔ اس وقت شکر کرنا لازم ہے۔ کم از کم الحمد للہ ہی کہہ دے۔ تو اللہ تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اس کی خالص عبادت کرو تو اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کی حلال اشیاء کو حلال جان کر کھاؤ اور اس کی حرام کردہ اشیاء کو حرام جانو اور ان کے کھانے سے بچو۔

(آیت نمبر ۱۱۵) سوائے اس کے نہیں اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کیا۔ یعنی جو جانور شرعی طریقہ کے مطابق ذبح نہ ہو وہ مردار ہوتا ہے (یاد رہے یورپ میں کرنٹ لگا کر جو مرغے ذبح کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر ذبح کرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں اور ذبح بھی صحیح طریقے سے نہیں ہوتے۔ بلکہ میں نے انٹرنیٹ پر دیکھا کہ مرغ ذبح کرنے والے کے پاس سے انتہائی تیزی کے ساتھ مرغ گذر رہے ہوتے ہیں۔ چھری چلانے والا گردن پر چھری ضرور چلاتا ہے۔ لیکن رگیں پوری نہیں کٹتیں۔ بلکہ آدھی بھی نہیں کٹتیں۔ وہ معمولی سی چھری گلے سے لگاتے ہیں۔ معلوم نہیں ایک رگ بھی کٹی یا نہیں۔ ایسے ذبیحے حرام مردار کے زمرے میں ہیں البتہ بڑے جانوروں کو صحیح ذبح کیا جاتا ہے۔) آگے فرمایا ذبحہ کے وقت نکلنے والا خون بھی حرام ہے۔ لیکن جو خون گوشت یا رگوں کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ وہ حلال ہے۔ البتہ اسے بھی دھو دینا چاہئے۔ اسی طرح خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے اور وہ گوشت بھی حرام ہے۔ جو بتوں کے نام پر ذبح یا تقسیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ اشیاء بھی حرام ہیں جن کی حرمت احادیث میں آ گئی۔ البتہ جو حدیث کو نہیں مانتے، شاید گدھے وغیرہ کھا جاتے ہوں کیونکہ گدھوں کی حرمت حدیث میں ہے۔ وہ حدیث نہیں مانتے اور گدھے کی حرمت قرآن میں کہیں بھی نہیں۔ **حدیث شریف**: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے۔ خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (رواہ ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا

اور نہ کہو وہ جو بولتی ہیں تمہاری زبانیں جھوٹ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم گھڑ لو

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۱۱۶﴾

اوپر اللہ کے جھوٹ۔ بے شک جو گھڑتے اوپر اللہ کے جھوٹ وہ نہیں کامیاب ہونگے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۵) آگے فرمایا کہ جو حرام کھانا کھانے پر مجبور ہو جائے وہ کھالے مگر حد سے تجاوز بھی نہ کرے۔ یعنی اتنا کھالے کہ جس سے جان بچ جائے اور لوٹ کر پھر نہ کھائے تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (حلت وحرمت کے مزید مسائل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۱۱۶) اے اہل مکہ وہ باتیں نہ کہو جو تمہاری زبانوں سے نکلتا ہے۔ یعنی جو تم اپنی طرف سے ہی حلال اور حرام ٹھہرا لیتے ہو۔ یہ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ جو تم اپنی طرف سے کہتے ہو۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔

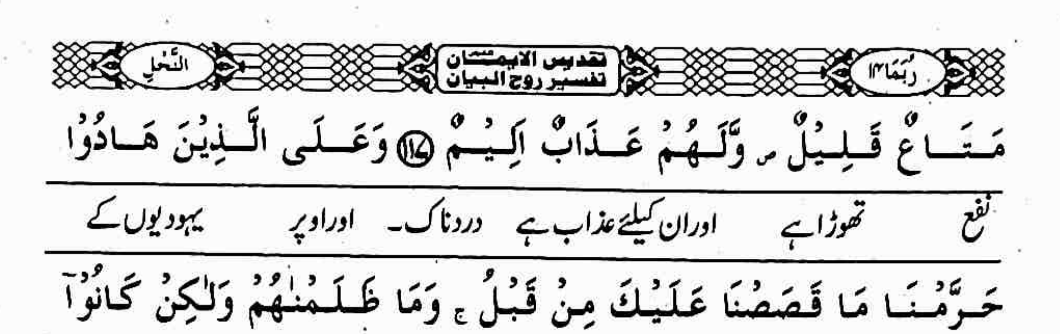
فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ محض زبانی باتوں سے احکام مرتب نہیں ہوتے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ **سبق**: اس میں قاضیوں مفتیوں اور مولویوں کیلئے بھی تنبیہ ہے کہ دلیل کے بغیر بات نہ کریں۔

آگے فرمایا کہ اپنی طرف سے حلال وحرام کہہ کر تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھ رہے ہو۔ اس لئے کہ حلال وحرام کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی کسی چیز کو حلال یا حرام کہے گا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے گا۔

جھوٹے صوفی اور پیر:

جو اپنے نفس کے دھوکے میں آ کر کہتے ہیں کہ اب ہم ایسے مراتب اور کمالات تک پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے لئے بعض محرمات شرعیہ حلال اور بعض حلال شرعی حرام ہیں۔ ان کے متعلق بھی یقین سے جانیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ رہے ہیں۔ کیونکہ اپنی طرف سے نہ کوئی حرام کو حلال کر سکتا ہے۔ نہ حلال کو حرام۔

آگے فرمایا کہ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کا ارتکاب کیا ہے تو ایسا آدمی کہاں کامیاب ہو سکتا ہے۔



مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا

نفع تھوڑا ہے اوران کیلئے عذاب ہے دردناک۔ اوراوپر یہودیوں کے

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا

ہم نے حرام کیں جن کو ہم نے بیان کردیا آپ پر پہلے ہی۔ اور نہیں ظلم کیا ہم نے لیکن تھے

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

اپنی جانوں پر وہ ظلم کرتے۔

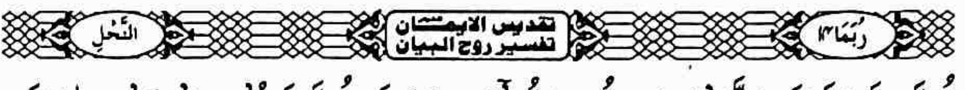
(بقیہ آیت نمبر۱۱۶) **سبق** : عقل مند پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیرنے کے بجائے صدق طلب اوراخلاص عمل کی طرف متوجہ ہو۔ یعنی جواب تک اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا رہا اس سے توبہ کرے اور آئندہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال جانے اور حرام کردہ کو حرام۔ اپنی طرف کسی چیز کو حلال یا حرام نہ کرے۔

(آیت نمبر۱۱۷) کفار نے جو جاہلوں والا ارتکاب کیا ہے اوراس سے جو فوائد حاصل کرنے کی امید کررہے ہیں۔ وہ فوائد بہت تھوڑے ہیں۔ وہ تو چند دنوں میں ہی ان کے منافع ختم ہوجائیں (یا وہ خود ہی فنا ہوجائیں گے) پھر ان کیلئے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا کہ جس کی سختی کو کوئی نہیں جانتا۔

(آیت نمبر۱۱۸) اور خاص کر یہودیوں پر خواہ وہ اگلے ہیں یا پچھلے سب پر حرام کردیں وہ وہ چیزیں جو ہم نے آپ کو پہلے ہی بیان کرکے بتادیں۔ یعنی ان پر ناخن والے سب جانور حرام کئے اور بھیڑ بکری کی چربی اور گائے کی چربی حرام کی۔ کیونکہ انہوں نے جرم بہت کئے۔ اس لئے ان پر کئی حلال چیزیں بھی حرام ہوگئیں۔

فائدہ : یہود یہ کہتے تھے کہ ہم پر جو چیزیں حرام ہیں وہ تمام انبیاء پر حرام تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس خیال کا رد فرمایا کہ یہ صرف یہودیوں کیلئے حرام ہوئیں۔

آگے فرمایا۔ مذکورہ اشیاء حرام کرکے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ یعنی ان کو ان کی بداعمالی کی سزا ملی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ حلال چیزیں حرام کردیں۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی مخالفت کی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نہ صرف نافرمانی کی بلکہ کئی نبیوں کو قتل کیا۔



ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر بے شک آپ کے رب نے ان کو جنہوں نے برے اعمال نادانی میں کئے پھر توبہ کر لی اس کے بعد

وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۱۱۹

اور اپنی اصلاح بھی کر لی۔ بے شک آپ کا رب اس کے بعد ضرور بخشش والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۸) **یہود کی ذلت**: اس مسئلہ پر یہودیوں نے بڑا شور مچایا کہ یہ نہیں ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر سچے ہو تو توراۃ لے آؤ۔ اور اسے پڑھو۔ اس میں واضح لکھا ہے کہ سب قسم کے کھانے حلال تھے۔ مگر جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لئے۔ لاؤ توراۃ اگر سچے ہو۔ جب یہ بات یہودیوں کو معلوم ہوئی۔ تو وہ ہکے بکے رہ گئے۔ پھر انہیں توراۃ لانے کی جرأت نہ ہوسکی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ بتایا وہ سب ان کی کتاب توراۃ میں لکھا ہوا تھا۔ گویا ان کے قول کی تردید ان کی اپنی کتاب توراۃ میں موجود تھی۔

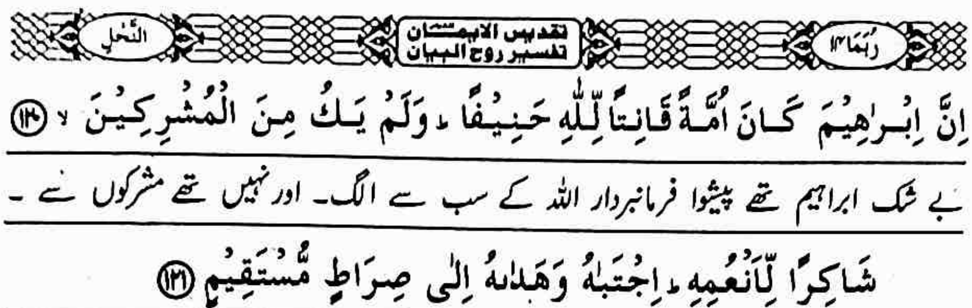
(آیت نمبر ۱۱۹) ان لوگوں کو جنہوں نے جہالت غفلت و نادانی یا امور کے انجام پر غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے برے اعمال کئے تھے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو بھی برے عمل کرے وہ جاہل ہے۔ وہ برے عمل کے بعد جب اسے اس کی برائی کا علم ہو جائے تو وہ توبہ کرے اور پھر اپنے اعمال درست کر لے۔ یا اپنے اعمال کو اچھا کر کے سنوار لے تو بے شک تیرا رب تعالیٰ اس کے بعد اس برائی کو بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خالی توبہ کافی نہیں اس کے ساتھ اصلاح ہونا بھی ضروری ہے۔ بلکہ توبہ کی تکمیل ہوتی ہی اصلاح کے ساتھ ہے۔

فائدہ: اصلاح سے مراد یہ ہے کہ پھر وہ ایسی غلطی نہ کرے۔ اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف راغب کرے۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ تمام اغراض نفسانی سے منہ پھیر کر صدق دل سے اخلاص عمل کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یاد رہے توبہ گویا صابن ہے۔ جیسے صابن ظاہری میل کچیل کو دور کرتا ہے۔ ایسے ہی توبہ باطنی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ یعنی گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ **حدیث شریف**: اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخ یاقوت کا ایک ستون ہے۔ جب بندہ سچے دل سے کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتا ہے تو اس سے وہ ستون کانپ جاتا ہے۔ گویا اس پر زلزلہ آ گیا۔



إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾

بے شک ابراہیم تھے پیشوا فرمانبردار اللہ کے سب سے الگ۔ اور نہیں تھے مشرکوں سے ۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾

شکر کرنے والے اس کی نعمتوں پر۔ اسے چن لیا اور اسے راہ دکھائی طرف راستے سیدھے کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۹) اللہ تعالیٰ اسے ٹھہرنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں کیسے ٹھہروں ابھی تک کلمہ پڑھنے والا بخشا ہی نہیں گیا تو حکم ہوتا ہے میں نے اس کلمہ پڑھنے والے کو بخش دیا ہے۔ (فضائل ذکر)

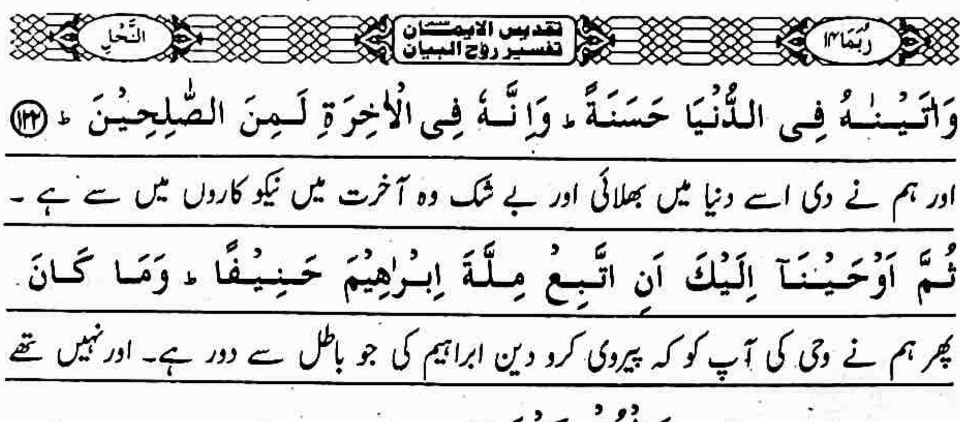
(آیت نمبر ۱۲۰) بے شک ابراہیم علیہ السلام مستقل ایک جماعت تھے۔ یعنی آپ کے اندر وہ فضائل اور کمالات تھے۔ جو ایک پوری جماعت میں ہوتے ہیں۔ جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ حسین ایک مستقل سبط ہیں۔ (مصابیح)۔ امام حسین کے کمالات ایسے ہیں جو بڑے گروہ میں ہوتے ہیں۔ یعنی ان دونوں شہزادوں کی ہی نسل میں تمام سادات آئیں گے۔ ان میں سے اکثر کا سلسلہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ختم نبوت : بعض لوگ انہیں نبوۃ کا درجہ دے دیتے ہیں (میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ایک صاحب محفل میں کہہ رہے تھے۔ حسین تو نے وہ کیا جو نبی بھی نہ کر سکے۔ (معاذ اللہ) بعد میں میں نے اس کو سمجھایا کہ یہ تو نے غلط کہا ہے۔ قاضی) شریعت میں یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو حضور ﷺ کے بعد نبوت مانے وہ کافر ہے۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں امت بمعنی مقتدی جسے لوگ اپنا امام سمجھیں۔ آگے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام رب تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور ہر باطل دین سے الگ ہو کر دین حقہ کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والے چونکہ مشرکین مکہ اپنے آپ کو دین ابراہیم کا پیروکار جانتے تھے ان کا رد کیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۲۱) ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اگر خود مہمان نہ آتا تو آپ باہر سے تلاش کر کے لے آتے۔

بے مثال مہمانی: ایک دفعہ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ وہ آنے والی نسل کی مہمانی کرنا چاہتے ہیں۔ خصوصاً امت مصطفےٰ ﷺ کی۔ اے میرے اللہ میری آرزو پوری فرما۔ جبریل امین نے آ کر بتایا کہ آپ کی آرزو پوری ہو گئی۔ جنت سے مشک کافور لائے اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکر فرمایا۔ جبل ابوالقبیس پر چڑھ کر یہ چاروں طرف پھینک دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزو پوری کرنے کیلئے پوری زمین میں مختلف جگہوں سے نمک پیدا کیا۔



وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ؕ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے دی اسے دنیا میں بھلائی اور بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہے ۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

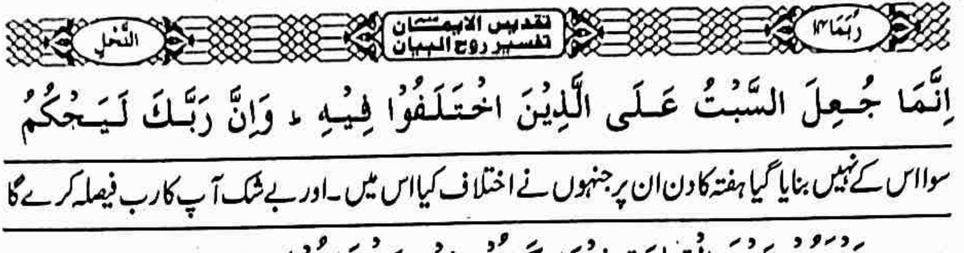
پھر ہم نے وحی کی آپ کو کہ پیروی کرو دین ابراہیم کی جو باطل سے دور ہے۔ اور نہیں تھے مشرکوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۱) یعنی وہ قطرہ قطرہ کر کے پوری زمین میں پھیلا دیا۔ جہاں اس کا قطرہ گرا وہاں سے نمک نکال دیا۔ اب ہر نمک استعمال کرنے والا گویا ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی کھا رہا ہے۔

دین اسلام جنت کی راہ: آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کیلئے چن لیا اور ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی۔ یعنی وہ راہ جو سیدھی جنت تک لے جانے والی ہے۔ اس سے مراد دین اسلام کی راہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۲) ہم نے انہیں دنیا میں بھی اچھے احوال عطا کئے۔ یعنی ان کا خوبصورت ذکر ہر مذہب والے کی زبان میں جاری کیا کہ ہر مذہب والا ان کی تعریف کرتا ہے اور اولاد میں بے شمار انبیاء و اولیاء اور عبادات گذار ہوئے اور اطاعت کی خصوصاً آپ کی نسل سے امام الانبیاء ﷺ کا ظہور ہوا اور درود میں حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود کو ملا دیا۔ آگے فرمایا کہ آخرت میں بھی وہ صالحین سے ہوں گے۔ یعنی ان میں جن کے جنت میں بلند درجات ہوں گے۔ اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت ہے جو کامل فی الصلاح اور واصل الی غایۃ الکمال ہوں گے۔

(آیت نمبر ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملۃ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ **فائدہ**: اس میں بات واضح فرمائی کہ ابراہیم علیہ السلام کو سب سے بڑی فضیلت یہی حاصل ہوئی کہ حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم السلام کو بھی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین اور ملۃ کی اتباع کریں۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ جو سب دینوں سے الگ ہے اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں سے نہیں تھے۔ بلکہ موحدوں میں سے تھے۔ **فائدہ**: اتباع کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے آقا سے افضل ہو گئے۔ بلکہ اس سے مراد ہے کہ ان کی طرح شرک سے دور رہیں۔ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام پہلے ہوئے اور حضور ﷺ بعد میں تشریف لائے۔ لیکن حضور ﷺ تو اکرم الاولین والآخرین ہیں۔



إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

سوااس کے نہیں بنایا گیا ہفتہ کا دن ان پر جنہوں نے اختلاف کیا اس میں۔ اور بے شک آپ کا رب فیصلہ کرے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

ان میں دن قیامت کے جس بات میں تھے وہ اختلاف کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲۳) مراد یہ تھی کہ توحید پر ثابت قدم ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام ثابت قدم ہوئے کہ آگ میں جانا گوارہ کرلیا۔ مگر درس توحید دینے سے باز نہیں آئے۔

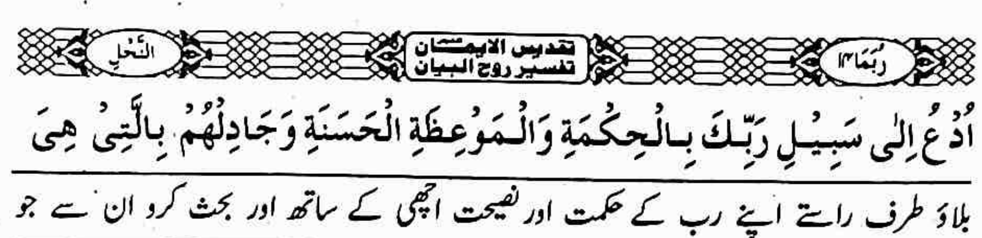
مزید وضاحت: اعلان نبوت سے پہلے تو حضور ﷺ ملۃ ابراہیمی کی مکمل اتباع کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جو جو وراثتاً مسائل چلے آرہے تھے۔ مسائل عبادات ومناسک میں دین ابراہیم کے مطابق عمل کرتے رہے۔ پھر بوقت ضرورت بذریعہ وحی مسائل تبدیل ہوتے رہے۔ پھر اس اتباع میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حبیب کے درجے پر فائز فرمادیا۔ معراج کی رات جب سدرہ سے حضور ﷺ آگے بڑھے تو بتایا گیا۔ یہ مقام خلیل ہے اور آپ مقام حبیب کی طرف جارہے ہیں۔ جب قاب قوسین کی منزل پر پہنچے تو اس وقت بتایا گیا کہ یہی مقام حبیب ہے۔ اس سے مقام خلیل اور مقام حبیب کو جانا جاسکتا ہے۔

(آیت نمبر۱۲۴) سوائے اس کے نہیں ہفتے کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ تعظیم اور عبادت کیلئے۔ اس دن نہ شکار کیا جائے نہ اور کوئی کام۔ یہ دن یہودیوں نے خود ہی اپنے لئے پسند کیا تھا۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ یہ دن شعائر اسلام سے ہے۔ اسی دن تمام زمینیں اور آسمان بنائے گئے۔

حکایت: کاشفی فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہفتے کے دن سامان اٹھا کر کہیں جارہا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کا سر اڑا دو۔ اور اسے ایسی جگہ ڈالو جہاں پرندے اس کو نوچ نوچ کر کھا جائیں۔

فائدہ: یہ اس لئے کہ اس نے ہفتے کے دن کی تعظیم نہیں کی چونکہ ان کی شریعت میں ہفتے کے دن کی تعظیم فرض تھی اور وہ شخص حکم خدا کے خلاف ورزی اور دن کی توہین اور گستاخی کررہا تھا۔ آگے فرمایا کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم جن پر فرض تھی۔ انہوں نے اس دن کے متعلق اختلاف کیا۔

قصہ: یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ ہفتے میں ایک دن کی تعظیم کریں گے۔ یعنی اس دن صرف عبادت کریں گے اور کوئی کام نہیں کریں گے اور بہتر ہے کہ ہم جمعہ والا دن اپنی عبادت کیلئے مقرر کرلیں۔



اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

بلاؤ طرف راستے اپنے رب کے حکمت اور نصیحت اچھی کے ساتھ اور بحث کرو ان سے جو

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

بہتر طریقے سے ہو بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون گمراہ ہوا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

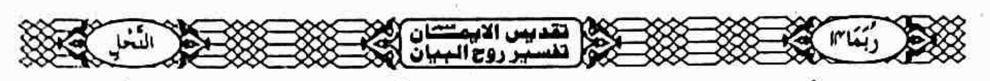
ہدایت والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۴) لیکن یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کر کے کہا کہ ہم عبادت کیلئے ہفتے کا دن چاہتے ہیں۔ اس کی ہم تعظیم بھی کریں گے۔ اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنا کر فراغت پائی اور اسی بات پر ڈٹ گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہی دن عبادت کیلئے دیدیا۔ لیکن وہ اس پر بھی پابند نہ رہ سکے اور مچھلی کا شکار کیا۔ اور ستر سال تک اس حکم کی نافرمانی کی۔ جس کی وجہ سے وہ بندر اور خنزیر بنائے گئے۔

آگے فرمایا کہ بے شک تیرا رب ضرور ان میں فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی جنہوں نے اختلاف کیا بروز قیامت جن جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ پھر ثواب کے مستحق کو ثواب اور مخالف کو سزا دے گا۔

حدیث شریف : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم آخر میں آئے۔ لیکن قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے۔ (مسلم شریف) نصاریٰ نے اپنے لئے اتوار کا دن چنا تو انہیں وہی دن دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کیلئے جمعہ کا دن دیا۔ **فائدہ** : اس میں اشارہ ہے کہ جن لوگوں نے احکام الٰہی میں اختلاف کیا۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانا۔ یہ سب انہوں نے نفسانی خواہشات سے کیا اس لئے وہ صراط مستقیم سے بھٹک گئے۔

(آیت نمبر ۱۲۵) اے میرے محبوب لوگوں کو شیطان کے راستے سے بچائیں اور انہیں رب کے راستے کی طرف بلائیں۔ یعنی دین اسلام کی طرف جو جنت اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ انہیں حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیں۔ حکمت سے مراد حجۃ قاطعہ جو عقائد کیلئے فائدہ مند ہو۔ اور شبہات ختم کرنے کیلئے داعی حق کو تائید بخشے۔ موعظہ حسنہ وہ وعظ ہے۔ جس سے دل نرم پڑ جائے۔ جس میں ثواب یا عذاب کا بیان ہو اور نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو قبول کرلے۔



وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

اور اگر تم سزا دو تو سزا دو اتنی کہ جتنی تمہیں سزا دی گئی۔ اور اگر تم صبر کرد تو

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

بہت بہتر ہے صبر والوں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۵) آگے فرمایا کہ اگر معاندین سے مناظرہ یا مجادلہ بھی ہو جائے تو وہ بھی نرمی اور خوش خلقی سے ہو۔ جس سے مقصد مخالف کے شبہات کو ختم کرنا ہو اور ان کے مذہبی جوش کو ٹھنڈا کرنا۔ دوسرے تمام طریقوں سے یہ بہتر ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے طریقہ اپنایا۔ **فائدہ**: لیکن افسوس یہ ہے۔ دور حاضرہ میں صرف اپنی برتری مدنظر ہوتی ہے اور مقابل کو ذلیل کرنے کا ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی حکمت کا طریقہ اپنائے تو اسے صلح کلی کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ حق کے اظہار کیلئے مناظرہ بالعلم جائز ہے۔ جس میں احسن انداز اپنایا جائے۔

آگے فرمایا کہ آپ کا رب خوب جانتا ہے۔ اسے جو گمراہ ہے سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہے۔ گمراہ سے مراد وہ شخص ہے جو حکمتیں مواعظ اور عبرت والی چیزیں دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتا۔

آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے یعنی اے محبوب آپ کے ذمہ تبلیغ ہے۔ آگے جو لوگ ہدایت پا گئے انہیں ثواب دے گا اور جو گمراہ ہوئے انہیں سزا دے گا۔

فائدہ: نیک فطرت لوگ تو تھوڑے سے وعظ اور معمولی نصیحت ہی سن کر ہدایت پا جاتے ہیں اور ازلی بد بخت لوگوں کیلئے ہزاروں حیلے اور لاکھوں دلائل بھی بے کار ہیں۔

(آیت نمبر ۱۲۶) اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو تم بدلہ لے لو لیکن اتنا جتنا اس نے تم سے ظلم کیا۔

شان نزول: امام قرطبی لکھتے ہیں۔ جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ سید الشہداء جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت جب جنگ احد میں ہوگئی تو مشرکین نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کو چاک کیا۔ کان ناک وغیرہ کاٹ ڈالے۔ الغرض اور بھی کئی



شہداء کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ کہ ان کو مثلہ کیا اور ان سے ہتک آمیز سلوک کیا۔ حضور ﷺ کو اس کا بہت دکھ ہوا۔ تو فرمایا کہ اب جب بھی ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فتح و نصرت دی تو ہم ان کے ستر آدمیوں کو مثلہ کریں گے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کا بہت صدمہ تھا۔ انہوں نے بھی کہا کہ اب ہمیں جب ان پر غلبہ ہوا تو ہم ان کے ساتھ وہ کریں گے کہ جو عرب میں کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ اس کے بعد نبی پاک ﷺ نے تمام شہداء کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت امیر حمزہ کی خصوصیت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔ یا ستر تکبیریں ان کے جنازہ پر پڑھیں۔

بی بی فاطمہ کی نماز جنازہ ابوبکر نے پڑھائی: اس سے شیعہ کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں۔ (حالانکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بعد میں راضی کر لیا تھا۔ مگر شیعہ حضرات کا اپنا منہ ہے جو مرضی ہے کہیں۔ جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بی بی کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ جس میں چار تکبیریں کہیں۔

امیر حمزہ کا قاتل: آپ کو وحشی حبشی نے قتل کیا۔ لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور نبی پاک ﷺ نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے نہ آیا کر۔ کہ تجھے دیکھ کر مجھے چچا امیر حمزہ یاد آ جاتے ہیں۔ یہ قلق وحشی کے دل میں تھا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ بروز قیامت بھی یہ بات نہ فرما دیں۔ اس کا بدلہ چکانے کیلئے نبی پاک ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر انہوں نے صرف اس نیت سے جنگ یمامہ میں شرکت کی کہ مسیلمہ کذاب کو میں ٹھکانے لگاؤں گا۔ اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مسیلمہ کذاب کا قتل وحشی کے ہاتھ سے ہوا۔

بدلہ اور صبر: مسلمانوں کے مذکورہ پروگرام پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ جتنی کسی نے تم پر زیادتی کی تم بھی اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو۔ لیکن اگر تم بدلہ لینے کے بجائے صبر کر لو۔ اور معاف کر دو تو صبر کرنا تمہارے لئے بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ یعنی معاف کرنے کی قیمت بدلہ سے زیادہ ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو صبر کرنے والے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل: اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا یا اللہ ہم صبر کریں گے اور معاف کریں گے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

اور صبر کیجئے اور نہیں ہے صبر آپ کا مگر ساتھ اللہ کے اور نہ غمزدہ ہوں ان پر اور نہ ہوں تنگی میں

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اس سے جو وہ فریب کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور جو نیکی کرنے والے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۲۷) اے محبوب صبر کیجئے۔ یعنی کفار اور مشرکین سے جو جو آپ کو تکالیف پہنچیں آپ ان پر صبر کریں۔ اگر چہ وہ ناقابل برداشت تھیں۔ لیکن میرے کہنے پر صبر کریں۔ آگے فرمایا کہ آپ کا صبر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کے ساتھ۔ **فائدہ**: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام صابر ہوئے۔ مگر ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اعلیٰ مرتبہ کا تھا۔ آگے فرمایا کہ کفار کی اذیتوں یا ان کے ایمان نہ لانے پر غمزدہ نہ ہونا اور دوسرا ان کا مکروفریب کرنے پر بھی صبر کریں ان دونوں غموں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔

(آیت نمبر ۱۲۸) بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ جو گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی معیت کا مطلب اس کی دوستی اور اس کا فضل وکرم ہے۔

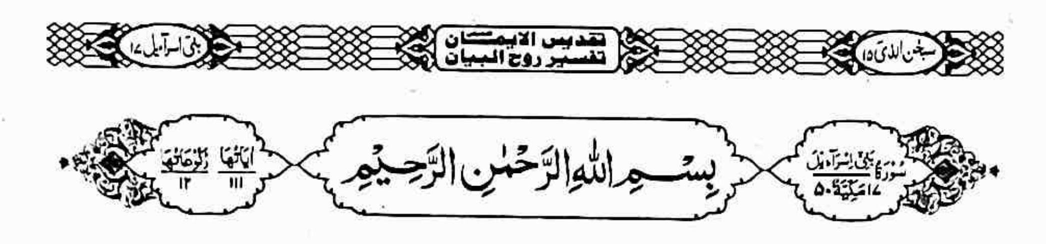
آگے فرمایا کہ وہ لوگ نیک اعمال کرنے والے ہیں یا جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے یا جو دشمنوں پر بھی احسان کرتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں آتا ہے کہ محسن کی تین علامات ہیں: (۱) اطاعت الٰہی میں جلدی کرنے والا۔ (۲) حرام سے بچنے والا۔ (۳) برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے والا۔ (تفسیر قرطبی)

اچھی وصیت: حرم بن حبان وفات کے وقت فرمانے لگے۔ میری وصیت صرف یہ ہے کہ میرے بعد اس آیت پر عمل کرنا۔

سبق: مذکورہ آیات میں معاف کرنے اور صبر کرنے اور حلم۔ کسی سے بدلہ لینے کی بجائے صبر کرنے اور تقوے اور احسان کی تمام اقسام پر پابندی کرنے کا سبق دیا گیا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت ولایت اور کمال ایمان اور حسن خاتمہ اور بہتر انجام کی علامت بتائی ہے۔

دعا: اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر قائم دائم فرما اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما۔

پارہ اور سورۃ ختم: مورخہ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ بروز منگل بوقت نماز فجر



سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

پاک ہے وہ ذات جو لے گیا۔ اپنے بندے کو رات ورات مسجد حرام سے طرف مسجد اقصیٰ کے

الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

وہ کہ برکتیں رکھیں ہم نے اردگرد اس کے تاکہ دکھائیں اسے اپنی نشانیاں۔ بے شک وہی سننے دیکھنے والا ہے۔

(آیت نمبرا) پاک ہے اللہ کی ذات مخلوق کی صفات سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات رکھنے سے پاک ہے۔ یا معراج نہ کرا سکنے سے پاک ہے۔

نکتہ: اس کلمہ سے ابتداء اس لئے کی تاکہ معلوم ہو کہ مابعد والے مضمون میں اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے عجز سے منزہ سمجھنا لازمی ہے اور لفظ "سبحن" کے اور بھی کئی مطالب ہیں۔ ہر معنی کے لحاظ سے یہاں "سبحن" کا لفظ ہی بہتر ہے۔ (گویا یہ لفظ معراج شریف کے منکروں کیلئے تازیانہ ہے) تو فرمایا کہ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندۂ خاص کو رات کے وقت۔ فائدہ: چونکہ اس آیت میں حضور ﷺ کے معراج جسمانی کا ذکر ہے۔ اور معراج پر لے جانے کا دعویٰ اللہ تعالیٰ نے خود کیا۔ اور وہ ہر کام کر سکنے پر قادر ہے۔

نکات:

۱۔ اسریٰ کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ حضور خود نہیں گئے بلکہ اللہ لے گیا۔ لہذا جس کو معراج واقع کے ہونے پر اعتراض ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسے لے گیا۔

۲۔ "عبدہ" اس لئے کہا۔ تاکہ عرش پر جانے کی وجہ سے کوئی بد دماغ خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے نصاریٰ نے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

۳۔ "عبدہ" کے لفظ نے ہی واضح کر دیا کہ یہ معراج جسمانی تھا۔ باقی تینتیس روحانی معراج تھے۔

بدعتی لوگ: جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ اصل میں وہ شان نبوت کے منکر ہیں۔ "لیلا" کی

تنوین نے یہ بھی واضح کر دیا کہ معراج بالکل مختصر وقت میں ہوئی۔

فائدہ : اکثر امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معراج جسمانی رجب کی ستائیسویں شب کو سوموار کے دن ہوئی اور ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی۔ یعنی اعلان نبوت کو بارہ سال گذر چکے تھے۔

آ گے فرمایا۔ مسجد حرام سے معراج کی ابتداء ہوئی۔ اگر چہ آپ اس رات امی ھانی کے گھر میں آرام فرما تھے۔ وہاں سے جبریل مسجد میں لے کر آئے۔ یا ام ھانی کا گھر مسجد حرام میں داخل سمجھا گیا جیسا کہ اب داخل ہے۔

مسجد حرام کا حدود اربعہ:

مدینہ شریف کی طرف تین میل۔ عراق کی جانب سات میل اور جعرانہ کی طرف ۹ میل اور طائف کی سائیڈ پر سات میل اور جدہ کی طرف دس میل ہے۔

مسئلہ : یہ مواقیت حضور ﷺ نے خود مقرر فرمائے۔ ان مواقیت پر پہنچنے سے پہلے احرام باندھا جائے۔

اعجوبہ: حجر اسود آدم علیہ السلام جنت سے لیکر آئے۔ اس وقت اتنا روشن تھا کہ اس کی روشنی دور تک پہنچتی تھی۔ جہاں تک روشنی پہنچی وہاں تک مسجد حرام کی حد مقرر ہوگئی اور وہ یہی مسجد حرام کی حدود اربعہ ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد وہی مسجد ہے جو بیت المقدس میں ہے۔ مکہ شریف سے دور ہونے کی وجہ سے اسے مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ جہاں جانے والا ایک ماہ سے زیادہ عرصہ میں وہاں پہنچتا تھا۔

مسئلہ : مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا قرآن سے ثابت ہے۔ اس معراج کا انکار کفر ہے۔ اس سے اوپر آسمانوں تک کا معراج احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس حصے کا منکر بدعتی اور گمراہ ہے۔

آ گے فرمایا۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ یعنی اس کا ماحول دینی اور دنیوی برکات سے مالا مال ہے۔ اس لئے کہ وہاں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان پر وہاں وحی کا نزول ہوا۔

معراج سے غرض: یہ تھی۔ کہ ہم اس پیارے محبوب کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ شرف نہ پہلے کسی کو ملا نہ بعد (ان نشانیوں کی تفصیلات یا معراج کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

آ گے فرمایا کہ بے شک وہ اللہ اپنے نبی کی باتیں سننے والا اور نبی کو دیکھنے والا ہے۔ یا نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے اور اسے دیکھنے والے ہیں۔ (یہاں "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یا نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹتی ہے۔)

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا اسے ہدایت بنی اسرائیل کیلئے کہ نہ بناؤ کسی کو

مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ ﴿۲﴾ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

میرے سوا کارساز۔ اے اولاد جسے ہم نے سوار کیا ساتھ نوح کے بے شک وہ تھا

عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

بندہ بہت بڑا شکر گذار

(آیت نمبر۲) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ یعنی تورات دی۔ جب آپ طور پر تشریف لے گئے اور چالیس دن چلہ کاٹا تو پھر اللہ تعالیٰ نے واپسی پر کتاب عطا کی (جس کی تفصیل پہلے پارے میں گذر گئی) ہم نے اس کتاب کو اولاد یعقوب کیلئے حق کا راستہ بتانے والی بنا کر بھیجا۔ تا کہ اس کے اندر جو احکام ہیں۔ ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو ہدایت حاصل ہو اور انہیں حکم دیا کہ نہ بناؤ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز۔ کیونکہ وہ عزیر علیہ السلام کو کارساز مانتے تھے۔

(آیت نمبر۳) یہ بنی اسرائیل اولاد ہے۔ ان کی جنہیں ہم نے کشتی پر سوار کیا۔ یعنی بنی اسرائیل کو یہ باور کرایا کہ ہم نے تمہارے آباء واجداد کو کشتی نوح میں غرق ہونے سے بچایا۔ یہ گویا ان پر بہت بڑا انعام تھا۔ اس لئے کشتی میں نہ بیٹھنے والے تو غرق ہو گئے۔ چاہتے تو ان کے آباء کو بھی ان کے ساتھ ڈبو دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ یہ اس کا بہت بڑا انعام تھا۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ تم اپنے آباء پر ہونے والی اس نعمت عظمیٰ کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور توحید کا اقرار کر لو اور اس پر مضبوط ہو جاؤ کیونکہ تمہارے باپ دادا ایمان میں کامل مکمل تھے۔ تم بھی ان کی پیروی کر سچے اور پکے مومن موحد ہو جاؤ۔ **فائدہ**: اس ارشاد مبارک سے موجودہ بنی اسرائیل کو توحید پر برانگیختہ کرنا مقصد تھا۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ (نوح علیہ السلام) بہت ہی شکر گذار بندے تھے۔ جو ہر حال میں۔ کھانا کھائیں یا پانی پئیں یا کپڑا پہنیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ روزہ کھولتے وقت نظر دوڑاتے۔ اگر کسی غریب کا خیال آتا۔ تو کھانا اس کے پاس بھیج دیتے اور خود بھوکے رہ کر گذارہ کر لیتے تھے۔

سبق: اہل ایمان کو ان کی اقتداء کرنی چاہئے کہ شرک سے اور ہر قسم کے جرائم اور گناہوں سے بچیں۔

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ

اور حکم بھیجا طرف بنی اسرائیل کتاب میں کہ تم ضرور فساد مچاؤ گے زمین میں دو مرتبہ

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا

اور ضرور تم بہت سرکشی کرو گے بڑی۔ پھر جب آیا ان میں وعدہ پہلی بار کا تو بھیجے ہم نے تم پر بندے

لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾

اپنے جنگ والے سخت وہ گھس گئے اندر شہروں کے۔ تھا یہ وعدہ پورا کیا ہوا۔

(آیت نمبر۴) اور ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کرلیا اور ان تک بات پہنچادی اور ان کی کتاب توراۃ میں وضاحت کردی کہ تم علاقہ شام اور بیت المقدس میں خوب فساد مچاؤ گے دو مرتبہ:

۱۔ پہلا: فساد تو وہی ہے جب انہوں نے توراۃ کی مخالفت کی۔ شعیا علیہ السلام کو قتل اور ارمیا علیہ السلام کو قید کردیا کہ جب انہوں نے بنی اسرائیل کو وعظ و نصیحت کی۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی انبیاء کو قتل کیا۔

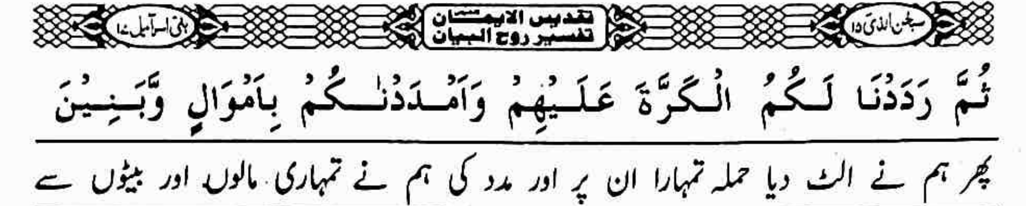
۲۔ دوسرا: فساد یہ کہ انہوں نے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کی بات ماننے کے بجائے ان کو شہید کیا۔

آگے فرمایا کہ تم سرکش ہو کر خوب تکبر کرو گے (بنی اسرائیل کی سرکشی اور بیت المقدس کی تباہی اور آبادی کی تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر۵) جب ان دونوں وعدوں میں سے پہلے وعدہ موعودہ عذاب کا وقت آ گیا۔ تو ہم نے ان کے گناہوں پر پکڑ کیلئے اپنے بندے بھیج دیئے۔ جو انہیں قتل کریں اور سخت تکالیف پہنچائیں۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں۔ ''لنا'' میں اضافت تکریمی نہیں۔ یہ محض تخلیقی ہے۔ یعنی عموماً اللہ تعالیٰ کی طرف بندے کو منسوب کرنا اس کی شان اور عزت کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن یہ نسبت کفار کی طرف اور کفار کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہوتے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بخت نصر ہے۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر گرفت صفت قہاری سے کی۔ اس لئے کہ وہ اس وقت قہر و غضب کے مصداق تھے۔ اس لئے کہ ان جرائم حد سے زیادہ تھے۔



ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ

پھر ہم نے الٹ دیا حملہ تمہارا ان پر اور مدد کی ہم نے تمہاری مالوں اور بیٹوں سے

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥

اور بنائی ہم نے تمہاری بڑی جماعت۔

(بقیہ آیت نمبر۵) آگے فرمایا کہ وہ چڑھائی کرنے والے کفار سخت جنگجو اور انتہائی شدت سے پکڑ کرنے والے تھے۔ جنہوں نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

فائدہ :دمیاطی نے لکھا ہے کہ بخت نصر مجوسیوں میں سے تھا۔ نصر بت کو کہتے ہیں اور بخت بیٹے کو۔ اس کے باپ کا کوئی پتہ نہیں۔ یہ بت کے پاس پایا گیا۔ اس لئے اسے بخت نصر ہی کہا جانے لگا۔ گویا وہ حرام کی اولاد تھا۔ اس کے کرتوتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ حلال کا نہ تھا۔

آگے فرمایا کہ وہ تمہارے گھروں میں گھس گئے اور تمہاری اکثر فوج کو اس نے قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا اور تمہارے مال و اسباب لوٹ لئے اور تمہارے علماء اور لیڈروں کو نیست و نابود کیا۔ توراۃ کے تمام نسخے جلا دیئے اور بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا اور ستر ہزار نوجوان قید کر کے لے گیا۔ یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ جاری رہا کہ جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرے تو اللہ تعالیٰ کسی جابر کو ان پر مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے خوب مزے چکھائے اور اللہ تعالیٰ اس طرح ان سے سلطنت چھین کر دوسروں کو عطا فرما دیتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ان کے عذاب کا جو وعدہ تھا۔ اس نے پورا ہونا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ نہ کوئی دیر لگتی ہے۔

(آیت نمبر۶) پھر ہم نے تمہاری باری کو لوٹایا۔ یعنی پھر تمہیں دوبارہ بیت المقدس پر غلبہ دے کر وہاں کی سلطنت تمہیں عطا کی۔ تمہیں دشمن پر غلبہ عطا کیا اور تم نے پھر ان سے اپنا بدلہ لے لیا۔ یعنی جب تم نے گناہوں سے پکی توبہ کر لی اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوئے۔ تو ہم نے تمہیں خوش حال کر دیا۔

واقعہ: یہ ہوا کہ کواش ہمدانی نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ تو اس نے کواشی کو کہا کہ بیت المقدس کو دوبارہ آباد کرنا چاہئے تو اس نے بخت نصر سے قیدی بھی چھڑا لئے اور بیت المقدس کو بھی آزاد کرا لیا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۚ فَاِذَا جَآءَ

اگر تم نے بھلائی کی تو بھلا کروگے تم اپنا۔ اور اگر برا کروگے تو بھی اپنا۔ پھر جب آیا

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ

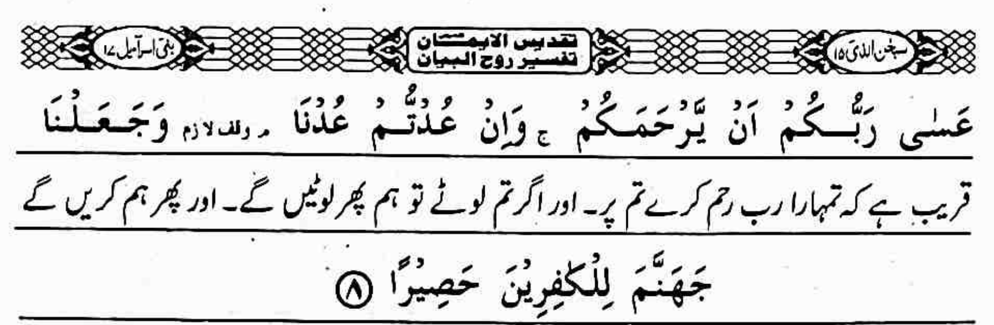
وعدہ دوسرا کہ بگاڑیں دشمن تمہارے منہ اور داخل ہوں مسجد میں جیسے داخل ہوئے اس میں

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

پہلی بار اور تباہی جس پر قابو پائیں تباہ وہلاک کر کے

(بقیہ آیت نمبر۶) اور پورا شہر پہلے کی طرح آباد شاد ہوگیا۔ لیکن بنی اسرائیل مال ودولت کی فراوانی دیکھ کر پھر سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شرع کردی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انعامات یاد کرائے کہ ہم نے مال سے تمہاری مدد کی۔ جبکہ بخت نصر تم سے سب کچھ چھین کر لے گیا تھا۔ پھر ہم نے مال دیا اور بیٹے عطا کئے۔ پہلے قیدی بھی واپس آ گئے۔ اور تمہاری نفری کو بھی بہت بڑھادیا۔ یعنی تم دشمن کے لشکر سے بھی بڑھ گئے۔ لہذا اب تم اس نافرمانی سے باز آؤ اور میری عطا کردہ نعمتوں پر شکریہ ادا کرو۔

(آیت نمبر۷) اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی فائدے کیلئے کروگے۔ اور اگر برائی کروگے۔ تو تمہارا اپنا نقصان ہوگا۔ یعنی تمہارے اچھے یا برے اعمال کا تعلق تمہاری اپنی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں نفع نقصان تمہارا اپنا ہے۔ تمہاری جگہ کسی اور کو نہیں ملے گا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ آگے فرمایا کہ جب تمہارے دوسرے عذاب کے وعدے کا وقت آیا۔ جس کے متعلق تمہیں پہلے ہی خبردار کردیا گیا تھا۔ یعنی اے بنی اسرائیلو۔ تم نے جب دوبارہ فساد پھیلا کر حد سے تجاوز کیا۔ تو ہم نے تمہارے خلاف اوروں کو تیار کردیا۔ تاکہ تمہارے چہروں پر ذلت کی سیاہی چھائے۔ یعنی پریشانی اور حزن وملال اتنا بڑھے کہ اس کی نشانی چہروں سے معلوم ہو اور تمہارے دشمن مسجد اقصیٰ میں داخل ہوکر اس کی ستیاناس کریں۔ جیسے پہلی مرتبہ داخل ہوکر اس کو خراب اور ویران کیا اور تم پر ہلاکت اور تباہی ڈالیں اور غلبہ پاکر ہر اس چیز پر چڑھ جائیں اور قابو میں کرلیں جو وہاں پائیں اور ایسی تباہی پھیریں جو ناقابل بیان ہو۔ **فائدہ** :اس سے طرطوس رومی اور اس کا لشکر مراد ہے (مزید تفصیلات دیکھنا ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔



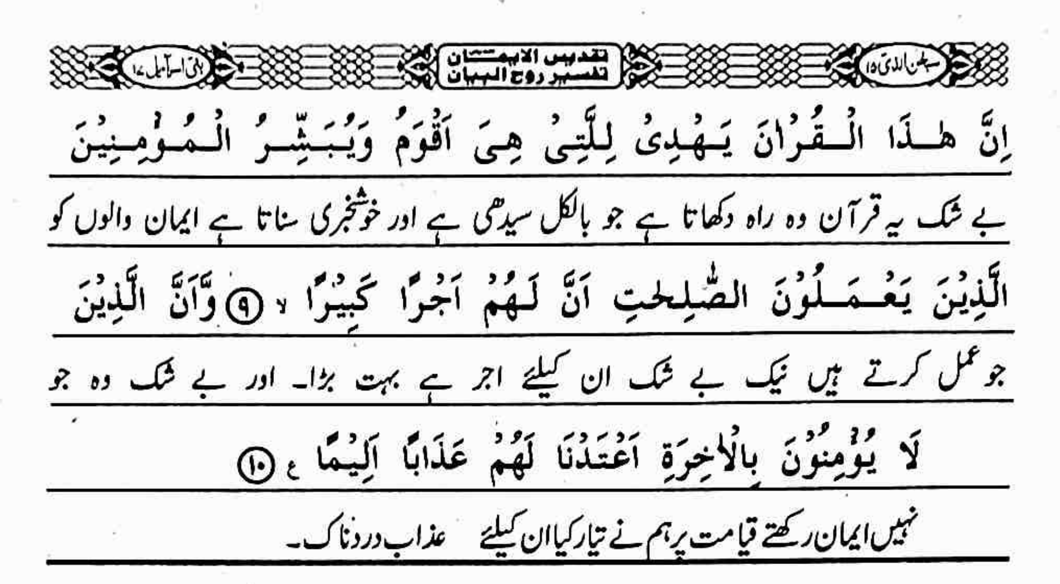
(بقیہ آیت نمبر ۷) بادشاہ فارس نے خوب قتل عام کر کے بنی اسرائیل سے سلطنت بھی چھین لی اور بیت المقدس کو ویران کر کے پھر واپس بابل میں چلا گیا۔ دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک مسجد اقصیٰ اسی طرح ویران رہی۔ پھر آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فسادوں کا ذکر توراۃ میں فرما دیا تھا۔

(آیت نمبر ۸) اب شاید تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ یعنی اگر تم سچے دل سے توبہ کر لو۔ اور گناہ چھوڑ دو۔ تو اللہ تعالیٰ شاید تمہاری توبہ قبول کر کے تم پر رحم فرما دے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا۔ اگر تم تیسری بار پھر گناہوں کی طرف لوٹے۔ تو ہم بھی تمہیں سزا دینے کی طرف لوٹیں گے۔ پھر تم پر کسی ظالم کو مسلط کر دیا جائیگا۔ جو تمہارے ساتھ وہی کرے گا۔ جو ظالم مظلوموں سے کرتے ہیں۔ یا پہلے ظالموں نے تمہارا حال کیا۔

فائدہ :اس سے حضور ﷺ کے زمانے والے یہودی مراد ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ اب بھی تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بنو قریظہ نے حضور ﷺ کی تکذیب کی اور قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تو بنو قریظہ کو قتل اور بنو نظیر کو جلا وطن کیا گیا۔ باقیوں پر جزیہ لگا دیا گیا اور قیامت تک انہیں ذلیل اور مغضوب کر دیا گیا۔

آگے فرمایا کہ ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنا دیا۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ قید رہیں گے۔ کبھی نہیں نکل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

سبق: عقل مند انسان وہ ہے جو ان اسباب سے دور رہے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ بلکہ وہ جہنم سے پناہ مانگے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سوال کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کی موافقت اور اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی متابعت نصیب فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)



اِنَّ هٰـذَا الْـقُرْاٰنَ يَـهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَيُـبَـشِّـرُ الْـمُـؤْمِـنِيْنَ

بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ يَعْـمَـلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَـهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ

جو عمل کرتے ہیں نیک بے شک ان کیلئے اجر ہے بہت بڑا۔ اور بے شک وہ جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ؏ ﴿۱۰﴾

نہیں ایمان رکھتے قیامت پر ہم نے تیار کیا ان کیلئے عذاب دردناک۔

(آیت نمبر۹) بے شک یہ قرآن جو ہم نے اپنے حبیب ﷺ پر نازل کیا۔ یہ سب کو ہدایت دیتا ہے۔ یہ پہلی کتابوں کی طرح کسی ایک قوم کیلئے نہیں آیا۔ بلکہ عالمین کیلئے ہدایت ہے۔ یہ اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جو سب سے زیادہ صحیح اور مضبوط ہے۔ اس سے مراد توحید ہے۔ جو بھی اس کتاب سے وابستہ ہو جائے۔ وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ اور یہ خوش خبری دیتا ہے۔ مسلمانوں کو وہ مسلمان جو قرآنی احکام اور شرائع پر عمل کرتے ہیں۔ بے شک ان کیلئے ان کے اعمال کے بدلے میں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے۔ یعنی ہر عمل کو دس گنا سے بڑھا کر سینکڑوں ہزاروں گنا ثواب دیا جائیگا۔ **فائدہ**: کاشفی نے لکھا ہے کہ بڑے اجر سے مراد جنت ہے۔

(آیت نمبر۱۰) اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی احکام خداوندی پر عمل نہیں کرتے اور نہ قیامت کے دن اٹھنے اور حساب و کتاب کو وہ مانتے ہیں تو بے شک ان کیلئے ان کے کفر اور آخرت کے انکار کی وجہ سے دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ یعنی جہنم کا عذاب۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بشارتیں دی ہیں: (۱) ایمان اور عمل صالح والوں کیلئے اجر کبیر۔ (۲) اور قیامت کے منکروں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو عذاب۔ اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دشمن کی ذلت سے خوش ہوتا ہے۔

فائدہ: قرآن ہر اس خوش نصیب کے لئے نافع ہے جو اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

مسئلہ: تین دنوں سے کم عرصے میں قرآن ختم کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں آدمی کے تیز پڑھنے کی وجہ سے غلطی کا بھی احتمال ہوتا ہے اور غور وفکر بھی پورے طور پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن ثواب سے محروم نہیں ہوتا۔ **مسئلہ**: ختم قرآن کر کے سپیشل دعا مانگے۔ اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اور دعا کرتا ہے انسان برائی کی جیسے دعا ہوتی ہے اس کی بھلائی کی۔اور ہے انسان بڑا جلد باز

(آیت نمبر۱۱) انسان شر کی دعا مانگ لیتا ہے۔یعنی جب غصے میں ہو تو لعنت کرتا ہے اور مخالف کی بربادی کیلئے دعا کرتا ہے اور کبھی زیادہ غصے میں ہو تو اپنے لئے بھی بددعا کر دیتا ہے۔شر کی دعا ایسے مانگتا ہے۔جیسے خیر کی دعا مانگی جاتی ہے۔یعنی رحمت کی دعا بڑی دل چسپی سے مانگتا ہے۔تاکہ جلد قبول ہو جائے۔یا یہ مطلب ہے کہ وہ شر کی دعا کو خیر سمجھ لیتا ہے۔

مسئلہ :دعا وہ کی جائے جس میں رضا الٰہی ہو۔نفسانی خواہش ذرہ برابر نہ ہو یا وہ جس میں کسی کا بھلا ہو۔اور اس میں اس کا اپنا دینی یا دنیوی فائدہ ہو۔

آگے فرمایا کہ انسان فطرتی طور پر جلد باز ہے۔یعنی جو خیال میں آتا ہے وہی مانگتا ہے اور جلدی چاہتا ہے۔اس کے انجام پر اسے توجہ نہیں ہوتی۔پھر چند لمحے بعد وہ جوش بھی ختم ہو جاتا ہے۔اور ہوش میں آکر نادم ہو جاتا ہے۔**فائدہ** :کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جلد باز ہے۔نہ سردی پر خوش نہ گرمی پر وہ راضی ہوتا۔

چھ کاموں میں جلد بازی اچھی ہے:

۱۔ نماز:جب اس کا وقت ہو جائے۔ ۲۔ لڑکی کا نکاح جب وہ بالغ ہو جائے۔

۳۔ قرض کی ادائیگی:جب طاقت ہو۔ ۴۔ مہمان نوازی جب مہمان آجائے۔

۵۔ توبہ:جب کوئی گناہ ہو جائے۔ ۶۔ دفن:جب کوئی فوت ہو جائے۔

اس کے علاوہ کاموں میں دیر اچھی ہے۔جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ

اور بنائیں ہم نے رات اور دن دونشانیاں پھر مٹادی نشانی رات کی اور بنائی ہم نے نشانی

النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

دن کی دکھانے والی تاکہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ تم جان لو گنتی

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

سالوں کی اور سمجھو حساب کو اور ہر ہر چیز کو جدا جدا کر کے بیان کر دیا

(آیت نمبر ۱۲) ہم نے رات اور دن کو اپنی نشانی بنایا۔ یہ دونشانیاں قادر کی قدرت پر اور اس کی وحدت پر دلیل ہیں۔ پھر ہم رات والی نشانی مٹا کر دن والی نشانی کو روشن کر کے لے آتے ہیں۔ جس میں سب کچھ نظر آتا ہے۔

چاند کی روشنی کم: اس لئے ہے کہ ابتداء میں تو دونوں کی روشنی برابر تھی۔ لیکن دن رات کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ چاند پر پر مار کر اس کی روشنی کم کر دی جائے۔ تو اس کی روشنی ستر پرسنٹ کم کر دی گئی تا کہ دن اور رات میں فرق ہو سکے۔ چاند پر جو سیاہی نظر آتی ہے۔ وہ جبریل کے پروں کا نشان ہے۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر واستاد فرماتے ہیں کہ چاند اور سورج دونوں نشانیاں آپس میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں اور دونوں کا آپس میں ایسا ربط ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے ہر ایک کا مقام مقرر اور منزل معلوم ہے کہ جس سے نظام کائنات قائم ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے دن کو روشن اس لئے بنایا تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ یعنی اپنے لئے رزق روزی کماؤ۔ **فائدہ**: رزق کو فضل سے تعبیر اس لئے کیا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ رزق دینا رب تعالیٰ پر فرض نہیں۔ بلکہ وہ اپنے فضل سے ہر ایک کو روزی دیتا ہے اور (ابتغاء) سے معلوم ہوا کہ روزی خود تمہارے گھر نہیں آئے گی۔ بلکہ اسے حاصل کرنے کیلئے محنت ضروری ہے۔ اور فرمایا کہ ہم نے رات دن اس لئے بھی بنائے تا کہ تم سالوں کی گنتی معلوم کر سکو۔ یعنی اس میں تمہاری علمی دینی اور دنیوی اغراض متعلق ہیں۔ اگر یہ رات دن کا حساب نہ ہوتا تو سارا نظام دین ودنیا کا بے کار ہو جاتا۔ آگے فرمایا۔ کہ ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا۔ یعنی تمام ضروری امور کو قرآن پاک میں واضح طریقے سے بیان کر دیا۔ تا کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور ہر انسان کی لگادی ہم نے اس کی قسمت اس کے گلے میں۔ اور نکالیں گے اس کیلئے بروز قیامت

كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

ایک نوشتہ پائے گا اسے کھلا ہوا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳) **مسئلہ**: عقل مند وہی ہے جو قرآن پر عمل کرے۔ اور اس کو پورے غور وفکر سے سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اور اس پر عمل کرتا ہے۔

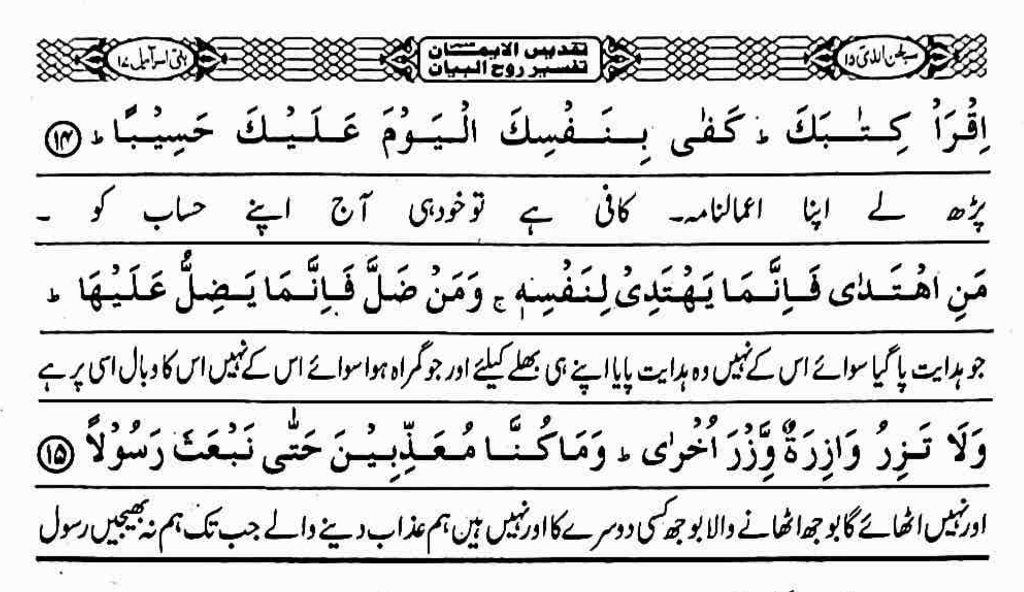
اللہ تعالیٰ کا خاندان: وہ لوگ ہیں جو کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ **فائدہ**: غور کے ساتھ پڑھنے والے کو تمام مسائل کا حل قرآن سے مل جاتا ہے۔ **فائدہ**: سب سے زیادہ تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے والی جماعت صحابہ کرام کی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک ہفتے میں پورا قرآن زبانی حفظ کرلیا۔

(آیت نمبر ۱۳) ہر انسان خواہ کافر ہے یا مومن۔ مذکر ہے یا مؤنث۔ عالم ہے یا جاہل۔ بادشاہ ہے یا گدا۔ سب پر ہم نے لازم کردیا ہے۔ وہ عمل جو ان کے اپنے اختیار سے صادر ہوا۔ وہ وہی ہے جو اس کی تقدیر میں پہلے سے مقدر ہو چکا ہے۔ گویا وہ اس کی گردن سے لگا دیا گیا۔

فائدہ: یہ محاورہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی کے ساتھ چمٹائی ہو۔ تو اس کے گلے میں لگادی جاتی ہے۔ یعنی ہم ان کے اعمالنامے ان کے ساتھ ایسے لگا دیں گے۔ جیسے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ جیسے گلے میں پڑا ہوا زنجیر یا ہار بدن کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ اس طرح اعمالنامے بھی ان کی گردن کے ساتھ لگا دیں گے۔ جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوگا۔

آگے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن حساب وکتاب کیلئے ہر انسان کو قبروں سے نکالیں گے۔ اور اعمال نامہ کی ایسی کتاب جس میں چھوٹا بڑا۔ ہر عمل ہوگا۔ اور وہ انسان کو کھلا ہوا ملے گا۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر انسان کے اعمال دونوں فرشتے دائیں بائیں کندھوں پر لکھ رہے ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے۔ تو اس کا صحیفہ بند کر کے اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ جب بروز قیامت اٹھے گا تو وہی اعمالنامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا۔ (یا اعمال کا ریزلٹ انہیں دے دیا جائیگا۔ (قاضی)



اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ ﴿۱۴﴾

پڑھ لے اپنا اعمالنامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنے حساب کو۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ

جو ہدایت پا گیا سوائے اس کے نہیں وہ ہدایت پایا اپنے ہی بھلے کیلئے اور جو گمراہ ہوا سوائے اس کے نہیں اس کا وبال اسی پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

اور نہیں اٹھائے گا بوجھ اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے جب تک ہم نہ بھیجیں رسول

(آیت نمبر ۱۴) حکم ہوگا کہ پڑھ لے یہ تیرا اپنا اعمالنامہ ہے۔ تو ہر انسان خواہ پڑھا ہوا ہے یا ان پڑھ۔ عربی ہے یا عجمی وہ اس اپنے اعمال نامے کو خود پڑھ لے گا۔ پھر کہا جائیگا تو ہی بتا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ بندے کا حساب اس کے سپرد اس لئے کریگا تا کہ ظلم کی نسبت اس کی طرف نہ ہو۔ بندہ جب خود ہی اعتراف کریگا تو اس پر خود بخود حجت قائم ہو جائے گی۔ بہتر ہے کہ بندہ دنیا میں اپنا محاسبہ خود کر لے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے اپنا حساب کتاب درست کرلو۔ آج بھی دفتر تمہارے پاس ہے۔ برائیوں سے توبہ کرلو۔ نیک اعمال پر خوش ہو جاؤ۔ اپنی کمی پوری کرلو۔

حکایت: ایک شخص نے بیٹے سے فرمایا۔ آج دن بھر میں جو دیکھو سنو یا کرو اس سب کو لکھ کر شام کے وقت مجھے پیش کر دو۔ بیٹے نے ایک دو دن کی ڈائری تو لکھ دی۔ تیسرے دن معذرت کر لی کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا تو والد نے فرمایا۔ بیٹا مجھے تم دو دن کا حساب نہیں دے سکے قیامت کے دن پوری عمر کا حساب اللہ تعالیٰ کو کیسے دو گے۔

(آیت نمبر ۱۵) جو بھی سیدھی راہ پر چلے گا۔ یعنی قرآن پاک کے مطابق چلے یا احکام شرعیہ پر گامزن ہو اور جن برائیوں سے منع کیا گیا۔ انہیں چھوڑ دے تو بے شک اس نے ہدایت پائی اپنی ذات کیلئے۔ اس لئے کہ اس کے ہدایت یافتہ ہونے کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ کسی دوسرے کو نہیں ہوگا۔ اور جو گمراہ ہوا تو سوائے اس کے نہیں اس کی گمراہی کا وبال اسی کے سر پر آئے گا۔ کسی اور تک نہیں جائے گا۔ کیونکہ جو گمراہی اختیار کرے اس کی سزا بھی وہی بھگتے گا۔

فائدہ : یہ ہدایت پر ثواب اور گمراہی پر سزا کا معاملہ آخرت میں ہوگا۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ہم ارادہ کرلیں ہلاک کرنے کا کسی بستی کو تو حکم بھیجتے ہیں اس میں امیروں کو پھر وہ اس میں گناہ کرتے ہیں

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

پھر ثابت ہو جاتی ہے اس پر بات تو پھر ہم اس پر تباہی پھیر دیتے ہیں برباد کر کے۔

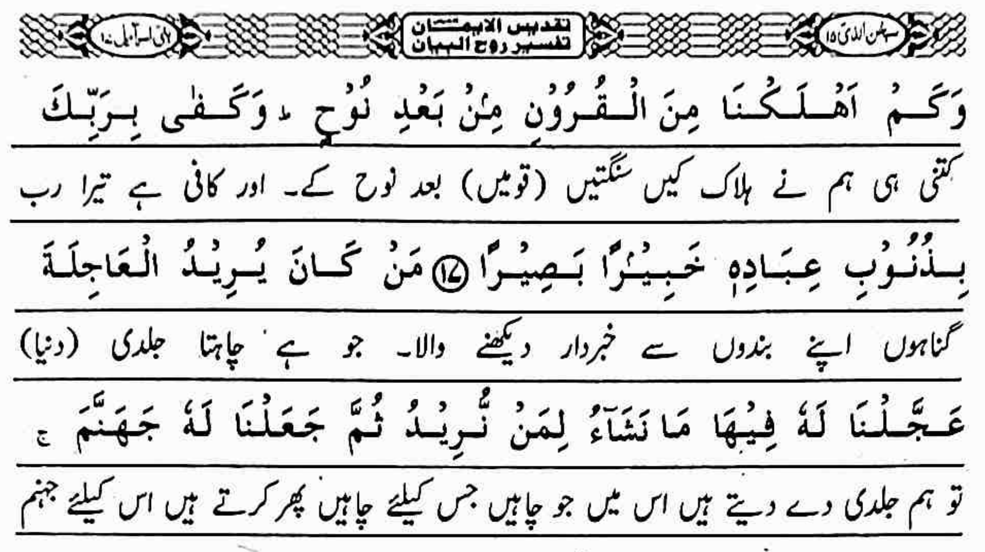
(بقیہ آیت نمبر ۱۴) آگے فرمایا کہ بروز قیامت کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا جیسے دنیا میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ بلکہ ہر ایک اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔ البتہ جس نے کسی کو غلط راستے پر ڈالا۔ تو اس گمراہ کا گناہ گمراہ کرنے والے کے سر پر ڈالا جائے گا۔

شان نزول : ولید لوگوں کو کہتا تھا کہ میرے حکم پر چلو۔ قیامت کے دن تمہارے گناہ میں اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ آگے فرمایا اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے کسی کو یہاں تک کہ ہم بھیجتے ہیں پہلے وہاں رسول۔ جو وہاں لوگوں کو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے اور گمراہی سے روکتا ہے۔ دلائل اور حجتوں کے ساتھ۔ جب وہ نہ مانیں تو پھر ہم ان کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

فائدہ :معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تشریف لانا۔ کئی مصلحتوں اور حکمتوں کے تقاضا کے مطابق ضروری ہے تاکہ وہ تشریف لا کر بدبختوں کو راہ حق دکھائیں۔ اس عذاب سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی میں رسول بھیج کر اس کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں تاکہ جو وہاں بڑے دولتمند اور لیڈر اور بادشاہ وغیرہ ہیں وہ اطاعت کریں چونکہ عوام تو ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔ بڑوں سے ڈر کر وہ ایمان نہیں لاتے۔ بڑے مان جائیں تو ماتحت خود ہی مان جائیں گے۔ اس لئے ان کا نام نہیں لیا۔ لیکن جب ان دولتمندوں اور سرداروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی۔ بلکہ سرکشی کی تو پھر بات ان پر ثابت ہو گئی۔ یعنی ان کی سرکشی اور گناہ عذاب کا سبب ہوئے۔ پھر ہم نے اس بستی کو تباہ و برباد کر دیا۔ یعنی ان کے مکانات بنیادوں سے اکھیڑ کر نشانات تک ختم کر دیئے۔

فائدہ :ان کے مال و دولت ہی ان کے فسق و فجور کا سبب بنے اور ان کا فسق و فجور ان کی تباہی کا سبب بنا۔



وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

کتنی ہی ہم نے ہلاک کیں سنگتیں (قومیں) بعد نوح کے۔ اور کافی ہے تیرا رب

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ

گناہوں اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا۔ جو ہے چاہتا جلدی (دنیا)

عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

تو ہم جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو چاہیں جس کیلئے چاہیں پھر کرتے ہیں اس کیلئے جہنم

يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

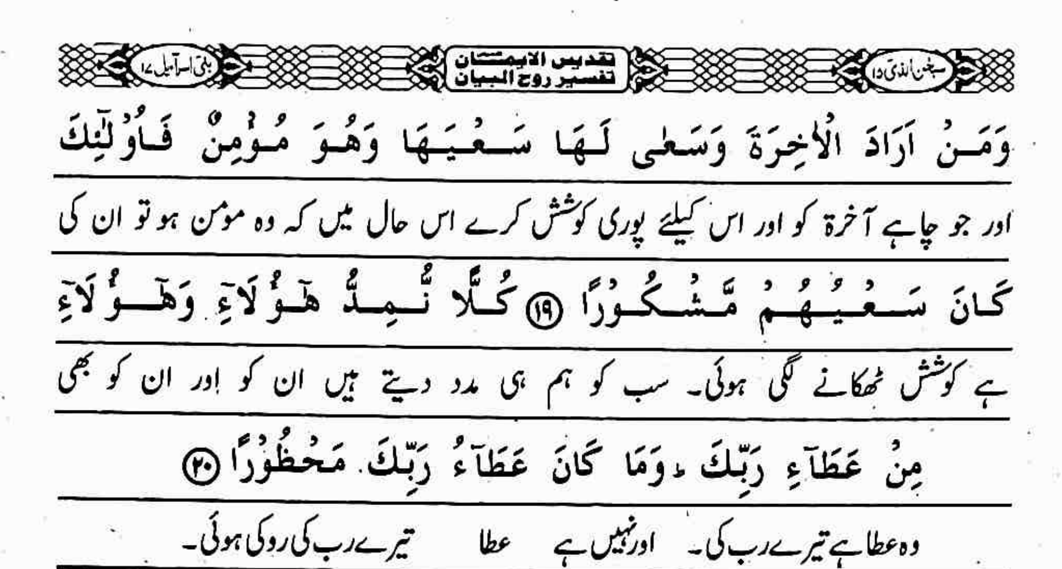
داخل ہوگا اس میں مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا۔

(آیت نمبر ۱۷) جناب نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے کتنی ہی سنگتوں کو ہلاک اور تباہ و برباد کیا۔

فائدہ :قرن ایک صدی یعنی سوسال کو کہا جاتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک بچے کو یوں دعا دی۔"عش قرنا" ایک قرن تک تو زندہ رہ۔تو اس نے سوسال زندگی پائی۔نوح علیہ السلام کی وہ قوم ہے جن پر سب سے پہلے عذاب آیا طوفان کی شکل میں۔اور تمام کفار کو نیست و نابود کر گیا۔آگے فرمایا۔کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے ظاہری اور باطنی گناہوں سے باخبر اور دیکھنے والا۔

مسئلہ :اس آیت میں گناہ گاروں خصوصاً کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کریں اور ان کی نافرمانی سے بچیں ورنہ سابقہ امتوں والا حساب ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۸) جو شخص جلدی کا ارادہ رکھتا ہے۔اس سے مراد دنیا دار منافق، ریاکار، فاسق و فاجر لوگ ہیں۔ جو صرف دنیا ہی چاہتے ہیں تو ان کو فرمایا کہ وہ اگر دنیا ہی چاہتے ہیں تو ہم انہیں دنیا میں ہی سب مال و دولت دے دیتے ہیں۔لیکن ہر چاہنے والے کو اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق دیتے ہیں۔کسی کو بن مانگے ہی مالا مال کر دیتے ہیں۔کسی کو مانگنے کے باوجود نہیں دیتے۔اس میں ہماری اپنی حکمت ہوتی ہے۔لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جسے ہم نے دنیا میں مال و دولت دیا۔اس کے باوجود وہ سرکش بنا تو پھر اس کے لئے جہنم تیار کی۔جس کا عذاب انتہائی سخت ہوگا۔اور وہ مذمت اور ملامت کیا ہوا اور دھکے کھاتا ہوا داخل ہوگا۔



وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو چاہے آخرۃ کو اور اس کیلئے پوری کوشش کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو ان کی

كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ

ہے کوشش ٹھکانے لگی ہوئی۔ سب کو ہم ہی مدد دیتے ہیں ان کو اور ان کو بھی

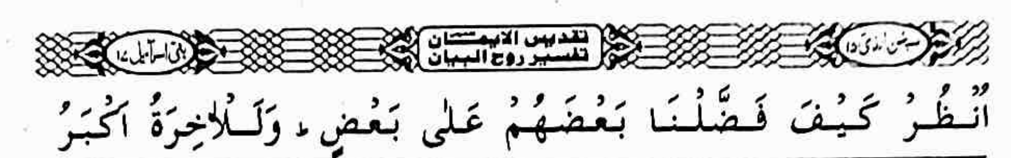
مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

وہ عطا ہے تیرے رب کی۔ اورنہیں ہے عطا تیرے رب کی روکی ہوئی۔

(بقیہ آیت نمبر۱۸) **سبق**: عقل مند وہ ہے جو دنیا نہیں چاہتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے اچھے انجام اور خاتمہ بالخیر مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ خواہ مانگو یا نہ مانگو۔ لکھا ہوا مل ہی جائیگا۔

(آیت نمبر۱۹) اور جو اپنی ہمت بلند کر کے اچھے اعمال کے ساتھ آخرت چاہے۔ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں حاصل کرنا چاہے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے۔ یعنی جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا وہ کرے اور جن سے منع کیا ان سے باز رہے۔ اور جاہلوں کی طرح قرب الٰہی نہ چاہے (کہ جیسے وہ بتوں کی پوجا سے قرب چاہتے ہیں) اس لئے کہ ان مشرکوں کے یہ کام من گھڑت ہیں۔ اور جو آخرت بہتر چاہتا ہے وہ مومن بھی ہو۔ ایمان بھی اس کا خالص ہو۔ شرک وتکذیب سے پاک ہو۔ اس لئے کہ جنت میں داخلے کیلئے ایمان از بس ضروری ہے۔ ان مذکورہ شرائط کے ساتھ جو آخرت چاہے اور اس کیلئے سعی جمیل بھی کرے تو ایسے لوگوں کی اچھی محنت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے کہ اس پر انہیں ثواب بھی ہوگا۔ یاد رہے جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مقصد اجر وثواب دینا ہوتا ہے خواہ وہاں کوئی اور قرینہ نہ پایا جائے کیونکہ شکر کا عمدہ نتیجہ یہی ہے۔

(آیت نمبر۲۰) سب لوگوں کی مدد ہم کرتے ہیں۔ خواہ دنیا کا ارادہ کرے یا آخرت کا۔ یعنی ان میں دنیا چاہنے والے کو دنیا میں مدد دیتے ہیں اور آخرت والے کو آخرت کی نعمتیں دیتے ہیں۔ سب کیلئے تیرے رب کی طرف سے عطا ہے اور وہ عطا کسی کے لئے نہیں روکی گئی ہے۔ یعنی صرف اسی کو ملے گی جس کو رب چاہے گا۔ کافر وفاجر کو دنیوی نعمتیں دیتا ہے۔ خواہ ان سے ایسی غلطیاں بھی ہو جائیں جو عطا کو روکیں۔ اسی طرح نیکو کاروں کیلئے آخرت کی نعمتیں ہیں۔ وہ وہاں پائیں گے۔



اُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

دیکھ تو کیسے بڑھائی دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر۔ اور البتہ آخرت بہت بڑے

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

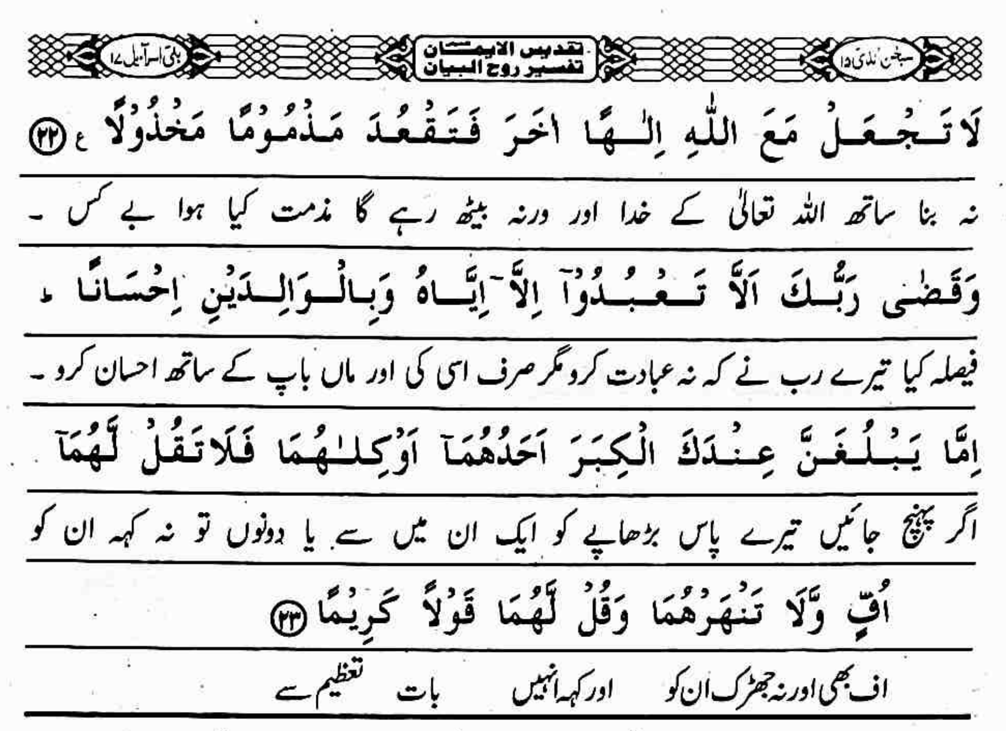
درجوں والی اور بہت اعلیٰ فضیلت والی ہے۔

(آیت نمبر۲۱) دیکھیں تو سہی۔ کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یعنی مال ودولت کے لحاظ سے بعض آدمیوں کو ہم نے دنیوی نعمتوں سے مالا مال کردیا اور بعض کو کم دیا۔ بعض ان میں مالک اور بعض غلام ہیں۔ اور بعض کے درجات بعض پر بڑھادیئے اور وہ دوسروں سے افضل ہوگئے۔

آگے فرمایا۔ کہ جو کچھ آخرت کیلئے ہم نے تیار کررکھا ہے۔ وہ تو درجات کے لحاظ سے اور دنیا کے لحاظ سے بہت بڑا ہے۔ اور فضیلت میں بھی وہ بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ ہر دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان کا فاصلہ ہے۔ **سبق:** لہٰذا عقل مند کو چاہئے کہ وہ اخروی اور باقی کو چاہے۔ دنیا و مافیہا سے دل نہ لگائے۔

حدیث شریف : دنیاداروں کی نظر میں جنتی لوگ دیوانے محسوس ہوتے ہیں (رواہ البیہقی فی شعب)۔ حالانکہ اہل علم اور صاحب عقل کے نزدیک وہ بلند مراتب والے ہیں۔ **فائدہ** : عقل مندوں سے مراد علماء کرام ہیں جو عالم بھی ہیں اور عامل بھی۔ (یعنی جو کچھ وہ جانتے ہیں۔ اس پر وہ عمل بھی کرتے ہیں)۔

حدیث شریف : عالم دین کی فضیلت عابد پر وہی ہے جو مجھے تم میں سے کم درجے والے پر (ترمذی ۲۶۸۵، طبرانی)۔ دوسری روایت میں فرمایا۔ جیسے چاند کو ستاروں پر فضیلت ہے۔ **حدیث شریف** : عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عام مومن پر عالم دین سات سو درجے بلند ہوگا اور ہر دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان کا فاصلہ ہے (احیاء العلوم)۔ **حدیث شریف**: جنت میں بعض مخصوص درجات بھی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل تین قسم کے لوگوں کو ملیں گے: (۱) انصاف والے۔ (۲) رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے والے۔ (۳) کم مال پر صبر کرنے والا۔ عیال دار۔ **فائدہ** : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے اہل وعیال پر خرچ بھی کرے اور احسان بھی انہیں نہ جتائے۔ **حدیث شریف**: علم حاصل کرو۔ اس لئے کہ بروز قیامت جنت میں سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اس کے فوراً بعد علماء کرام اس کے بعد شہداء پھر باقی لوگ جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ ۱۴۴۲)


لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ع ﴿۲۲﴾

نہ بنا ساتھ اللہ تعالیٰ کے خدا اور ورنہ بیٹھ رہے گا مذمت کیا ہوا بے کس ۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

فیصلہ کیا تیرے رب نے کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اسی کی اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ۔

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ

اگر پہنچ جائیں تیرے پاس بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو

اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اف بھی اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ انہیں بات تعظیم سے

(آیت نمبر۲۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ۔ اگر چہ کہا حضور ﷺ کو ہے۔ لیکن سنایا امت کو ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ یہ خطاب امت کو ہے (یعنی اگر کسی اور کو خدا مانا) تو پھر لوگوں میں مذمت کئے ہوئے ذلیل ہو جاؤ گے۔ فرشتوں میں اور لوگوں میں تمہاری بہت بڑی ذلت ہوگی اور آخرت میں رسوائی بھی ہوگی۔ اس لئے کہ انہوں نے غیروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ ایسوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بخشش کے در بند کر دیئے۔ اور مشرکین جن بتوں پر دنیا میں بھروسہ کرتے رہے۔ وہ بھی کام نہ آئے۔ ع: نہ رب ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

(آیت نمبر۲۳) اور تیرے رب نے فیصلہ کر لیا۔ یعنی واجب کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ ہے۔ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ عبادت صرف اسی کی ہے۔ عبادت انتہائی تعظیم کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی واجب کیا کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ یعنی ان کی ہر طرح سے خدمت کرو۔ اس لئے کہ تمہارے دنیا میں آنے اور تمہارے پلنے کا سبب وہی ہیں۔ **فائدہ**: دنیا میں آنے کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے عبادت کے لائق صرف وہی ہے اور ظاہری سبب ماں باپ ہیں۔ اس لئے ظاہری تعظیم اور خدمت کے لائق بھی وہی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جب تم کمزور تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت تمہاری خدمت کرنا ماں باپ پر واجب تھی۔ اب ماں باپ کمزور ہو گئے۔ کمانے کے لائق نہیں رہے۔ اب تم پر واجب ہے کہ والدین کی خدمت کرو۔



وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

اور بچھا ان کیلئے بازو عاجزی سے نرم دلی کے ساتھ اور عرض کر اے میرے رب رحم فرما ان دونوں پر

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾

جیسا انہوں نے پرورش کی میرے بچپنے میں۔

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **حدیث شریف** : والدین کی خدمت کا ثواب۔ نفلی عبادات۔ نماز۔ روزے، حج۔ زکوٰۃ سے بھی افضل ہے (جامع السعادات)۔ آگے فرمایا۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور وہ تمہاری خدمت کے حاجت مند ہوں تو تمہارے لئے اس وقت ضروری ہے کہ تم ان کی خدمت بجالانے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔ (والدین کی خدمت بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر کرے)۔

فائدہ : خدمت والدین کیلئے بڑھاپے کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ چونکہ بڑھاپے میں اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت ان کی خدمت کا ذکر کیا۔ ہر حال میں ان کی خدمت واجب ہے۔ عام حالات میں مستحب ہے اور ان کی خدمت سے تنگ آ کر انہیں جھڑکنا تو درکنار اف تک بھی نہ کہو۔ اور نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ نہ ترش روئی سے پیش آؤ اور ان سے بات بھی نہایت نرمی کے ساتھ کرو۔ **مسئلہ** : والدین کے آداب میں یہ بھی ادب ہے۔ کہ والدین میں کسی کو ان کے نام سے نہ پکارا جائے۔ یہ گستاخی ہے۔ بلکہ یوں کہے ابا جی۔ امی جی اور نہ ان کے سامنے اونچی آواز سے بولے۔ نہ غضب کی نگاہ سے انہیں دیکھے۔ نہ ان سے زیادہ اونچا ہو کر بیٹھے۔ نہ ان سے زیادہ اونچا ہو کر بیٹھے۔

(آیت نمبر۲۴) اور بچھا دے ان کیلئے بازو نرمی کے ساتھ۔ یعنی ان کے سامنے عجز و انکساری اور تواضع کر۔

فائدہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ ایسے زندگی گذارے جیسے خطا کار غلام ترش اور سخت گیر مالک کے ساتھ زندگی گذارتا ہے۔ یعنی جیسے وہ اپنے آقا کے سامنے خوشامدی اور چاپلوسی کر کے وقت گذارتا ہے۔ ایسے اولاد کو ماں باپ کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہئے۔ آگے فرمایا۔ رحمت سے۔ یعنی جیسے تیرے بچپن میں وہ مہربان تھے۔ اب ان کے بڑھاپے میں تو ان سے مہربانی کر۔ **حدیث شریف** : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے

ماں باپ کو ایک بار نظر شفقت سے دیکھے۔ اسے حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ پوچھا گیا۔ اگر دن میں ہزار بار دیکھے تو فرمایا پھر بھی ہر نگاہ کے بدلے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔ بلکہ فرمایا۔ اگر ایک لاکھ مرتبہ دیکھے تو پھر بھی ہر نگاہ کے بدلے حج وعمرے کا ثواب ملے گا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

مسئلہ: تواضع سے ماں باپ کے قدموں کو چومنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: ماں، باپ، استاد، پیر مرشد کی خدمت کرنے میں عار محسوس نہ کرے۔ بلکہ اپنی سعادت سمجھے۔

مسئلہ: نہ ماں باپ کے آگے چلے۔ نہ ان سے اونچی جگہ بیٹھے اور نہ کسی معاملہ میں ماں باپ پر پہل کرے۔

مسئلہ: ماں یا باپ بد مذہب بھی ہو تو بھی ان کی خدمت کرے۔ اگر وہ مسلمان نہ ہو اور ان کی عبادت گاہ تک اسے جانا ہو تو لے کر جائے۔ ان کے مذہب کو نہ اپنائے۔ اگر وہ غیر مسلم ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ تو لا کر دے۔ البتہ اگر وہ کوئی گناہ والا کام کہیں تو پھر ان کی بات نہ مانے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو اپنی نسبت جو دوسرے کی طرف کرے۔ یعنی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ کہے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

- **سبق**: غیر سیدوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو سید ظاہر نہ کریں ورنہ اس زمرے میں آ جائیں گے۔

آگے فرمایا۔ اے میرے رب تبارک وتعالیٰ میرے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما۔ جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم وکرم کر کے میری پرورش کی۔ میری اچھی راہنمائی کی۔ جبکہ میں بہت چھوٹا سا تھا۔

مسئلہ: اگر ماں باپ میں سے کوئی غیر مسلم ہے تو ان کے مسلمان ہونے کی دعا کرے۔ اگر مسلمان ہیں تو ان کی بخشش کی دعا کرے۔ **فائدہ**: ابن عیسیلہ سے سوال ہوا کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ تو فرمایا ہر میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ بہترین صدقہ ان کے لئے استغفار ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جنت میں جب ایک شخص کا درجہ بلند ہوتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ یہ درجہ کیوں بلند ہوا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص نے تیرے لئے بخشش کی دعا کی ہے۔ تو بخشا ہوا تو ہے۔ ہم نے تیرے درجے کو بلند کر دیا۔ (اخرجہ احمد فی مسندہ)۔ **حدیث شریف**: جو شخص ہر جمعہ کو ماں باپ کی قبر کی زیارت کرے۔ اسے ماں باپ پر احسان کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۚ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ

رب تمہارا خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر ہوئے تم لائق تو بے شک وہ

كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

ہے توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا۔

(آیت نمبر ۲۵) رب تبارک وتعالیٰ تمہارے دلی ارادوں کوخوب جانتا ہے۔یعنی تمہارے تقوے اور ماں باپ کے ساتھ مروت واحسان کو وہ جانتا ہے اور اگر تم نیک ہوئے۔یعنی ماں باپ کی خدمت کی اور ان کی نافرمانی سے بچے۔تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔یعنی اپنے قصور پر توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرے تو وہ کریم بندوں کو بہت بخشنے والا ہے۔

مسئلہ :امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔والدین مکروہ کام کا حکم دیں۔مثلاً حقہ سگریٹ مانگیں تو والدین کی خدمت واجب ہے لیکن اگر وہ حرام کام کروانا چاہیں تو پھر ضروری نہیں۔دونوں اگر ناراض ہوں تو پہلے والد کی رضا کو ترجیح دے۔تعظیم واحترام سے متعلقہ جتنے امور ہیں۔مثلاً والدین دونوں دور سے آرہے ہیں تو پہلے والد کو ملے۔البتہ اگر مالی خدمت کرنی ہے تو پہلے والدہ کی خدمت میں پیش کرے۔اس لئے کہ بچپن میں والدہ نے دکھ تکالیف زیادہ اٹھائی ہیں۔اور پرورش کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔تم بھی خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔

باپ اولاد کی ہر چیز کا مالک ہے:ایک شخص نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ میرا باپ میری کمائی لے لیتا ہے۔حضور ﷺ نے اس کے باپ سے پوچھا تو اس نے عرض کی۔حضور جب میں کماتا تھا تو یہ اسے اڑاتا تھا۔میں نے تو کبھی شکایت نہیں۔اب میں کمزور ہوں۔یہ کماتا ہے اور مجھے دینے میں بخیل ہے۔تو حضور ﷺ نے فرمایا تو بھی اور تیرا مال بھی اے نوجوان باپ کی ملکیت ہے۔(یعنی تیرا باپ تیری اجازت کے بغیر تیرا مال کھا سکتا ہے۔

والدین کو نصیحت:ماں باپ پر بھی لازم ہے کہ وہ اولاد کو بھی اتنا تنگ نہ کریں کہ وہ نافرمانی پر مجبور ہو جائیں۔ان پر دست شفقت رکھیں۔

حکایت :ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال سے اولاد کو کوئی کام نہیں کہا کہ کہیں نافرمانی کرکے وہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور دو رشتے داروں کو ان کا حق اور مسکین اور مسافر کو اور نہ فضول خرچی کرو اڑا کر ۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

بے شک فضول خرچ ہیں بھائی شیطان کے۔ اور ہے شیطان اپنے رب کا ناشکرا ۔

(آیت نمبر ۲۶) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو۔ یعنی اگر وہ تنگدست ہیں۔ تو ان کو نفقہ دو۔ اور خاندان میں بھی جو جتنا زیادہ قریبی ہے۔ اس کا اتنا ہی زیادہ حق ہے۔ خصوصاً وہ رشتہ دار جو معذور ہوں محتاج ہوں۔ خصوصاً اور وہ جو زیادہ دیندار ہوں یا عالم فاضل ہوں ان کی زیادہ خدمت کرے۔ (رشتہ داروں کے حقوق اور نفقہ کے مزید مسائل فیوض الرحمٰن میں پڑھ لیں) ۔ آگے فرمایا۔ کہ مسکین اور مسافر کے حق بھی ادا کرو۔

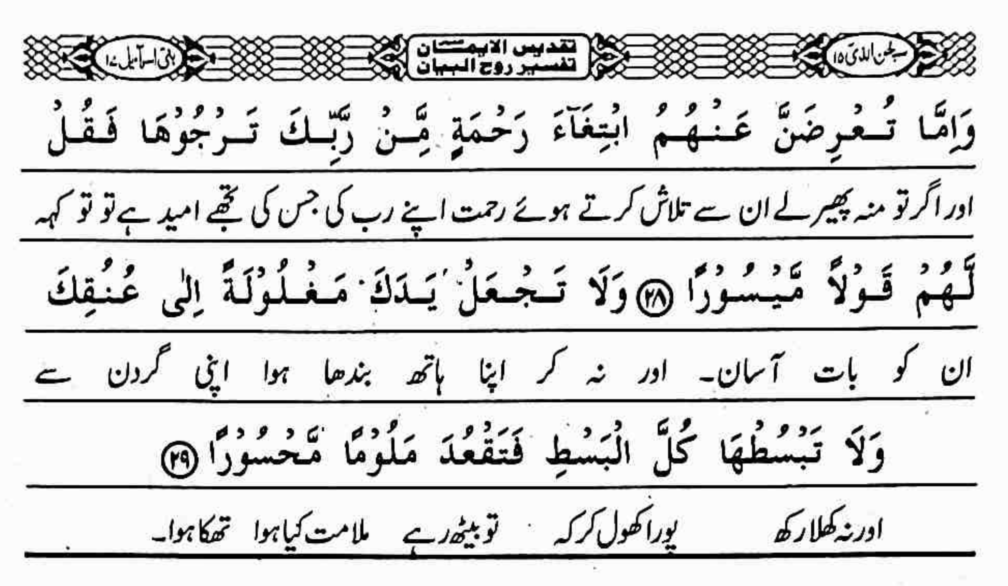
فائدہ : مکی زندگی میں تو ان کی ادائیگی فرض تھی۔ پھر مدینہ شریف میں فرضیت منسوخ ہوگئی۔ پھر زکوٰۃ فرض ہوگئی۔ اور مسافر جو حالت سفر میں ہے اگرچہ گھر میں مالدار ہوں۔ اب وہ حالت سفر میں حاجتمند ہوگیا تو مال زکوٰۃ صدقہ وغیرہ دینا چاہئے۔

آگے فرمایا کہ فضول خرچی نہ کرو۔ یعنی غیر مستحق لوگوں کو نہ دو۔ یا مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

(آیت نمبر ۲۷) اس لئے کہ فضول خرچی والے شیطان کے بھائی ہیں کہ وہ شیطان کو خوش کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ بلکہ کفران نعمت اور جرم وعصیان میں شیطان ان کی مدد کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ شیطان تو اپنے رب کا بھی بہت بڑا ناشکرا ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی کھاتا ہے اور اس کے حکموں کی نافرمانی کرتا ہے۔

شان نزول : قریش مکہ اپنی شہرت اور نام نموش کیلئے اور فضول کاموں میں بہت خرچ کرتے تھے۔ کئی دفعہ بے حساب اونٹ ذبح کردیتے، کھیل تماشے میں پیسے بے حساب خرچ کردیتے تھے تو اس وجہ سے انہیں منع کیا گیا۔
فائدہ: نیک کاموں میں خواہ پہاڑ کے برابر خرچ کیا جائے وہ فضول خرچی میں نہیں آتا۔

لطیفہ: امام حسن علیہ السلام کے پاس بے حساب مال آیا تو آپ نے سارا راہ مولیٰ میں دے دیا۔ ایک شخص نے کہا "لاخیر فی الاسراف" فضول خرچی اچھی نہیں۔ آپ نے اسی جملے کو الٹ کر فرمایا: "لااسراف فی الخیر" نیک کاموں میں فضول خرچی نہیں ہوتی۔

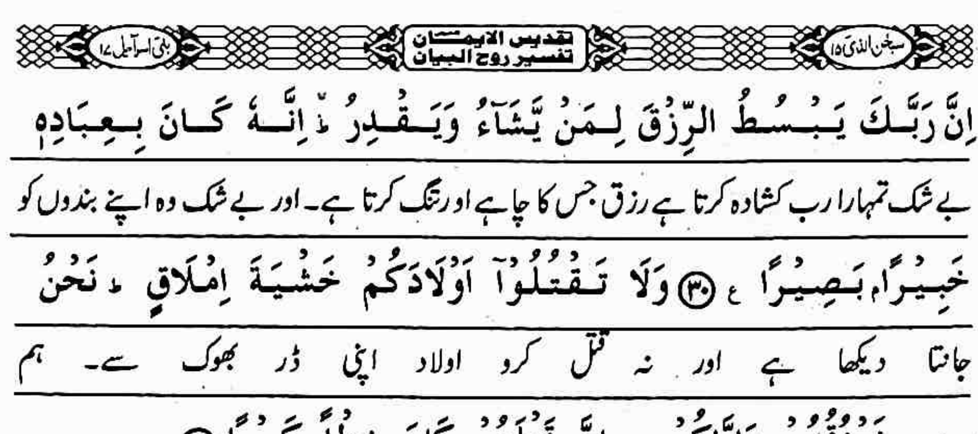


(آیت نمبر ۲۸) اگر تم ان سے منہ پھیر لو گے۔ یعنی رشتہ داروں اور مستحقین کو کسی عارضہ کی وجہ سے نہ دے سکو۔ اپنے رب کی رحمت کے تلاش کی وجہ سے یعنی گھر میں کمی ہو اور تم رحمت کے امیدوار بھی ہو تو انہیں آسان اور نرم بات سے سمجھا دیں۔ جس سے ان کا دل خوش ہو جائے اور تمہیں ثواب مل جائے۔

شان نزول : حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ سے کوئی کچھ مانگتا۔ وہ چیز آپ کے پاس نہ ہوتی تو آپ شرم کے مارے سر جھکا دیتے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ مانگنے والے کو کوئی اچھی بات کہہ دیں تا کہ آپ کی خاموشی سے وہ ڈر نہ جائے اور اس سے ایسا وعدہ فرمائیں۔ جس سے اسے فرحت وخوشی حاصل ہو جائے۔ بعض علماء نے "**قول میسور**" سے مراد سائل کیلئے آسانی کی دعا مراد لی ہے۔ مثلاً مانگنے والے سے کہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے فضل سے غنی کرے۔ یا آئندہ آنے کا وعدہ فرمالیں۔ جب آئیگا تو تجھے دے دیں گے۔

سبق : عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو بلاوجہ مال ہوتے ہوئے سائل کو خالی لوٹاتا ہے۔ یا کہے میرے پاس کچھ نہیں تو سات دن تک اس کے گھر رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(آیت نمبر ۲۹) نہ کیجئے اپنا ہاتھ بند گردن کے ساتھ۔ مراد کسی کو دینے سے روکنا اور نہ ہی پورے طور پر کھول دیں۔ اس سے مراد فضول خرچی ہے۔ **فائدہ** : اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں میانہ روی ہونی چاہئے۔ راہ حق سے مال روکنے کو ہاتھ گردن کے ساتھ باندھنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھ گئے۔ وہ اب جیب تک نہیں جا سکتے۔ یا ایسے ہاتھ کھولو کہ سب کچھ لٹا دو اور خود خالی ہاتھ ملامت کئے ہوئے کی طرح بیٹھ جاؤ جیسے کوئی سارا مال دے کر پشیمان ہو جاتا ہے۔



اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بے شک تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہے اور تنگ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ اپنے بندوں کو

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۳۰ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

جانتا دیکھتا ہے اور نہ قتل کرو اولاد اپنی ڈر بھوک سے۔ ہم

نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۳۱

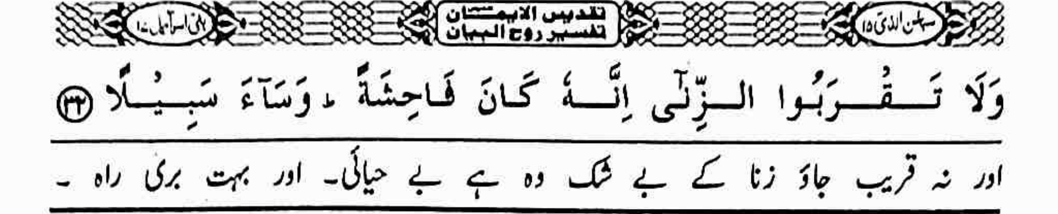
انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ بے شک قتل کرنا ان کی غلطی ہے بہت بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر۲۹) **شانِ نزول**: ایک مسلمان اور ایک یہودی عورت کے درمیان بحث ہوئی یہودن کہتی کہ موسیٰ علیہ السلام زیادہ سخی تھے مسلمان عورت نے کہا ہمارے حضور ﷺ سے زیادہ کوئی سخی نہیں ہوسکتا تو یہودن نے کہا موسیٰ علیہ السلام ضرورت کے سوا سب مال اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ مسلمان عورت نے کہا۔ ہمارے نبی علیہ السلام تو اپنی ضرورت کی چیز بھی حاجت مند کو دے دیتے ہیں۔ آزمانے کیلئے اپنی لڑکی کو بھیجا۔ جا کر حضور سے کہو ہمیں اپنی قمیص دیں۔ آپ نے قمیص اتار کر دیدی اور خود حجرہ مبارک میں بیٹھ گئے۔ شرم وحیا کی وجہ سے باہر نہ تشریف لائے۔ نماز کا وقت ہوگیا۔ اقامت بھی ہوگئی۔ صحابہ منتظر ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (برہان القرآن)

(آیت نمبر۳۰) بے شک آپ کا رب تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے۔ رزق کھلا کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کی مشیت ہے جو تحت حکمت ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور ان کے مخفی امور کو دیکھ رہا ہے۔

حکمت الٰہی: اللہ تعالیٰ نے جسے مال دیا۔ یا جسے نہیں دیا۔ دونوں باتیں حکمت کے تحت ہیں۔ بلکہ جس کو جس حال میں رکھا ہے۔ وہ بھی حکمت کے تحت ہے۔ اگر اس کے خلاف حالت بدل جائے تو اس کے ایمان خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ اور اگر سب کو مالدار کر دیا جاتا تو پھر بھی کام نہ چلتا کہ کوئی مزدور نوکر چاکر نہ ملتا۔ ان کے سرکش ہونے کا بھی خدشہ تھا۔ لہٰذا جس کو جس حال میں رکھا ہے، وہی اس کے لئے بہتر ہے۔

(آیت نمبر۳۱) اپنی اولاد کو مت قتل کرو تنگدستی کے ڈر سے اور لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔ ہم انہیں بھی روزی دینگے اور تمہیں بھی دیتے ہیں جو پیدا کرتا ہے وہی رزق دیتا ہے۔ روزی کی کمی سے مت ڈرو۔ بے شک ان کو قتل کرنا نسل انسانی کو قتل کرنا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ نسل انسانی کو ختم کرنا بہت بڑا جرم ہے۔



وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور نہ قریب جاؤ زنا کے بے شک وہ ہے بے حیائی۔ اور بہت بری راہ ۔

(بقیہ آیت نمبر۳۲) **سبق**: کوئی بھی اپنے بال بچوں کو یا خاندان والوں کو زہد اور تقوے پر مجبور نہ کرے۔ البتہ انہیں اس کی دعوت دے۔ اگر وہ قبول کر لیں۔ تو ٹھیک ہے۔ ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے۔ اور تقوے پرہیز گاری کے لئے پوری جدو جہد جاری رکھے۔

(آیت نمبر۳۲) اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ بلکہ شہوت کے اسباب بھی نہ اپناؤ۔ مثلاً غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔ اشارے کرنا یا بوسہ دینا وغیرہ جیسے افعال بھی مت کرو۔ اس لئے کہ یہ کام بدکاری پر ابھارتے ہیں اور بدکاری کا ذہن میں خیال بھی نہ لاؤ۔ کیونکہ اس سے شہوت غلبہ کرتی ہے اور بدکاری بہت برا قبیح کام ہے۔ اس سے نسب و نسل ضائع ہوتی ہے۔ اور یہ برا راستہ ہے۔ یعنی یہ آدمی کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اس سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

حدیث شریف: زنا کے وقت ایمان نکل جاتا ہے۔ بعد میں پھر لوٹ کر آتا ہے اگر توبہ کر لے۔ (ترمذی شریف، کتاب الایمان)

زنا کے چھ نقصان:

۱۔ رزق سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی جتنا کماؤ۔ پوری نہیں پڑتی۔

۲۔ عمر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یعنی بدکار جلد مر جاتا ہے۔

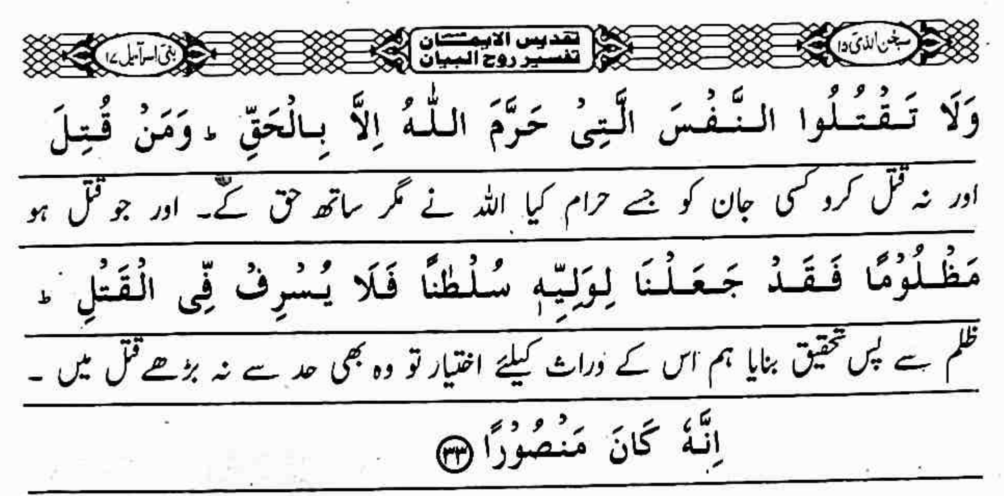
۳۔ عزت و وقار لوگوں کے دلوں سے نکل جاتا ہے۔

۴۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔

۵۔ حساب میں سختی ہوگی۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ سوال ہوگا۔

۶۔ زانی جہنم میں داخل ہوگا۔ اور بدترین سزا پائے گا۔

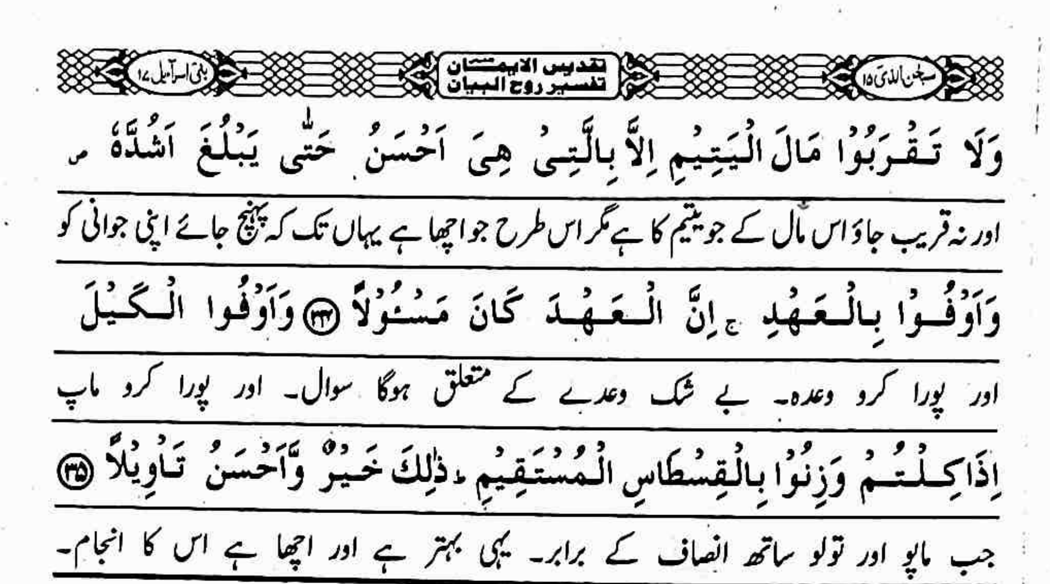
فائدہ: قیامت کی علامات سے یہ ہے کہ زنا عام ہو جائے گا۔



(آیت نمبر ۳۳) اور نہ قتل کرو۔ اس انسانی جان کو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام کیا۔ مگر حق کے ساتھ قتل کر سکتے ہو۔ اس کے تین اسباب ہیں: (۱) مرتد ہو گیا ہو۔ (۲) شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو۔ (۳) یا کسی کو بلا وجہ قتل کیا ہو۔ اور جو ظلماً قتل کیا جائے۔ یعنی مذکورہ تینوں امور کے سوا قتل ہو تو تحقیق ہم نے اس کے ولی کو قاتل پر مسلط کیا جو اس کے وارثوں سے ہو۔ اگر وارثوں سے نہ ہو تو حکومت اس کی ولی ہے۔ کیونکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ اس کی تولیہ حکومت کے سپرد ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ مقتول کے وارثوں کو قاتل پر ہم نے مسلط کیا۔ تاکہ وہ مقتول کے بدلے میں چاہے تو قتل کرے۔ چاہے تو قاتل سے فدیہ لے۔ بہر صورت اگر قتل بھی کرے تو قتل میں حد سے نہ بڑھے۔ یعنی جتنی حد شریعت نے مقرر کی ہے۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ کہ نہ اسے مثلہ کرے۔ نہ اس کے ساتھ اس کے کسی عزیز کو قتل کرے۔ جیسے جاہل لوگ کرتے تھے۔ یہ جہالت آج بھی کئی جگہ پائی گئی ہے۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ جاہلیت میں رسم تھی کہ مقتول کے وارث قاتل کی برادری کا بڑا آدمی یا دو آدمی قتل کر دیتے اور حد سے تجاوز کا یہ مطلب بھی ہے کہ دیۃ بھی لے لے اور قتل بھی کر دے۔ یہ کام نہ کرے۔

آگے فرمایا کہ بے شک مقتول کے ولی کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت یا حکومت اس کی مدد کرے گی کہ وہ اسے دیت یا قصاص دلائیں گے۔



وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ

اور نہ قریب جاؤ اس مال کے جو یتیم کا ہے مگر اس طرح جو اچھا ہے یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

اور پورا کرو وعدہ۔ بے شک وعدے کے متعلق ہوگا سوال۔ اور پورا کرو ماپ

اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

جب ماپو اور تولو ساتھ انصاف کے برابر۔ یہی بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام۔

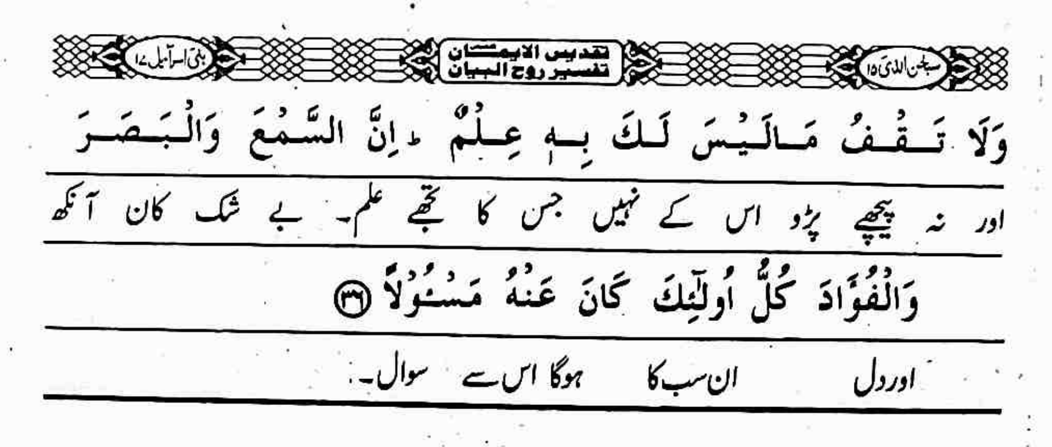
(آیت نمبر ۳۴) اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی یتیم کا مال تم نہ کھاؤ۔ مگر ایسے طریقے سے جو بہت اچھا ہو۔ یعنی اس کی حفاظت بھی ہو اور اسے تجارت میں لگا کر منافع کمایا جائے۔ یہاں تک کہ وہ یتیم جوان ہو جائے۔ اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان ہو۔ جب کہ اس میں عقلمندی کے آثار پائے جائیں (تو یتیم کا مال اس کو دے دیا جائے)۔ **فائدہ**: البتہ اگر یتیم کا مال سنبھالنے والا غریب ہے۔ تو اس کے مال سے ایک وقت کا کھانا کھا سکتا ہے)۔

آگے فرمایا۔ وعدہ وفا کیا کرو۔ خواہ اللہ سے وعدہ کیا ہو یا بندوں کے ساتھ۔ اس لئے کہ وعدے کے بارے میں بروز قیامت پوچھا جائے گا۔ یعنی قیامت کے دن سوال ہوگا کہ وعدہ پورا کیا تھا یا نہیں کیا۔ اور یہ سوال زجر و توبیخ کے ساتھ ہوگا۔ یعنی سختی سے ڈانٹ کر سوال کیا جائے گا۔

(آیت نمبر ۳۵) اور ماپ تول پورا کر کے دو جب تم خریدار کو تول کر دینے لگو۔ آگے فرمایا۔ کہ وزن بھی پورے انصاف کے ساتھ کرو۔ یہ وعدہ وفائی اور وزن (ماپ تول) پورا کرنا تمہارے لئے دنیا میں بہتر ہے۔ اس سے تمہارا اچھا نام مشہور ہوگا اور آخرت میں اس کا بہت بڑا اجر ہوگا۔

حدیث شریف: بروز قیامت عرش الٰہی کے زیادہ قریب وہ مسلمان ہوگا جو ظلماً قتل ہوا۔ اس وقت اس کا خون رگوں سے بہہ رہا ہوگا۔ عرض کرے گا۔ الٰہی قاتل سے پوچھیں کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلاوجہ قتل کرنے والا ذلیل ہے۔ پھر قاتل کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

دس مذموم صفات: مذکورہ دس مذموم صفات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (ہر ایک کی مذمت بیان کی گئی اور مزید اس پر احادیث بھی ہیں جو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)



وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ

اور نہ پیچھے پڑو اس کے نہیں جس کا تجھے علم۔ بے شک کان آنکھ

وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾

اور دل ان سب کا ہوگا اس سے سوال۔

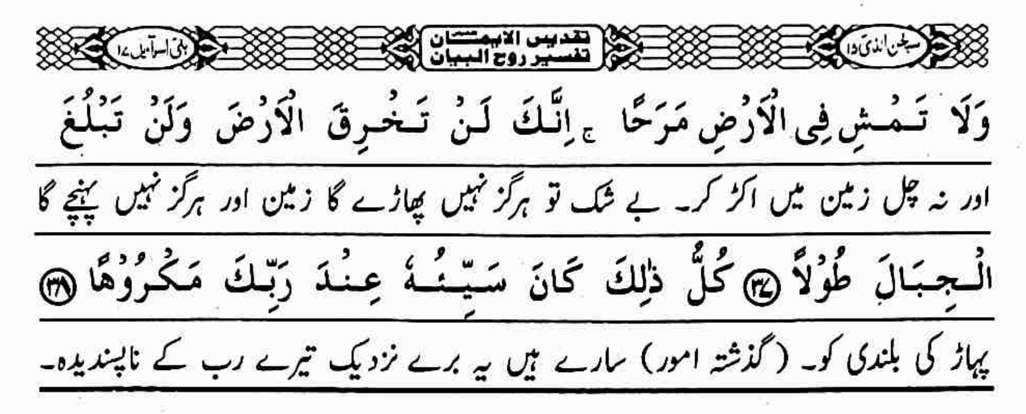
(آیت نمبر ۳۶) اس کے پیچھے مت چلو جس کے قول وفعل کا تمہیں علم نہیں۔ جیسے کوئی انجانے راہ پر چل پڑے۔ پھر منزل پر پہنچے یا نہ پہنچے۔

فائدہ :اجتہاد کے منکر اس سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ظن غالب بھی علم کے قائم مقام ہے اور اجتہاد میں ظن غالب ہوتا ہے۔ جیسے قبلہ کی سمت معلوم کرنے کیلئے ظن غالب پر عمل کیا جاتا ہے۔ دیگر بھی ایسے بے شمار مسائل ہیں جن میں ظن غالب کو اہمیت حاصل ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک کان آنکھ اور دل ان اعضاء میں سے ہر ایک عضو کو ذی عقل سمجھ کر انسان کے اعمال کا سوال ہوگا۔ جب یہ انسان کے متعلق گواہی دیں گے۔ یعنی ہر ایک سے سوال ہوگا کہ تم نے کیا کیا سنا اور دیکھا اور دل سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا جانا؟ گویا اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں۔ کہ اے انسان جو باتیں سننے کے لائق نہیں وہ نہ سن۔ جو دیکھنے کے لائق نہیں وہ نہ دیکھ جو جاننے کے لائق نہیں ان کے پیچھے نہ پڑ۔ ورنہ ان کے متعلق تجھ سے پوچھا جائے گا۔

فائدہ :یاد رہے قلبی مسائل میں فرق ہے۔ یعنی دل میں جو خیالات گذرتے ہیں وہ تو معاف ہیں لیکن دل میں کسی کے متعلق بغض، حسد، حب دنیا، ریا، خود پسندی، تکبر یا منافقت وغیرہ جن پر انسان کو اختیار ہے ان پر گرفت ہوگی جن پر اختیار نہیں ان پر گرفت نہیں۔

حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرمائیں۔ جو دلوں میں بطور وسوسہ کے آئیں۔ (بخاری و مسلم)



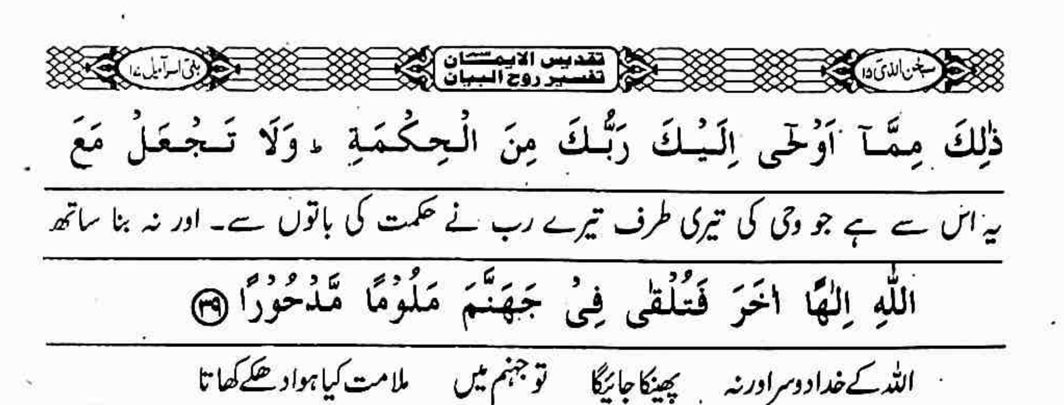
(آیت نمبر ۳۷) اے انسان زمین پر تکبر سے نہ چل۔ یعنی اس آیت کریمہ میں اپنے آپ کو اونچا سمجھ کر چلنے سے روکا گیا۔ کیونکہ یہ تکبر ہے اور کہا گیا۔ کہ بے شک تکبر کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا۔ اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنے سے پہاڑوں تک پہنچ نہیں سکتا ہے۔

فائدہ :انسان کا تکبر کرنا اس کی حماقت ہے۔ اس لئے کہ انسان اپنی طاقت کے بل بوتے پر کچھ نہیں کر سکتا۔ شاعر کہتا ہے اے انسان اللہ تعالیٰ نے تجھے مٹی سے بنایا۔ لہذا تجھے مٹی کی طرح عاجز رہنا چاہئے۔

حدیث شریف : جو شخص اپنے کو بڑا سمجھ کر اکڑ کے چلتا ہے بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس حال میں حاضر ہوگا کہ نہ تو اس کا کوئی وزن ہوگا اور نہ اس کا جسم بڑا ہوگا بلکہ ایک چھوٹے سے کیڑے کی طرح ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (اخرجہ البخاری فی ادب المفرد۔ والحاکم واحمد)

(آیت نمبر ۳۸) سابقہ تمام صفات جو "لاتجعل مع" سے شروع ہو کر جن میں سے بعض پر حکم اور بعض پر نہی فرمائی گئی۔ یہ کل پچیس ہیں۔ ان میں سے چودہ صفات مذمومہ ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی برائی تیرے رب کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ مکروہ بمعنی مبغوض ہے۔

فائدہ :اس تقریر سے معتزلہ کا بھی رد ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام نتائج اللہ تعالیٰ کے ارادے سے متعلق نہیں۔ ورنہ اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔ ارادہ اور کراہت۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیلات علم کلام میں موجود ہے۔



ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ

یہ اس سے ہے جو وحی کی تیری طرف تیرے رب نے حکمت کی باتوں سے۔ اور نہ بنا ساتھ

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

اللہ کے خدا دوسرا اور نہ پھینکا جائیگا تو جہنم میں ملامت کیا ہوا دھکے کھاتا

(آیت نمبر۳۹) مذکورہ جنتی صفات محمودہ یا مذمومہ بیان ہوئیں۔ یہ ان ہی میں سے ہے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اترا ہے وہ حکمت میں سے ہی ہے۔ جسے علم شرائع کہا جاتا ہے۔ جس پر عمل کرنے میں فلاح ہے اور یہی حکمت عملیہ ہے۔ کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا رہے۔

آگے فرمایا۔ اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا۔ چونکہ توحید ہی جملہ اعمال کا مبداؤ منتہی ہے۔ جو توحید سے محروم ہے۔ اس کے سب اعمال برباد ہیں۔ اور تمام کوششیں ضائع ہیں۔ ان کے علوم کا انہیں کیا فائدہ۔ بڑے بڑے حکماء نے علوم وحکمت میں بڑی پروازیں کیں۔ مگر سب بے سود۔ اس لئے کہ ان تمام کے ہاں توحید نہیں تھی۔ ایسے لوگ گمراہ ہوکر جنت کی نعمتوں سے محروم ہوگئے اور دنیا میں بھی مذموم ٹھہرے اور آخرت میں وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کررہے ہونگے اور اپنے نفس کی مذمت کررہے ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام لوگ بھی اور فرشتے بھی ملامت کرتے ہوں گے اور اس وقت تم رحمت خداوندی سے دور پھینکے جاؤ گے اور تمہیں ہر خیر وبرکت سے محروم کردیا جائے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مشرک کی مثال اس لکڑی سے دی جسے انسان اٹھا کر تندور میں پھینک دیتا ہے۔

کلمہ شریف کی عظمت: اسے کافر پڑھے تو کفر دور اور اس کی جگہ اس کے دل میں نور آجاتا ہے۔ مومن پڑھے تو نفس کے ظلمات دور اور دل میں توحید کا نور آجاتا ہے۔ جو بندہ دن میں ہزار بار پڑھے اس کے دل سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ یاد رہے توحید سے مراد وہ توحید ہے۔ جس کے ساتھ توہین رسول نہ ہو۔ جیسے آج کل کچھ فرقوں والے توحید بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کے ساتھ جب تک وہ توہین رسول نہ کریں۔ ان کی توحید صحیح طور پر بیان ہوتی ہی نہیں)۔ (استغفر اللہ العظیم)

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ

کیا چنے تمہارے لئے تمہارے رب نے بیٹے اور بنائیں فرشتوں سے بیٹیاں۔ بے شک تم

لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۴۰ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

کہتے ہو بات بڑی۔ اور تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا اس قرآن میں

لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱

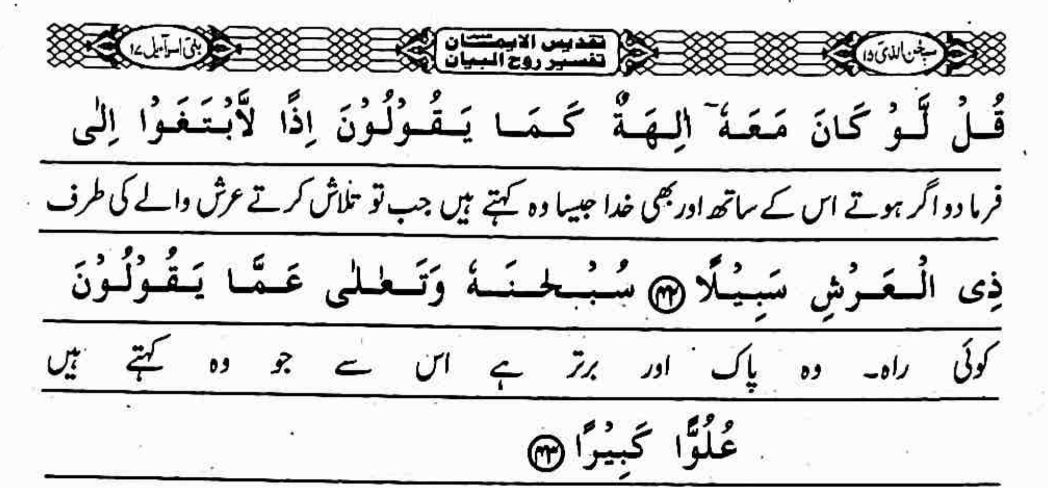
تاکہ وہ سمجھیں ۔ اور نہیں بڑھتی ان کی مگر نفرت

(آیت نمبر۴۰) اے کافرو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے کہ تمہارے لئے افضل اولاد یعنی بیٹے پسند کئے اور اپنے لئے ادنیٰ اولاد یعنی بیٹیاں یہ بات تو حکمت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے کہ آقا کیلئے گھٹیا چیز اور اپنے لئے اعلیٰ چیز پسند کی جائے۔

فائدہ : کاشفی نے معنی کیا۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہاری لئے لڑکے اور اپنے لئے لڑکیاں پسند کیں۔ فرشتوں میں سے یہ تو عام عادات کے بھی خلاف ہے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی بات کہی جائے۔

آگے فرمایا۔ کہ بے شک اولاد کی نسبت تمہارا یہ قول بہت بھاری ہے۔ ایسی بات کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ تم تو اللہ تعالیٰ کی از قسم جنس ہم جنس اور جلد زوال پذیر ہونے والی شیء مان رہے ہو۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کیلئے گھٹیا قسم یعنی لڑکیاں اور اپنے لئے اعلیٰ قسم یعنی لڑکے مختص کرتے ہو اور پھر فرشتے جو ایک اعلیٰ مخلوقات سے ہیں۔ انہیں اپنی طرف سے صفت حیوانیت میں شامل کررہے ہو۔ **فائدہ** :اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان واقعی ظلوم وجہول ہی ہے اور اس کی جہالت کی انتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی جنس حیوان میں سمجھ لیا ہے (معاذ اللہ)۔ اس لئے کہ بچے پیدا کرنا اور نسل بڑھانا خاصہ حیوانات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ و پاک ہے۔

(آیت نمبر۴۱) اور البتہ تحقیق ہم بار بار دلائل کے ساتھ سمجھا رہے ہیں کہ میں بالکل اولاد وغیرہ سے پاک ومنزہ ہوں۔ جس کا ذکر اس قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ہوا۔ تاکہ قرآن پاک کے دلائل دیکھ کر پڑھ کر نصیحت حاصل کریں اور ایسے غلط اقوال اور گندے عقیدے چھوڑ دیں۔ مگر ان کی نہیں بڑھی سوائے نفرت کے۔ یعنی ہمارے دلائل سن کر بجائے حق کو قبول کرنے کے الٹا حق سے دور ہوگئے۔



قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى

فرما دو اگر ہوتے اس کے ساتھ اور بھی خدا جیسا وہ کہتے ہیں جب تو تلاش کرتے عرش والے کی طرف

ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ

کوئی راہ۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں

عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

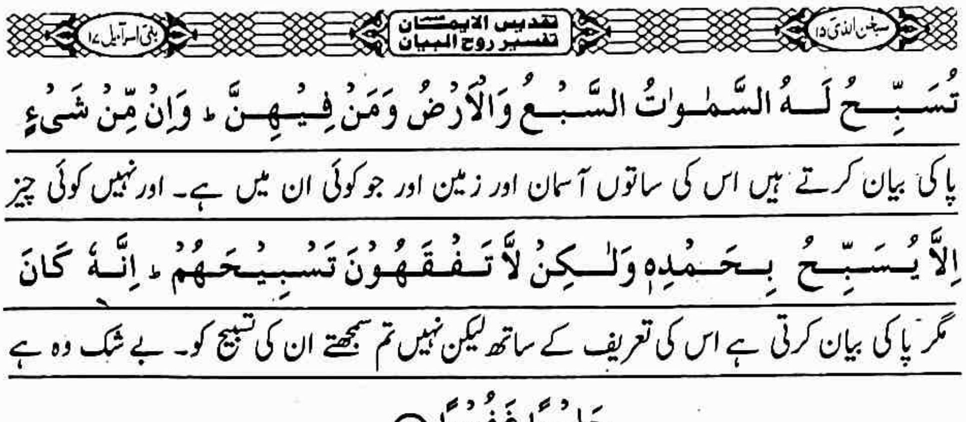
بہت بڑا بلند۔

(آیت نمبر۴۲) اے میرے محبوب آپ انہیں حق بات واضح فرمادیں۔ تا کہ باطل کا ابطال ہوجائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہوتا۔ جیسے یہ مشرکین کہتے ہیں۔ تو ضرور وہ جھوٹے خدا عرش تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرتے۔ یعنی وہ غلبہ پانے اور ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کیلئے جیسے بادشاہوں کا طریقہ ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے کیلئے حملے کرتے ہیں۔ جیسے نمرود اور فرعون نے کیا تو منہ کی کھائی اور ذلیل ہوا۔ یہ دلیل کافروں کا منہ بند کرنے کیلئے دی گئی کہ ان کے اتنے خدا ہو کر اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہے۔ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کے بناوٹی خدا جنہیں انہوں نے اپنے زعم فاسد سے خدا بنا رکھا ہے۔ (نہ وہ خدا ہیں۔ نہ ان کے حاجت روا۔ انہیں تو انسانوں کے برابر نہیں کہا جا سکتا)۔

(آیت نمبر۴۳) اس کی ذات پاک ہے اور بلند ہے۔ اس سے جو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ یا کوئی اور بھی معبود ہیں وغیرہ وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔ اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ بہت بڑا ہے۔ اس کے سوا کوئی بڑا نہیں۔ نہ وجود کے لحاظ سے نہ درجے اور ذات کے لحاظ سے۔

فائدہ : یعنی جو مشرکین نے وہمی خدا بنا رکھے ہیں۔ یا کمزور اور جاہل قسم کے لوگوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے کہ ہمہ وقت اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ بھی گویا خواہشات کو خدا مانتے ہیں۔

سبق: عقلمند وہ ہے جو توحید پر پختہ رہے اور تجدید عہد کرتا رہے جو اس نے ازل میں اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اس لئے کہ مغفرت اور ترقی درجات کا سبب یہی کلمہ ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ یعنی کثرت سے ذکر الٰہی کرتے رہا کرو۔ (المستدرك على الصحيحين)



تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

پاکی بیان کرتے ہیں اس کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ اور نہیں کوئی چیز

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

مگر پاکی بیان کرتی ہے اس کی تعریف کے ساتھ لیکن نہیں تم سمجھتے ان کی تسبیح کو۔ بے شک وہ ہے

حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

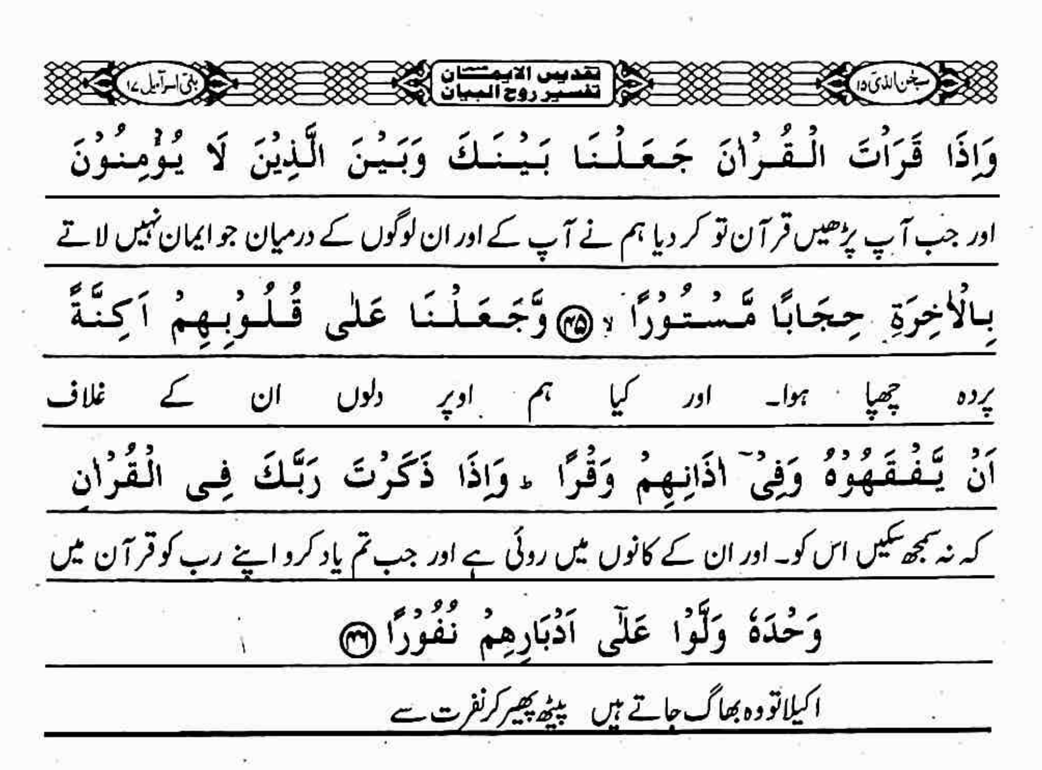
بردبار بخشنہار۔

(آیت نمبر۴۴) ساتوں آسمانوں اور زمین میں رہنے والی تمام اشیاء اسی وحدہ لاشریک کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ گویا سب زبان حال سے خالق وصانع کے وجود کا پتہ دے رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور قدرت وحکمت پر دلالت کررہی ہے۔ **فائدہ** : کاشفی فرماتے ہیں۔ کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ سے نقصان وعیوب کی تنزیہہ اور اس کی صفات کمالیہ کا اظہار کررہی ہیں۔ تنزیہہ کا مطلب ہے۔ اللہ سے نقائص کو دور کرنا۔ یعنی نہ اس کا شریک ہے نہ اس کی اولاد۔

آگے فرمایا۔ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہہ رہی ہے۔ لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے اندر معرفت ہے۔ کفار اسی لئے تو توحید کا اقرار نہیں کرتے کہ نہ وہ صنعت باری کو دیکھتے ہیں۔ نہ حق بات سنتے ہیں۔

آگے فرمایا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے کہ ظالم سے فورا بدلہ نہیں لیتا۔ نہ عذاب اتارنے میں جلدی کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو جلد بخشنے والا ہے۔

تسبیح کی تحقیق : شیخ علی سمرقندی بحر العلوم میں فرماتے ہیں کہ تمام اولیاء کا مذہب ہے۔ کہ ہر چیز حقیقی طور پر تسبیح پڑھتی ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں۔ جو اعلان نبوۃ سے پہلے بھی مجھ پر درود پڑھتا تھا۔ خبائز الخلاصہ میں ہے۔ کہ قبرستان کے درختوں اور گھاس کو کاٹنا منع ہے۔ کہ وہ ذکر الٰہی اور تسبیح حق میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور ان کی تسبیح پڑھنے سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (اس کے متعلق زیادہ تفصیلات دیکھنی ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔



وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جب آپ پڑھیں قرآن تو کر دیا ہم نے آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لاتے

بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً

پردہ چھپا ہوا۔ اور کیا ہم اوپر دلوں ان کے غلاف

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ

کہ نہ سمجھ سکیں اس کو۔ اور ان کے کانوں میں روئی ہے اور جب تم یاد کرو اپنے رب کو قرآن میں

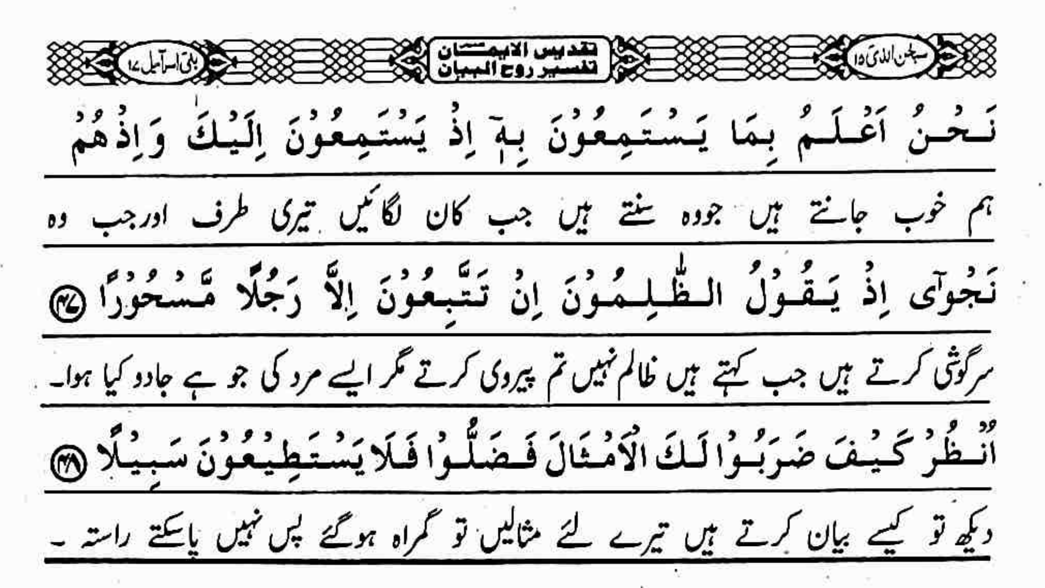
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

اکیلا تو وہ بھاگ جاتے ہیں پیٹھ پھیر کر نفرت سے

(آیت نمبر ۴۵) اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ تو ہم آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ (یعنی مکہ مکرمہ کے وہ کافر جو قیامت کے منکر ہیں۔) ایسی آڑ بناتے ہیں جو انہیں آپ کی نبوت یا آپ کی قدر و منزلت کی معرفت تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اسی لئے وہ مسلمانوں کو کہتے کہ تم جادو کیے ہوئے کے پیچھے چل رہے ہو۔ فرمایا کہ محبوب کی تلاوت قرآن کے دوران کفار آپ کو نہیں دیکھ سکتے یہ بھی معجزہ ہے۔ سرور عالم ﷺ کا کہ کافروں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو چھپا رکھا ہے۔ ع: بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے۔

شانِ نزول : جب سورہ "تبت یدا ابی لھب" اتری تو ابولہب کی بیوی بڑا پتھر اٹھا کر لائی۔ کہ میں آپ کو ماروں گی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کعبہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ میں بھی پاس بیٹھا تھا۔ میں اسے نظر آ رہا تھا۔ مگر حضور ﷺ اسے نظر نہیں آ رہے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کی ایذاء سے اپنے محبوب کو اکثر جگہ محفوظ رکھا۔ اگرچہ کفار آپ کے قریب سے گذرتے مگر آپ تلاوت قرآن کے وقت انہیں نظر نہ آتے۔

(آیت نمبر ۴۶) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں جو قرآن اور ان کے دلوں کے درمیان ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن ان کے دلوں پر اثر نہیں کرتا۔ آگے فرمایا۔ کہ جب آپ قرآن پاک میں اپنے وحدہٗ لاشریک رب کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی آپ "لا الٰہ الا اللہ" کہتے ہیں۔ تو وہ نفرت کے ساتھ الٹے پاؤں بھاگتے ہیں۔



نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ سنتے ہیں جب کان لگائیں تیری طرف اور جب وہ

نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

سرگوشی کرتے ہیں جب کہتے ہیں ظالم نہیں تم پیروی کرتے مگر ایسے مرد کی جو ہے جادو کیا ہوا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

دیکھ تو کیسے بیان کرتے ہیں تیرے لئے مثالیں تو گمراہ ہوگئے پس نہیں پاسکتے راستہ۔

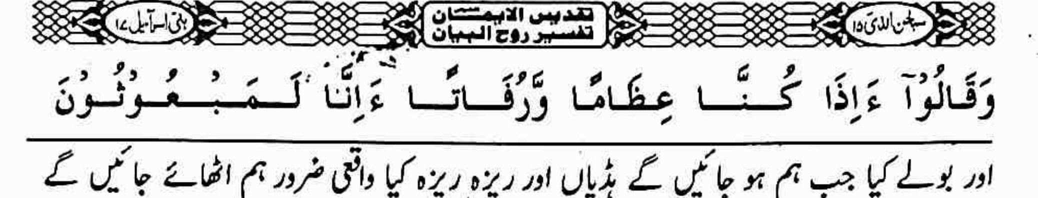
(بقیہ آیت نمبر۴۶) یعنی الٹے منہ اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ انہیں اس بات سے نفرت ہے۔ کہ آپ صرف ایک رب کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ ان کے خداؤں کا کیوں نام نہیں لیتے۔

(آیت نمبر۴۷) ہم خوب جانتے ہیں۔ اسے جو وہ کان لگا کر سنتے ہیں۔ یعنی جو وہ بے ہودہ باتیں کرتے اور سنتے ہیں۔ جن سے آپ کی تحقیر کرتے ہیں اور قرآن کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ وہ سب ہمارے علم میں ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا کہ جب حضور ﷺ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آپ کے اردگرد عبدالدار کے آدمی تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے اور زور زور سے اشعار پڑھتے۔ تا کہ آپ کو قرآن میں بھول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جب وہ یہ بری حرکتیں کر رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح جب وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں اور اس کو بھی جانتے ہیں جب وہ ظالم کہہ رہے ہوتے ہیں (مسلمانوں کو) کہ تم لوگ نہیں اتباع کر رہے۔ مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ (معاذ اللہ) مجنون ہو گیا ہے۔ یعنی ان ظالموں کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو بجائے نبی ماننے کے جادوگر کہتے تھے۔

فائدہ: سرگوشیاں کرنے والے ظالم اپنی سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ قرآن کے وقت خوب تم شور مچاؤ تا کہ کوئی قرآن سن نہ سکے۔

(آیت نمبر۴۸) اے محبوب دیکھئے۔ کیسی مثالیں دیتے ہیں آپ کے متعلق شاعر کبھی ساحر کبھی مجنون کہتے ہیں۔ غلط مثالیں دینے کی وجہ سے گمراہ رہے۔ لہٰذا وہ صحیح راہ نہیں پاسکتے۔ یا انہیں کوئی سمجھ نہیں آتی۔ کہ اب وہ کیا کہیں۔ اسی میں وہ حیران و سرگرداں ہیں۔ نبی کی توہین کبھی ہدایت تک نہیں پہنچنے دیتی۔



19

اور بولے کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور ریزہ ریزہ کیا واقعی ضرور ہم اٹھائے جائیں گے

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

ایک مخلوق نئی بن کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) **فائدہ** : یا یہ مطلب ہے کہ وہ حق سے اتنے دور ہو گئے کہ اب انہیں حق کی طرف لوٹنے کی راہ ہی نہیں ملتی۔ کیونکہ وہ گمراہی کی آخری حد کو پہنچ گئے ہیں۔ چونکہ وہ خواہشات نفسانی میں سخت گھر گئے ہیں۔ وہ بناوٹی قصے اور گندے شعر سننے کے شوقین ہیں۔ اس وجہ سے فطری مزاج ہی بگڑ گئے ہیں۔ لہذا وہ اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا ذکر سننے سے نفرت کرتے ہیں۔ یہی حال اہل ہوا لوگوں کا ہے۔ جو قصے کہانیاں سننے کے عادی ہو گئے۔ وہ بھی مالک الملک کی کلام سے روگردانی کرتے ہیں۔ اہل حق پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کی عزت سے کھیلنا اور شیطانی باتیں کرنا ان کا مشغلہ ہے۔ انہیں کیسے صراط مستقیم کی ہدایت ہو سکتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) کفار مکہ قیامت کے منکروں نے کہا کہ کیا جب قبروں میں پڑے اتنا لمبا عرصہ گذر جائے گا اور ہماری ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی۔ کیا پھر ہم ایک نئی مخلوق بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ یعنی وہ مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ اس مٹی سے بننے کے منکر تھے۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

فائدہ : بعض بزرگوں نے فرمایا۔ چونکہ وہ اپنی پہلی تخلیق کو بھول گئے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ پہلی مرتبہ بھی مٹی سے ہی بنائے گئے ہیں اور عدم سے وجود میں لائے گئے کہ اب وہ کہتے پھرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہمارا جی اٹھنا محال ہے۔ ہماری عقل نہیں مانتی۔ حالانکہ دوسری دفعہ بنانا تو پہلی دفعہ کے بنانے سے زیادہ آسان ہے۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ

فرمادیں کہ ہو جاؤ تم پتھر یا لوہا یا کوئی اور مخلوق جو بڑی ہو

فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ

تمہارے خیالوں میں۔تو پھر کہیں گے کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا۔فرمادیں وہی جس نے پیدا کیا تمہیں

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ

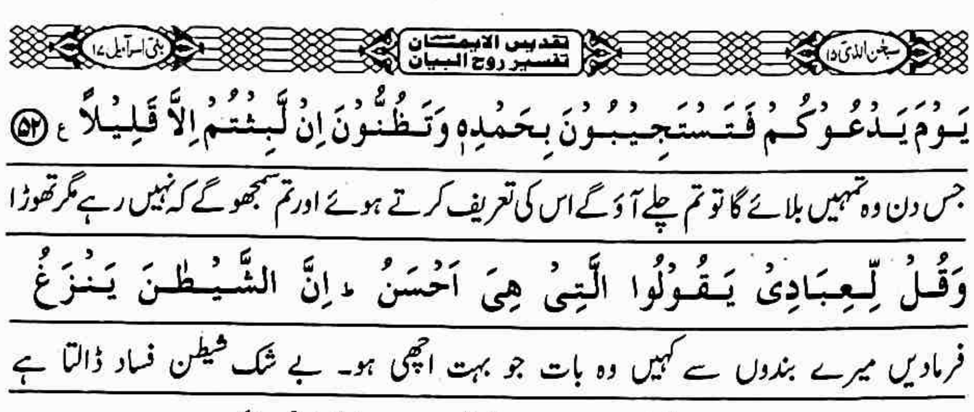
پہلی مرتبہ۔ پھر وہ اپنی مسخری سے اپنے سروں کو.اٹھا کر کہیں گے وہ کب ہے

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

فرمادیں شاید کہ وہ ہو قریب۔

(آیت نمبر ۵۰) میرے محبوب آپ ان کو فرمادیں کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔غرضیکہ تم کچھ بھی ہو جاؤ تم بروز قیامت ضرور اٹھائے جاؤ گے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کر سکنے پر قادر ہے۔وہ جس چیز میں چاہے زندگی ڈال دے۔ہڈیوں کو چورا ہونے کے بعد اٹھانا تو اس کے لئے معمولی بات ہے۔عقلاً دوبارہ وہ ہو سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو معدوم اور لاشیء جس کا پہلے کوئی وجود نہ ہو۔اسے بھی وجود میں لاسکتا ہے۔بلکہ یہ تجربہ شاہد ہے کہ کائنات ساری جو پہلے عدم میں تھی۔اسے وجود میں لے آیا ہے۔اللہ تعالیٰ کیلئے نئی چیز بنانا یا پہلی کو اصلی وجود میں لانا برابر ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) یا کوئی اور ایسی مخلوق جو تمہارے خیال کے مطابق بہت بڑی ہے۔اللہ تعالیٰ اسے بھی بنا سکنے پر قادر ہے۔آگے فرمایا کہ وہ ضرور کہیں گے کہ ہمیں مرنے کے بعد کون زندہ کرے گا۔تو اے محبوب آپ فرمادیں۔وہی ذات جو قادر مطلق ہے۔جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔جبکہ اس سے پہلے تمہاری کوئی مثال بھی نہ تھی۔تم محض خاک تھے حیات کی بو بھی نہ تھی۔وہی دوبارہ بھی قیامت کو اٹھائے گا۔تو عنقریب بڑے تعجب اور انکار کرتے ہوئے آپ کی طرف سر جھکائیں گے اور ٹھٹھے مزاح کرتے ہوئے کہیں گے۔وہ قیامت کا دن کب ہے۔تو اے محبوب فرمادیں کہ ہو سکتا ہے۔وہ قریب ہو کہ اس کا حساب و کتاب اور جزاء و سزا بھی قریب ہے۔



يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۵۲﴾

جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم چلے آ ؤ گے اس کی تعریف کرتے ہوئے اور تم سمجھو گے کہ نہیں رہے مگر تھوڑا

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ

فرمادیں میرے بندوں سے کہیں وہ بات جو بہت اچھی ہو۔ بے شک شیطن فساد ڈالتا ہے

بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۳﴾

آپس میں بے شک شیطان ہے انسان کا دشمن کھلا۔

(آیت نمبر۵۲) وہ دن یاد رکھو جب وہ تمہیں بلائے گا تو تم جواب دو گے۔ اس کی حمد کے ساتھ۔

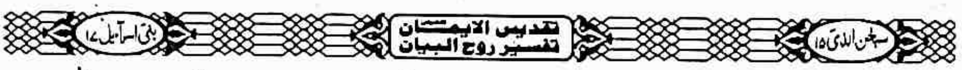
فائدہ: ابوحیان فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا کرنے والا جب بلائے گا تو ہم اپنے کانوں سے سنیں گے اور قبروں سے نکل کر بلانے والے کی طرف سب دوڑ پڑیں۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کئی بار بلاوا ہوگا۔ حشر ونشر کا بلاوا۔ حساب وکتاب کیلئے بلاوا وغیرہ وغیرہ۔ ایک مقام پر فرمایا کہ لوگ بلانے والے کی طرف سرپٹ دوڑ رہے ہوں گے۔

آگے فرمایا بلانے والے کو جواب دیں گے اس کی حمد کے ساتھ اور اس کی قدرت کا اعتراف کریں گے۔

آگے فرمایا۔ کہ تم اس ہولناک منظر کو دیکھ کر کہو گے کہ تم دنیا میں یا قبروں میں نہیں ٹھہرے مگر تھوڑی مدت۔ یہ بہ نسبت قیامت کے کہا کہ قیامت کے مقابلے میں دنیا کا یا قبر کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ **سبق**: دانا وہی ہے جو فانی اور بالکل قلیل زندگی کو باقی اور دائمی زندگی کیلئے خرچ کرے تاکہ آخرت میں حسرت وندامت نہ ہو۔ یعنی دنیا میں زیادہ وقت یادالٰہی میں گذارے۔ **فائدہ**: ابوبکر واسطی فرماتے ہیں کہ جسے تین چیزیں مل گئیں وہ خوش نصیب ہے: (۱) زندگی عبادت میں گذری۔ (۲) موت کے وقت کلمہ شہادت پڑھا۔ (۳) قبر سے نکلتے ہی جنت کی بشارت ملی۔

(آیت نمبر۵۳) اے محبوب میرے مومن بندوں سے فرمادیں کہ وہ مشرکوں سے بات کرتے وقت وہ کلام کریں۔ جو بہت اچھی اور مفید ہو۔ خواہ مخواہ ان سے لڑائی جھگڑے والی بات نہ کریں۔ یا بے فائدہ باتوں سے پرہیز کریں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو مجسمہ اخلاق تھے۔ یہ ہمیں کہا جارہا ہے۔ کہ جب بھی بات کریں۔ اچھے اخلاق سے گفتگو کریں۔



رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ

تمہارا رب خوب جانتا ہے تمہیں۔ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے ان پر حاکم بنا کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۳) **فائدہ** : قول حسن سے مراد کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی طرف دعوت ہے اور ان کے فعل احسن سے مراد یہ ہے کہ وہ قانون شریعت اور آداب طریقت پر چلتے ہیں اور عالم حقیقت پر توجہ رکھتے ہیں اور ان کا خلق حسن یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنا تمام معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

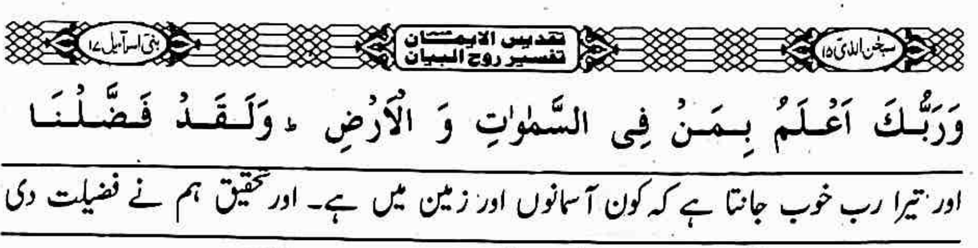
آگے فرمایا۔ کہ شیطن ان میں شر کو ابھار کر فساد ڈالتا ہے۔ ایک دوسرے سے ناراضگی اور عناد کرا کر جھگڑا برپا کر دیتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ کہ وہ انسان کی اصلاح کے بجائے اس کی تباہی و بربادی چاہتا ہے۔ اس کی دشمنی واضح ہوگئی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو ننگا کر کے جنت سے نکلوایا۔

(آیت نمبر ۵۴) اے مشرکو۔ تمہیں تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اگر اس نے چاہا۔ تو تمہیں ایمان کی توفیق دے کر تم پر رحم فرمائے گا۔ یا چاہے تو کفر پر ہی مار کر عذاب دے۔ قبر و قیامت میں عذاب میں مبتلا کرے۔

فائدہ : جمہور علماء فرماتے ہیں کہ عذاب سے مراد مسلمانوں کو کفار پر مسلط کرنا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ اے محبوب ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔ کہ آپ جبر کر کے ان کو منوائیں۔ آپ اور آپ کے صحابہ بس انہیں نرمی کے ساتھ بات سمجھا دیں اور ان کی طرف سے آنے والی اذیتیں اور تکالیف برداشت کریں۔ ان سے کوئی جھگڑا وغیرہ نہ کریں۔

فائدہ : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ دارین کی عیش اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی۔ خلق خدا کے ساتھ انصاف اپنے نفس پر قہر اور غریبوں مسکینوں پر شفقت۔ بزرگوں کے ساتھ عزت و احترام اور درویشوں کی خیر خواہی اور دشمنوں کے ساتھ نرمی علماء کے سامنے تواضع درویشوں پر سخاوت اور جاہلوں کے سامنے خاموشی میں ہے۔



وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

اور تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور تحقیق ہم نے فضیلت دی

بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

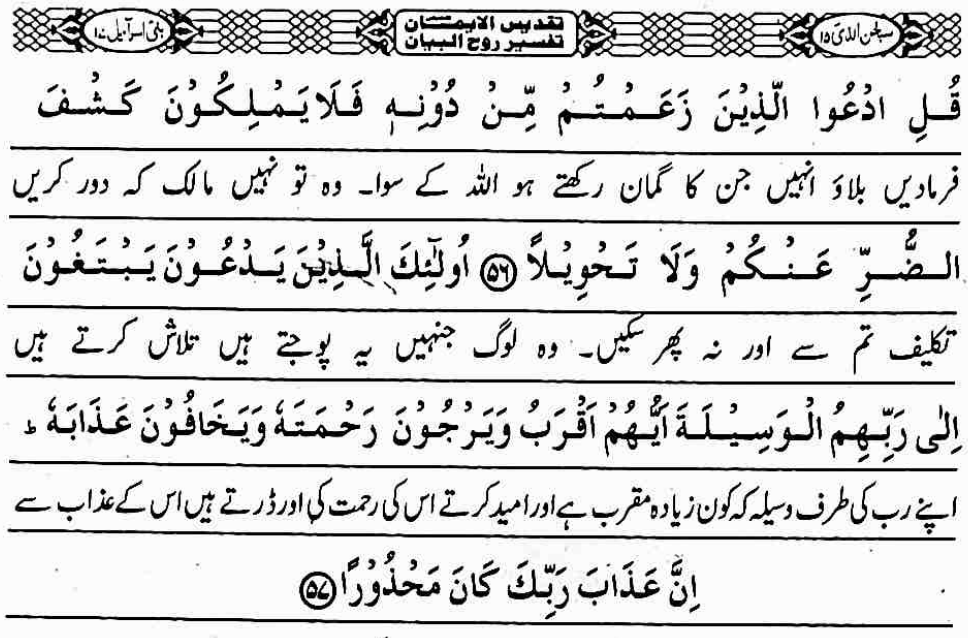
بعض نبیوں کو بعض پر اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔

(آیت نمبر ۵۵) تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں یا زمین میں ہے۔ یعنی ان کا ظاہر باطن سب اس کے علم میں ہے کہ کون نبوت وولایت کا اہل ہے اور کون نہیں ہے۔

فائدہ: یہ اصل میں کفار مکہ کے قول کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے کہ یتیم ابی طالب کو کیسے نبوت مل گئی یہ تو انتہائی غریب لوگ ہیں۔ نبوت تو مکہ کے کسی دولتمند کو ملنی چاہئے تھی۔

آگے فرمایا۔ کہ البتہ تحقیق ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر یعنی ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کو اگر فضیلت دی ہے تو ان کی شاہی یا دولت کی وجہ سے نہیں دی۔ بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں ہم نے زبور جیسی کتاب عطا فرمائی۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات ان کے معجزات سے واضح ہیں۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے کی (ایک وجہ یہ کہ آپ کے معجزات سب سے زیادہ ہیں) دوسری وجہ آپ کی امت سب سے زیادہ ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں جانے والوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ جن میں سے اسی (۸۰) صفیں میری امت کی ہوں گی۔ اور ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ کہ بے شک آدم صفی اللہ ہیں۔ بے شک نوح نجی اللہ ہیں۔ بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ وہ لوگ اسی شان کے لائق ہیں لیکن خبردار رہو۔ میں حبیب اللہ ہوں۔ قیامت کے دن الحمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ جنت کا دروازہ پہلے میں کھٹکھٹاؤں گا۔ یہ باتیں فخر سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (اسی طرح شفاعت کا دروازہ بھی آپ ہی کھولیں گے۔ اور امت کے کبیرہ گناہ والوں کی آپ شفاعت فرمائیں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوۃ کا تاج آپ کو ہی عطا فرمایا ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔)



قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ

فرمادیں بلاؤ انہیں جن کا گمان رکھتے ہو اللہ کے سوا۔ وہ تو نہیں مالک کہ دور کریں

الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ

تکلیف تم سے اور نہ پھر سکیں۔ وہ لوگ جنہیں یہ پوجتے ہیں تلاش کرتے ہیں

اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ

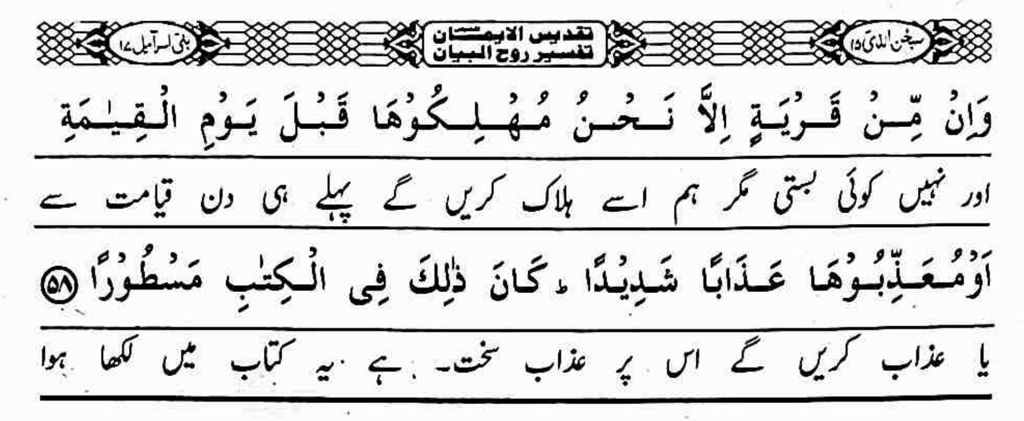
اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون زیادہ مقرب ہے اور امید کرتے اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

بے شک عذاب تیرے رب کا ہے ڈر کی چیز۔

(آیت نمبر ۵۶) اے میرے محبوب ان مشرکین مکہ سے فرمادو کہ تم جنہیں اپنے خیال میں معبود سمجھ کر پوجتے ہو اللہ کے سوا مثلاً بتوں کو یا فرشتوں یا عیسیٰ یا عزیر علیہما السلام کو پوجتے ہو کہ وہ تمہیں فائدہ پہنچائیں تو وہ تمہاری تکالیف کو دور نہیں کر سکتے۔ نہ فقر محتاجی کو نہ مرض وقحط کو اور نہ تم سے پھرا کر کسی اور کو کوئی بیماری وغیرہ لگا سکتے ہیں۔ یعنی یہ سب کام رب تعالیٰ کے ہیں جو خالق و مالک ہے۔ اور ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر ۵۷) یہ لوگ ان معبودان باطل کو اس لئے پوجتے ہیں تا کہ وہ اس طریقے سے اپنے سچے رب تک قرب حاصل کر سکیں۔ چونکہ ان کے خیال میں ہے۔ کہ ان کے بت اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہیں حالانکہ وہ اس سے بہت دور ہیں۔ انہیں تو قرب ربانی کیلئے نبی ﷺ کا وسیلہ تلاش کرنا چاہئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک قرب اس لئے تلاش کرتے ہیں۔ تا کہ دیکھیں کہ ان معبودوں میں سے کون اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ تا کہ اس کی رحمت کے امیدوار ہوں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے بھی ہوں اور کہتے ہیں کہ ان معبودوں کو پوجنے کی وجہ سے ہم عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اس لئے کہ انہوں نے جنہیں وسیلہ بنایا وہ وسیلہ بننے کے لائق ہی نہیں یا جو طریقہ اپنایا وہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ بے شک تیرے رب کا عذاب ایسا ہے۔ کہ اس سے ضرور ڈرا جائے۔ اس لئے کہ ساری مخلوق اس سے ڈرتی ہے سوائے سرکشوں کے۔



وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور نہیں کوئی بستی مگر ہم اسے ہلاک کریں گے پہلے ہی دن قیامت سے

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

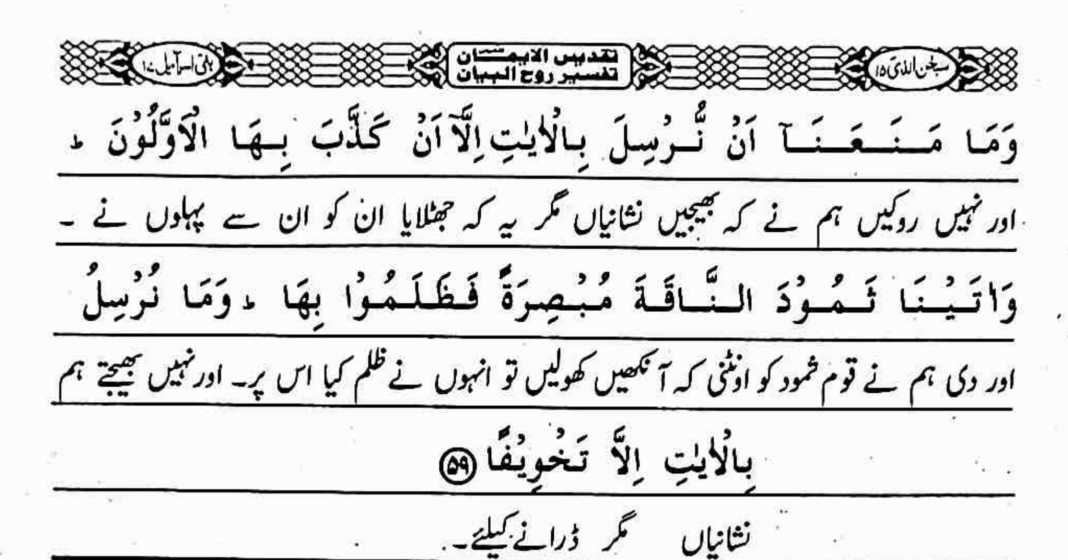
یا عذاب کریں گے اس پر عذاب سخت۔ ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا

(بقیہ آیت نمبر۵۷) **رد وھابیہ** : معتزلہ انبیاء واولیاء کے وسیلے کو بھی اس آیت کی وجہ سے شرک کہتے ہیں۔لیکن وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔اس آیت میں ہے کہ مشرکین بتوں کی پوجا کر کے وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔اور مسلمان انبیاء واولیاء کو وسیلہ مانتے ہیں۔کہاں انبیاء واولیاء اور کہاں بت۔ پھر کہاں پوجنا اور کہاں صرف ماننا۔ بہر حال یہ لوگ تعصب سے بتوں والی آیات انبیاء واولیاء پر لگا دیتے ہیں۔انبیاء واولیاء کو بتوں سے تشبیہ دینا بالکل صحیح نہیں ہے۔انبیاء واولیاء کے کمالات کو قرآن میں ہیں۔حالانکہ جمہور علماء کا عقیدہ ہے کہ انبیاء واولیاء کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہر حال انبیاء واولیاء خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔

(آیت نمبر۵۸) کافروں کی کوئی بستی نہیں ہے۔مگر ہم انہیں قیامت کے آنے سے پہلے ان کو ہلاک کرنے والے ہیں۔یعنی ان کے بڑے بڑے جرموں کے سبب تباہ وبرباد ہوں گے۔

فائدہ :قیامت سے پہلے اس لئے فرمایا۔کہ قیامت آنے پر تو پوری دنیا ہی فنا ہوگی۔اس وقت تو دنیا کی عمر ہی ختم ہو جائیگی۔ یہاں یہ مراد ہے کہ کفار کو ہر زمانہ میں ان کی نافرمانی کی وجہ سے قحط یا زلزلوں وغیرہ سے سخت ترین عذاب میں تباہ وبرباد کیا جائیگا۔ان کے مرنے کے بعد تو انہیں قبر کا عذاب اس سے سخت پھر قیامت کا عذاب اس سے بھی سخت ہوگا۔

آگے فرمایا۔کہ یہ ہلاکت اور تباہی اور اس کے اسباب کے بارے میں سب کچھ کتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے کہ اس میں ذرا برابر کمی وبیشی نہیں ہوگی۔اس لئے کہ تمام باتیں اور ان کی تفصیلات اور ان کے اسباب موجبہ اور اس کا وقت سب لوح محفوظ میں موجود ہے۔



وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ

اور نہیں روکیں ہم نے کہ بھیجیں نشانیاں مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو ان سے پہلوں نے ۔

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ

اور دی ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی کہ آنکھیں کھولیں تو انہوں نے ظلم کیا اس پر۔ اور نہیں بھیجتے ہم

بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

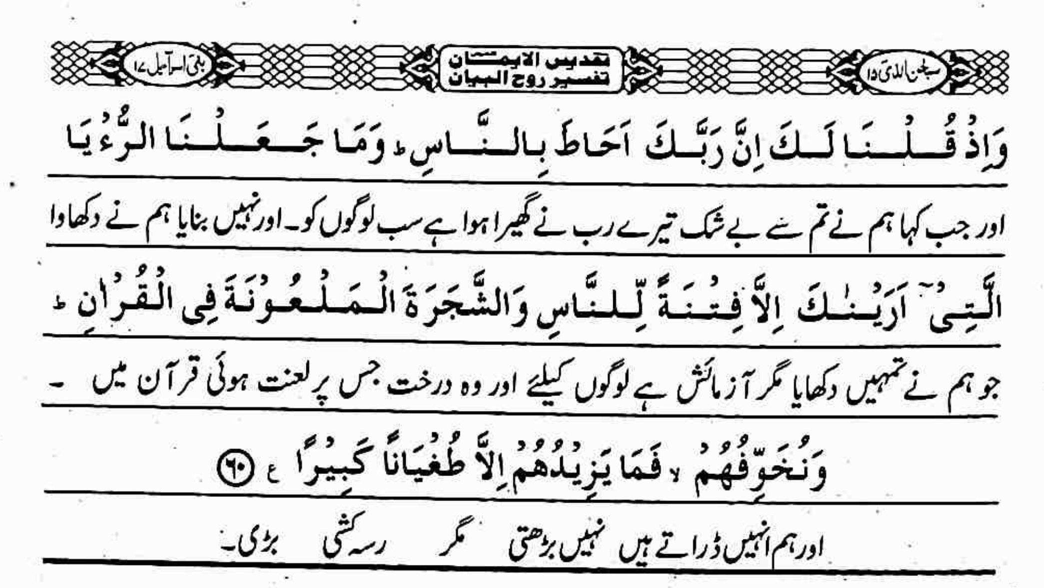
نشانیاں مگر ڈرانے کیلئے۔

(آیت نمبر۵۹) جونشانیاں کفار مکہ نے مانگی ہیں۔ جیسے مردے زندہ کرنا۔ صفا پہاڑی کوسونے کا بنانا۔ مکہ سے پہاڑ ہٹا کرزمین قابل کاشت بنانا۔ باغات لگانا وغیرہ۔ ان تمام نشانیوں کو بھیجنے میں اورتو کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مگر صرف بات تھی کہ پہلے لوگوں نے نشانیاں مانگیں جب معجزہ دیکھا تو انکار کردیا۔ اس تکذیب کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ یہ کفار مکہ بھی ان ہی کی عادتوں پر ہیں۔ اگر ہم ان کی مرضی کے مطابق آیات بھیجتے اور یہ پہلے کافروں کی طرح تکذیب کرتے۔ پھران پر سابقہ کفار کے طرح عذاب آجاتا۔ کیونکہ کفار کے تکذیب کرنے کے بعد تو عذاب میں دیر نہیں لگتی۔ اس لئے ان کووہ آیات نہ دے کران کی تباہی وبربادی موقوف کردی گئی۔ اس کی وجہ تھیں: (۱) یہ کہ ان میں بہت سارے اہل ایمان تھے۔ (۲) یہ کہ ان کفار کی نسلوں میں بہت سارے اہل ایمان نے پیدا ہونا تھا۔

آگے فرمایا۔ کہ ہم نے قوم ثمود کواونٹنی دی تھی۔ جو ہماری نشانی اور صالح علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

فائدہ: نظم کلام میں اس کی مثال بیان کی گئی کہ کفار مکہ کی مرضی کے مطابق کیوں معجزات نہیں دکھائے گئے۔ وہ اس لئے کہ اس سے پہلے قوم ثمود کے مطالبے پر انہیں بطور معجزہ اونٹنی دی گئی۔ جو واضح برہان اور ذوابصار تھی۔ لیکن انہوں نے اونٹنی پر بے حد ظلم کیا۔ گویا معجزے کا انکار کیا۔ صرف کفر پر ہی کتفاء نہ کیا۔ بلکہ ناقہ پر ظلم بھی کیا۔ کہ اس کی کوچیں کاٹ دیں اوراس کا گوشت تقسیم کیا۔ اس ظلم کی وجہ سے اپنے آپ کو تباہی میں ڈالا۔

فائدہ: ایسے ظلم اور بھی قوموں نے کئے۔ لیکن قوم ثمود کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ وہ بھی عرب ہی کے رہنے والے تھے۔ اہل عرب ان کے اس واقع سے واقف تھے۔ اوران کے آباء نے ان کی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ابھی تک ان کے کھنڈرات وآثار وہاں پر موجود تھے۔



وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

اور جب کہا ہم نے تم سے بے شک تیرے رب نے گھیرا ہوا ہے سب لوگوں کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے دکھاوا

الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ

جو ہم نے تمہیں دکھایا مگر آزمائش ہے لوگوں کیلئے اور وہ درخت جس پر لعنت ہوئی قرآن میں ۔

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ع ﴿۶۰﴾

اور ہم انہیں ڈراتے ہیں نہیں بڑھتی مگر رسہ کشی بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر۵۹) آگے فرمایا۔ کہ صرف ان کے مطالبے پر ہم آیات نہیں بھیجتے مگر صرف ان کو ڈرانے کیلئے یعنی ان کا مطالبہ پر آیات نازل کرتے ہیں۔ لیکن وہ جب تکذیب کرتے ہیں۔ تو ہم انہیں عذاب میں تباہ کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود کئی معجزات امام الانبیاء کو دیئے گئے ان میں اہم معجزہ قرآن کا ہے۔ اس کو بھی ماننے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر انہیں آخرت کا عذاب ہوگا۔

رحمۃ للعالمین کی رحمت: اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ میں ان کو عذاب اس لئے نہیں دیتا کہ محبوب تو ان کے اندر موجود ہے۔ حضور ﷺ کی ذات بھی اس امت کیلئے امان ہے۔ **حدیث شریف:** جس نے میری سنت کو زندہ کیا۔ مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (معجم الاوسط للطبرانی)

سبق: مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تقویٰ اور احیاءِ سنت خیر الوریٰ ﷺ کا طریقہ اپنانے میں پوری جدوجہد کریں۔

(آیت نمبر۶۰) اے محبوب وہ وقت یاد کریں کہ جب ہم نے آپ سے کہا۔ یعنی وحی کی کہ بے شک آپ کے رب کا علم اور اس کی قدرت لوگوں پر محیط ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس لئے بغیر کسی خوف کے میرے احکام ان پر جاری فرمائیں اور نہیں بنایا ہم نے اس چیز کو جو دکھائی آپ کو۔ اس سے مراد عام مشاہدات ہین۔ یا معراج کی رات کے عجائبات ہیں۔ جو کہ بہت بڑے معجزہ تھے۔ مگر اس میں آزمائش تھی کہ کون اس کو سن کر تصدیق کرتا ہی۔ اور کون تکذیب کرتا ہے۔ اسی لئے واقعہ معراج کا سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تصدیق کر دی۔ اور کئی بدبخت منکر ہو گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے سن کر تصدیق کر دی اور کئی بدبختوں نے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر تکذیب کر دی۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ۔

ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ ﴿۶۱﴾

بولا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے پیدا کیا مٹی سے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) آگے فرمایا۔ کہ اسی طرح وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی۔ یعنی ملعون لوگ اسے کھائیں گے۔ اس سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔ جو جہنم میں ہی پیدا ہوگا۔ اس درخت کی بھی آزمائش ہے۔ کہ کافر کہتے تھے کہ مسلمان ادھر کہتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی۔ جو ہر چیز کو جلا دے گی۔ ادھر کہتے ہیں۔ کہ جہنم میں درخت پیدا ہوگا۔ تو فرمایا۔ یہ بات بھی کافروں کیلئے آزمائش بن گئی ہے۔ (آگ میں درخت کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ آگ میں بے شمار چیزیں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

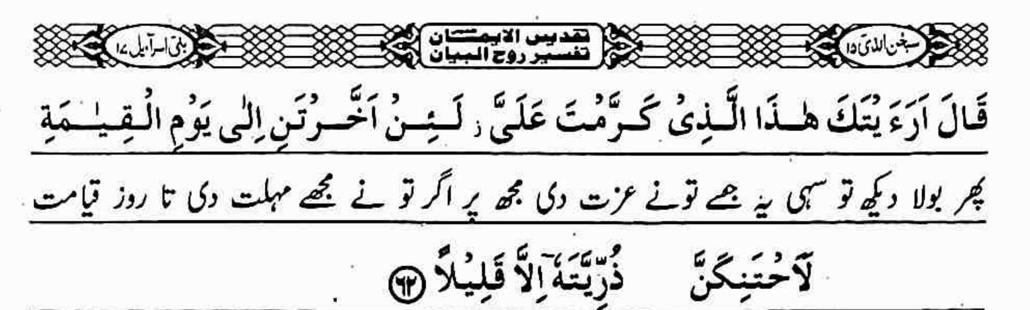
آگے فرمایا۔ کہ جب ہم انہیں ایسی آیات سے ڈراتے ہیں۔ تو وہ اور زیادہ سرکش ہو جاتے ہیں۔

فائدہ :اگر ہم ان کے مطالبہ پر وہ آیات معجزے بھیج دیں۔ تو یہ ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے۔ جو ان سے پہلوں نے کیا۔ تو پھر ہم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے۔ جو ان جیسوں کے ساتھ پہلے کیا۔ اس لئے ہم ان پر آیات نہیں بھیج رہے۔ **فائدہ** :اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بہت سارے حسین چہرے اور فصیح زبان والے اور تندرست بدن والے جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اور احکام الٰہی کے انکار سے باز رہے۔

فائدہ :مزنی فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرض موت میں ان کے پاس گیا۔ اور حال پوچھا تو فرمایا۔ دنیا سے کوچ ہے۔ دوستوں سے جدائی ہے۔ اعمال آگے ملیں گے۔ موت کا کڑوا گھونٹ پی کر اللہ کی بارگاہ میں جا رہا ہوں۔ آگے معلوم نہیں جنت کا حکم ہوگا یا دوزخ کا۔

(آیت نمبر ۶۱) وہ وقت یاد کرو۔ جب ہم نے تمام فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کے آگے تعظیماً سجدہ کرو۔ تا کہ ان کا اکرام ہو۔ **فائدہ** :چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے فضائل و کمالات دیئے جن کی وجہ سے وہ اس سجدہ کے مستحق ہوئے۔ **فائدہ** :تعظیمی سجدہ اس امت میں حرام کر دیا گیا۔

فائدہ :ہم یہ کہتے ہیں کہ حقیقتاً یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہی تھا۔ آدم علیہ السلام بطور کعبہ کے سامنے رکھ کر سجدہ کرایا گیا۔



قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ز لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

پھر بولا دیکھ تو سہی یہ جسے تو نے عزت دی مجھ پر اگر تو نے مجھے مہلت دی تا روز قیامت

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾

تو میں ضرر پیس دوں گا اس کی اولاد سوائے چند ایک کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۱) آگے فرمایا۔ کہ تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو بلا انکار تعظیماً سجدہ کیا۔ ایک تو حکم الٰہی کی فرمانبرداری تھی۔ دوسرا اللہ کے نبی کا حق ادا کیا۔ مگر شیطان نے نہ نبی کا حق جانا نہ اللہ کی فرمانبرداری کی۔ اور اس نے انکار بھی کیا اور تکبر بھی کیا۔ بلکہ وہ کہنے لگا کہ کیا میں آدم کو سجدہ کروں۔ یہ تو میرے شایان شان ہی نہیں۔ اس لئے کہ میں آگ سے بنا ہوں اور اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ اسی لئے اسے لعین اور رجیم کہا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) مزید بھی کہنے لگا۔ تو دیکھ لے گا کہ جسے تو نے مجھ پر عزت دی اور مجھے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اسے تو نے معزز بنایا۔ اس کو خلافت دی اور سجدہ کا حق دار بنایا۔ حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اس لئے کہ وہ مٹی سے بنا (جو نیچے رہتی ہے) اور میں آگ سے بنا (جو اوپر جاتی ہے)۔ اس اعتبار سے میں آدم سے افضل ہوں اور افضل کم درجے والے کو کیسے سجدہ کر سکتا ہے۔

رومی رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ:

اس نے صرف پتلہ آدم کو دیکھا۔ اس لئے وہ انکار کر کے مردود ہوا۔ اور فرشتوں نے آدم میں نور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ آگے اس نے یہ کہا کہ اگر تو نے مجھے مہلت دی۔ یعنی مجھے قیامت تک موت نہ دی تو میں اس آدم کی اولاد کو گمراہ کر کے اس کی جڑ ہی کاٹ دوں گا۔ **فائدہ** : اس نے دیکھا کہ آدم کو معمولی سی لالچ دی تو اس نے دانہ کھالیا اور میں نے آسانی سے اسے جنت سے نکلوا دیا۔ تو اس کی اولاد تو شہوت سے پُر ہے۔ اس لئے انہیں گمراہ کرنے میں اور باطل کی طرف لے جانے میں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ مگر ان میں سے تھوڑے ہی تیرے خالص بندے میرے داؤ سے بچ سکیں گے۔ جیسے انبیاء عظام یا اولیاء کرام۔ یا کچھ اور نیک لوگ جو کثرت عبادت کی وجہ سے میرے چکر سے بچ نکلیں گے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً

فرمایا جا تو جس نے بھی تیری پیروی کی ان میں سے تو بے شک جہنم بدلہ تمہارا جو سزا ہے

مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ

بھرپور۔ بہکا لے جتنی طاقت رکھتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے چڑھا لا (فوج)

عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط

سواروں اور پیاروں کی اور شریک بن ان کے مالوں اور اولاد میں اور انہیں وعدے دے

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾

اور نہیں وعدہ دیتا انہیں شیطان مگر دھوکے کا۔

(آیت نمبر۶۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے شیطان جا۔ اور جو تو چاہے وہ کر۔ یعنی تو اپنے ارادے کو پورا کر۔ جسے تو مجھ سے دور کر سکتا ہے۔ کر لے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنا۔ کہ جس نے تیری تابعداری کی۔ تو پھر تمہاری سزا بھی جہنم ہے۔ یعنی تو اگر اولاد آدم کو نفسانی خواہشات میں ڈال کر گمراہ کرے گا۔ پھر (گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے والے) دونوں کو جہنم میں سزا دوں گا۔ اور سزا بھی پوری کی پوری ہوگی۔ یعنی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں سزا ملتی رہے گی۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ کہ یہ حکم اس کو ذلیل اور درگاہ سے دور کرنے کے بعد دیا۔ یعنی اسے مردود کر کے فرمایا کہ جا اب جو تیرے جی میں آئے وہ کر لے۔ اور یہ جو تو نے کہا ہے۔ کہ میں تمام اولاد آدم کو گمراہ کروں گا۔ وہ بھی تو اپنا زور لگا لے۔ پھر ہمارے پاس آؤ گے تو اس گمراہ کرنے کا بدلہ بھی پورا پورا پاؤ گے۔

(آیت نمبر۶۴) اور جلدی کر اولاد آدم میں سے جسے ڈگمگانا چاہتا ہے۔ اپنی آواز سے ڈگمگا دے۔ وسوسہ ڈال کر گناہ پر آمادہ کرنا چاہتا ہے تو اس طرح کر لے۔ جو بھی طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے کر لے۔

فائدہ: معلوم ہوا جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیلئے بلائے وہ شیطانی لشکر سے ہے۔

فائدہ: زاہدی نے فرمایا۔ کہ انسان کے منہ سے جو آواز حق کے خلاف نکلے وہ شیطان کی آواز ہے۔

مسئلہ: مجاہد فرماتے ہیں کہ مزامیر شیطانی آواز سے ہے اور مخنث گانے والے شیطان کا لشکر ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

بے شک میرے بندے وہ ہیں کہ نہیں ہے تیرا ان پر قابو۔ اور کافی ہے تیرا رب کام بنانے والا

(بقیہ آیت نمبر ۶۴) **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں مزامیر کو توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں (بحرالرائق شرح کنز)۔ مزامیر سے مراد گانے بجانے کے تمام اسباب ہیں۔

آگے فرمایا کہ تو کھینچ لا پیدل چلنے والوں اور سواروں کو۔ یعنی انہیں اپنے ساتھ ملا لے کہ وہ تیرے مددگار رہوں یا ان کو وسوسہ ڈال کر اپنے زیر تسلط کر لے۔ جو بھی کر سکتا ہے کر۔ تا کہ تجھے کوئی حسرت نہ رہے۔

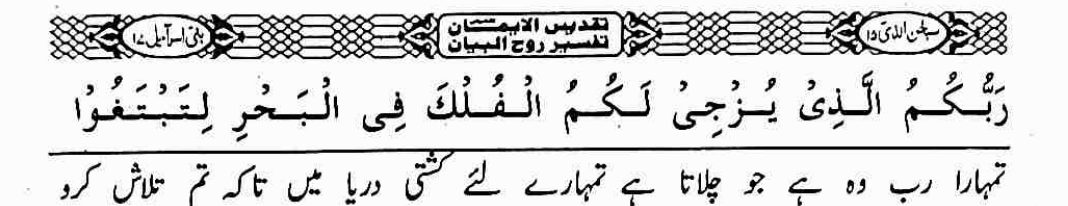
فائدہ : ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ گناہوں میں پڑنے والا خواہ پیدل ہے۔ یا سوار وہ شیطان کا ساتھی ہے۔ گویا شیطان نے انہیں اپنا بنا کر ان پر تسلط جما لیا ہے کیونکہ وہ اپنے مرکز کو چھوڑ کر شیطان کے تابعدار ہو گئے اب شیطان جیسے چاہتا ہے۔ ان سے کام لیتا ہے۔

آگے فرمایا۔ کہ ان کے مالوں میں شرکت کر یعنی وہ حرام مال جمع کریں اور ناجائز جگہوں پر خرچ کریں یا ریاکاری اور فضول خرچی سے کام لیں اور زکوٰۃ نہ ادا کریں وغیرہ اور ان کی اولاد میں شرکت یہ کہ حرام طریقے سے اولاد پیدا کریں۔ اور زندہ درگور کریں یا ان کے نام مشرکوں والے رکھوا۔ جیسے عبدالعزیٰ۔ عبدالشمس۔ عبدالحارث وغیرہ۔ یا انہیں باطل مذہبوں کی طرف رغبت دلانا۔ یا ان سے برے اعمال کرانا۔

آگے فرمایا۔ کہ انہیں باطل وعدے دلا۔ (مثلاً انہیں کہتا ہے)۔ یہ بت قیامت کو بخشوائیں گے یا انہیں کہتا ہے کہ تمہارے باپ دادا کا مذہب ٹھیک تھا۔ اسی پر قائم رہو یا کہتا ہے۔ جو مرضی ہے گناہ کر لو بعد میں توبہ کر لینا۔ یا وہ کہتا ہے یہ جنت دوزخ وہمی خیالات ہیں۔ حقیقت کچھ نہیں۔ یہ سب شیطانی خیالات ہیں۔

آگے فرمایا۔ کہ شیطان کے وعدوں میں سوائے دھوکے اور فریب کے اور کچھ نہیں۔

(آیت نمبر ۶۵) میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں۔ نہ تو انہیں گمراہ کر سکے گا۔ نہ وہ تیرے چکر میں آئیں گے۔ **فائدہ** : امام قشیری فرماتے ہیں کہ مخلص بندہ وہ ہوتا ہے۔ جو غیر کی قید و بند سے آزاد ہو۔ جیسے شیخ عطار فرماتے ہیں (ترجمہ) کہ جب تو سینکڑوں چیزوں کی قید و بند میں ہے تو پھر اللہ کا بندہ کیسے ہو سکتا ہے۔



رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا

تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتی دریا میں تاکہ تم تلاش کرو

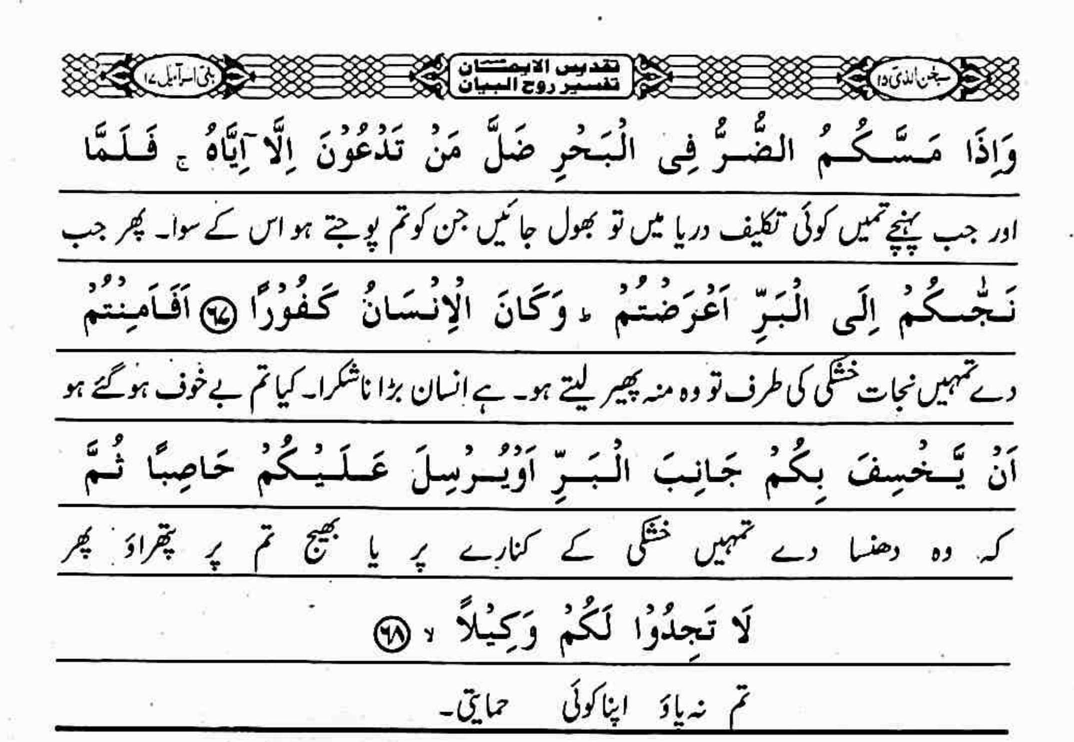
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

اس کا فضل۔ بے شک وہ ہے تم پر مہربان

(بقیہ آیت نمبر ٦٥) آگے فرمایا۔کافی ہے تیرا رب کارساز۔یعنی جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔شیطان انہیں گمراہ نہیں کرسکتا۔اگر چہ انہیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔لیکن وہ حضرات اس کی شرارتوں سے بچ جاتے ہیں۔اس لئے کہ انہیں تائید خدا حاصل ہوتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ متقی لوگوں کو شیطن کی طرف سے جب کوئی ٹھونکا لگتا ہے۔تو فوراً وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔یعنی وہ شیطان کی شرارتوں سے اور اس کے حملوں سے بچ جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا ہے۔

یہودی کے سوال کا منہ توڑ جواب: ایک یہودی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ شیطان ہماری نماز میں وسوسے نہیں ڈالتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز میں ہزاروں وسوسے شیطان کیوں ڈالتا ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی اجازت سے اسے جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چور چوری اسی گھر میں کریگا۔جہاں قیمتی مال ہوگا۔ چونکہ ہمارے دل ایمان،تقوے،معرفت اور توحید سے پر ہیں۔اس لئے وہ ہمارے دلوں سے یہ چیزیں نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور تمہارے دل میں ان میں سے کچھ نہیں وہاں جا کر کیا کرے گا۔

(آیت نمبر ٦٦) تمہارا رب تو وہ ہے۔جس نے تمہارے فائدے کیلئے کشتیاں چلائیں۔تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق روزی) تلاش کرو۔بے شک وہ ازلی ابدی طور پر تم پر مہربان ہے۔یعنی اس نے تمہارے لئے وہ وہ چیزیں بنائیں کہ جن کے تم سخت محتاج تھے۔پھر ان کے حاصل کرنے کیلئے اسباب مہیا فرمائے۔ورنہ تو ان کا حصول مشکل ہو جاتا اور یہاں فضل ورحمت سے مراد دنیوی چھوٹی بڑی اشیاء ہیں۔جو فقط اس کی مہربانی سے مل رہی ہیں۔



وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

اور جب پہنچے تمیں کوئی تکلیف دریا میں تو بھول جائیں جن کو تم پوجتے ہو اس کے سوا۔ پھر جب

نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ

دے تمہیں نجات خشکی کی طرف تو وہ منہ پھیر لیتے ہو۔ ہے انسان بڑا ناشکرا۔ کیا تم بے خوف ہوگئے ہو

اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ

کہ وہ دھنسا دے تمہیں خشکی کے کنارے پر یا بھیج تم پر پتھراؤ پھر

لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ ﴿٦٨﴾

تم نہ پاؤ اپنا کوئی حمایتی۔

(آیت نمبر ۶۷) اور جب دریا میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ یعنی ڈوبنے کا ڈر ہو تو عام حالات میں جنہیں تم پکارتے رہتے ہو۔ وہ پھر تم سے گم ہو جاتے ہیں۔ پھر تو تمہیں ان کا خیال بھی نہیں آتا۔ یعنی پھر تم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا نام نہیں لیتے۔ اس لئے اس کہ وقت تم جانتے اور سمجھتے ہو کہ اس وقت اللہ کے سوا کوئی مشکل حل نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں غرق ہونے سے بچا کر خشکی میں پہنچا دیتا ہے۔ تو اس وقت تم اس کی وحدانیت سے منہ پھیر کر بت پرستی میں لگ جاتے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں بت کی وجہ سے ہم بچ نکلے ورنہ ہم مارے جاتے۔ پھر تمہیں اپنا رب یاد نہیں رہتا۔ لہذا تم کفران نعمت کرتے ہو۔ آگے فرمایا۔ کہ انسان ہے ہی ناشکرا۔

نکتہ : یہ نہیں فرمایا۔ تم ناشکرے ہو بلکہ فرمایا۔ کہ انسان ناشکرا ہے۔ یعنی اس کی فطرت میں ہے۔ کہ وہ من حیث الانسان کفران نعمت کرتا ہے۔ یعنی نعمت دینے والے کو بھول جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۸) کیا تم نجات پا کر اب تم بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دھنسا دے جنگل کے کنارے پر۔ **فائدہ** : یعنی تم نے سمجھا کہ پانی میں مرنے کا ڈر ہے تو کیا خشکی میں موت نہیں آسکتی؟ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے کہ وہ خشکی میں بھی قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا

یا تم بے خوف ہوگئے کہ تمہیں دوبارہ لے جائے اس میں پھر بھیجے تم پر تیز

مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

آندھی جو تمہیں دریا میں غرق کردے بہ سبب اس کے جو کفر کیا تم نے پھر نہ پاؤ تم ہمارا پیچھا کرنے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) **فائدہ** :سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جنگل کو ہی الٹ کر تم پر ڈال دے کہ تم اس میں تباہ و برباد ہو جاؤ۔ آگے فرمایا۔ کہ یا وہ بھیج دے تم پر پتھروں کی بارش جو تم پر سنگساری کر کے تمہیں تباہ کردے اور یہ دریا میں غرق ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر قوم لوط اور اصحب فیل کی طرح پتھر برسادے۔ اور پھر تم اپنا کوئی کارساز بھی نہ پاؤ۔ جو عذاب الٰہی سے تمہیں بچا سکے۔ یا عذاب الٰہی ٹال دے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اور اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۶۹) یا کیا تم بے خوف ہوگئے ہو اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ دریا میں لوٹا دے۔ اور تمہیں یہ خیال ہو کہ اب صحیح سلامت نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے کہ وہ پھر دریا میں تمہارے جانے کے اسباب بنادے۔ اور تم دریائی سفر کرنے پر مجبور ہو جاؤ اور جب کشتیوں میں سوار ہو۔ تو وہ تمہیں دریا میں ڈبودے۔

فائدہ :اس میں یہ اشارہ ہے کہ دریائی سفر زیادہ مشکل ہوتا ہے اور اس میں زیادہ تکالیف ہوتی ہیں۔ اس لئے اس میں دوبارہ لوٹانے کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اگر وہ قدرتی طور پر لوٹائے نہ جائیں۔ تو خود بخود دریائی سفر کا نام بھی نہ لے۔ آگے فرمایا۔ پھر تم پر تیز و تند آندھی ایسی بھیجے کہ جو جدھر سے گذرے وہاں تباہی پھیر دے۔ اور ہر چیز کو نیست و نابود کردے اور تمہیں بھی تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کردے۔ پھر تم غرق ہونے کے بعد کسی کو پیچھا کرنے والا بھی نہ پاؤ۔ جو تمہاری طرف سے ہم سے بدلہ لے سکے۔

کفران نعمت کا نقصان: جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو شخص ہزار سال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا۔ صرف ایک لحظہ کیلئے روگردانی کردی۔ تو ہزار سال کی محنت اور حاصل کردہ نعمت اس سے ضائع ہوگئی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ نقصان و خسران ہوا۔ جیسے شیطان نے کئی لاکھ سال عبادت کی۔ مگر ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ساری عبادت ضائع کردی۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ

اور تحقیق ہم نے عزت دی اولاد آدم کو اور سوار کیا انہیں خشکی اور تری میں اور رزق دیا انہیں

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾ ع

پاکیزہ اور ہم نے انہیں فضیلت دی بہت ساری مخلوق پر افضل بنا کر

(آیت نمبر ۷۰) ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت بخشی۔

فائدہ :ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عزت اولاد آدم کے ہر فرد کو حاصل ہی۔ اچھا ہے یا برا۔ لیکن امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اولاد آدم کے صرف مومن حضرات مراد ہیں۔ اس لئے کہ کافروں کیلئے دوسرے مقام پر فرمایا کہ جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔

فائدہ :بحر العلوم میں ہے کہ اہل ایمان کی عزت بھی ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ہے۔

ہر معزز کو عزت حضور ﷺ کی وجہ سے ملی: محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو عزت وشرف اس لئے دیا کہ ان میں حضور ﷺ کا ظہور ہوا۔ آگے فرمایا۔ کہ ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سوار کیا۔ یعنی خشکی میں جانوروں پر اور دریاؤں میں کشتیوں پر سوار کیا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی۔ جو نعمتیں لذت والی ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن میں تمہاری محنت بھی شامل ہے اور بعض وہ جن کے تیار کرنے میں تمہاری کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ جیسے دودھ گھی مکھن کھجور شہد وغیرہ ایسی ہزاروں اشیاء ہیں جو محض فضل الٰہی سے حاصل ہیں۔ ان میں بندے کا بالکل کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے اولاد آدم (انسان) کو بہت ساری مخلوق پر فضیلت بخشی کہ انہیں قوائے مدرکہ دیئے۔ جن سے وہ حق و باطل اور حسن و قبح میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ اتنی بڑی فضیلت دی کہ ان میں بعض وہ ہیں جو فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام۔ (انسانوں میں۔ اہل عرب افضل۔ ان میں قریش افضل۔ ان میں بنی ہاشم افضل۔ ان میں ہمارے حضور ﷺ افضل)۔

فائدہ :لہٰذا اولاد آدم کو چاہیئے کہ وہ اس بات پر بھی اور دیگر انعامات خداوندی پر شکر ادا کریں اور ناشکری سے بچیں۔ **معتزلہ**: امام باقلانی اور کلبی کا خیال ہے کہ مطلقاً فرشتے آدم و بنو آدم سے افضل ہیں۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جس دن ہم بلائیں گے ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ۔ تو جس کو دیا گیا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ وہ

يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾

پڑھیں گے اپنا نامہ اور نہیں زیادتی ہوگی ایک دھاگے برابر۔

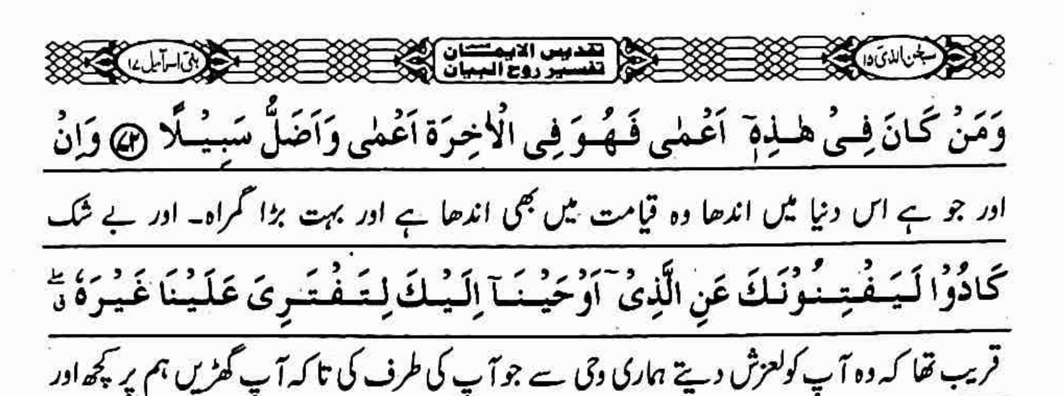
(بقیہ آیت نمبر ٧٠) اہل سنت کے علماء فرماتے ہیں۔ اگر فرشتے افضل ہوتے تو فرشتوں سے آدم کو سجدہ نہ کروایا جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ ہر فرشتہ ہر انسان سے افضل ہے۔ اور نہ ہر انسان ہر فرشتے سے افضل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام بہرحال تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ فرشتوں میں رسول تمام اولیاء سے افضل ہیں۔ عام فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔ (شرح عقائد)۔

(آیت نمبر ٧١) یاد کرو وہ دن کہ جس دن بنی آدم کا ہر گروہ اپنے امام کے ساتھ ہوگا۔ یعنی دنیا میں جس گروہ نے جس امام اور مقتدیٰ کی اقتداء کی ہوگی۔ سب سے اول مقتدیٰ و امام انبیاء کرام ہوں گے۔ جن کے ساتھ ان کی امتیں ہوں گی اس کے بعد باقی مقتدیٰ ہونگے۔ مثلاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی یا کتاب مراد ہے۔ مثلاً کہا جائیگا اے اہل قرآن، اے اہل انجیل وغیرہ۔

فائدہ امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو اس کے مقتداء کے نام سے پکارا جائے گا۔ دنیوی خواہشات پوری کرنے والوں کو یا اہل دنیا اور آخرت کیلئے محنت کرنے والوں کو یا اہل آخرت اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ انہیں یا اہل اللہ کے ساتھ پکارا جائیگا۔

پردہ پوشی: حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت ماں کے نام سے پکاریں گے تاکہ بندوں کی پردہ پوشی رہے۔ (لیکن ام کی جمع امہات ہے امام نہیں ہے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قبر پر مٹی ڈال کر مردے کو مخاطب کر کے کہے او فلانی کے بیٹے یعنی ماں کے نام سے پکار کر کلمہ شہادت کی تلقین کرے۔ اگر ماں کا نام نہ معلوم ہو تو حوا کا بیٹا کہے۔ امام سخاوی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ آگے فرمایا کہ جن کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائیگا۔ وہ نیک بخت ہوں گے اور وہ اپنے اعمالنامے کو پڑھیں گے اور خوش ہوں گے اور ان سے کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اس کے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی۔



وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ

اور جو ہے اس دنیا میں اندھا وہ قیامت میں بھی اندھا ہے اور بہت بڑا گمراہ۔ اور بے شک

كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ

قریب تھا کہ وہ آپ کو لغزش دیتے ہماری وحی سے جو آپ کی طرف کی تا کہ آپ گھڑیں ہم پر کچھ اور

وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

پھر تو وہ بنا لیتے آپ کو اپنا گہرا دوست

(آیت نمبر ۷۲) جو اس جہان میں دل کا اندھا ہوا کہ صحیح راہ پر نہ چلا اور گمراہی اختیار کی تو آخرت میں بھی وہ اندھا ہی ہوگا کہ اسے نجات کی راہ نہیں ملے گی۔ ظاہر ہے جسے دنیا میں ہدایت نہیں ملی اسے خرت میں نجات کیسے ملے گی وہ نابینوں کی طرح کوئی راہ نہیں پا سکے گا۔

فائدہ :یاد رہے یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس بد بخت کیلئے ہے کہ جس نے دنیا میں معرفت الٰہی سے منہ موڑا۔ اور جو معرفت حاصل کرے گا اور آخرت کیلئے جدو جہد کرتا ہے اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آئے گا۔

(آیت نمبر ۷۳) اور بے شک قریب تھا کہ کفار آپ کو فتنہ میں ڈال دیں اس چیز سے جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔

شانِ نزول : کفار نے ایمان لانے کی شرط پر چند مطالبات پیش کئے: (۱) بتوں کو کبھی کبھی ہاتھ لگا دیا کریں۔ (۲) ہم آئیں تو ان غریب مسلمانوں کو اٹھا دیا کریں وغیرہ وغیرہ۔ تو حضور ﷺ نے اس امید پر کہ شاید مسلمان ہو جائیں۔ ارادہ فرمایا یا لوگوں کا خیال ایسے ہوا تو فرمایا کہ اے محبوب اگر آپ ان کا مطالبہ مانیں یا ان کی اتباع کریں گے تو پھر وہ تمہیں اپنا دوست بنالیں گے اور ہم نے جو آپ کی طرف امر ونہی کی اور وعدو وعید کی وحی کی ہے۔ آپ اس کے خلاف کریں تو پھر تو تم ہماری دوستی سے دور ہو جاؤ گے۔

فائدہ :یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی اور رزور نبوت اور نور ہدایت آپ کے ساتھ نہ ہوتا تو شاید آپ اہل ہوا کی خواہش پر بھولے سے جھک جاتے۔ لیکن آپ بچ گئے اس لئے کہ آپ کی روحانیت کا نور ارادے پر غالب آ گیا ہے۔ اور آپ نے ان کی بات نہ مان کر بہت اچھا کیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۗۙ ﴿۷۴﴾

اگر نہ ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تحقیق قریب تھا کہ آپ جھکتے ان کی طرف کچھ معمولی سا۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ

پھر ہم چکھاتے آپ کو دگنی عمر کا مزہ اور دوچند موت کا مزہ پھر نہ پاتے

عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ہمارے سامنے کوئی مددگار۔

(آیت نمبر ۷۴) اگر ہم آپ کے دل مبارک کو مضبوط نہ کرتے۔ تحقیق قریب تھا کہ آپ کچھ معمولی سا ان کے مطلب کی طرف جھک جاتے کیونکہ ان کا مکر وفریب بڑا سخت تھا لیکن ہماری عصمت نے آپ کی مددگاری کی۔ لہذا پھر آپ نے ان کے مقصد کیلئے جھکنا تو درکنار اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے ان کے کسی مطالبے کو پورا نہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے ہر مکر و حیلہ کیا کہ آپ ان کی کوئی بات مان لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر و حیلے سے محفوظ رکھا۔

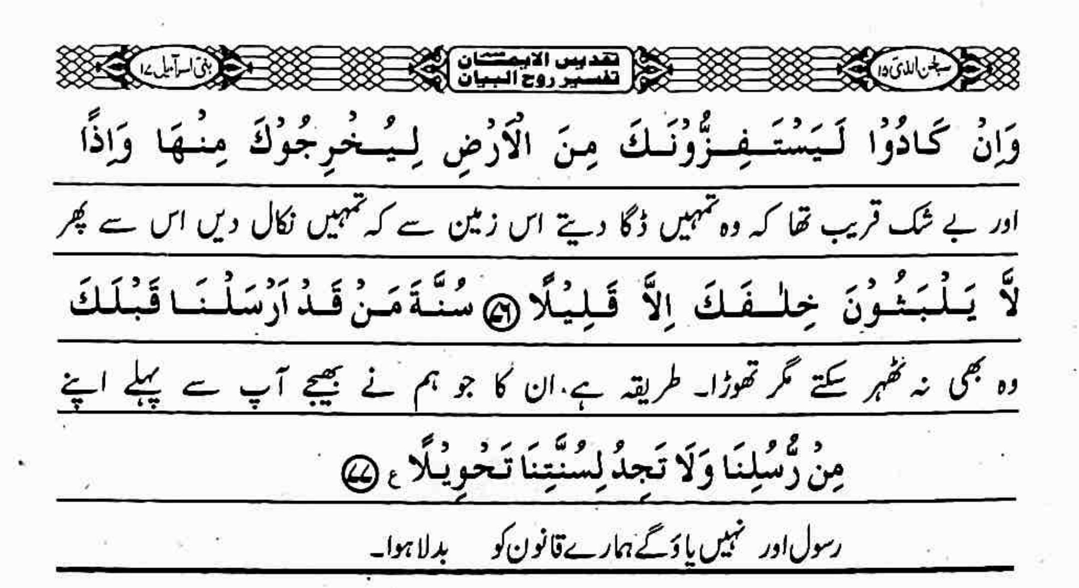
(آیت نمبر ۷۵) **مسئلہ**: معلوم ہوا کہ عصمت انبیاء توفیق خدائی اور عنایت الٰہی سے انہیں عطا ہوئی۔

نکتہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ قلیل جھکاؤ بھی اس لئے کہ آپ صفت بشریت سے بھی موصوف ہیں لیکن روحانیت آپ کی بشریت پر غالب تھی لہذا روحانیت کے آگے کوئی چیز ذات حق کے مشاہدہ سے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

آگے فرمایا کہ اے محبوب آپ اگر ان کے مطالبہ پر معمولی سا بھی جھک جاتے تو آپ کو دونوں جہانوں کی ڈبل تکلیف میں مبتلا کیا جاتا اس لئے کہ بڑے لوگوں کی خطا بھی بڑی خطرناک ہوتی ہے (لہذا نہ آپ ان کی طرف جھکے نہ تکلیف اٹھانی پڑی)۔

آگے فرمایا کہ پھر آپ نہ پاتے ہمارے مقابلے میں کوئی اپنا مددگار جو ہمارے عذاب سے بچا سکتا۔

فائدہ: امام ثعلبی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک لمحہ کیلئے بھی نفس کے سپرد نہ کرنا۔ کہ میں نفس کی پیروی کروں۔



وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا

اور بے شک قریب تھا کہ وہ تمہیں ڈگا دیتے اس زمین سے کہ تمہیں نکال دیں اس سے پھر

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

وہ بھی نہ ٹھہر سکتے مگر تھوڑا۔ طریقہ ہے. ان کا جو ہم نے بھیجے آپ سے پہلے اپنے

مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع

رسول اور نہیں پاؤ گے ہمارے قانون کو بدلا ہوا۔

(آیت نمبر۷٦) اور بے شک قریب تھا کہ اہل مکہ اپنے مکر وفریب سے کسی طرح آپ کو ڈگمگا دیتے اور سرزمین مکہ میں جہاں آپ سکونت پذیر ہیں اس سے نکال دیتے۔

فائدہ : یادر ہے یہ باتیں بالکل ابتدائی دور کی ہیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانا بہت ہی بعد کی بات ہے۔ اس آیت کے اترنے کے فوراً بعد آپ نے ہجرت نہیں فرمائی۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ جب کفار مکہ کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوا تو انہوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم شروع کر دیئے۔ لہذا مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور کوئی حبشہ کی طرف اور کوئی مسلمان مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب ان کفار نے آپ کو یہاں سے نکالا بھی اب مکہ مکرمہ میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکیں گے۔ یعنی یہ آپ کو نکال کر خوش ہیں۔ ان کا بھی یہ قیام تھوڑا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہی ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد غزوۂ بدر میں وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اور فتح مکہ سے پہلے ہی مشرکین کو مکہ مکرمہ نکلنے کا حکم دیدیا گیا تھا۔

(آیت نمبر۷۷) اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک یہی ہے کہ جتنے بھی حضور سے پہلے رسول بھیجے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ بھی رہی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دشمنوں کی تکالیف میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تا کہ ان کے جواہر روحانیہ ربانیہ کا تصفیہ اور تزکیہ ہو اور یہ طریقہ مبنی بر حکمت و مصلحت ہے۔

فائدہ : بزرگ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے شر میں بھلائی ہے۔ اگر چہ اس سے دور بھاگنے میں خیر و برکت ہے۔ اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ جو دشمن تجھے مولا سے ملائے وہ اس دوست سے اچھا ہے جو مولا سے دور کر دے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ

نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے تا اندھیری رات اور صبح کا قرآن ۔

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

بے شک فجر کے قرآن میں ہوتے ہیں حاضر فرشتے بھی۔

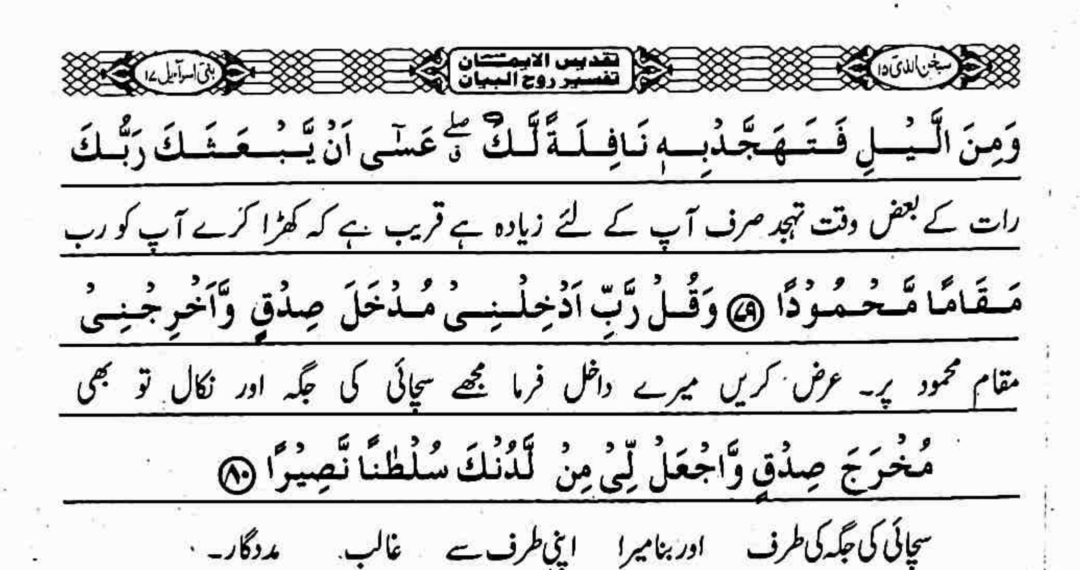
(بقیہ آیت نمبر۷۷) **عقیدہ کی درستی**: اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید حضور ﷺ میں کوئی خامی تھی (معاذ اللہ) یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ حضور ﷺ میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہر قول وفعل کا محافظ تھا۔ مخالفین نے ہزاروں حربے استعمال کئے مگر آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے جنگ کی (ریاض الصالحین)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے ولی کی مدد فرماتا ہے تو وہ اپنے نبی کی مدد کیوں نہیں فرمائے گا۔

(آیت نمبر۷۸) نماز ہمیشہ قائم رکھیں سورج کے زوال سے یا غروب سے لیکر رات کی تاریکی تک۔ یعنی نماز عشاء مراد ہے۔ غسق اللیل شفق کے غائب ہونے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب بھی نماز کا وقت مقررہ آ جائے تو اس وقت نماز ادا کی جائے اور خاص کر فجر کی نماز میں تلاوت قرآن کریں۔

فائدہ: اس میں پرویزیوں کا بھی رد ہے۔ جو کہتے ہیں قرآن میں نماز کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ "دلوك" سے مراد زوال ہو تو گویا اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر آ گیا۔ آگے فرمایا کہ فجر کی نماز میں قرآن پڑھو۔ کہ یہ مشہود ہے۔ یعنی فجر کی نماز کے وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نماز کے بعد دن والے ٹھہر جاتے ہیں۔ رات والے فرشتے بندوں کے اعمال کے ساتھ آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔

نکتہ: یہ وقت قدرت الٰہی کے شواہد میں سے ہے کہ رات اور رات کی نیند جو موت کی مانند ہے۔ اس سے بندوں کو حیات نو ملی۔ دن کا نور بھی حاصل ہوا اور رات کو آرام بھی کر لیا۔ گویا فجر کی نماز اس آرام کا شکریہ ہے اور جس نماز میں فرشتے بھی حاضر ہوں۔ اس کے قبول ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔



وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

رات کے بعض وقت تہجد صرف آپ کے لئے زیادہ ہے قریب ہے کہ کھڑا کرے آپ کو رب

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ

مقام محمود پر۔ عرض کریں میرے داخل فرما مجھے سچائی کی جگہ اور نکال تو بھی

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

سچائی کی جگہ کی طرف اور بنا میرا اپنی طرف سے غالب مددگار۔

(آیت نمبر۷۹) اور رات کے بعض حصے میں اٹھیں اور نیند کو دور کریں یعنی اٹھ کر نماز تہجد ادا کیجئے۔ یہ فرائض کے بعد زائد عبادت ہے۔ ابتداء یہ نماز صرف حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ امت پر فرض نہیں تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو تین چیزیں (۱) وتر۔ (۲) مسواک۔ (۳) تہجد۔ بہت پسند تھیں۔ امت کیلئے نوافل ترقی درجات کا سبب ہیں اور فرائض میں واقع ہونے والے خلل کا تدارک بھی ہے۔

آگے فرمایا۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر بٹھائے گا۔ یعنی ایسے مقام پر جس کی ہر ایک تعریف کرے گا۔

فائدہ: اس سے مراد وہ مقام ہے جسے مقام شفاعت بھی کہا جاتا ہے۔ جسے دیکھ کر اولین و آخرین سب تعریفیں کریں گے اور رشک کریں گے۔ اسی مقام پر حضور ﷺ شفاعت کی ابتداء کریں گے۔

فائدہ: وہ وقت ہوگا کہ جب سب انبیاء سفارش سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے نفسی نفسی تو لوگ سب انبیاء کرام علیہم السلام سے ناامید ہو کر حضور ﷺ سے کہیں گے تو آپ فرمائیں گے۔ میں اسی کیلئے ہوں میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا میری شفاعت امت کے کبیرہ گناہ والوں کیلئے ہوگی (بخاری و مسلم) (تہجد کے مزید مسائل و فضائل فیوض الرحمان میں دیکھ لیں)

(آیت نمبر۸۰) اے محبوب آپ فرمائیں کہ اے میرے رب مجھے قبر میں داخل کر تو سچائی سے اور قبر سے نکالیں تو بھی کرامت اور امن و سلامتی کے ساتھ۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مدینہ شریف میں داخل ہونا اور مکہ مکرمہ سے نکلنا مراد ہے یا اس سے مراد کسی کام کا شروع اور ختم کرنا ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

فرمادو آیا حق اور مٹ گیا باطل۔ بے شک باطل ہے ہی مٹا ہوا

(بقیہ آیت نمبر۸۰) آگے فرمایا کہ اے اللہ مجھے اپنی رحمت کے خزانوں پر غلبہ عطا فرما۔ یا مجھے ایسے مددگار عطا فرما۔ جو اعداء دین پر میری مدد کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ فارس وروم تک سب آپ کے غلاموں کے قبضے میں دونگا۔ (اور یہ جناب فاروق رضی اللہ عنہ اور جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں فارس وروم مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے)۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی اہل اسلام کے ذریعے مدد فرمائی۔ اب جو بھی مسلمانوں کی مدد کرے گا وہ "سلطانا نصیرا" کے زمرے میں شامل ہوجائیگا۔

(آیت نمبر۸۱) اے محبوب ان کو بتادیں کہ حق قرآن واسلام کی صورت میں آگیا اور کفر وشرک بھاگ گیا۔ کیونکہ وہ باطل ہے۔ اور بے شک باطل ہے ہی بھاگا ہوا ہے۔ یعنی باطل اسلام کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔

فائدہ :امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے لئے ہو اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ باطل ہے۔ آگے فرمایا کہ باطل کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ حق کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ بلکہ باطل حق سے بھاگتا ہے۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مسجد حرام میں داخل ہو کر دیکھا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے تو آپ بتوں کو گراتے جاتے اور فرماتے جاتے "جاء الحق وزهق الباطل" اس طرح آپ نے تمام بتوں کو گرادیا۔ صرف ایک بت خزاعہ کا کعبہ کی چھت پر ہونے کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ یعنی بہت زیادہ اونچا تھا۔ جہاں تک آپ کی لاٹھی یا کوڑا نہیں پہنچ رہا تھا اور وہ پیتل کا بنا ہوا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسے تیر مار کر گرادو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اسے توڑ پھوڑ کر نیچے گرادیا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کندھوں پر چڑھ کر عرش کو چھونے والی روایت مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔)۔ **فائدہ** :اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق نے مکہ شریف سے باطل کو ایسا بھگایا کہ چودہ سو سال کے بعد بھی باطل کی ہمت واپسی کی نہ ہوسکی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں وہ چیز جس میں شفاء اور رحمت ہے مومنوں کیلئے اور نہیں بڑھتا

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

ظالموں کا مگر خسارہ۔

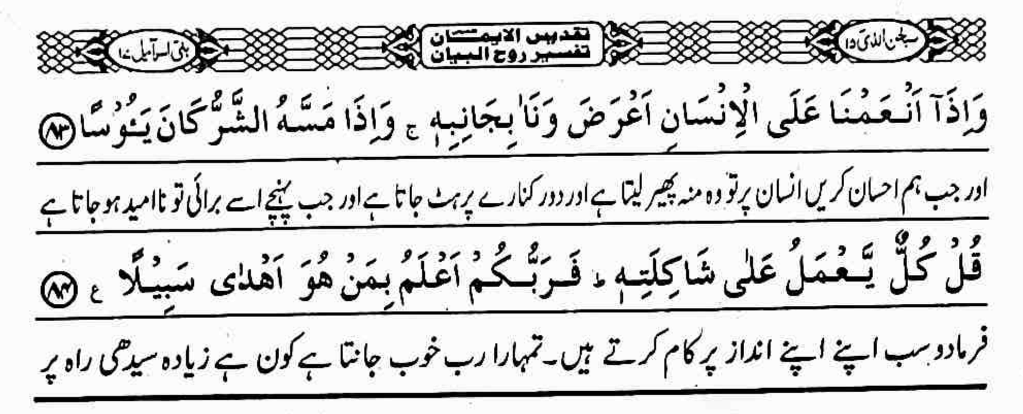
(آیت نمبر۸۲) اور ہم قرآن پاک میں ایسی آیات نازل کرتے ہیں جن میں شفاء ہے یعنی تمام جسمانی روحانی، قلبی روحی بیماریوں کی اس میں شفاء ہے اور اس میں مسلمانوں کیلئے رحمت ہے۔ اگرچہ رحمت تو یہ سب کیلئے ہے لیکن اس رحمت سے نفع ایمان والوں نے اٹھایا ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ قرآن ظالموں کے لئے کچھ نہیں بڑھاتا سوائے خسارے کے۔ یعنی ان کے لئے بربادی ہی ہے۔ کافروں کو ظالم اس لئے کہا کہ وہ قرآن جیسی شفا بخش چیز کو بھی اپنے لئے نقصان کا باعث سمجھتے ہیں۔ (یا وہ مسلمان بھی ظالم ہیں جو قرآنی آیات سے غلط معانی نکالتے ہیں یا متشابہ آیات کی تاویلیں کرتے ہیں۔)

فائدہ: اس آیت میں قرآن مجید کی شان بیان ہوئی کہ جیسے بارشیں بہت ہوں لیکن زمین میں اس کے قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں تو وہ بارشیں اس کے لئے باعث بربادی ہیں۔ اسی طرح قرآن کے رحمت و شفاء ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن کفار کے لئے یہی قرآن بربادی کا سبب ہے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید میں چھ آیات آیاتِ شفاء ہیں۔ بیماری جیسی بھی ہو ان آیات کے پڑھنے سے بیماری ختم ہو جاتی ہے۔ ان میں ایک یہ آیت ہے۔ (ویسے تو سارا قرآن ہی شفا ہے۔ جس آیت یا سورۃ کو پڑھو اسی میں شفاء ہے)۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا: جو قرآن سے شفاء حاصل نہیں کرتا۔ اسے اللہ تعالیٰ بھی شفا نہیں دیتا۔ (تفسیر رازی، زمخشری فی الکشاف والثعلبی)

ہر مرض سے شفاء: شیخ تمیمی فرماتے ہیں۔ سورہ فاتحہ کو برتن میں لکھ کر دھوئیں اور وہ پانی مریض کو پلائیں اور جو بچ جائے وہ منہ پر ملے ان شاء اللہ شفا ہوگی۔ **سبق:** دانا پر لازم ہے کہ وہ قرآن پر عمل بھی کرے اور تمام بیماروں اور بیماریوں کا اس سے علاج بھی کریں۔ **فائدہ:** قرآنی آیات سے دم کرنے کیلئے کسی پیر سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔



وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب ہم احسان کریں انسان پر تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور دور کنارے پر ہٹ جاتا ہے اور جب پہنچے اسے برائی تو ناامید ہو جاتا ہے

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

فرمادو سب اپنے اپنے انداز پر کام کرتے ہیں۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کون ہے زیادہ سیدھی راہ پر

(آیت نمبر ۸۳) اور جب ہم آدمی پر انعام اور احسان کریں۔ یعنی اسے صحت دیں یا مالی وسعت دے دیں تو بجائے شکر کے منہ پھیر لیتا ہے اور خود اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے یعنی غرور و تکبر کر کے حق کی راہ سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ مخلوق سے دوری متکبروں کی عادت ہے۔

آگے فرمایا اور جب انسان کو کوئی شر یعنی محتاجی یا بیماری یا اور کوئی حادثہ پیش آ جائے تو پھر وہ ناامید ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت ملنے کی ذرہ بھی امید نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو بھی بھول جاتا ہے یہ اکثریت کا حال ہے۔ ورنہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا دوسری آیات میں بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر عاجزی سے دعائیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے زبان پر کوئی حرف شکایت بھی نہیں لاتے۔

(آیت نمبر ۸۴) فرمادیں کہ ہر کوئی خواہ مومن ہے یا کافر وہ اپنے ڈگر پر چل رہا ہے یعنی کوئی ہدایت پر اور کوئی گمراہی پر پس تمہارا رب جس نے لوگوں کی مختلف طبیعتیں بنائی ہیں وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون سیدھے راہ پر چل رہا ہے اور کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء اور سزا دے گا۔

سبق: جو بندہ اپنے اندر نیکی اور اچھائی پائے۔ اطاعت و شکر پائے وہ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر کرے کہ اس کریم کے کرم اور توفیق سے ایسا ہے اور اگر اپنے اندر فسق و فجور شر اور کفر پائے تو اپنی حالت کو بدلے ورنہ ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور وہ کف افسوس ملتا رہ جائے۔ اور اس کی آخرت خراب ہو جائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

پوچھتے ہیں آپ سے روح کے متعلق۔ فرمادیں روح میرے رب کا حکم ہے۔ نہیں دیئے گئے تم علم

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

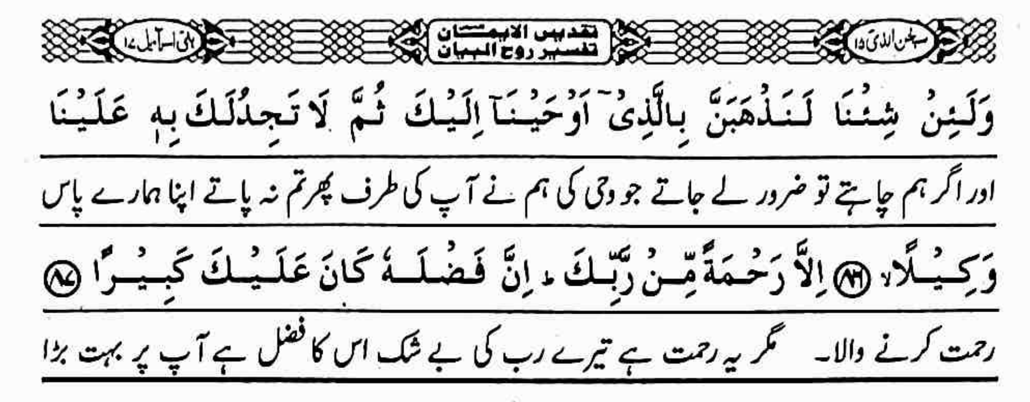
مگر تھوڑا۔

(آیت نمبر ۸۵) اے میرے محبوب آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمادیں۔ روح تو میرے رب کا حکم ہے۔

شـان نزول : کفار مکہ نے اپنے تین سرداروں کو مدینہ میں یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ ہمیں ایسے سوال بتائیں کہ ہم حضور ﷺ سے سوال کریں مدینہ کے یہودیوں نے غور وفکر کر کے ان کو کہا کہ تم تین باتیں پوچھو: (۱) پوری دنیا کی سیر کرنے والا کون تھا؟ (۲) زمین میں گم ہونے والے نوجوان کون تھے؟ (۳) اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ نیز یہودیوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر وہ پہلے دو سوالوں کا جواب دے اور آخری سوال کا جواب نہ دے تو یقین کر لینا کہ وہ واقعی نبی برحق ہے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آ کر بہت بڑا اجتماع کیا اور حضور ﷺ سے یہ تین سوال کئے تو نبی کریم ﷺ نے پہلے دونوں سوالوں کے جواب دیئے اور تیسرے سوال روح کے بارے میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ روح امر ربی کا نام ہے۔ اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کی حقیقت تک پہنچنا انسانی عقل سے بعید ہے۔ (روح کے متعلق مزید تفصیلات اور بزرگوں کے اقوال دیکھنے ہوں تو فیوض الرحمان میں دیکھ لیں)۔

آگے فرمایا کہ اے لوگو تم نہیں دیئے گئے اس کا علم مگر تھوڑا۔

فـائده : اس میں اشارہ ہے کہ باقی علوم میں دور تک جا سکتے ہو مگر تمہیں روح کے بارے میں پوری معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (چودہ سو سال گذرنے اور انسانی ترقی کے درجہ کمال تک پہنچنے کے باوجود کوئی انسان روح کی حقیقت نہ پا سکا)۔ **فـائده** : بحر العلوم میں ہے: "**وما اوتیتم**" میں عام خطاب ہے۔ جیسے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ سے یہودیوں نے پوچھا کہ کیا روح کے متعلق آپ کا علم بھی تھوڑا ہے۔ فرمایا کہ ہاں یعنی روح کے متعلق تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔ (یہاں سے یہودیوں کا مطلب یہ تھا۔ کہ نبی کا علم کوئی بہت زیادہ نہیں ہوتا۔ عام انسانوں کی طرح کا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی عقلی کمزوری کی دلیل ہے)۔



وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا

اور اگر ہم چاہتے تو ضرور لے جاتے جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف پھر تم نہ پاتے اپنا ہمارے پاس

وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

رحمت کرنے والا۔ مگر یہ رحمت ہے تیرے رب کی بے شک اس کا فضل ہے آپ پر بہت بڑا

(بقیہ آیت نمبر ۸۵) **ازالہ وہم:** اس سے یہ مراد نہیں کہ حضور ﷺ عام لوگوں کے برابر ہیں بلکہ یہاں قلت علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہے کہ مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔ جس طرح عام مخلوق کا علم نبی کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کے مقابلے میں اور یہی نسبت اللہ تعالیٰ اور نبی کے علم میں ہے۔

(آیت نمبر ۸۶) اور البتہ اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ چیز جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ یعنی اگر ہم قرآن کو واپس لے جائیں یا لوگوں کے سینوں سے ہی نکال لیں یا مصحفوں سے ہی نکال دیں۔

فائدہ: یہ بات بالفرض محل والتقدیر کے قبیل سے ہے۔

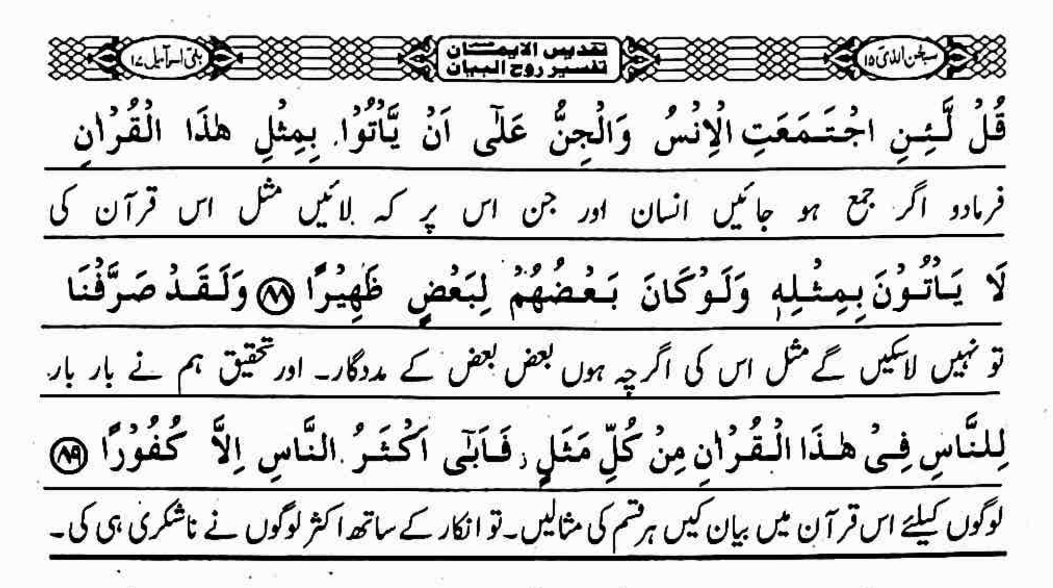
آگے فرمایا کہ پھر اس قرآن کو واپس لانے کیلئے تم کوئی ایسا وکیل بھی نہ پاؤ جو ہمیں مجبور کر کے قرآن واپس لوٹا دے۔ اس لئے کہ تم میں سے کسی کی یہ ہمت ہے ہی نہیں۔ کہ وہ ہم تک رسائی حاصل کر سکے۔

(آیت نمبر ۸۷) مگر جب تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہو جائے یعنی اگر وہ خود مہربانی فرما کر قرآن لوٹا دے یہ ایک الگ بات ہے۔ وہ تو خود مالک ہے۔ وہ جو چاہے سو کرے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں ظاہرا خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ اس سے مراد امت ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اس کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے کہ اس نے آپ کو اپنا برگزیدہ رسول بنا کر بھیجا اور پھر آپ کو یہ کتاب عنایت فرمائی اور آپ کیلئے اسے قیامت تک محفوظ کر دیا کہ کوئی اس میں ردو بدل نہیں کر سکتا۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا۔ آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار بنایا۔ ختم نبوت کا تاج پہنایا۔ قیامت میں لواء الحمد آپ کے ہاتھ میں دیا۔ پھر مقام محمود جیسا عظیم الشان مقام دیا۔ قرآن جیسی عظیم کتاب دی۔ آخری امت عطا فرمائی۔



قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

فرمادو اگر جمع ہو جائیں انسان اور جن اس پر کہ لائیں مثل اس قرآن کی

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

تو نہیں لاسکیں گے مثل اس کی اگرچہ ہوں بعض بعض کے مددگار۔ اور تحقیق ہم نے بار بار

لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

لوگوں کیلئے اس قرآن میں بیان کیں ہر قسم کی مثالیں۔ تو انکار کے ساتھ اکثر لوگوں نے ناشکری ہی کی۔

(آیت نمبر ۸۸) اے محبوب فرمادیں۔ اگر یہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو انسان اور تمام جن مل جائیں۔ اور اس قرآن کی مثل لائیں جو بلاغت کے لحاظ سے اور کمال معنی اور حسن نظم، اخبار عن الغیب، عربی وضع میں اسی طرح ہو۔

فائدہ: صرف جنوں اور انسانوں کا نام اس لئے لیا کہ فرشتے تو اس قرآن کے منکر ہیں ہی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس شان والی کتاب قرآن کے مقابل کوئی بھی کتاب نہیں لاسکتا اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جن وانس اس کتاب کی مثل نہیں لاسکتے۔ باقی مخلوق لاسکتی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ اس قرآن جیسا کلام مخلوق میں اور کوئی بھی نہیں لاسکتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس قرآن جیسا کوئی قرآن اس وجہ سے بھی نہیں لاسکتا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی مثل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت لانا بھی محال ہے کیونکہ وہ قدیم ہے۔ آگے فرمایا اگرچہ جن وانسان ایک دوسرے کے مددگار ہوجائیں یعنی اس قرآن جیسا قرآن بنانے کیلئے وہ آپس میں مل جائیں۔ ایک دوسرے کے مدد ومعاون بن جائیں تب بھی ایسی کلام نہیں لاسکتے۔

(آیت نمبر ۸۹) اور البتہ تحقیق ہم اس قرآن کو کئی طریقوں سے پھیر پھیر کر بیان کررہے ہیں۔ لوگوں کو سمجھانے کیلئے تاکہ ان کیلئے رسوخ اور اطمینان کا سبب بنے۔ ہر طرح سے عجیب وغریب مثالیں دے کر بھی۔ تاکہ یہ کلام مزید پُرکشش اور حسین ترین ہوجائے اور سننے والے اسے قبول کریں۔ مگر اکثر لوگوں کا انکار سوا ناشکری کے کچھ نہ تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت کی ناقدری اور ناشکری وہی کرے گا۔ جو سب سے بڑا ناشکرا ہوگا۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ ﴿۹۰﴾

اور کہنے لگے ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ بہائیں ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ

(بقیہ آیت نمبر ۸۹) **فائدہ** یاد رہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں ایک نعمت ہے لہذا جسے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دی۔ وہ اس کا شکر کرے اور اس کے حقوق ادا کرے۔

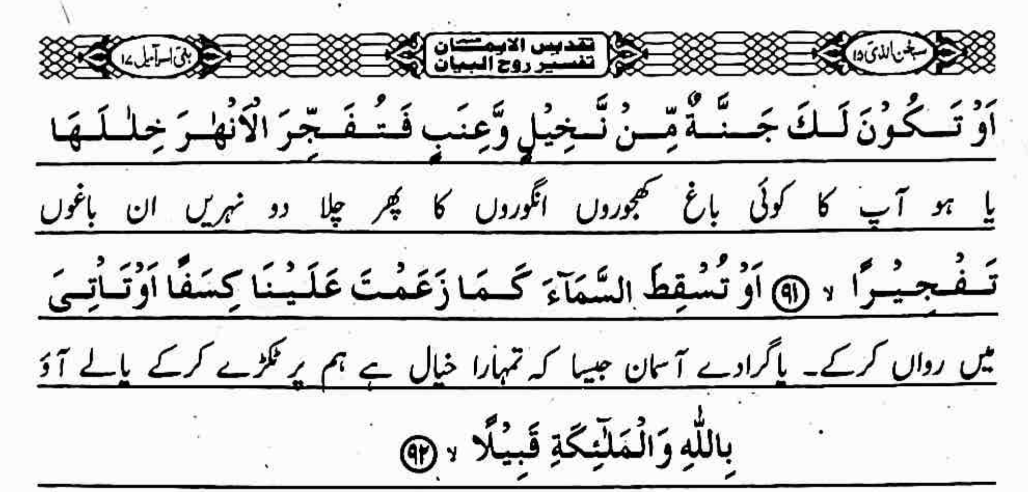
حدیث شریف: عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، دینی امور میں سب سے پہلے یہ امانت اٹھ جائے گی اور آخر میں نماز اٹھ جائے گی۔ لوگ نمازی ہوں گے لیکن دیندار نہیں ہونگے۔ قرآن تو ہوگا۔ اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوگا جبکہ ہم نے اسے دل میں جمالیا ہے۔ اتنے زیادہ قرآن لکھے جا چکے۔ پھر ہماری اولادیں بھی حافظ ہوگئیں تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا وقت آئیگا کہ لوگ قرآن سے منہ موڑ لیں گے۔ تو ان سے قرآن اٹھالیا جائے گا۔ پھر قرآن نہ لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہوگا نہ صحیفوں میں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص غریب ہیں: (۱) قرآن ظالم کے دل میں۔ (۲) نیک آدمی بدعمل لوگوں میں (۳) قرآن ایسے گھر میں جہاں کوئی تلاوت کرنے والا نہ ہو۔

(آیت نمبر ۹۰) اور کفار نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ زمین میں ہمارے لئے چشمے نکالیں۔

شان نزول: خانہ کعبہ کے پاس کفار جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ نے قوم میں پھوٹ ڈالی۔ ہمارے باپ دادا کو برا کہا۔ ہمارے دین کو غلط کہا۔ ہمارے عقل والوں کو بے وقوف کہا۔ ہمارے خداؤں کی توہین کی۔ آپ بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اگر آپ کو شاہی چاہئے تو ہم تمہیں بادشاہ بنادیتے ہیں۔ لیڈری چاہئے تو وہ بنادیتے ہیں۔ مال چاہئے تو عرب کا سارا مال آپ کو دے دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ عجب باتیں کررہے ہو میں نے تو ان باتوں کا سوچا ہی نہیں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر تمہارے ہاں بھیجا اور ساتھ ایک کتاب دی تاکہ میں تمہیں جہنم سے ڈراؤں اور جنت کی بشارت دوں۔ وہ میں نے کردیا۔ اب مانو تو تمہارا فائدہ ہے۔ دونوں جہانوں میں عیش کرو گے۔ ورنہ تم جانو اور خدا جانے۔ تو اس وقت کفار نے نبی کریم ﷺ سے کہا۔

اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو خدا سے کہیں یہ پہاڑ یہاں سے دور کردے اور یہاں نہریں جاری کردے یا مالی وسعت کردے یا ہمارے باپ دادا کو زندہ کردے اور وہ تمہاری نبوت کی تصدیق کردیں تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے۔

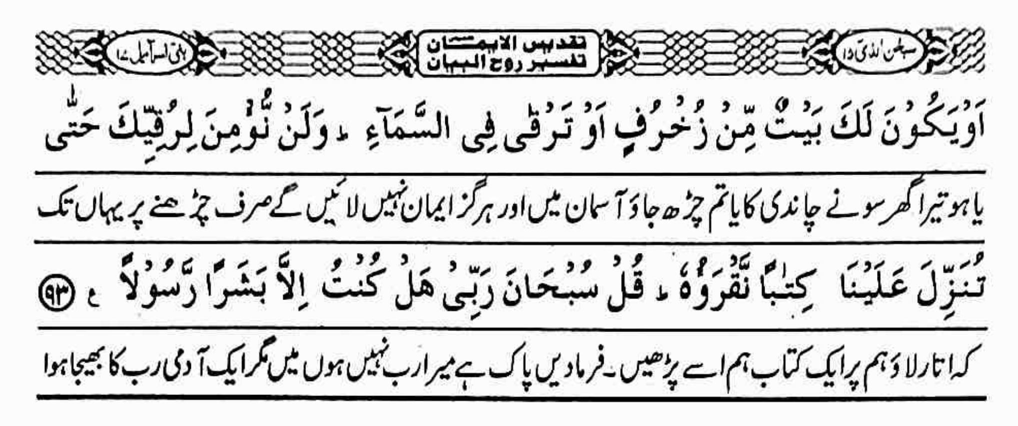


(بقیہ آیت نمبر۹۰) **ارشاد نبوی** : تو آپ نے فرمایا کہ میں ان امور کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام لایا وہ میں نے تم تک پہنچادیئے باقی جو کچھ تم نے مانگا وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہئے تو ایسا کردے اور اگر وہ نہ چاہے تو میں اسے مجبور نہیں کرسکتا۔ بالآخر حضور ﷺ ان سے مایوس ہوکر واپس تشریف لے گئے۔ (چونکہ آپ نے دیکھ لیا۔ کہ ان کی قسمت میں ایمان نہیں ہے)۔

(آیت نمبر۹۱) مزید کفار نے کہا یا آپ کے باغ ہوں کھجوروں اور انگوروں کے اور پھر ان باغات میں پانی کی نہریں جاری ہوں۔ ان میں بہت زیادہ پانی ہو۔ جیسا کہ ہم نے شام اور عراق کے علاقوں میں دیکھا۔

فائدہ کافروں کے یہ سارے مطالبات اصل میں گستاخی پر مبنی تھے۔ اگر یہ سب کچھ مل بھی جاتا تو پھر بھی انہوں نے ایمان نہیں لانا تھا کیونکہ کہ ایمان لانا تو ان کی قسمت میں ہی نہیں تھا۔ ان کا مقصد نبی کے راہ میں روڑے اٹکانا تھا۔ (اس سے پہلے بھی کفار اسی قسم کے مطالبے کرتے تھے۔ اور جب مطالبہ پورا ہوجاتا تو پھر منکر ہوجاتے تھے۔

(آیت نمبر۹۲) یا گرادے ہم پر آسمان جیسا تو گمان کرتا ہے یعنی اگر مطالبات پورے نہیں کرسکتا تو پھر آخری یہی ہے کہ آسمان ہم پر گرادیں۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ ہماری ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہم پر آسمان یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ہم پر گرادے جیسا آپ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہ ایسا کرسکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ آسمان کا گرنا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔ پھر کہا۔ اگر آپ یہ بھی نہیں کرسکتے تو آپ رب تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کے ساتھ فرشتے بھیج دے جو آکر آپ کی نبوت کی تصدیق کردیں یا اللہ تعالیٰ خود آجائے جو کہے کہ یہ میرا رسول ہے اور فرشتے ضامن ہوجائیں اور آپ کے دعوے پر گواہی ہوجائے گی۔



اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی

یا ہو تیرا گھر سونے چاندی کا یا تم چڑھ جاؤ آسمان میں اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے صرف چڑھنے پر یہاں تک

تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ع ﴿۹۳﴾

کہ اتار لاؤ ہم پر ایک کتاب ہم اسے پڑھیں۔ فرما دیں پاک ہے میرا رب نہیں ہوں میں مگر ایک آدمی رب کا بھیجا ہوا

(آیت نمبر ۹۳) یا آپ کا گھر سونے کا ہو جس میں خوب زیب و زینت ہو جس میں آپ اعلیٰ زندگی گذاریں اور اس فقر و فاقہ سے نجات حاصل کریں یا پھر ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں لیکن ہم صرف آپ کے چڑھنے کو اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہمارے سامنے ہمارے لئے آسمان سے ایسی کتاب لے کر اتریں جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرتی ہو جسے ہم خود پڑھیں اور تم سے سمجھنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔

فائدہ: غور کریں تو ان تمام مذکورہ مطالبات کے پیچھے ان کا عناد ہی نظر آتا ہے۔ یعنی وہ ہدایت نہیں چاہتے تھے ورنہ وہ کئی معجزات پہلے دیکھ چکے تھے جیسے چاند کا شق ہونا وغیرہ۔ ایمان لانے والے ہوتے تو اسی سے وہ ایمان لے آتے۔ کیونکہ کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد کیا شک رہ گیا تھا۔ لیکن ماننا تو انہوں نے تھا ہی نہیں۔

آگے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کے ان لایعنی سوالوں کے جواب میں ایک ہی بات فرما دیں۔ میرا رب پاک ہے ہر عیب سے کہ وہ یہ کام نہ کر سکے۔ اور وہ بہت بڑی قدرت والا ہے۔ نہیں ہوں میں مگر بشر یعنی کوئی فرشتہ نہیں ہوں کہ میں جب چاہوں آسمانوں پر چڑھ جاؤں میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس کے پیغامات تم تک پہنچانے پر مامور ہوں۔ جو تم نے مطالبات کئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی پورے کر سکتا ہے۔

فائدہ: کفار کے مطالبات میں انداز گستاخانہ ہے اور حضور ﷺ کا کمال ادب اور فنا فی اللہ ہونا اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ

کس چیز نے روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لائیں جبکہ آ گئی ان کے پاس ہدایت مگر یہ کہ وہ بولے کیا بھیج دیا اللہ نے

بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

ایک انسان کو رسول بنا کر۔ فرمادیں اگر ہوتے زمین میں فرشتے وہ چلتے آرام سے

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ

تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے رسول بنا کر۔ فرمادیں کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے

وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خبر دار دیکھنے الا

(آیت نمبر ۹۴) لوگوں کو یعنی کفار مکہ کو اب کیا مانع ہے کہ وہ ایمان لائیں قرآن پر یا نبی پاک ﷺ پر۔ جب کہ ان کے پاس ہدایت بھی آ پہنچی۔ سوائے اس کے کہ وہ ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنایا۔ چونکہ وہ جنس بشر سے رسول ہونے کے وہ منکر تھے۔

فائدہ :اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول اس لئے بنایا تا کہ لوگ ہم جنس سمجھ کر بارگاہ میں حاضر ہوں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جنس جنس کی طرف میلان کرتی ہے چونکہ لوگ بھی بشر تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ ان کے پاس رسول بھی بشر ہی ہو۔ تا کہ افادہ اور استفادہ ممکن ہو لیکن کفار اس بات سے بے خبر تھے۔

(آیت نمبر ۹۵) اے محبوب آپ ان کو فرمادیں اور ان کے شبہ کو دور کردیں کہ اگر زمین میں فرشتے ہی ہوتے انسان نہ ہوتے اور وہ لوگوں کی طرح قدموں سے چلتے ہوئے نظر آتے پروں سے اڑ کر آسمانوں کی طرف نہ جاتے اور زمین پر ہی مطمئن ہوتے تو پھر ہم ضرور ان پر آسمان سے فرشتے کو ہی رسول بنا کر ان کے پاس بھیجتے تا کہ وہ انہیں دین و دنیا کے ضروری مسائل جن کے وہ محتاج ہوتے وہ انہیں احکام بتاتے۔

(آیت نمبر ۹۶) اے محبوب آپ فرمادیں کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ اس بات پر کہ میں نے تم تک احکام خداوندی پہنچادیئے اس کے باوجود کہ تم نے تکذیب بھی کی اور سخت مخالفت کی۔ اب میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہ ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ

جسے ہدایت دے اللہ وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے پس ہرگز تو نہیں پائے گا ان کا کوئی حمایتی

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ

اس کے سوا اور ہم انہیں اٹھائیں گے بروز قیامت موہنوں کے بل اندھا گنگا اور بہرا کر کے۔

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب بجھنے لگے گی ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۶) **نکتہ:** یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے درمیان بلکہ فرمایا میرے اور تمہارے درمیان۔ تا کہ معلوم ہو کہ نبی اور غیر نبی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہی نکتہ "انك ميت وانهم ميتون" میں ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں یعنی اپنے رسول اور امتیوں کے ظاہری اور باطنی احوال سے باخبر ہے ان کو دیکھ رہا ہے اور انہیں ان کے اعمال کے مطابق ہی جزاء اور سزا بھی دے گا۔ اس آیت میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی اور کفار کیلئے تہدید ہے۔

(آیت نمبر ۹۷) اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ کاشفی فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ راہ ہدایت دکھائے۔ اصل میں وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دینا چاہے یعنی جس کیلئے گمراہی کا حکم فرما دے اور مراتب علیا سے گرا دے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے جو انہیں سیدھی راہ پر چلائے۔

نکتہ: ہدایت یافتہ کیلئے صیغہ واحد کا اور گمراہوں کیلئے صیغہ جمع کا اس لئے لایا ہے کہ حق تک پہنچنے کا راستہ ایک ہی ہے اور گمراہی کی بے شمار راہیں ہیں۔

ایک **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں رسول ہوں۔ ہدایت میرے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی گمراہ نہ ہوتا اور گمراہی شیطان کے ہاتھ میں نہیں ورنہ کوئی بھی ہدایت نہ پاتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ہدایت نہ دے۔ (حدیث مل نہیں سکی)۔



ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

یہ سزا ہے ان کی کہ بے شک انہوں نے کفر کیا ہماری آیتوں سے اور کہا کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور ریزہ ریزہ

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

کیا ہم اٹھائے جائیں گے ایک نئی مخلوق بن کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) **نوٹ:** ہدایت کے دو معنی ہیں: (۱) راہ دکھانا۔ (۲) منزل پر پہنچانا۔ پہلی قسم نبی ﷺ ہدایت دیتے ہیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انك لتهدی الی صراط مستقيم" بے شک آپ سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ دوسری قسم کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ یعنی وہ منزل مقصود پر پہنچاتا ہے۔

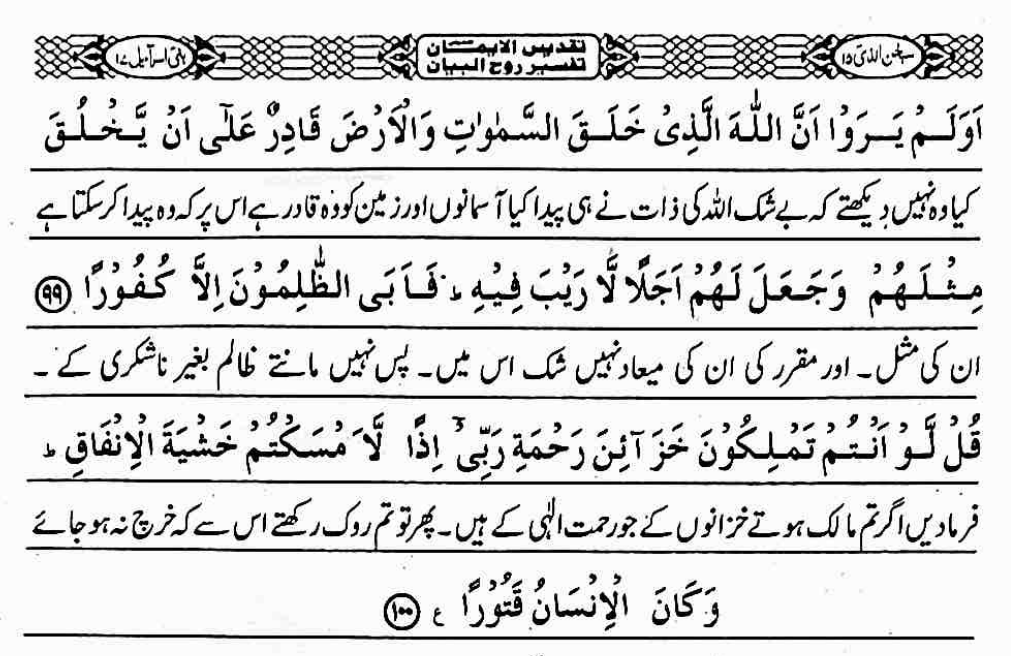
آگے فرمایا کہ ہم انہیں بروز قیامت اٹھائیں گے ان کے چہروں کے بل۔ انہیں گھسیٹ کر یا پیدل اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں منہ کے بل چلا کر لائے کیونکہ پاؤں پر چلنے کی قدرت بھی اسی نے بخشی ہے۔ یا فرشتے منہ کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ آگے فرمایا کہ وہ اندھے، بہرے اور گنگے ہو کر آئیں گے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں دیکھ سکیں گے جو انہیں خوش کرے۔ نہ ایسی بات کر سکیں گے جو قبول ہو نہ ایسی بات سن سکیں گے جس سے لذت پاسکیں۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ دنیا میں نہ حق بات کہتے، نہ سنتے اور نہ عبرت حاصل کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس حال میں زندگی بسر کرتے ہو۔ اسی حال میں موت آئیگی اور اسی حال میں قیامت کو اٹھو گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آگے فرمایا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جس میں آگ ہی آگ ہے۔ جب بھی بجھنے پہ آئے گی ہم اس آگ کو اور بھی بڑھائیں گے اور جب آگ ان کے چمڑے جلائے گی تو ان پر اور چمڑے چڑھادیں گے تاکہ انہیں صحیح سزا ہو۔

(آیت نمبر ۹۸) یہ ان کی سزا ہے اس بات کی کہ انہوں نے ہمارے ان آیات کا انکار کیا جو عقلی تھیں اور جو نقلی تھیں ان آیات میں ان کیلئے قیامت کے دن اٹھنے پر واضح ثبوت تھے اور انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ کیا جب ہماری ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی تو کیا پھر بھی ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ایک نئی مخلوق بنا کر۔ امام مجاہد نے رفات کا معنی مٹی کیا ہے یعنی جب ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں تو پھر کیسے پیدا ہو جائیں گے۔



اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک اللہ کی ذات نے ہی پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو وہ قادر ہے اس پر کہ وہ پیدا کر سکتا ہے

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

ان کی مثل۔ اور مقرر کی ان کی میعاد نہیں شک اس میں۔ پس نہیں مانتے ظالم بغیر ناشکری کے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

فرمادیں اگر تم مالک ہوتے خزانوں کے جو رحمت الٰہی کے ہیں۔ پھر تو تم روک رکھتے اس سے کہ خرچ نہ ہو جائے

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

انسان بڑا کنجوس۔ ہے

(آیت نمبر ۹۹) کیا انہوں نے دیکھا نہیں اور غور وفکر نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے زمین وآسمان کو بغیر کسی مادہ کے بنا دیا۔ جو کائنات میں سب سے بڑی مخلوق ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ان جیسے اور بھی زمین وآسمان بنا دے۔ یا یہ مراد ہے کہ جو بغیر مادہ اتنی بڑی مخلوق بنا سکتا ہے وہ ان جیسی اور مخلوق کو بھی بنا سکتا ہے اور ہر ایک چیز کیلئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے کہ جس میں کوئی شک شبہ نہیں۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فنا کرنے کا ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ یعنی ان کی موت یا قیامت کے دن اٹھنا مراد ہے۔

آگے فرمایا کہ ظالموں نے انکار کیا اور وہ حق کے سامنے نہ جھکے۔ یعنی ظالموں نے حق سے انکار کے سوا کچھ نہ کیا۔

(آیت نمبر ۱۰۰) اے میرے محبوب ان کافروں کو فرما دیں کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے۔ یعنی اس کے رزق کے وہ تمام خزانے جو اس نے تمام مخلوق کیلئے ہر وقت کھول رکھے ہیں اگر تم ان کے مالک ہوتے تو مخلوق کو دینے سے روک لیتے۔ اس میں بخل کرتے اس ڈر اور خطرے سے کہ کہیں ختم نہ ہو جائے اس لئے کہ انسان فطرتاً ہی بڑا تنگدل اور کنجوس ہے یعنی وہ فطرتی طور پر بڑا سخت بخیل مزاج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان

ہمہ وقت اپنی حاجات اور ضروریات میں ہی گھرا رہتا ہے اور ہر وقت اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی فکر لگی رہتی ہے۔اور جو کچھ خرچ کرتا ہے۔اس کا بھی جلد عوض لینے پر لگا رہتا ہے۔ **فائدہ** :بخل اور حرص انسانی بری صفات ہیں۔ اس پر لازم ہے کہ ان صفات سے کنارہ کش ہو کر سخاوت اور قناعت کو اختیار کرے۔تا کہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو۔

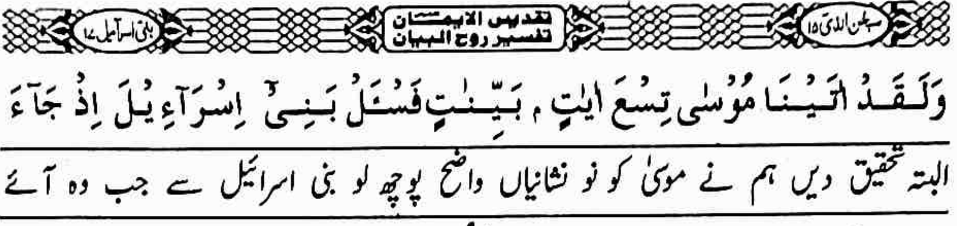
فائدہ :شیطان بخیل قسم کے لوگوں کا دوست ہے۔خواہ بخیل کتنا ہی پرہیز گار ہو اور سخی آدمی سے شیطان دور بھاگتا ہے خواہ وہ سخی گناہگار ہو۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔سخی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔خواہ گناہ گار ہو اور بخیل اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے خواہ پرہیز گار ہو۔(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ازالہ وہم:

ہر انسان اگر چہ مٹی سے بنا اور بخل کرنا اس کی فطرت ہے لیکن انبیاء و اولیاء کرام علیہم السلام نے اس بخل کو دل سے نکال دیا۔اس لئے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ انہوں نے صفات بہیمیہ سے اپنے آپ کو منزہ کر لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں۔

حکایت : امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر برا بھلا کہنا شروع کر دیا لوگوں نے پکڑ کر مارنا چاہا آپ نے منع فرما دیا بلکہ فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ بھائی تو نے میرے جتنے عیب بیان کئے ہیں۔اس کے علاوہ بھی ہیں جو پوشیدہ ہیں۔اس لئے میں تجھ پر ناراض نہیں۔اب بتا تیری کیا حاجت ہے کیا تیری خدمت کروں۔شرمساری سے اس کا سر جھک گیا پھر آپ نے ایک قیمتی کمبل اسے دیا اور ایک ہزار درہم بھی عنایت فرمائے تو وہ شخص یہ انعام لے کر کہنے لگا۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ اولاد رسول سے ہیں۔(ﷺ)

فائدہ اس سے یہ وہم بھی نہ ہو کہ اولاد نبی دنیا دار لوگ تھے بلکہ وہ تو مطلقاً ہی سخی تھے (گھر میں دنیا کا مال نہیں رہنے دیتے تھے)۔جو بھی آتا ہے اسے تقسیم فرما دیتے تھے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَ

البتہ تحقیق دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں واضح پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب وہ آئے

هُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

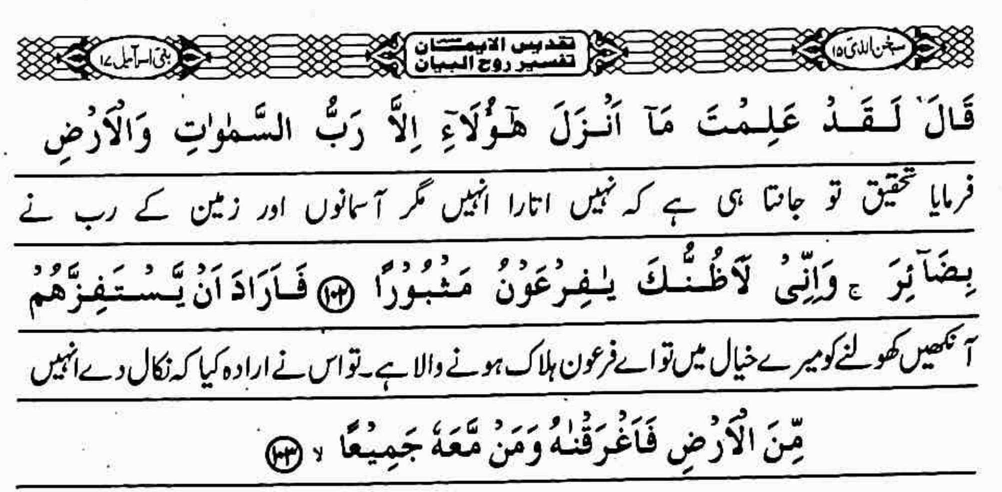
ان کے پاس تو کہا فرعون نے بے شک میرا خیال میں اے موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۱) اور البتہ تحقیق دیں ہم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں (معجزے) جو ان کی نبوت کیلئے واضح طور پر ثبوت اور دلیل تھے اور وہ احکام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے وہ بھی ان کیلئے روشن دلائل تھے۔

معجزات موسیٰ علیہ السلام: (۱) لاٹھی، (۲) ید بیضاء (ہاتھ کا روشن ہونا)، (۳) ٹڈیوں، (۴) جوؤں، (۵) مینڈکوں کا عذاب، (۶) ہر کھانے اور پینے کی اشیاء کا خون بن جانا، (۷) طوفان، (۸) قحط، (۹) اور پھلوں کا ضائع ہو جانا۔

آگے فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ ان بنی اسرائیل سے پوچھ لیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ جب تم فرعون کے پاس جاؤ تو اس کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دے۔

فائدہ: کاشفی مرحوم لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک علیہ السلام کو فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لیں کہ یہ مذکورہ معجزات موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے یا نہیں تا کہ وہ مشرک آپ کی نبوت کو تسلیم کریں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے سو فیصد ان کی تصدیق کی۔ آگے فرمایا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس تشریف لائے اور اسے پیغام الٰہی سنایا تو فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں تو یہ گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ یعنی تجھ پر کسی نے کوئی جادو کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے تیرے عقل میں بھی فرق آ گیا ہے یہ جو تم غیر معقول باتیں کر رہے ہو اس سے واضح ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اسی طرح کا ملتا جلتا طعنہ کفار مکہ نے حضور علیہ السلام کو دیا تھا۔ **فائدہ**: یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں مسحور بمعنی سحر ہو۔ یعنی جادوگر کہا ہو۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون چونکہ اہل یقین سے نہ تھا۔ وہ تو اہل گمان سے تھا اس لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اپنے گمان میں کہا اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھی اس نے اپنے گمان میں جادو ہی سمجھا۔ (اگر وہ اہل یقین سے ہوتا تو اسے ایمان بھی نصیب ہو جاتا لیکن بدنصیب بے مراد رہا)۔



قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فرمایا تحقیق تو جانتا ہی ہے کہ نہیں اتارا انہیں مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے

بَصَآئِرَ ج وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ

آنکھیں کھولنے کو میرے خیال میں تو اے فرعون ہلاک ہونے والا ہے۔تو اس نے ارادہ کیا کہ نکال دے انہیں

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾

زمین سے۔تو ہم نے اسے غرق کر دیا اور ان کو جو بھی اس کے ساتھ تھے سب کو

(آیت نمبر۱۰۲) فرعون کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔اے فرعون تجھے تو معلوم ہے یعنی جو بات میں نے کہی وہ تو سمجھ گیا (مگر سرداروں کے ڈر سے مانتا نہیں) بہرحال حالات سے تجھے معلوم ہو گیا کہ یہ معجزات میری طرف سے نہیں۔بلکہ یہ اس رب کریم کی طرف ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور یہ معجزات واضح اور روشن دلائل ہیں میری نبوت کی صداقت پر آنکھیں کھولنے کیلئے یہ کافی ہے لیکن تو تکبر کی وجہ سے ضد پر اڑا ہوا ہے۔

فائدہ :موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو نور بصیرت کے ساتھ دیکھنے کی دعوت دی۔شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں۔علم سعادت نہیں لاتا۔البتہ وہ جہالت کو دور کر دیتا ہے۔علم اور نیک عمل مل جائیں تو سعادت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔خالی علم حجاب لاتا ہے (اور علم کے بغیر عمل زندیق بھی بنا سکتا ہے)۔یہی وجہ ہے کہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اور یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم تھا لیکن ایمان کی توفیق سے محروم رہے۔ **فائدہ** :جس جوش سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مسحور کہا۔موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طمراق سے فرمایا۔اے فرعون مجھے یقین ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔ **فائدہ** فرعون کا گمان جھوٹا نکلا اور موسیٰ علیہ السلام خود سچے تھے۔ان کا گمان بھی سچا تھا اس لئے اس کا معنی یقین والا کیا۔

(آیت نمبر۱۰۳) فرعون نے اپنے زعم باطل میں ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نکال دے۔مصر کی زمین سے یا قتل کر کے زمین ان سے صاف کر دے۔تو ہم نے اسے بھی غرق کر دیا اور اس کے ساتھ آنے والے تمام قبطیوں کو بھی غرق کر دیا۔موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم کو ان کے سچے گمان کی وجہ سے فرعون سے نجات دی۔

فائدہ :الارشاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا۔وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی جڑ کاٹنا چاہتے تھے۔ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

اور کہا ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو رہو تم اس زمین میں۔ پھر جب آئیگا وعدہ

الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ؕ ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ

آخرت والاتو ہم لے آئیں گے تمہیں گھول میل کر۔ حق کے ساتھ ہم نے اس قرآن کو اتارا اور یہ حق کے ساتھ ہی اترا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۘ وقف لازم ﴿۱۰۵﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوش خبری اور ڈر سنانے کیلئے۔

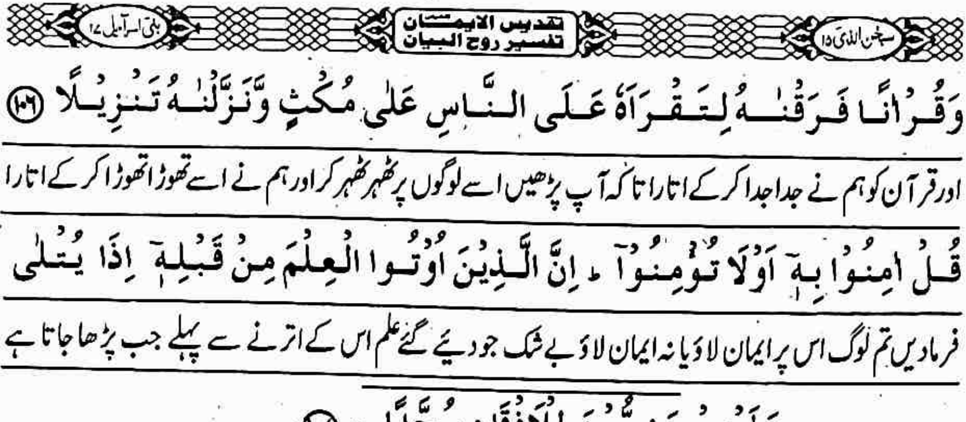
(آیت نمبر۱۰۴) فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کے بعد ہم نے کہا کہ اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) جس زمین سے فرعون نے تمہیں نکالنے کا منصوبہ بنایا تھا (وہ زمین مصر تھی یا کوئی اور) اب تم اسی زمین میں رہو۔ پھر جب آخرت کے وعدے کا وقت آ جائے گا۔ یعنی قیامت قائم ہوگی تو ہم تمہیں میل جول کر لے آئیں گے۔ پھر بعد میں نیک بخت اور بد بخت الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: بداعمال کو نسب کوئی فائدہ نہیں دیتا (مسلم شریف باب الذکر)۔ جیسے درخت پر خشک شاخ کاٹ کر جلا دی جاتی ہے۔ ایسے ہی شریف خاندان میں سے بداعمال کو الگ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا بدعملی کی وجہ سے نسب سے محروم کر دیا گیا۔ **سبق:** معلوم ہوا نسب کے بجائے تقویٰ فائدہ دے گا۔

فائدہ اور جس کے اعمال تو درکنار عقیدہ ہی درست نہ ہو۔ اس کا حضور ﷺ سے کیا تعلق ہے۔ اسی طرح خاندانی بدعمل پیر اور بدمذہب سیدوں کا سرکار دو عالم سے کوئی تعلق نہیں۔ خواہ وہ لاکھوں دلائل دیں۔

سبق :افسوس کہ کچھ (لوگ) ان بدعمل اور بدعقیدہ پیروں کی چاپلوسیاں کر کے اور ان کے خوشامدی بن کر دین کو ختم کرتے ہیں اور عوام کا اور اپنا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔

(آیت نمبر۱۰۵) ہم نے قرآن حق کے ساتھ نازل کیا اور حق کے ساتھ اترا۔ **فائدہ** :تبیان میں ہے کہ باء بمعنی علی ہے اور حق سے مراد محمد ﷺ ہے۔ **حکایت:** مدارک میں ہے۔ احمد بن ابی کجواری فرماتے ہیں کہ محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے تو آپ نے اپنا قارورہ ایک غیر مسلم طبیب کی طرف بھیجا۔ محمد بن ابی فرماتے ہیں کہ راستے میں ایک بہترین پوشاک والے بزرگ ملے۔



وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تا کہ آپ پڑھیں اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى

فرمادیں تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ ایمان لاؤ بے شک جو دیئے گئے علم اس کے اترنے سے پہلے جب پڑھا جاتا ہے

عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ ﴿۱۰۷﴾

ان پر تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدے میں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) جن سے خوشبو آرہی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک ولی اللہ دشمن خدا سے علاج کرائے تعجب ہے۔ واپس جاؤ اور ابن سماک سے کہو کہ درد والی جگہ پر انگلی رکھ کر ''بالحق انزلناہ وبالحق نزل'' پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو فوراً آرام آ گیا۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ دم بتانے والے حضر علیہ السلام تھے۔ آگے فرمایا کہ نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری اور ڈر سنانے والا بنا کر یعنی جو اطاعت گذار ہیں ان کو خوش خبری اور جو گناہ گار ہیں انہیں جہنم کا ڈر سنانے کیلئے۔

(آیت نمبر ۱۰۶) ہم نے قرآن پاک کو متفرق یعنی آیت آیت اور سورۃ سورۃ کر کے اتارا۔ تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اس طرح اسے یاد کرنا بھی آسان ہے اور سمجھنے میں بھی الجھن نہیں ہوتی اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سالوں میں نازل کیا۔ حکمت کے تقاضا کے مطابق جوں جوں حالات تقاضا کرتے گئے اور جیسے جیسے سوالات ہوتے گئے اس کے مطابق جوابات آتے آ گئے۔

(آیت نمبر ۱۰۷) اے محبوب کافروں کو بتادیں۔ اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ ایمان لاؤ۔ قرآن کی عزت وعظمت میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔ اس لئے کہ نہ تو تمہارے ایمان لانے سے اس کی شان بڑھے گی اور نہ تمہارے انکار سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔ بے شک اہل علم لوگ یعنی آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے والے اہل کتاب جو آسمانی کتابوں کے پڑھنے والے تھے اور حقیقت وحی کو جاننے والے اور علامات نبوت سے واقف تھے۔ جنہیں حق و باطل میں فرق معلوم تھا۔ حق اور باطل کو جانتے تھے۔ ان لوگوں کے سامنے جب تلاوت قرآن کی جاتی تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے یعنی حکم الٰہی کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں۔

وَّيَقُولُونَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَآ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوۡنَ

اور وہ کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بے شک ہے ہمارے رب کا وعدہ پورا کیا ہوا۔اور گرتے ہیں

لِلۡاَذۡقَانِ يَبۡكُوۡنَ وَيَزِيۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ۩ السجدۃ ﴿۱۰۹﴾

ٹھوڑی کے بل روتے ہوئے اور بڑھ جاتا ہے اان کے دل کاخشوع۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰۷) **فائدہ**: یہ ''اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡلَا تُؤۡمِنُوۡآ'' کی علت ہے۔جس سے تعظیم کا معنی نکلتا ہے یعنی اے یہودیو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔اس کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔اس لئے کہ اس کتاب کو اس ہستی نے مان لیا ہے۔جو کل کائنات اور مخلوق میں سب سے افضل ہے۔جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔

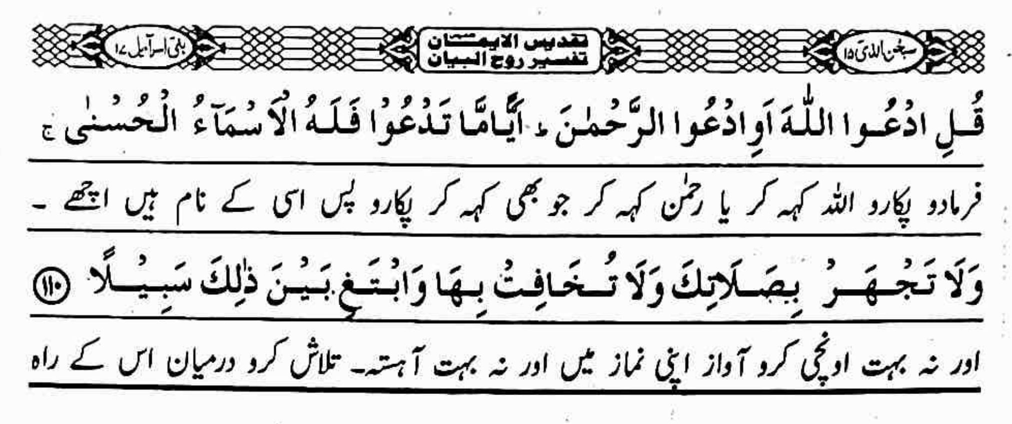
(آیت نمبر۱۰۸) ایمان والے اپنے سجدے میں یوں کہتے ہیں۔کہ ہمارا رب پاک ہے۔کافروں کو جھٹلانے یا ان کی وعدہ خلافی سے جو ان کی سابقہ کتابوں میں ان سے وعدہ لیا گیا تھا۔کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور قرآن کو بھیجے گا۔تو تم ان پر ایمان لانا۔اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو وعدہ خلافی محال ہے۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔کہ اس وعدے سے مراد آخرۃ کا وعدہ ہے۔جیسا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۹) اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر کر خوف الٰہی سے روتے ہیں۔

حدیث شریف: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔گریہ وزاری کرو اور گڑگڑاؤ۔اس لئے کہ آسمان زمین سورج چاند اور ستارے خوف الٰہی میں گریہ وزاری کرتے ہیں۔(کتاب الفردوس باب التاء)

آگے فرمایا کہ قرآن ان کے گریہ وزاری اور خشوع کو اور بڑھاتا ہے۔یعنی جیسے قرآن پاک سننے کے بعد ان کے علم ویقین میں اضافہ ہوتا ہے۔اسی طرح ان کے خشوع، عاجزی اور گریہ وزاری میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

سجود العلماء: کاشفی لکھتے ہیں کہ قرآنی سجدوں میں یہ چوتھا سجدہ ہے۔شیخ قدس سرہ نے اسے مسجود العلماء کا نام دیا ہے اور فرمایا خشوع میں اضافہ تجلی الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔لہٰذا سجدہ کرنے والا اس سجدہ کی برکت سے گویا تجلی الٰہی سے فیض یاب ہوا اور خضوع میں بھی اضافہ ہوا۔



قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ج

فرمادو پکارو اللہ کہہ کر یا رحمٰن کہہ کر جو بھی کہہ کر پکارو پس اسی کے نام ہیں اچھے ۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

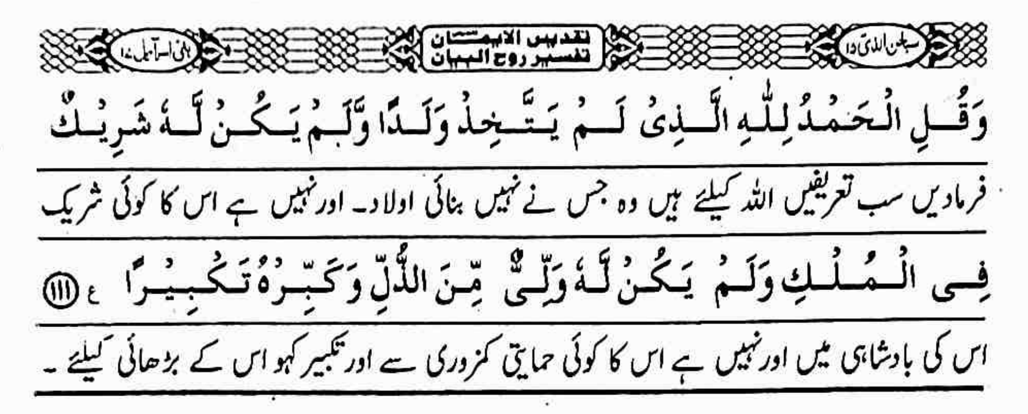
اور نہ بہت اونچی کرو آواز اپنی نماز میں اور نہ بہت آہستہ۔ تلاش کرو درمیان اس کے راہ

(آیت نمبر ۱۱۰) اے میرے محبوب (ﷺ) انہیں بتادیں کہ اللہ تعالیٰ کو پکارو یا رحمٰن کو۔

شان نزول نمبر(۱): یہودیوں نے حضور ﷺ سے کہا۔ آپ رحمٰن رحمٰن کہتے ہیں۔ حالانکہ تورات میں لفظ (اللہ) آیا ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نام سے بھی چاہو، پکارو، دونوں اسماء الٰہی ہیں۔ اس ذات کے اور بھی بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ سارے اسماء بہت اچھے اس لئے ہیں کہ ان اسماء مبارکہ میں تاثیرات جلالیہ اور جمالیہ ہیں۔ جو ان اسماء کا ورد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

شان نزول نمبر۲: مشرکین مکہ نے حضور ﷺ کو یا رحمٰن پکارتے ہوئے سنا تو کہنے لگے کہ تم بھی تو دو خداؤں کو مانتے ہو ایک اللہ اور دوسرا رحمٰن تو اس کے جواب میں بتایا گیا کہ وہ ذات اصل میں ایک ہی ہے۔ اس کے نام دو ہیں۔ آگے فرمایا کہ تم یہ نام پکارتے وقت آواز زیادہ بلند بھی نہ کریں کہ مشرکین سن کر بکواس کرتے ہیں اور نہ اتنی آہستہ آواز نکالیں کہ پیچھے کھڑے نمازی بھی آواز نہ سن سکیں۔ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ طلب کریں۔ ویسے بھی ہر کام میں میانہ روی اچھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت آہستہ تلاوت فرمارہے ہیں۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر عرض کی میں اپنے اللہ سے مناجات کررہا ہوں۔ پھر دیکھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ پورے زور سے تلاوت کررہے تھے۔ ان سے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں اونچی تلاوت کرکے سونے والوں کو جگا رہا ہوں اور شیطان کو بھگا رہا ہوں تو سرکار دو عالم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم آواز ذرا اونچی کرلو اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم ذرا آواز پست کرلو۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی نہ بہت زیادہ اونچے آواز سے ہو۔ نہ بہت پست آواز ہو۔ درمیانی آواز سے تلاوت بھی ہو اور ذکر الٰہی بھی ہو۔ البتہ تلبیہ بے شک پورے زور سے کہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "او اشد ذکرا"۔



وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ

فرمادیں سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں وہ جس نے نہیں بنائی اولاد۔ اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک

فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

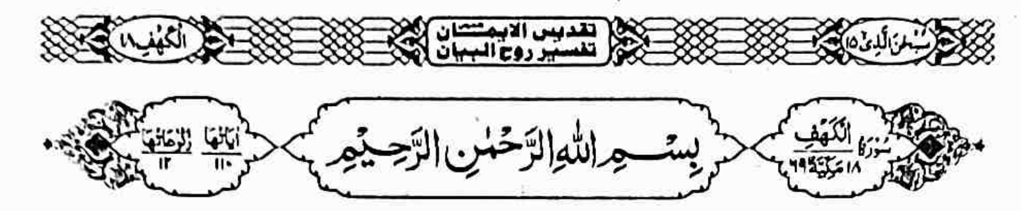
اس کی بادشاہی میں اور نہیں ہے اس کا کوئی حمایتی کمزوری سے اور تکبیر کہو اس کے بڑھائی کیلئے۔

(آیت نمبر۱۱۱) اے محبوب فرمادو۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ جس نے نہ اپنے لئے اولاد بنائی اور نہ اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک ہے۔ جیسے یہودی عزیر کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں یا مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ وہ ذات وحدہ لاشریک ہے۔

آگے فرمایا کہ نہیں ہے اس کا کوئی مددگار ذلت کی وجہ سے یعنی اس کا مددگار تب ہو جب کوئی اس سے بڑا ہو یا کم از کم اس کے برابر ہو۔ لیکن یہاں بڑا ہونا تو در کنار اس کے برابر کوئی بھی نہیں اس کے سامنے تو ہر ایک کمزور اور کمزور تر ہے۔ آگے فرمایا کہ اس کی عظمت اور بڑھائی کو خوب بیان کرو اور خوب چرچا کرو کہ نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے خوب اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ۔ اس کی پاکی، حمد اور تقدیس بیان کرو۔ اس کے برابر کوئی بھی نہیں۔ سب اس سے کم درجہ میں ہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ لہٰذا اسی کی بڑھائی بیان کرو اسی کی محبت کے ساتھ تعظیم کرو۔ تاکہ وہ تمہیں اپنا دوست بنالے۔ جسے وہ دوست بنالیتا ہے۔ اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جو اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ انہیں دنیا آخرت میں نہ ڈر ہے نہ غم ہوگا۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دلوں کو دیکھتا ہے۔ پھر انہیں اپنی معرفت عطا فرماتا ہے اور جو اس کے اہل نہ ہو انہیں اپنی عبادت میں لگا دیتا ہے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ خاندان میں کوئی بچہ بولنے لگتا تو آپ اسے اللہ کا لفظ سکھاتے پھر بڑا ہوتا تو یہ آیت پڑھاتے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اختتام: ۸ ربیع الثانی بمطابق ۱۸ جنوری ۲۰۱۶ء بروز سوموار دن ۱۲ بجے



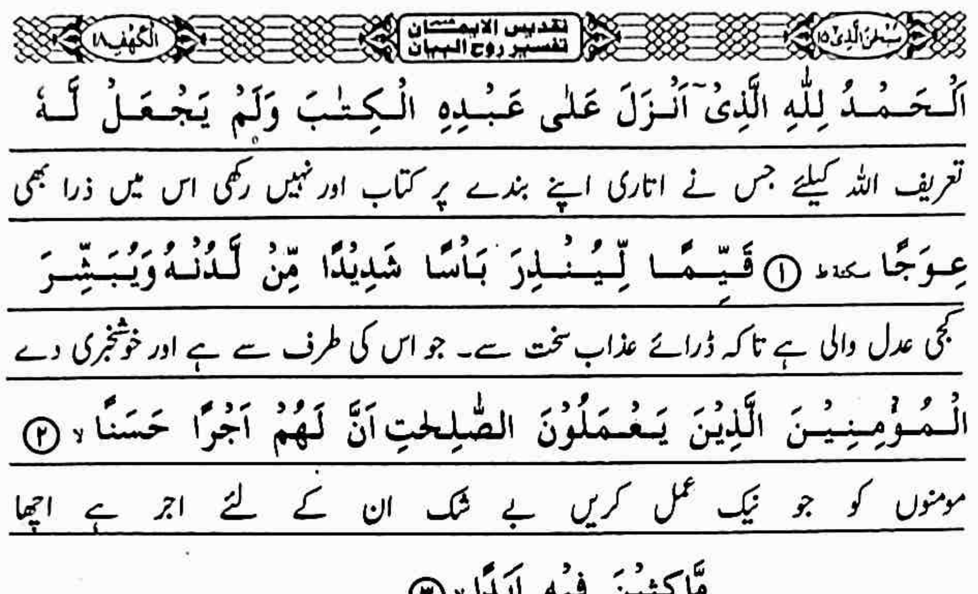
فضائل سورہ کہف: ابوالدرداء فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد کیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ مسلم)۔ دجال کا فتنہ ایک عظیم فتنہ ہوگا۔ جس فتنے میں تقریباً ہر نبی کریم نے اپنی امت کو خبردار کیا۔ قیامت کے قریب وہ فتنہ ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے فتنے سے بچائے۔

نکتہ: دجال کے فتنے سے بچنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں ان اولیاء کرام کا ذکر ہے جنہوں نے دقیانوس کے شر سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی تو انہیں اس کے شر سے حفاظت ملی۔۔ (۲) جس نے سورہ کہف کو ایسے پڑھا جیسے نازل ہوئی تو اس کی قبر سے مکہ تک نور ہی نور ہوگا۔ (۳) ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھی۔ قیامت کے دن اس کے قدم سے آسمان تک نور چمکے گا۔ دو جمعوں کے درمیان کے اس کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔

خواص سورۂ کہف: تفسیر حدادی میں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ کہف پڑھتا ہے وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہیگا۔

فائدہ: فتح القریب میں ہے جو شخص سوتے وقت یہ آیت "ان الذین وعملوا الصالحات ۔۔۔الخ" پڑھ کر یہ دعا مانگے (اے اللہ مجھے اپنے پسندیدہ وقت بیدار فرما اور اپنے پسندیدہ اعمال کی توفیق عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ اسے سحری کے وقت بیدار فرمائے گا اور اسے ہمیشہ رات کو عبادت کرنے والوں کی فہرست میں لکھے گا۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص کسی خاص وقت میں جاگنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ سوتے وقت یہ آیت "قل لو کان البحر مددا ۔۔۔الخ" پڑھ کر سوئے تو جس وقت وہ چاہتا ہے۔ اسی وقت وہ بیدار ہوگا۔

مسئلہ: بستر پر سوتے وقت آیات پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ منہ بستر سے باہر ہو۔ مسئلہ: ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں کہ بستر میں سوتے وقت قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں لیکن لحاف میں منہ بند کر کے قرآنی آیات پڑھنا مکروہ ہے۔ (قاضی خان) ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں خواب غفلت سے بیدار فرمائے۔ اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ

تعریف اللہ کیلئے جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہیں رکھی اس میں ذرا بھی

عِوَجًا ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ

کجی عدل والی ہے تاکہ ڈرائے عذاب سخت سے۔ جو اس کی طرف سے ہے اور خوشخبری دے

الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾

مومنوں کو جو نیک عمل کریں بے شک ان کے لئے اجر ہے اچھا

مّٰكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾

رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیشہ

(آیت نمبر۱) ہر مدح وثناء اور شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے چونکہ تمام نعمتوں کا حقیقی مالک وہی ہے۔ لہذا تعریف اور شکر کا مستحق بھی وہی ہے۔ **فائدہ**: قیصری فرماتے ہیں۔ حمد تین قسم ہے: قولی، فعلی، حالی۔ زبان سے حمد ہو تو قولی ہے۔ عبادات کی قسم سے ہو تو فعلی ہے اور دل وروح سے ذکر ہو تو حالی ہے۔ (یا بندے کا حال ہی بتا رہا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ فرماتے: "الحمد لله علی کل حال" یعنی ہر حال میں حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ہے (رواہ الطبرانی والبیہقی)۔ آگے فرمایا کہ سب تعریفوں کا مستحق وہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر کتاب نازل فرمائی یعنی قرآن حکیم اور عبد سے مراد بندۂ خاص ہے۔ **فائدہ**: اگرچہ ہر نبی بندہ ہے لیکن یہاں سے مراد بندۂ خاص حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس قرآن کے نظم وترتیب میں کوئی خلل یا کجی وغیرہ نہیں ہے۔ یعنی کوئی بھی اس میں افراط وتفریط نہیں ہے۔ یہ ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے کہ جس سے کامل طور پر راہنمائی لی جاسکتی ہے۔

(آیت نمبر۲) "قَیِّمًا" قائم کے مبالغے کا صیغہ یعنی بہت زیادہ سیدھا رہنے والا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس حضرت محمد ﷺ کو ایسا قائم رکھا کہ اپنے سوا کسی اور شیء کی طرف مائل نہیں ہونے دیا اور جمیع احوال میں انہیں صراط مستقیم پر قائم دائم رکھا تاکہ وہ کفار کو اس سخت ترین عذاب سے ڈرائے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوگا۔ اور خوش خبری سنائیں۔ ان ایمان والوں کو جو دل وجان سے اپنے نبی ﷺ پر ایمان لائے۔ اور نیک عمل کئے بے شک ان کیلئے بہت اچھا اجر ہے۔

(آیت نمبر۳) ایسے لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کیلئے بہت اچھا اجر جنت

وَّ يُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ ④ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ

اور ڈرائے ان کو جنہوں نے کہا بنائی اللہ نے اولاد نہیں انہیں اس کا کوئی علم اور نہ ان کے باپ دادا کو (تھا علم)

كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤

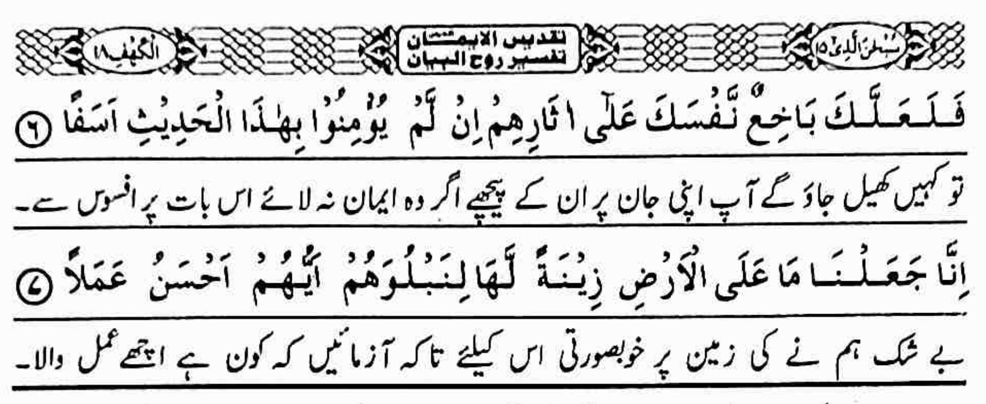
بہت بڑا بول ہے جو نکلتا ہے ان کے موہنوں سے نہیں بولتے مگر جھوٹ ہی

(بقیہ آیت نمبر۳) ایسے لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کیلئے بہت اچھا اجر جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔کبھی بھی انہیں اس جنت سے نکلنا نہیں ہوگا۔نہ وہاں لمبی عمر رہنے سے دل تنگ ہوں گے۔نہ وہ وہاں اکتائیں گے۔

(آیت نمبر۴) اور وہ ڈر سنائے ان کو جنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی۔جیسے یہود نے عزیر کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اور عرب کے کفار نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔اے محبوب انہیں ڈرائیں کہ تم اس غلط عقیدے کی بناء پر جہنم میں ہمیشہ کی سزا بھگتو گے۔

(آیت نمبر۵) جس کا انہیں کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا یا ان کے پیشواؤں کو معلوم تھا۔وہ اکثر جاہل تھے سنی سنائی پر ان بے وقوفوں نے محض جہالت بلکہ حماقت سے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے وہ فعل جائز سمجھا جو اس کیلئے بالکل منع ہے اور یہ ممتنع لذاتہ ہے۔آگے فرمایا کہ ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق اولاد کا جو بہتان عظیم تراشا ہے۔یہ انہوں نے اپنے موہنوں سے بہت بری بات کہی بلکہ بڑی جرأت کی ہے۔

فائدہ: ویسے تو کفار نے جو بھی کہا یا کیا وہ بہت برا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنا کہ اس کی اولاد ہے یہ ایک قباحت نہیں۔ بلکہ اس ایک قباحت میں کئی قباحتیں ہیں۔ مثلاً: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی تشبیہ۔ (۲) غیروں کو اس کا شریک بنانا۔ (۳) محتاجی کا وہم پیدا کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی حاجت ہے۔ (۴) پھر جانشین کون ہوگا۔ (۵) جھوٹا بہتان الگ ہے۔اس لئے اس کلمے کو بہت برا کہا گیا اور اس سے بڑا اور کون سا گناہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشا جائے اور اس کی طرف غلط نسبت کی جائے یہ تو صرف ان کے منہ کی بات ہے۔اس کی حقیقت کچھ نہیں۔آگے فرمایا کہ یہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کے متعلق بکواس کر رہے ہیں۔یہ سب جھوٹ ہے۔



فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿٦﴾

تو کہیں کھیل جاؤ گے آپ اپنی جان پر ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات پر افسوس سے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾

بے شک ہم نے کی زمین پر خوبصورتی اس کیلئے تاکہ آزمائیں کہ کون ہے اچھے عمل والا۔

(آیت نمبر ۶) شاید کہ آپ اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں یعنی اے محبوب آپ تو ان کفار کے ایمان لانے کی حرص میں اپنی جان تلف ہونے کی بھی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں۔

فائدہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے کہ آپ ان کفار کے برگشتہ ہونے یا آپ کا انکار کرنے پر اپنے آپ کو مشقت میں اور اپنے دل مبارک کو غم میں نہ ڈالیں اس افسوس سے کہ وہ قرآن کو کیوں نہیں مان رہے۔

فائدہ: جب غم واندوہ بڑھ جائے اور دل پر اثر کرے اسے اسف کہا جاتا ہے۔

شفیق نبی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے ازحد محبت رحمت اور شفقت ہے۔ اس میں آپ نے گھر کا سب مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں صرف کر دیا۔ اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔

حزن وملال: سے انبیاء واولیاء لذت پاتے ہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو اس کے دل کو حزن وملال سے پر کر دیتا ہے۔ **حکایت**: ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت میں عرصہ دراز تک رہا۔ میں نے ان کو طویل الحزن پایا اور وہ ہمیشہ متفکر رہتے تھے ہر وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے۔ ایسے معلوم ہوتا کہ آپ پر ہمہ وقت حزن وملال طاری ہے۔ **فائدہ**: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ دل کس عمل سے صاف ہوتا ہے تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ غم وحزن کی کثرت سے لیکن غم وحزن دنیا کا نہ ہو آخرت کی فکر دامن گیر ہو۔

(آیت نمبر ۷) بے شک ہم نے ہی اس زمین کو حیوانات، باغات اور معدنیات سے زینت بخشی اور خصوصا اس کے مکین انسانوں سے تاکہ ہم انہیں آزمائیں اور دیکھیں کہ کون ان میں سے اچھے عمل کر کے لاتا ہے۔ اچھے عمل سے مراد وہ عمل جو محض رضاء الٰہی کیلئے کئے گئے ہوں۔ اور اللہ رسول کے حکم کے مطابق کئے گئے ہوں۔

وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۸ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ

اور بے شک ہم کرنے والے ہیں جو بھی اس پر ہے اس چٹیل میدان۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بے شک

الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۹

غار والے اور جنگل کے کنارے والے تھے ہمارے نشانیوں میں عجیب۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) **شان اولیاء** : الارشاد میں ہے کہ اس آیت میں ما بمعنی من ہے۔ یعنی زمین کا حسن خوبصورتی اور سنگار انبیاء کرام، اولیاء کاملین یا حفاظ قرآن ہیں۔

فائدہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین کی زینت بھی اولیاء کرام سے اور دنیا کا قیام بھی ان اولیاء سے ہے۔ شعر کا ترجمہ: زمین اولیاء کرام سے اس طرح منور ہے۔ جیسے آسمان چاند سورج اور مشتری ستارے سے روشن ہے۔

(آیت نمبر ۸) اور بے شک ہم دنیا کا خاتمہ کرنے والے ہیں۔ اس وقت جو جو کچھ زمین پر ہے۔ سب چٹیل میدان کی طرح کر دیں گے۔ یعنی پہاڑ بھی ریزہ ریزہ کر کے زمین کی مٹی کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔

فائدہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بے آب و گیاہ خشک میدان کر دیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سب عمارتیں تباہ ہو جائیں گی۔ **نصیحت** : پھر ایسی دنیا پر دل لگانے کا کیا فائدہ جس کی زیب و زینت ہی ختم ہونے والی ہے۔ **فائدہ** : اللہ تعالیٰ کی محبت اور دنیا کی خواہشات اور زیب و زینت ایک دل میں اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

(آیت نمبر ۹) کیا تو نے گمان کر لیا ہے۔ اصحاب کہف اور رقیم کے بارے میں۔

شان نزول : یہود کے کہنے پر قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال کئے۔ جن میں سے ایک گذر گیا یعنی روح کے بارے میں اور ایک آگے آئیگا یعنی سکندر ذوالقرنین کے بارے میں اور تیسرا یہی سوال تھا۔ جس کا اب بیان شروع ہوا۔ اصحاب کہف سے مراد وہ مخلص مومن جو ایک غار میں چھپے تا کہ ان کا ایمان سلامت رہے اور رقیم اس کتے کو کہتے ہیں جو ان کے ساتھ تھا۔ رقیم کے اور بھی کئی مطالب ہیں۔ تو آگے فرمایا کہ اصحاب کہف اور ان کے کتے کا قصہ ہماری عجیب نشانیوں میں سے ہیں۔

واقعہ : یہ ہے کہ جب دقیانوس روم کے ممالک پر قابض ہوا تو اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اور اس کے بتوں کی پوجا کریں جو اس کے کہنے پر ان کی پرستش کرتا۔ وہ بچ جاتا اور جو نہ مانتا اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ

جب پناہ لی نوجوان نے غار میں تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب دے ہمیں اپنی طرف سے

رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ

رحمت اور تیار کر ہمارے لئے کام میں راہ یابی کا سامان۔ تو تھپکی دی ان کے کانوں پر

فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ⑪

غار میں کئی سال گنتی کے۔

(بقیہ آیت نمبر۹) چند نوجوان گھر میں چھپ کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس کے حکم سے انہیں گرفتار کیا گیا۔ وہ بادشاہ کے سامنے آ کر ڈٹ گئے اور غیر اللہ کی پوجا سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے انہیں تین دن تک مہلت دی کہ یا بتوں کی پرستش کرو تو دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ ورنہ مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور جنگل میں جا کر ایک غار میں چھپ رہے۔ راستے میں ایک چرواہا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہو گیا۔ اس چرواہے کا ایک کتا تھا۔ وہ بھی ان اللہ والوں کے ساتھ ہو گیا۔ جسے بھگانے کی بہت کوشش کی گئی۔ مگر اس نے ان کا دامن نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی دی تو اس نے فصیح زبان میں کہا مجھے تم سے پیار اور عقیدت ہو گئی۔ میں تمہاری نگرانی کروں گا۔ غار کے بارے میں چرواہے نے انہیں بتایا۔ جہاں جا کر آرام کرنا چاہتے تھے۔

(آیت نمبر۱۰) محبوب یاد کریں جب ان نیک بخت نوجوانوں نے جیروم نامی غار میں پناہ لی جو شرک سے انکار کر کے گھروں سے بھاگے تھے تو انہوں نے غار میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی رحمت سے نواز۔ وہ خاص رحمت و بخشش جس کی وجہ سے ہم دشمن سے محفوظ ہو جائیں اور ہمارے معاملے کو مکمل فرما۔ یعنی ہمیں اس اطاعت پر قوت عطا فرما اور صراط مستقیم پر قائم فرما تا کہ ہم مطلوب تک پہنچ سکیں۔

(آیت نمبر۱۱) پھر ہم نے ان کے کانوں پر ایسی چیز رکھ دی کہ باہر سے آنے والی کوئی آواز ان کے کانوں میں نہ جاتی تھی۔ یعنی انہیں گہری نیند سلا دیا۔ گویا نیند ان کے کانوں پر مانند حجاب تھی کہ باہر کی آوازیں کانوں تک نہیں جاتی تھیں۔

فائدہ: ویسے تو سوتے وقت سارا بدن آرام میں ہوتا ہے لیکن کانوں میں پڑنے والی آواز بندے کو جلد بیدار کر دیتی ہے۔ اس لئے صرف کانوں کا ذکر کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ان پر اور بھی خصوصی انعامات تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ع ﴿۱۲﴾

پھر ہم نے انہیں اٹھایا کہ دیکھیں کون دوگروہوں میں زیادہ ٹھیک ہے۔ ان کے ٹھہرنے کی مدت بتانے میں

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

ہم بتاتے ہیں آپ کو ان کا حال ٹھیک ٹھیک۔ بے شک وہ نوجوان ایمان لائے اپنے رب پر

وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿ۖ ۱۳﴾

اور ہم نے بڑھادی ان کی ہدایت

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) جیسے دائیں بائیں کروٹوں کا بدلنا۔ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہنا۔ زمینی کیڑوں مکوڑوں سے سلامت رہنا وغیرہ یہ علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور وہ اس غار میں تین سونو سال رہے اور بدن صحیح سلامت رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بہت بڑا کرشمہ ہے۔ اسی لئے اس واقعہ کو عجیب قصہ کہا گیا ہے۔

(آیت نمبر ۱۲) پھر ہم نے انہیں گہری نیند سے اٹھایا تاکہ ہم آزمائش کریں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ زیادہ بہتر مدت بتا سکتا ہے کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے۔ **فائدہ**: دوگروہوں سے مراد یا تو وہ ہیں جنہوں نے غار میں رہنے کی مدت میں اختلاف کیا اور یا مراد بادشاہ اور رعایا ہیں جو بعد میں آئے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن ان کے ٹھہرنے کی صحیح مدت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کے بدنوں کو کئی صدیوں تک سلامت رکھ سکتا ہے اور دوسرا یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں پر خصوصی لطف وکرم فرماتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس عظیم واقعہ سے قیامت کو اٹھنے پر یہ حجت قائم ہوجائیگی۔ کہ جو رب تین سو سال کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔ وہ قیامت کے دن بھی زندہ کرسکتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳) اے محبوب ہم آپ کو یہ واقعہ صحیح صحیح بتارہے ہیں۔ یعنی اصحاب کہف کا قصہ۔ یہ عام قصوں کی طرح نہیں ہے۔ یہ قصہ سراسر حق اور مبنی برصدق ہے کہ بے شک وہ نوجوان اپنے رب کریم پر ایمان لائے تھے۔ ان کے ایمان لانے کا سبب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری نے تشریف لاکر ان کو ایمان اور اسلام سے آگاہ کیا تھا تو وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ پھر جب دقیانوس بادشاہ ان پر مسلط ہوا اور اس نے شرک کرانا چاہا تو تمام لوگ اس سے ڈر کر مشرک ہوگئے۔ لیکن وہ حق پر ڈٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تقلیدی ایمان کے بعد تحقیقی ایمان کی دولت عطا کردی۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ڈھارس بندھائی ان کے دلوں پر جب کھڑے ہو کر کہا ہمارا رب آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾

اور زمین کا ہے۔ ہم ہرگز نہیں پوجیں گے اس کے سوا کسی خدا کو پھر تو ہم نے ضرور کہی حد سے گزری ہوئی بات

(بقیہ آیت نمبر ١٣) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آگے ہو جاتا ہوں۔ لہذا ان کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ نے اضافہ فرمادیا۔ جیسے کہ ان کی تمنا تھی یہ تمنا ایمان بالغیب کے قبیل سے تھی۔

(آیت نمبر ١٤) اور ان کے دلوں کو ہم نے مضبوط کیا کہ انہوں نے اہل وعیال کی جدائی برداشت کی اور بلاخوف وخطر حق کا اظہار کیا کہ دقیانوس جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کے سامنے بھی حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کیا۔

حدیث شریف : میں ہے کہ سب سے اعلیٰ جہاد ظالم اور جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (مستدرک حاکم، احیاء العلوم)۔ اس لئے کہ ظالم اور جابر کے سامنے حق بات کہنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اور یہ کام ہر ایک نہیں کرسکتا۔ آگے فرمایا کہ جب وہ نوجوان دقیانوس جیسے ظالم و جابر کے سامنے آئے تو اس نے بت پرستی پر مجبور کیا اور دھمکیاں بھی دیں کہ قتل کئے جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی تو اس کے متعلق فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا تا کہ نہ کسی ظالم سے ڈریں اور نہ وہ دنیا کی رنگینیوں کی طرف دیکھیں بلکہ پورے طور پر ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ یہ بت ہمارے خدا نہیں۔ بلکہ ہمارا رب ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اے بادشاہ یہ بات یاد رکھ ہم اللہ کے سوا کسی کی بھی پرستش نہیں کرتے۔ اللہ کے سوا نہ کسی کو مستقل خدا مانتے ہیں نہ عارضی۔ ہمارا خدا ایک ہی ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ چونکہ وہ بڑے لوگوں کی اولاد تھے۔ اس لئے فوری ان کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ان کو مہلت دی تا کہ وہ سوچ لیں۔ **فائدہ :** انہوں نے اس کی تصریح اس لئے بھی کی تا کہ منکرین کا پورے طور پر رد ہو جائے۔

آگے کہا کہ اگر بہ فرض محال ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش شروع کردیں پھر تو ہم حد سے بہت متجاوز ہو گئے اور ہم نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ جو ہمارے لائق نہیں تھی۔

هٰٓؤُلَاۤءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ

اس ہماری قوم نے بنائے اللہ کے سوا کئی خدا۔ کیوں نہیں لاتے ان پر

بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ﴿۱۵﴾

کوئی دلیل روشن۔ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ

اور جب تم ہوئے ان سے جدا اور جس کو وہ پوجتے ہیں سوائے اللہ کے۔ تو جاؤ طرف غار کے

یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

پھیلائے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت۔ اور بنادے گا تمہاری کام میں آسانی کا سامان۔

(آیت نمبر۱۵) یہی ہماری قوم کے لوگ ہیں (اس اشارے سے قوم کی تحقیر مراد ہے) یعنی یہ افسوس کے رہنے والے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی خدا بنا رکھے ہیں۔ یہ ہماری بے وقوف قوم ہے جو جاہل بھی ہیں اور اتنے نا سمجھ ہیں کہ اصلی خدا کو چھوڑ کر خود ساختہ پتھروں کے بنائے ہوئے خداؤں کو پوج رہے ہیں۔

آگے کہا کہ ان کے خدا ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے جو ان کے دعوے پر دلالت کرے ایسی دلیل جو آسمان سے آئی ہو یعنی وحی کے ذریعے آئی ہو۔ یا کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو جو ماننے کے لائق ہو۔

فائدہ: معلوم ہوا جو مسئلہ بغیر دلیل ہو وہ نامقبول ہوتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے سے بھی باز نہیں آتا۔ یعنی شرک کر کے کہتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک سے پاک ہے۔ بلکہ وہ تو شرک کے سخت خلاف ہے۔ مشرک کو بڑا ظالم اس لئے کہا ان کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(آیت نمبر۱۶) اور جب ان سے تم الگ ہوئے۔ یہ گفتگو اصحاب کہف کی ہے۔ جب وہ شہر سے نکلے تو یہ گفتگو کر رہے تھے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف اپنی مہلت کو غنیمت جان کر جب شہر سے باہر نکل گئے تو یملیخا نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اب تم مشرکوں سے بچ گئے ہو۔ جو اللہ کے سوا کی پوجا کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے غار میں پناہ لی۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ عقیدے کا اختلاف جسمانی جدائی پر مجبور کرتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ

اور تو دیکھے گا سورج کو جب طلوع ہو تو بچ جاتا ہے غار کی دائیں جانب سے اور جب غروب ہونے لگے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ

تو کترا کر بائیں جانب ہو جاتا ہے اور حالانکہ وہ کھلی جگہ پڑے ہیں۔ اور یہ نشانیاں ہیں اللہ کی جسے

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے تو ہر گز نہیں پائے گا اس کا حمایتی راہ دکھانے والا

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) **مسئلہ**: اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ شادیاں کرنا سخت منع ہے۔ آگے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا رب تم پر اپنی رحمت اور اپنا فضل کرے گا۔ جب تم اس کے بھروسے پر گھربار چھوڑ کر جا رہے ہو تو وہ تمہارے معاملے میں آسانی کے اسباب پیدا فرمائے گا۔

فائدہ: اگرچہ وہ پہلے بھی ایمان ویقین اور خلوص سے مالا مال تھے۔ لیکن مزید بھی یملیخا نے انہیں اس پر ابھارا تا کہ ان کی قوت ایمانی اور مزید مضبوط ہو۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت پر وثوق ہونا چاہئے کہ وہ ضرور دعا قبول فرمائے گا۔

طالب صادق: وہ ہوتا ہے جو بروں اور برائیوں سے دور ہو اور نیک لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑے۔ اپنے اندر پختہ اعتقاد پیدا کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف اللہ کو اپنا حقیقی معین و مددگار سمجھے اور اسی پر بھروسہ کرے لیکن اس میں اہم چیز یہ ہے کہ کسی شیخ کامل بلکہ اکمل کا دامن تھامے (لیکن وہ رسمی پیر نہ ہو) بلکہ وہ خود واصل اور دوسروں کو حق تک پہنچانے والا ہو۔

(آیت نمبر ۱۷) اور اگر تو دیکھے یعنی اگر تجھے کبھی دیکھنے کا موقع ملے تو دیکھو گے کہ جب سورج طلوع کرتا ہے۔

واقعہ: اصحاب کہف غار میں تھکاوٹ دور کرنے کیلئے لیٹے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لمبی نیند طاری فرمادی۔ تو ان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی یہ ہوئی کہ سورج بھی ان کا احترام کرتا تھا۔

ان کو دقیانوس نے جو مہلت کا ٹائم دیا تھا وہ گذر گیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بھاگ گئے ہیں تو بادشاہ نے سپاہیوں کو تلاش میں بھیجا انہوں نے دیکھا کہ وہ غار میں گہری نیند سو رہے ہیں لیکن آنکھیں ان کی کھلی ہوئی تھیں جیسے کوئی جاگ رہا ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان پر غار کا منہ پتھروں سے بند کر دیا جائے ان کی یہی سزا ہے چنانچہ غار کا منہ پتھروں سے بند کر دیا گیا۔ اس غار کا منہ بند کرنے والوں میں دو نیک آدمی تھے۔ انہوں نے تختی پر اصحاب کہف کے اسماء مبارکہ بھی لکھ کر تختی اندر لٹکا دی اور اس پر ان کا مختصر تعارف بھی لکھ دیا کہ یہ کون ہیں یہاں کیسے آئے وغیرہ۔

فائدہ: آگے سورج کے طلوع وغروب کی کیفیت بیان کی گئی۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہ کیفیت دیوار کھڑی کرنے سے پہلے ہو کیونکہ بعد میں تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی تو فرمایا کہ جب سورج طلوع ہوتا تو غار سے ایک طرف ہٹ جاتا تھا یعنی مغرب کی طرف دائیں جانب میں تاکہ سورج کی شعائیں ان پر پڑ کر ان کو بے آرام نہ کریں۔ غالباً اس غار کا منہ جنوبی جانب میں تھا۔ یا خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو دوسری طرف کر دیا تاکہ اصحاب کہف کی کرامت ظاہر ہو۔

آگے فرمایا کہ سورج غروب کے وقت کترا کر گزرتا اور ان کے قریب سے گذرتا۔ غار کی بائیں جانب سے یعنی شمال کی طرف سے حالانکہ وہ کھلی جگہ میں پڑے تھے۔ لیکن سورج کی ایک کرن بھی ان پر نہ پڑتی تھی۔ اہل اسلام کے نزدیک اسی کا نام کرامت ہے۔ یہ سب کچھ یعنی سورج کا سائیڈ سے گذرنا وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نشانیوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیاء اللہ کا کتنا بڑا مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ حق کی طرف راہنمائی فرمائے اور ہدایت کی توفیق دے۔ ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔ اصل میں ہدایت یافتہ وہی ہوتا ہے جو جملہ سعادتیں حاصل کر کے کامیاب ہوتا ہے پھر اسے کوئی بھی راہ سے بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ یعنی جس کا اپنا میلان ہی گمراہی کی طرف ہو تو پھر اس کیلئے تلاش کے باوجود کوئی نہ پاؤ گے اس کا ولی اور راہبر جو اسے کامیابی کی راہ دکھائے۔ گویا سرے سے ہی اس بد بخت کیلئے راہبر ہے ہی نہیں۔ گویا اصحاب کہف میں بے شمار نشانیاں اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

تم سمجھو گے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ سو رہے ہیں۔ اور ہم بدلتے ہیں انہیں دائیں

وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ

اور بائیں کروٹ۔ اور کتا ان کا پھیلائے ہوئے ہے کلائیاں چوکھٹ پر۔ اگر تو جھانکے

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

ان پر مڑ جائے ان سے بھاگ کر اور بھر جائے دل میں تیرے ہیبت

(آیت نمبر ۱۸) تم دیکھ کر یوں سمجھو گے کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ **فائدہ**: یہی حال اہل طریقت کا ہے کہ ظاہراً وہ کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور باطن میں وہ رب تعالیٰ سے لو لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہم ان کی نیند کے دوران بھی فرشتوں کے ذریعے کروٹیں بدلتے ہیں۔ کبھی دائیں جانب سے بائیں جانب اور کبھی بائیں سے دائیں جانب۔

فائدہ: کروٹ کا بدلنا اس لئے ہے تا کہ ان کے جسموں کو مٹی نقصان نہ دے چونکہ ایک عرصہ دراز تک وہاں رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ ہر ایک کی سال میں دو دفعہ کروٹ بدلی جاتی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ سال میں ایک دفعہ کروٹ بدل دی جاتی تھی اور یہ عمل دسویں محرم کو ہوتا تھا۔ **فائدہ**: اگرچہ اللہ تعالیٰ کروٹیں بدلے بغیر بھی جسموں کو سلامت رکھ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو سبب کے ساتھ معلق فرما دیا ہے (سعدی مفتی) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اکثر امور اسباب کے تحت کر دیئے۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء بھی بندوں اور رب کے درمیان سبب ہیں۔ آگے فرمایا کہ ان کا کتا بازو پھیلائے غار کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔ **فائدہ**: سعدی مفتی فرماتے ہیں اس غار کا نہ تو دروازہ تھا نہ چوکھٹ۔ یعنی کتا اس جگہ بیٹھا ہے جہاں چوکھٹ ہوتی ہے۔

جنت میں جانور: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ دس جانور جن کی نسبت انبیاء و اولیاء سے ہے وہ جنت میں جائیں گے ان میں اصحاب کہف کا کتا بھی ہے۔ (تفصیل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں) آگے فرمایا اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو تم پر ایسا رعب چھا جائے کہ تم ان سے بھاگ کر واپس مڑ آؤ۔ یعنی وہاں تم ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکو۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ

اور اسی طرح ہم نے اٹھایا ان کو تا کہ پوچھیں ایک دوسرے کا حال کہا ایک کہنے والے نے ان سے کہ کتنا وقت رہے تم

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ

کچھ نے کہا ہم رہے دن یا دن سے کم۔ دوسروں نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کتنا وقت رہے تم

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

پس بھیجو اپنے میں سے ایک اپنا سکہ دیکر شہر کی طرف تو وہ غور کرے کہ کس کا زیادہ پاکیزہ ہے

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

کھانا۔ تو وہ لے آئے تمہارے لئے کھانا اس سے اور چاہیئے کہ نرمی کرے اور نہ پتہ چلائے تمہارا کسی کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) اور تم رعب سے یعنی تم پر ایسا رعب طاری ہو جائے کہ جو تمہارے سینے کو خوف سے بھر دے اس لئے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ بات کرنے لگے ہیں۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی انسان کو انہیں دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اور غار میں بھی سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ **فائدہ** : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس غار کے پاس سے گذرتے ہوئے چند سپاہیوں کو زبردستی اندر بھیجا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے روکنے کے باوجود انہیں اندر بھیجا گیا وہ وہیں مر گئے تھے۔

(آیت نمبر ۱۹) اور اسی طرح ایک زمانہ تک اصحاب کہف صحیح سلامت غار میں پڑے رہے۔ بدن تو بدن ان کے کپڑے بھی نہ پھٹے نہ پرانے ہوئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بڑی دلیل ہے آگے فرمایا پھر ہم نے انہیں ایک دن اٹھایا تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت مزید واضح ہو۔ بحر العلوم میں اس پوچھنے والے کا نام مکسلمینا تھا تو اس نے کہا کہ ہم دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ چونکہ جب سوئے تو صبح صادق کا وقت تھا اور جب آنکھ کھلی تو شام کے قریب کا وقت نظر آیا یعنی دن کا ذکر اپنے گمان سے کیا لیکن جب سورج دیکھا تو کہا کہ ہم دن سے بھی کم ٹھہرے۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو کہنے لگے تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تم کتنا ٹھہرے۔ یعنی وہ صحیح ٹھہرنے کی مدت نہ جان سکے بھوک محسوس ہونے پر کہا کہ ایک آدمی کو بھیجو یہ چاندی کا سکہ لے جائے اور شہر سے کھانا لے آئے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ

بے شک وہ اگر غالب آگئے تم پر تو سنگ سار کریں گے تمہیں۔ یا پھرالیں گے تمہیں

فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

اپنے دین میں اور ہرگز کامیاب نہ ہوں گے پھر کبھی بھی

(بقیہ آیت نمبر۱۹) غالباً جسے بھیجا گیا اس کا نام یملیخا تھا۔ **فائدہ** :چونکہ جب وہ گھر سے نکلے تو زادراہ کچھ رقم لے کر نکلے تھے اور زادراہ لیکر نکلنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔

آگے فرمایا کہ جو کھانا لینے جائے وہ اچھی طرح چھان بین کر کے دیکھے کہ شہر میں کس کا کھانا حلال طیب زیادہ ستھرا اور سستا ہے جس کا کھانا زیادہ پاکیزہ ہو اس سے کھانا لے آئے۔

کاشفی فرماتے ہیں کہ انہیں معلوم تھا کہ اس شہر طرطوس میں کچھ اندرون خانہ مومن تھے جن کا کھانا حلال تھا۔ دقیانوس کے ڈر سے انہوں نے ایمان ظاہر نہیں کیا تھا۔ ان کو معلوم ہوگا کہ کہاں سے حلال اور پاک کھانا مل جائے گا۔

آگے فرمایا کہ کھانا لانے والا نرم گفتگو کرے اور ایسا کام نہ کرے کہ ہم پکڑے جائیں۔ (یہ کلمہ قرآن کا نصف ہے) آگے فرمایا کہ تمہارے بارے میں کسی کو علم نہ ہو۔

(آیت نمبر۲۰) اس لئے کہ بادشاہ یا اس کے حواریوں کو معلوم ہو گیا تو وہ آ کر تم پر قابو پائیں گے اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ یا تمہیں اپنے کفریہ دین کی طرف لوٹ جانے پر مجبور کریں گے تو پھر اگر تم ان کے دین کی طرف لوٹ کر گئے خود بخود یا جبر سے تو پھر یقین کر لو کہ تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

بقیہ واقعہ: یملیخا چونکہ سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے باقیوں سے کہا۔ فکر نہ کرو۔ میں ان شاءاللہ تمہاری وصیت کے مطابق ہی کرونگا۔ یملیخا جب شہر میں پہنچا۔ دیکھا کہ شہر کا تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔ نہ شہر پہلے کی طرح لگ رہا تھا نہ مکانات اس طرح تھے۔ حیرانی میں ڈوبا ہوا ایک نان بائی کی دکان پر پہنچا۔ روٹی سالن لیکر اسے پیسے دیئے چونکہ اس کے سکے پر دقیانوس کی مہر تھی۔ اس نے کہا یہ سکہ تو پرانے زمانے کا ہے تیرے ہاتھ کوئی شاہی خزانہ لگا ہے۔ اس کے

شور سے لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا۔اسے پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔کوتوال نے سختی سے کہا کہ شاہی خزانہ تمہیں کہاں سے ملا جلد بتاؤ ورنہ سزا ملے گی۔یملیخا نے کہا کہ نہ میرے پاس شاہی خزانہ ہے نہ میں چور ہوں۔اصل قصہ یہ ہے کہ مجھے یہ بتاؤ۔دقیانوس کس حال میں ہے۔انہوں نے کہا اسے تو مرے ہوئے بھی تین سو سال ہو گئے تو اس نے پوری حقیقت ان کو بتادی کہ ہم اسی شہر کے باشندے ہین۔دقیانوس ہم پر ظلم کرنا چاہتا تھا ہم اس کے ظلم سے بھاگ کر قریب ایک غار میں چھپے رات وہاں گذاری آج میں تمہارے پاس کھانا لینے آ گیا وہ اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔

بادشاہ نے اس کی پوری بات سنی تو وہ اپنے وزراء کے ساتھ غار پر پہنچے۔یملیخا نے پہلے جا کر ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔بعد میں بادشاہ بھی پہنچ گیا۔غار میں ایک طرف تختی لٹکی ہوئی۔جس پر ان کا پورا حال لکھا ہوا تھا۔بادشاہ نے آتے ہیں ان کو سلام کہا اور ان سے ساری گفتگو سنی اور حیران ہوا کہ اتنے زمانہ میں ان بدنوں اور ان کے چہروں کی رونق اسی طرح تھی۔کپڑوں کی چمک دمک اسی طرح تھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں ایک عرصہ دراز کے بعد بیدار کیا اور تمہیں ان کے حالات سے آگاہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر فرمایا۔

انہیں زندہ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت کا بادشاہ بیدروس نیک دل انسان تھا اور قیامت پر اسے یقین تھا لیکن اس کی قوم کے لوگوں کی اکثریت حشر ونشر اور قیامت کو اٹھنے کے منکر تھے۔اس وجہ سے بادشاہ سخت پریشان تھا۔اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ ایسا کوئی نشان ظاہر فرما کہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو زندہ فرمادیا۔تاکہ لوگ قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کو مان جائیں۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ

اس طرح ہم نے مطلع کیا ان کو تا کہ وہ جان لیں کہ بے شک وعدہ اللہ کا برحق ہے۔ اور بے شک

السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا

قیامت وہ ہے کہ نہیں شک اس میں۔ جب وہ جھگڑے آپس میں ان کے معاملے میں تو کہنے لگے

ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا

بناؤ ان کی غار پر عمارت۔ ان کا رب خوب جانتا ہے انہیں۔ کہا انہوں نے جو غالب رہے

عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

ان کے کام پر کہ ہم ضرور بنائیں گے غار پر مسجد۔

(آیت نمبر ۲۱) تو فرمایا کہ ہم نے انہیں اس لئے تین سو سال کے بعد اٹھایا کہ اس شہر کے لوگ اچھی طرح جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو قیامت کو اٹھنے اور زندہ ہونے کا وعدہ فرمایا ہے وہ برحق ہے اور انہیں یقین ہو جائے کہ قیامت کے قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے جو رب تعالیٰ اصحاب کہف کو تین سو سال تک صحیح سلامت رکھ سکتا ہے بلکہ ان جسموں پر جو کپڑے تھے انہیں بھی ایسے سلامت رکھا۔ جیسے آج ہی پہنے ہیں وہ خالق کائنات مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ صحیح سلامت اٹھا سکتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ادھر جب وہ قوم آپس میں قیامت کے برحق ہونے کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جھگڑا ختم کرنے کیلئے اور قیامت کا یقین پیدا کرنے کیلئے انہیں زندہ فرمایا تا کہ اصحاب کہف کو دیکھ کر اور ان کے حالات جان کر قیامت کے بارے میں کامل یقین ہو جائے۔ جب شہر کے لوگوں نے اصحاب کہف کو دیکھا تو دل میں ان سے محبت پیدا ہو گئی تو کہنے لگے کہ غار کے باہر دروازے پر عمارت تیار کی جائے اور ارد گرد ایسی دیوار کھڑی کی جائے تا کہ اندر کوئی نہ آ سکے۔ **فائدہ** :معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے مزارات کا تحفظ اور ان کے تقدس کا ہر زمانے میں مسلمانوں نے خیال رکھا۔ اگر یہ چیز منع ہوتی تو قرآن پاک میں اس کی تردید آ جاتی۔ کہ وہاں مسجد وغیرہ نہ بناؤ۔

مزارات اولیاء کے گرد چار دیواری:

مزارات اولیاء کے گرد چار دیواری بنانے کا یہ ثبوت ہے تاکہ ان کی قبروں کا بھی احترام ہو۔ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے اردگرد چار دیواری اسی لئے بنائی گئی (اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ اگر مزارات کے گرد کوئی تعمیر یا مسجد بنانا منع ہوتا تو یہاں ضرور واضح کر دیا گیا ہوتا)۔ (اور جو لوگ کہتے ہیں کہ جہاں مزارات ہوں وہاں نماز نہیں ہوتی۔ اس آیت میں ان کے قول کی بھی تردید ہو گئی)۔

آگے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یعنی اصحاب کہف کے تمام حالات کو وہ خوب جانتا ہے جن کو اور کوئی نہیں جانتا کہ ان لوگوں کی کل تعداد کتنی تھی۔ اور اس وقت کے بادشاہ اور دیگر مسلمانوں نے کہا کہ ہم ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے تاکہ آنے والے یہاں نماز ادا کیا کریں۔

فائدہ : مروی ہے کہ جب بیدروس کی قوم میں قیامت کے دن اٹھنے کے بارے میں اختلاف حد سے بڑھ گیا تو بادشاہ نے ٹاٹ کا لباس پہن لیا اور گوشہ نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کرنے لگا کہ یا اللہ یہ لوگ قیامت کو نہیں مان رہے تو ان کیلئے نشانی ظاہر فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سن لی۔ ادھر غار کا منہ بند تھا۔ ایک چرواہے نے سوچا کہ اگر اس غار کا منہ کھول دیا جائے تو بارش یا آندھی میں یہاں آ کر پناہ لی جائے تو جوں ہی پتھر اس نے ہٹائے اور غار کا پورا منہ کھولا تو اندر سے اصحاب کہف اٹھ بیٹھے۔ پھر جو کچھ ہوا وہ مذکور ہو چکا ہے۔ اس پورے واقعہ سے اس وقت کے تمام مسلم اور غیر مسلموں سب کو قیامت کے بارے یقین ہو گیا کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا برحق ہے۔ پھر اصحاب کہفؓ نے بادشاہ کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے پھر وہ بدستور سابق نیند میں چلے گئے۔ پھر بادشاہ نے ان پر پردہ ڈال دیا اور غار کے دروازے پر مسجد بھی بنوائی۔ (معلوم ہوا مقدس لوگوں کے مقامات کو متبرک سمجھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مسلمانوں کا قدیمی شیوہ ہے)۔ اور علماء کرام فرماتے ہیں۔ کہ جن مزارات کے قریب مساجد ہوں۔ ان مساجد میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے۔

فائدہ : اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ قبر کے سامنے نماز نہ پڑھی جائے۔ اس صورت میں نماز مکروہ ہوتی۔

سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

اب کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان میں کتا ہے۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ پانچ ہیں چھٹا ان میں

كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ

کتا ہے تیر تکے ہیں بن دیکھے۔ کچھ کہتے ہیں وہ سات ہیں اور آٹھوا ان میں کتا ہے ۔

قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ

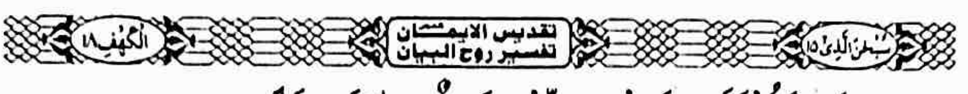
فرما دو میرا رب خوب جانتا ہے گنتی ان کی نہیں جانتے انہیں مگر تھوڑے۔ پس نہ بحث کرو

فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۠ ﴿۲۲﴾

ان کے متعلق مگر جو بحث ظاہر ہو چکی۔ اور نہ پوچھ ان کے بارے کسی کتابی سے ۔

(آیت نمبر۲۲) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تین حضرات تھے چوتھا ان میں کتا تھا۔ یہ قول زیادہ یہودیوں کا تھا اور نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اصحاب کہف پانچ تھے اور چھٹا ان میں کتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اقوال کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بن دیکھے ہی پتھر مار رہے ہیں یعنی محض اپنے تک تخمینے سے کہہ رہے ہیں۔ یہ غیبی باتیں ہیں۔ انہیں وہ اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کر رہے ہیں۔ سچ اور حق بات وہ ہے جواب بیان ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان میں کتا تھا۔ یہی مسلمانوں کا خیال تھا جو بالکل درست نکلا اگر یہ بھی غلط ہوتا تو (رجما بالغیب) اس کے بعد ہوتا۔ چونکہ مسلمانوں کو اعتماد وحی نبوی پر تھا اس لئے مسلمانوں کے قول کو اللہ تعالیٰ نے (رجما بالغیب) کے زمرے میں داخل نہیں کیا۔ اسی لئے مسلمانوں کے قول کو یہود و نصاریٰ کے اقوال سے الگ بیان فرمایا۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب ان کو بتا دیں کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔ چونکہ رب تعالیٰ کا علم زیادہ قوی ہے۔ عام لوگ اس بات کو نہیں جانتے مگر بہت تھوڑے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی ہے۔



وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ ﴿۲۳﴾

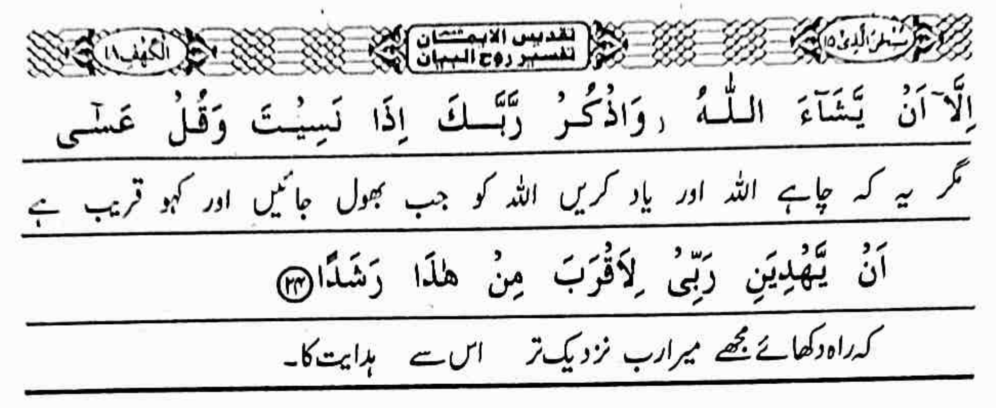
اور ہرگز نہ کہیں کوئی بات کہ میں بے شک کرنے والا ہوں یہ کل۔

فائدہ :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔آخری قول میں چونکہ واؤ ہے اوراس کے بعد اور گنتی ذکر بھی نہیں ہے لہذا یہی اصحاب کہف کی اصل تعداد ہے یعنی وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا ان سات حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) یملیخا۔ (۲) مکشلینا۔ (۳) مشلینیا۔ (۴) مرنوش۔ (۵) برنوش۔ (۶) سازنوش۔ (۷) مرطوش۔ ان اسماء کی برکات بہت ہیں ان میں چند یہ ہیں۔(۱) یہ لکھ کر جلتی آگ میں ڈالے جائیں تو وہ بجھ جاتی ہے۔(۲) رات کو بچہ کے سرہانے رکھ دو تو وہ آرام سے سوئے گا۔(۳) کھیتی میں رکھے جائیں تو کھیتی ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہے گی۔ (۴) زخموں کیلئے۔(۵) تیسرے دن کے بخار کیلئے۔(۶) درد سر کیلئے۔(۷) حصول دولت کیلئے۔(۸) حصول جاہ ومرتبہ کیلئے۔ (۹) ولادت کی آسانی کیلئے بائیں بازو پر۔ (۱۰) مال کی حفاظت کیلئے۔ (۱۱) سفری مشکلات میں حفاظت وغیرہ۔

آگے فرمایا اصحاب کہف کے معاملے میں یہود ونصاری کے ساتھ جھگڑا کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ وہ جاہل ہیں۔مگر ظاہری معمولی طور پر اختلاف میں حرج نہیں جو پختہ دلیل سے ہو۔بہت گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی زیادہ باتیں منگھڑت ہوتی ہیں اور نہ اصحاب کہف کے متعلق کسی سے فتوی لیں اس لئے کہ ان کے حالات کواللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا لہذا کوئی بتائے گا بھی تو کیا بتائے گا۔

(آیت نمبر۲۳) اے محبوب جب آپ کوئی بات کریں۔اس کے ساتھ یہ نہ کہا کرو کہ میں یہ کام کل کروں گا۔ یعنی جس کام کو بھی آنے والے دن کے ساتھ متعلق کرنا چاہتے ہیں۔

شان نزول : یہودیوں کے کہنے پر قریش نے جو تین سوال کئے تھے ان میں دوسرا اصحاب کہف کے بارے میں ہی تھا تو قریش کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں کل بتاؤں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا لہذا چند دن وحی کا نزول نہ ہوا تو قریش نے بھی طرح طرح کی افواہیں پھیلائیں جس کی تفصیلات سورہ والضحی میں آئیں گی۔اور حضور ﷺ کا قلب اطہر بھی محزون ہوا۔



(آیت نمبر۲۴) اب وحی آئی تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وحی رکنے کی وجہ بیان فرمائی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ محبوب کوئی بات بھی نہ کہو مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دیا کرو کیونکہ بندوں کے سب کام مشیت ایزدی کے ساتھ منسلک ہیں اور جب بھول ہو جائے یعنی اگر بات کے وقت انشاء اللہ نہیں کہہ سکے تو جب بھی یاد آ جائے فوراً اسی وقت اپنے رب کو یاد کرلو۔ یعنی اسی وقت ان شاء اللہ کہہ لیا کرو۔

اے محبوب ان کو کہہ دیں قریب ہے کہ میرا رب تبارک وتعالیٰ میری راہنمائی فرمائے اور مجھے جلد اصحاب کہف کی خبر دے جو بھلائی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو۔ یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے دی جائیں جو میری نبوت کی صداقت پر دلالت کریں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف سے بھی اعلیٰ اور افضل لوگ یعنی انبیاء و مرسلین علیہم السلام جو ان سے بھی پہلے گذرے۔ ان کے حالات سے آگاہ فرمایا۔ اور قیامت تک آنے والے واقعات اپنے پیارے نبی کو بتائے۔

نکتہ: ہر کام کرنے یا وعدہ کرنے کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہہ لینی چاہیے۔ اس سے ایک تو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے نہ ہونے والا کام بھی ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس سے پہلے موت آ جائے یا ایسا امر مانع آ جائے کہ وہ کام یا وہ وعدہ پورا نہ کر سکے تو یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا ہوگا (لیکن اگر جان بوجھ کر وعدہ پورا نہیں کیا کہ ان شاء اللہ سے ناجائز فائدہ اٹھائے تو وہ گناہگار ہوگا)۔ **واقعہ**: بخاری میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھی۔ فرمایا کہ میں ان سب کے پاس جاؤنگا۔ اور پھر ان سب سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو مجاہد فی سبیل بنے گا (لیکن ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہا) تو اللہ کی شان کہ کسی بیوی سے کوئی بچہ نہ ہوا۔ ایک سے بچہ ہوا لیکن وہ بھی اپاہج۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو ضرور بچے بھی ہوتے اور مجاہد بھی ہوتے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ

ٹھہرے وہ غار میں تین سو سال اور اس سے اوپر نو سال۔ فرمادیں اللہ

اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ

خوب جانتا ہے وہ جتنا ٹھہرے۔ اسی کیلئے ہیں چھپی باتیں آسمانوں اور زمین کی۔ کتنا ہی دیکھتا اور سنتا ہے

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

نہیں ہے کوئی ان کا اس کے سوا کوئی والی۔ اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی ایک کو

(بقیہ آیت نمبر۲۴) **حکایت**: مولوی محمد بن اسحاق امام اعظم سے حسد کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ خلیفہ منصور کے دربار میں امام صاحب سے پوچھا کہ کوئی آدمی قسم کھائے اور کچھ دیر بعد ان شاء اللہ کہے۔ وہ اپنی قسم میں بری ہے یا نہیں فرمایا بری نہیں ہے۔ قسم متصل کہنا ضروری ہے۔ اس نے خلیفہ منصور سے کہا۔ دیکھا یہ ابوحنیفہ آپ کے دادا ابن عباس کے قول کے خلاف کہہ رہے ہیں (کیونکہ ان کا حکم ہے کہ ان شاء اللہ سال کے بعد بھی کہے تو نافذ ہوگی) خلیفہ کو غصہ آیا کہ آپ نے میرے دادا کے خلاف کیوں حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے دادا کا مذہب جو بھی ہو سر آنکھوں پر۔ یہ ابن اسحاق آپ کو خلافت سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ جو بھی آپ کی بیعت کرے باہر جا کر ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ تیری بیعت سے نکل گیا۔ خلیفہ نے ابن اسحاق کو قید کرادیا۔ کہ اس نے ایسی بات کیوں کی۔

(آیت نمبر۲۵) اور اصحاب کہف اپنی غار میں تین سو نو سال تک نیند میں رہے۔ (اور زندہ رہے)۔

نکتہ: شمسی لحاظ سے تو تین سو سال بنتے تھے لیکن قمری لحاظ سے ہر سو سال کے ساتھ تین سال زیادہ بنتے ہیں تو تین سو سال شمسی سال کے حساب اور قمری لحاظ سے نو سال اوپر ہوگئے۔

فائدہ: امام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اصحاب کہف کے واقعات اور ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت بتائی اسی طرح کسی کے لائق نہیں کہ وہ بتاسکے۔

(آیت نمبر۲۶) آگے فرمایا اے محبوب اگر اب بھی مدت کے معاملے میں آپ سے کوئی جھگڑا کرے تو اس کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جس قدر وہ غار میں رہے۔ اس لئے کہ تمام پوشیدہ باتوں کو وہی جانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اسی کا خاصہ ہے کہ زمین اور آسمان میں جو بھی پوشیدہ اور غیبی امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور تلاوت کریں اس کا جو وحی ہوئی آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے نہیں ہے کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور ہرگز تم نہیں پاؤ گے اس کے سوا کوئی اپنا

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) آگے فرمایا کیا ہی وہ خوب دیکھنے والا ہے اور کیا ہی خوب وہ سننے والا ہے۔ یعنی اس ذات سے بہتر نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ سننے والا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا ان امور کا کوئی متولی نہیں جو مستقل بالذات ان کی مدد کرے اور نہ ہی اس نے اپنے حکم میں کسی کو اپنا شریک کار بنا رکھا ہے یعنی اسے کسی کی حاجت ہی نہیں نہ کسی کی ضرورت ہے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض نہ کرے۔

(آیت نمبر ۲۷) اے محبوب آپ اسی کتاب کی تلاوت کریں جو کتاب آپ کو بذریعہ وحی ملی۔

فائدہ: یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

تلاوت اور قرأت میں فرق:

صرف پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں اور الفاظ کی درستی اور سمجھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کلام میں تغیر تبدل کرنے کی کسی کو قدرت نہیں۔ اس کے سوا ہرگز کسی جگہ جائے پناہ نہیں۔

فائدہ: یعنی اگر تم تبدیل کرنے کی کوشش کرو گے تو پھر عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں پاؤ گے۔

مسئلہ: یاد رہے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ میں تغیر تبدل نہیں اسی طرح اس کے معانی اور احکام میں بھی تبدیلی ناممکن ہے۔ **فائدہ:** افسوس ہے کہ ماڈرن دور کے کچھ لوگ اسلامی احکام کو فرسودہ کہہ رہے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قرآنی احکام دائمی اور ہر زمانے کے مطابق ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

اور ٹھہرائیں اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام جو چاہتے ہیں

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

رضا اس کی۔ اور نہ پھرائیں اپنی آنکھیں ان سے۔ کیا تم چاہتے ہو زیب وزینت زندگی دنیا میں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ

اور نہ مانیں اس کی جس نے غافل رکھا اپنے دل کو ہماری یاد سے۔ اور چلا پیچھے اپنی خواہش کے اور ہے

اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اس کا کام حد سے گذرا ہوا۔

(آیت نمبر ۲۸) اے محبوب آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مضبوط رکھئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ یا ہر وقت رب سے مانگتے ہیں۔ کسی غیر سے کچھ نہیں مانگتے۔

شان نزول : کفار کے بڑے لیڈروں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ ہم ایمان لاتے ہیں بشرطیکہ جب ہم آئیں تو آپ اپنی بارگاہ میں بیٹھنے والے غریبوں کو اس وقت اٹھا دیا کریں ان کے کپڑوں سے بدبو آتی ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے بھی خلاف ہے۔ اور یہ بھی لالچ دیا کہ ہم مسلمان ہوئے تو اور بھی بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب آپ ان غریب مسلمانوں سے نظر نہ پھرائیں یعنی ان کو اپنے سے جدا نہ کریں۔ **فائدہ** : علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجازت نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار کا ایمان لانا ظنی تھا اور غریب مسلمانوں کا ایمان یقینی تھا لہذا اس ظنی ایمان کو یقینی پر ترجیح دینا شان نبوت کے خلاف ہے یہ تو دنیوی بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ ظاہری ٹھاٹھ والوں کو قریب اور کم درجہ والوں کو دور کرتے ہیں۔ انبیاء واولیاء کا یہ طریقہ نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ غریب لوگ محض رضاء الٰہی کیلئے آپ کے پاس آ کر یاد الٰہی کرتے ہیں اس لئے اے محبوب ان سے اپنی نظر عنایت ہٹا کر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ

فرما دو حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے

فَلْيَكْفُرْ لا اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ

کفر کرے۔ بے شک ہم نے تیار کی ظالموں کیلئے آگ گھیر لیں گی انہیں دیواریں اور اگر

يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط

فریاد کریں گے تو ان کی فریاد پوری ہو گی اس کھولتے پانی سے جو بھن دے گی ان کے چہرے کیا ہی برا ہے پینا

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور بہت بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) **فائدہ**: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فقراء مسلمانوں کو در سے نہ ہٹانے کا حکم اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ایک خاص مقام اور درجہ ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے بے حساب تکلیفیں برداشت کیں۔ فقر و فاقہ میں رہے۔ لہٰذا ان سے ایک لمحہ کیلئے بھی توجہ نہ ہٹائیں۔ کیا آپ دنیا کی زندگی میں زیب و زینت چاہتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کو تو دنیا کی زیب و زینت سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا دار لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ اغنیاء سے تعلق جوڑتے ہیں اس لئے فرمایا محبوب ان کی بات نہ مانیں جن کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات پر ہی چلتے ہیں۔ یعنی سنت نبوی کو چھوڑ کر اس کے خلاف راہ اختیار کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس کا کام حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ (ذکر کے فضائل دیکھنے ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۲۹) اے محبوب ان کو فرما دیں کہ حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی اے نفس کے پجاریو جسے تم حق سمجھ رہے ہو۔ وہ صرف تمہارے نفسانی تقاضے ہیں اور وہ سب باطل ہیں۔ حق صرف وہی ہے جو میرے پاس بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔ آگے تمہاری مرضی ہے اور تمہیں اختیار ہے کہ تم حق کی طرف آ کر نجات پاؤ یا اپنی بربادی کی طرف جاؤ۔ آگے فرمایا کہ جو چاہے وہ باقی مسلمانوں کی طرح ایمان لے آئے

اور جو چاہے وہ کفر کرلے۔تمہارے ایمان سے تمہیں فائدہ اور تمہارے کفر سے تمہارا نقصان ہے۔لہذا اے کفار یاد رکھو میں تمہارے لئے ان مخلص ایمانی والوں کو اپنے سے جدا نہیں کرسکتا اب حق واضح ہو چکا ہے۔

ازالہ وھم: اس آیت میں کفر وایمان کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ یہ غصے کے انداز میں وعید سنائی گئی کہ تمہارے ایمان لانے سے ہمارا فائدہ کوئی نہیں اور تمہارے کفر سے ہمارا نقصان کوئی نہیں۔صرف یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان قبول کرنے سے خوش ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی رحمت کی وجہ سے۔یعنی اس کی رحمت کو گوارہ نہیں کہ کوئی کفر کرکے ہمیشہ کیلئے جہنم خرید لے۔اس کے باوجود اگر کوئی جہنم میں جانا چاہتا ہے تو بڑی خوشی سے وہ بھی راستہ کھلا ہے۔اس کی اللہ تعالیٰ کو کیا پرواہ ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ بندہ اپنے ایمان وکفر اختیار کرنے کا خود مختار ہے۔مذہب حق اہل سنت یہی ہے کہ بندہ جبر وقدر کے درمیان ہے۔یعنی نہ بالکل مجبور نہ بالکل مختار۔اسی لئے آگے فرمایا کہ بے شک ہم نے ظالموں کیلئے آگ تیار کررکھی ہے۔جو انہیں چاروں طرف سے دیواروں کی طرح گھیر لے گی۔کہ وہ کہیں بھی نہیں جاسکیں گے۔

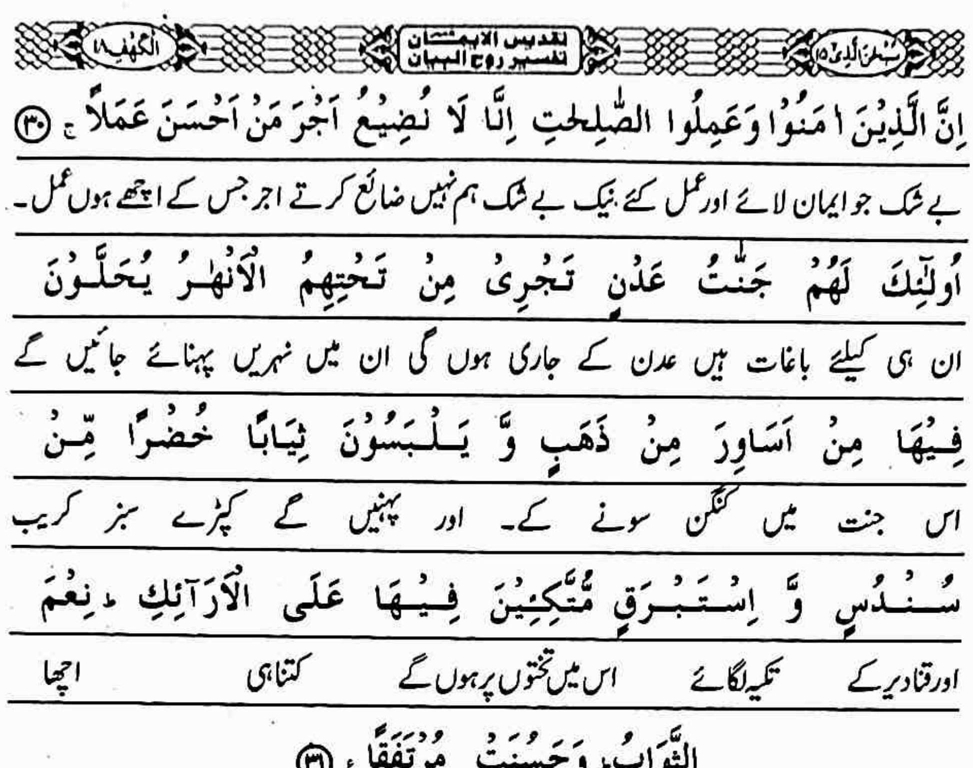
حدیث شریف: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کے گرد بڑی موٹی چار دیواریں ہیں ہر دیوار کی مسافت چالیس سال کی راہ ہے۔(اخرجہ حاکم والترمذی) جب اس جہنم میں پانی کیلئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد ایسے پانی کے ساتھ پوری ہوگی جو آگ میں ایسا ابلا ہوا ہوگا جیسے پگھلا ہوا لوہا ہو۔ جس کے پینے سے منہ وغیرہ بھی جل بھن جائیگا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ تارکول کی طرح سخت گاڑھا اور سیاہ کالا (اور بدبودار) ہوگا۔جب وہ منہ کے قریب ہوگا۔تو سارے منہ کا گوشت جل جائیگا۔(تفسیر خازن ونسفی)

آگے فرمایا یہ پانی پینا بہت برا ہے۔اس لئے کہ پانی پینے کا مقصد تو پیاس ختم کرنا ہے تو جس سے سارا منہ ہی جل جائے اس کا پینا اچھا نہیں بلکہ بہت برا ہے بلکہ یہ ٹھہرنے کی جگہ ہی بہت بری ہے۔یعنی جہنم استراحت وآرام کی جگہ نہیں۔بلکہ وہاں عذاب ہی عذاب ہے۔

حدیث شریف: جہنم میں سب سے کم درجے کا عذاب یہ ہے کہ اسے آگ کا جوتا پہنایا جائے گا۔جس سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا۔(صحیح مسلم شریف،کتاب الایمان)

سبق: مومن پر لازم ہے ظلم وگناہوں سے بچے اور غلطی سے ہوجائے تو فوراً توبہ استغفار کرے ورنہ اگلا معاملہ خراب ہے اور جہنم کی آگ انتہائی سخت ہے جس میں بے شمار تکالیف ہیں۔



اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ ﴿٣٠﴾

بے شک جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اجر جس کے اچھے ہوں عمل۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ

ان ہی کیلئے باغات ہیں عدن کے جاری ہوں گی ان میں نہریں پہنائے جائیں گے

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ

اس جنت میں کنگن سونے کے۔ اور پہنیں گے کپڑے سبز کریب

سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ

اور قنادیر کے تکیہ لگائے اس میں تختوں پر ہوں گے کتنا ہی اچھا

الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ؑ ﴿٣١﴾

ثواب ہے اور کتنی ہی اچھی ہے آرام گاہ۔

(آیت نمبر ٣٠) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان بھی لایا اور عمل بھی نیک کئے۔ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کے قریب کریں اور اس کی نجات کا سبب بنے۔ ایسے عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا بے شک ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے اعمال کر کے لایا۔ **حدیث شریف**: یہ حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں داخلہ تو محض میرے فضل و کرم سے ہوگا لیکن اس میں درجات اور نعمتیں اعمال کے مطابق ہونگی۔ (التذکر للقرطبی)

فضیلت خلفاء: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ سے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اس آیت میں آمنوا سے مراد اور مصداق اول کون لوگ ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے سب سے پہلے مصداق یہی لوگ ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ جو اس وقت میرے ساتھ ہیں تم جا کر سب لوگوں کو یہ بات بتا دو کہ یہ آیت ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی (ذکرہ امام سہیلی فی کتاب التعریفات)

(آیت نمبر ٣١) یہی لوگ ہیں جن کیلئے قیامگاہ عدن کے باغات ہیں۔ یہ جنت کے درمیان مخصوص مقامات ہیں جو باقی جنت سے بلند و برتر مقامات ہیں چونکہ اعمال کے حساب سے کسی کو ایک جنت کسی کو دو جنتیں کسی کو اور زیادہ

جنتیں ملیں گی اور ہر جنت میں ہر قسم کی نہریں ہونگی۔ دودھ کی شراب طہور کی خالص شہد اور پانی کی نہریں۔ جنت میں ہر طرف چل رہی ہوں گی اور ہر قسم سونے اور چاندی کے زیورات جنتیوں کو پہنائے جائیں گے۔ جیسے دنیا میں عورتیں پہنتی ہیں۔ جو عالیشان سونے کے کنگن ہوں گے۔

حدیث شریف : سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنت میں جنتیوں کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے: (۱) سونے۔ (۲) چاندی (۳) یاقوت کے موتیوں کے اور یہ ہر ایک جنتی کو کم از کم تین تین کنگن پہنائے جائیں زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ (معالم التنزیل)

آگے فرمایا کہ سبز رنگ کے ریشمی کپڑے پہنیں گے چونکہ خوبصورت رنگوں میں سے ہے اور پُر رونق ہے۔ موٹا اور باریک ہر قسم کا ریشمی لباس جنت میں پہنیں گے۔

فائدہ : دنیا میں لباس دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) زیب و زینت کیلئے۔ (۲) ستر ڈھانپنے کیلئے۔ اور جنت میں دونوں لباس زینت کیلئے۔ دنیا کا لباس انسان کے حسن میں اتنا اضافہ نہیں کرتا جتنا جنت کرے گا۔

فائدہ : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام حالات میں وہ خوب صورت لباس پہنیں گے اور خاص اوقات میں انہیں پہنایا جائے گا۔ جیسے دنیا میں شادی کے موقع پر دولہے کو لباس پہناتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ خوبصورت تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ جیسے بڑے بڑے بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں۔ کتنا ہی اچھا اجر ہے اور کتنی ہی اچھی آرام کی جگہ ہے۔ للچانے والوں کو اس کی لالچ کرنی چاہئے۔

فائدہ : جنت کے حسن و انعامات کا تو جواب ہی نہیں۔ البتہ ان کے حصول کیلئے استعداد چاہئے اور وہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ ہیں جو محض رضاء الٰہی کیلئے ہوں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

بیان کریں ان کے سامنے حال دو مردوں کا ہم نے دیئے ان میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے۔

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ

جن کو ڈھانپا تھا کھجوروں نے اور رکھی ان کے درمیان کھیتی۔ دونوں باغ دیتے تھے

اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ ﴿۳۳﴾

اپنا پھل اور نہیں کمی رہی اس میں کچھ۔ اور بہائی ان دونوں کے اندر نہر۔

(آیت نمبر۳۲) اے محبوب حضرت محمد ﷺ ان مسلمانوں کو جو تکالیف اسلام کی خاطر برداشت کر کے صبر کر رہے ہیں۔ انہیں بنی اسرائیل کے ایک مومن اور ایک منکر کا واقعہ سنائیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ ایک کا نام یہودا اور دوسرے منکر کا نام قطروس تھا۔ مومن نے اپنا مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور کافر نے اپنے مال کو خرچ کر کے باغات ومحلات بنوائے۔ ایک دن دونوں اکٹھے جا رہے تھے۔ منکر نے اس مومن ساتھی سے کہا تو نے اپنا مال خواہ مخواہ راہ خدا میں لٹا دیا۔ میں نے دیکھ کیسے باغ لگائے۔ وہ اس ذات کو بھول گیا جس کی اصل کاری گری ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس منکر کو دو باغ کھجور اور انگوروں کے دیئے۔ جس میں یہ دونوں چیزیں تھیں۔ ان دونوں باغوں کے اردگرد کھجوروں کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہرے بھرے کھیت تھے۔ جن میں میوہ جات غلہ اور اناج پیدا ہوتا تھا۔

(آیت نمبر۳۳) دونوں باغ بہت اچھا پھل دیتے تھے۔ ان کا کبھی پھل خراب نہیں ہوتا تھا۔

آگے فرمایا کہ ہم نے ان دونوں باغوں کے اندر الگ الگ نہریں جاری کیں تا کہ پھل زیادہ ہو۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے دونوں باغوں کے پھل دینے کا ذکر پہلے کیا اور نہروں کا ذکر بعد میں کیا تا کہ معلوم ہو کہ پھل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنتے ہیں۔ اگر چہ پھل پانی کے محتاج ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ پانی کے بغیر بھی باغات اور کھیتیاں سرسبز رکھ سکتا ہے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

اور تھا اس کا پھل۔ پھر کہا اپنے ساتھی سے گپ مارتے ہوئے میں زیادہ ہوں تجھ سے

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ

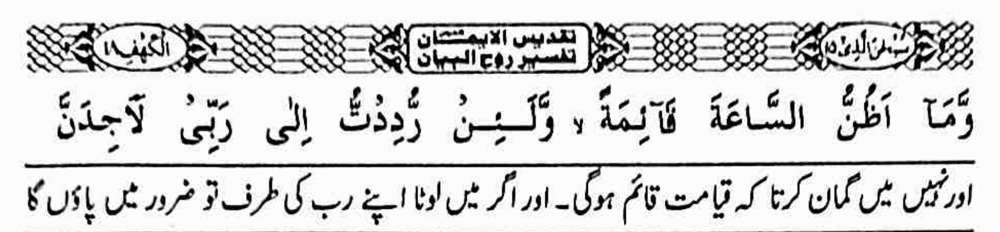
مال میں بھی اور غلبہ رکھتا ہوں آدمیوں سے بھی۔ داخل ہوا اپنے باغ میں ظلم کرتا ہوا اپنی جان پر کہا مجھے گمان نہیں

اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ ﴿٣٥﴾

کہ فنا ہوگا یہ کبھی بھی

(آیت نمبر ۳۴) چونکہ اس منکر کے باغ میں پھل بہت زیادہ ہوتا اس منکر باغ والے کا پھل کے علاوہ بھی کافی مال اسباب تھا یعنی صرف انگور نہیں تھے بلکہ اس کے علاوہ بھی بے شمار پھل ان باغوں میں ہوتے تھے۔ انگوروں کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ بہت زیادہ ہوتے تھے تو اس مغرور منکر نے باغ میں داخل ہوتے وقت اپنے ساتھی سے کہا۔ گپ شپ کرتے ہوئے کہا دیکھ میرا مال تجھ سے کتنا زیادہ ہے اور پھر میرے آدمیوں کی کثرت بھی دیکھ نوکر چاکر اولاد کنبہ کس قدر ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) وہ پورے فخر وغرور سے باغ میں داخل ہوا اور اپنے ساتھی کو دکھاتے ہوئے وہ اپنی برتری ظاہر کر رہا تھا درحقیقت وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا۔ یعنی عنقریب وہ اپنے غرور کیوجہ سے اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والا تھا۔ اور سب سے بڑا ظلم ہی یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کے احسانات کو پس پشت ڈال دے اور اس کے ساتھ کفر اختیار کرے تو اس منکر نے بکواس یہ کیا کہ میں نہیں گمان کرتا کہ یہ میرا مال اب تباہ ہوگا غالبًا مومن بھائی نے کہا ہوگا کہ یہ سب ایک دن فناہ ہوگا۔ جس کا تو نخرہ دکھا رہا ہے اور قیامت کو یہ مال واسباب کام نہیں آئیگا۔ تو اس نے جوابًا کہا ہوگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میری زندگی میں یہ برباد ہو جائیگا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ کہ یہ اب ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گا۔ اور ممکن ہے۔ کہ مومن دوست نے اسے کہا ہوگا۔ کہ آخرت کا بھی فکر کر۔ تو اس نے جواب میں یہ کہا ہوگا۔



وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ

اور نہیں میں گمان کرتا کہ قیامت قائم ہوگی۔ اور اگر میں لوٹا اپنے رب کی طرف تو ضرور میں پاؤں گا

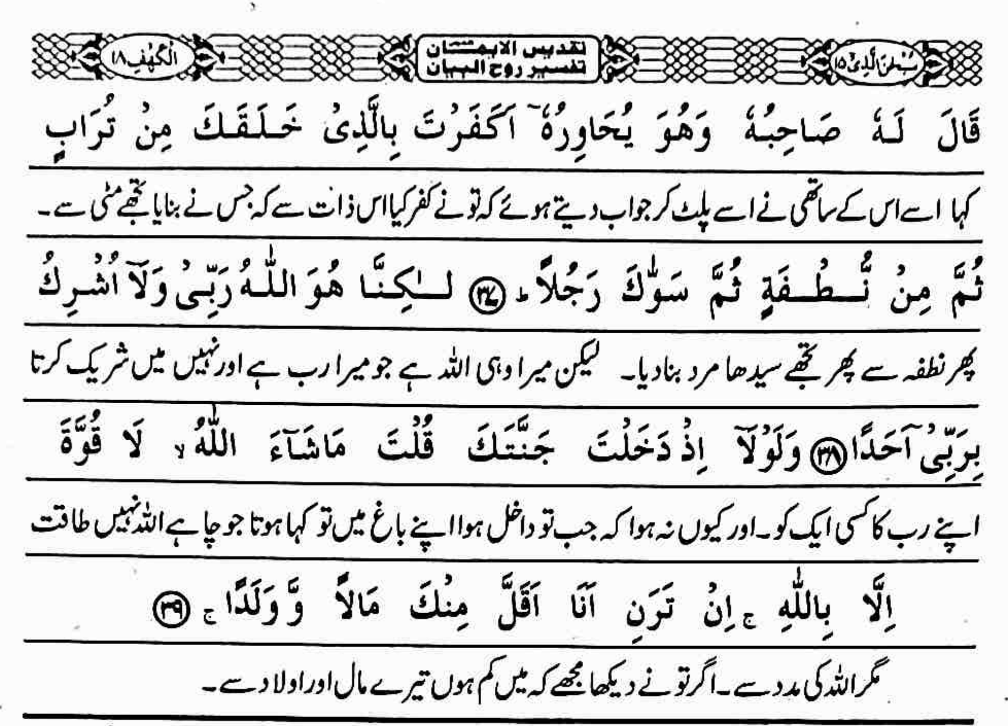
خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

بہتر اس سے پلٹنے کی جگہ۔

(آیت نمبر ۳۶) قیامت کا بھی تمہارا خیال ہوگا۔ مگر میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت بھی قائم ہوگی۔ (معاذ اللہ) یعنی اس ظالم کا مطلب یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں اب مجھے اور میرے مال کو کچھ نہیں ہوگا اور قیامت کا بھی ایک وہمی خیال ہے میں نہیں سمجھتا کہ فی الواقع قائم ہوگی لیکن اگر بالفرض قائم ہو بھی گئی اور میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو میں ان باغوں سے بہتر وہاں باغ اور مال واسباب پاؤں گا یعنی وہ واپس لوٹ کر جانے والی جگہ اس سے بہتر باغ پائے گا۔ گویا اس نے دنیا پر قیاس کیا۔ کہ جیسے یہاں مجھے باغ ملے ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہاں بھی مجھے باغ دیئے جائیں گے۔

فائدہ :یعنی اسے شیطان نے یہ سبق دیا کہ دیکھ جس اللہ نے تجھے یہاں اتنا مال اسباب دیا وہ تجھ پر خوش ہے اس لئے دیا اسی طرح پہلے تو قیامت وغیرہ وہمی خیال ہیں اگر ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ تجھ پر جب خوش ہے تو اس سے بہتر مال اسباب دے گا حالانکہ یہ تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج کے طور پر حاصل تھا۔ لیکن آخرت میں تو ایمان اور عمل کو دیکھ کر نعمتیں حاصل ہوں گی۔

سبق :چونکہ اہل مکہ کی بھی یہی سوچ تھی۔ اس لئے ان کو یہ واقع سنایا گیا اور اب بھی مغرور اور متکبر لوگ جو ہر وقت گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق رہتے ہیں۔ وہ بھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس نے جس طرح دنیا میں اس قدر ہمیں مال و دولت دیا ہے آخرت میں اس سے بھی زیادہ دے گا۔ یہ بالکل ہی شیطانی دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف فرمایا ہے کہ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ لہذا اس منکر قطروس والی سوچ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہنسی مزاخ ہے۔ شیطان اسی طرح لوگوں کو امیدیں اور وعدے دیتا رہتا ہے اور اس کے تمام وعدے دھوکہ ہی ہیں۔ آخر کار وہ لوگوں کو جہنمی بنا کر چھوڑتا ہے۔



قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

کہا اسے اس کے ساتھی نے اسے پلٹ کر جواب دیتے ہوئے کہ تو نے کفر کیا اس ذات سے کہ جس نے بنایا تجھے مٹی سے۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَاۤ اُشْرِكُ

پھر نطفہ سے پھر تجھے سیدھا مرد بنا دیا۔ لیکن میرا وہی اللہ ہے جو میرا رب ہے اور نہیں میں شریک کرتا

بِرَبِّىْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

اپنے رب کا کسی ایک کو۔ اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ نہیں طاقت

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ ﴿۳۹﴾

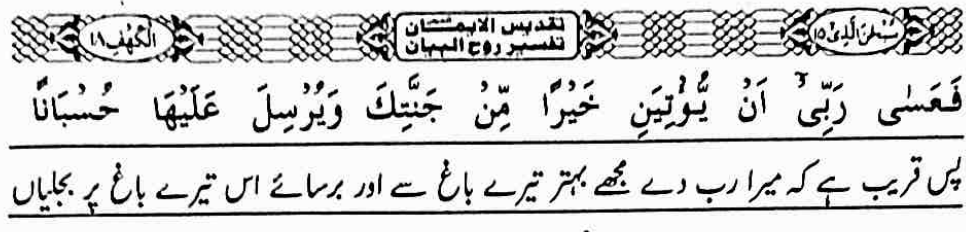
مگر اللہ کی مدد سے۔ اگر تو نے دیکھا مجھے کہ میں کم ہوں تیرے مال اور اولاد سے۔

(آیت نمبر ۳۷) اس منکر کو مومن ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے بلکہ اس کی بات کو سختی سے رد کرتے ہوئے کہا کہ تو نے قیامت کا انکار کر کے کفر کیا اور اس ذات کا بھی انکار کیا جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے یعنی آدم علیہ السلام کی تو اولاد ہے اور وہ مٹی سے بنائے گئے۔ آگے اولاد ان کی ہی جنس سے ہے۔ اس لئے اولاد کو بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ مٹی سے بنے۔ آگے آدم کی اولاد نطفہ سے بنی تو فرمایا کہ اے قطروس تو بھی اس گندے قطرے سے بنا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت والا انسان بنایا یعنی ایسی معمولی چیزوں سے ترکیب دے کر بہترین اور صحیح سالم انسان بنایا۔ اتنے انعامات کے بعد تیرے لئے مناسب نہیں تھا۔ کہ تو اس طرح بے ہودہ بات کرتا۔

(آیت نمبر ۳۸) چونکہ اس منکر نے بہ یک وقت دو بہت بڑے جرم کئے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے سامنے غرور اور (۲) قیامت کا انکار۔ اس لئے اسے جھنجوڑ کر اس مومن نے منکر ساتھی سے کہا کہ تو نے کفر کیا۔ لیکن میں مومن موحد ہوں اور میں کہتا ہوں کہ میرا اللہ ہی میرا رب ہے۔ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

فائدہ : اس منکر کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ منکر کافر بھی تھا اور مشرک بھی تھا۔

(آیت نمبر ۳۹) ایسا کیوں نہ کیا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا۔ اس وقت تجھے چاہئے تھا کہ تو کہتا۔ ماشاء اللہ۔ یعنی وہی ہوا اور ہوگا جو اللہ چاہے گا۔ یہاں اس کو بتلانا مقصود ہے کہ یہ باغ اور اس میں ہر قسم کے پھل فروٹ



فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا

پس قریب ہے کہ میرا رب دے مجھے بہتر تیرے باغ سے اور برسائے اس تیرے باغ پر بجلیاں

مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

آسمان سے پھر ہو جائے وہ چٹیل میدان۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ وہ چاہے تو ان کو اسی حال میں رکھے چاہے تو سب برباد کر دے۔ اور مزید تو نے شکر کے ساتھ کہا ہوتا کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ میری قوت و ہمت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مجھے باغ یا کھیت سے جو ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مدد سے حاصل ہے۔

نظر بد سے بچنے کا وظیفہ: حضور ﷺ نے فرمایا جو اچھی چیز دیکھے، کہے ماشاء اللہ تو پھر کسی کی اسے نظر بد نہیں لگے گی یعنی نظر بد اسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دیکھو کہ کسی کو اچھا مال یا اولاد اللہ تعالیٰ نے دی تو فوراً کہو "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ"۔ تو وہ نظر بد سے محفوظ رہے گا اور کسی طرح کا نقصان نہیں ہوگا (اخرجہ البزاز)۔
حدیث میں ہے کہ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" ننانوے (۹۹) بیماریوں کی دوا بھی ہے دعا بھی ہے۔ ان بیماریوں میں سب سے کم درجہ کی بیماری غم ہے (مرعاۃ المفاتیح)۔ اس کا معنی نہ پھرنے کی جگہ نہ طاقت ہے مگر اللہ کے ساتھ تو کہا کہ اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں مال و اولاد کے لحاظ سے تجھ سے کم ہوں تو تو شکر کرتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس بندے سے زیادہ مال اولاد دے دیا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا اس کے بجائے تو نے تکبر بھی کیا کفر بھی کیا اور شرک بھی کیا۔

(آیت نمبر ۴۰) ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ دے دے، دنیا میں یا آخرت میں۔ چونکہ دنیا کی ہر چیز فانی اور آخرت کی ہر چیز باقی ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ رب قادر ہے اس پر کہ وہ اس باغ پر کوئی بلا نازل کر دے۔ عذاب کی شکل میں آسمان سے جو اسے تباہ و برباد کر دے۔ یا آگ بھیج دے یا اس پر بجلی گرا کر جلا دے۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ نعمت کی ناشکری یا ناقدری کرے۔ اکثر اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ ذلیل ہو کر مرتا ہے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ

یا ہو جائے پانی اس کا دھنسا ہوا زمین میں پھر ہرگز اسے تلاش نہ کر سکے۔ اور گھیر لئے گئے اس کے پھل پھر

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ

ملتا ہی رہ گیا ہاتھ۔ اس لاگت پر جو خرچہ کیا اس میں۔ اور وہ گرا ہوا تھا اپنی چھتوں کے بل۔ اور وہ کہہ رہا تھا

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

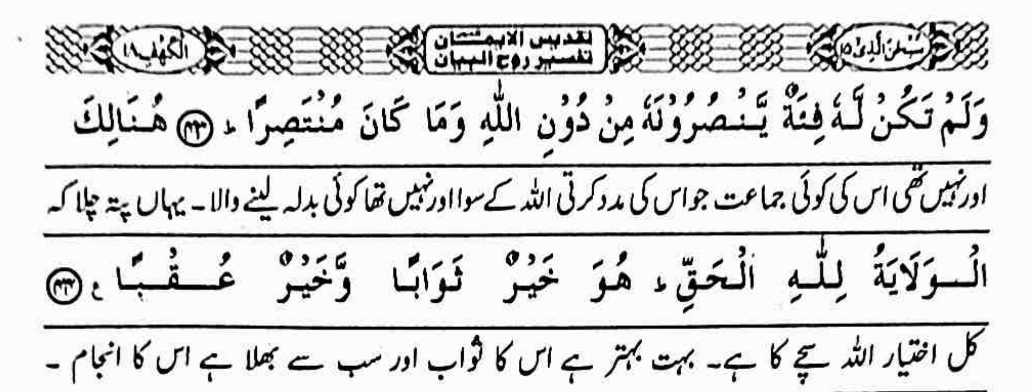
ہائے افسوس نہ شریک بناتا میں اپنے رب کا کسی کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) اور اس کے نصیب میں ایسے نقصانات ہوتے ہیں تو اس مومن نے اسے بتایا کہ جو تو نے کہا ہے کہ میرا خیال ہے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ اگر میرا رب چاہے تو آج ہی تیرا باغ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ یعنی ملیا میٹ ہو کر خالی زمین رہ جائے جیسے سر مونڈنے سے سر بالوں سے خالی رہ جاتا ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ تیرے باغ سے بہتر عطا کر دے۔

(آیت نمبر ۴۱) یا باغ کا پانی زمین میں دھنس کر اتنا نیچے چلا جائے کہ کوئی چیز اس تک نہ پہنچ سکے۔ پھر تو ہمیشہ کیلئے پانی کی طلب اور جستجو بھی نہ کر سکے، نہ تو اسے واپس لا سکے یعنی پانی ملنا تو در کنار اس کے حصول کی کوئی طاقت بھی تجھ میں نہ رہے۔ صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ جسے تو طلب کر سکے۔

(آیت نمبر ۴۲) پھر وہی ہوا۔ جس کا خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا اور جو کچھ اس مومن کے منہ سے نکلا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ چنانچہ اس کے تمام باغات اور اسباب سب تباہ و برباد ہو کر مٹ گئے تو اس کے پھل کو گھیر لیا گیا۔ جیسے کوئی کسی علاقے کو فتح کرتا ہے تو وہ سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیتا ہے اور دشمن کو ہلاک کر دیتا ہے اس کافر منکر کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اگلے دن صبح کے وقت باغ کیا پودے کا بھی نام ونشان نہ تھا اور وہ کف افسوس ملتا رہ گیا۔ یعنی افسوس اور حسرت کے ساتھ ہتھیلیاں کھلی رہ گئیں جیسے پشیمانی اور افسوس کے وقت آدمی کا حال ہوتا ہے۔ اب اسے از حد افسوس تھا تو اس بات پر کہ اس نے جو اپنے باغ پر کئی ہزار دینار خرچ کئے تھے ابھی تو وہ اپنی لاگت بھی پوری نہیں حاصل کر پایا تھا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ جس باغ سے فائدہ اٹھانے کی تاحیات امید ہو وہ اچانک تباہ ہو جائے اور اس پر جتنی پونجی خرچ کی ہو وہ ساری لگا کر اسے تیار کیا گیا ہو۔ اس پر تو جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے اور اس کا افسوس تو زندگی بھر نہیں جاتا۔



وَلَمْ تَكُنْ لَّهُ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۴۳ هُنَالِكَ

اور نہیں تھی اس کی کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور نہیں تھا کوئی بدلہ لینے والا۔ یہاں پتہ چلا کہ

الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴

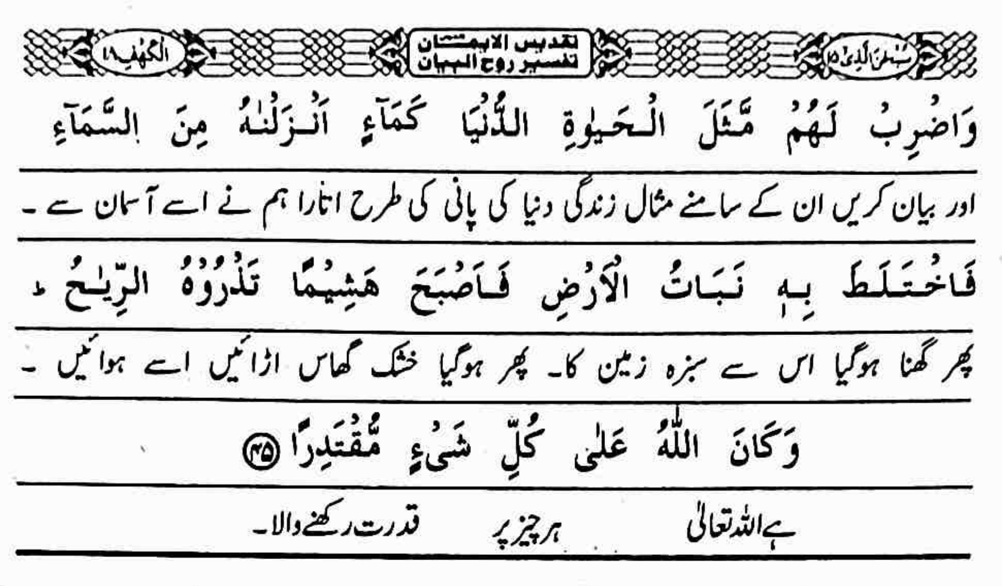
کل اختیار اللہ سچے کا ہے۔ بہت بہتر ہے اس کا ثواب اور سب سے بھلا ہے اس کا انجام۔

(بقیہ آیت نمبر۴۲) آگے فرمایا کہ وہ انگوروں کا باغ جس کے اردگرد کھجوروں کے لمبے لمبے درخت تھے۔ وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں سمیت۔ یعنی انگوروں کی بیلیں جن کے لئے چھتے بنا کر اوپر لگائی گئی تھیں۔ وہ سب کچھ زمین بوس ہو گئیں اور سب درخت جڑوں سمیت ہی نکل کر ان چھتوں پر آ پڑے۔

فائدہ :اوپر سے دوسری بلا یہ پڑی کہ آگ آسمان سے آئی جس نے سارے کے سارے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا اور پانی زمین میں دھنس گیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر کہنے لگا۔ ہائے افسوس۔ کاش میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا گویا اب اسے اپنے مسلمان بھائی والی نصیحت یاد آئی اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ سارا نقصان شرک کی وجہ سے ہوا ہے اب تمنا کرتا ہے کہ کاش میں مومن ہوتا اور شرک سے بچتا تو یہ مصیبت نہ آتی۔ لیکن اب افسوس کرنے اور یہ تمنائیں اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں۔

(آیت نمبر۴۳) پھر اس کی کوئی جماعت بھی نہ تھی جو اتنی قدرت رکھتے کہ اس کے مال کو ہلاک ہونے سے بچا لیتے۔ یا اس کا ضائع شدہ مال واسباب اس کو واپس دلا سکتے یا اس جیسا اور مال لا کر اس کو دے سکتے یہ کام سوائے اللہ تعالیٰ کے کر بھی کون سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو تباہ ہی اس لئے کیا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسہ کر رہا تھا اور قیامت کے اٹھنے کو بھی اپنے گمان میں غلط کہہ رہا تھا۔ اسے ذلت وخواری نہ ملتی تو کیا ملتا۔ اب بے یار ومددگار کہ نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہے، نہ کوئی اس کی طرف سے بدلہ لینے والا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا بدلہ لے لے۔

(آیت نمبر۴۴) ایسے مقام اور ایسے وقت میں معلوم ہو گیا۔ کہ اللہ کی بادشاہی برحق ہے۔ مدد دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی کافروں پر مدد فرماتا ہے۔ یعنی اہل ایمان کے ذریعے کفار سے وہ بدلہ لیتا ہے۔ مذکورہ قصے میں دیکھ لیں کہ مومن کے خدشہ کو یقینی کر کے دکھایا اور کافر کو اس کے سامنے ذلیل وخوار کر دیا۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہت بہتر ثواب دینے والا اور بہت اچھا انجام بنانے والا ہے۔


وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور بیان کریں ان کے سامنے مثال زندگی دنیا کی پانی کی طرح اتارا ہم نے اسے آسمان سے ۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ

پھر گھنا ہوگیا اس سے سبزہ زمین کا۔ پھر ہوگیا خشک گھاس اڑائیں اسے ہوائیں ۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵

ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

(بقیہ آیت نمبر۴۴) **فائدہ** :سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کامل کا دنیوی اور اخروی دونوں جگہ انجام نیک ہوگا۔ **فائدہ** :جلالین میں ہے کہ بہترین ثواب وہی ہے جس کی امید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اس کی اطاعت کا انجام بھی نیک ہو۔ **فائدہ** :مذکورہ قصے سے بے شمار مسائل نکلے ہیں مثلاً یہ کہ توحید اور اطاعت نجات کا سبب ہیں اور شرک و معاصی تباہی کا ذریعہ ہیں۔

حب دنیا کا نقصان یہ ہے کہ آدمی بے ادب ہو جاتا ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب نہیں کیا۔ اسے یقین تھا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ لیکن حب دنیا نے اسے نبی کا ادب نہ کرنے دیا اور وہ تباہ و برباد ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انبیاء و اولیاء کا باادب بنائے۔ اسی طرح قارون مال کے غرور میں آکر موسیٰ علیہ السلام کا بے ادب بن گیا اور زمین میں دھنس گیا۔

(آیت نمبر۴۵) اے محبوب بیان فرمائیں اپنی قوم کے سامنے دنیا کی زینت و رونق کی مثال کہ یہ زیب و زینت کس قدر جلد زوال پذیر ہے تا کہ یہ دنیوی مشاغل کو چھوڑ کر آخرت کی طرف دھیان کریں تو فرمایا اس کی مثال ایسے ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا یا آسمان کی طرف سے اتارا جس کی وجہ سے زمین کے سبزے نے ایک دوسرے سے مل کر زمین کو بارونق بنادیا۔ پھر وہ تر و تازہ گھنے کھیت بن گئے۔ پھر وہ خشک ہو کر بھوسہ کی طرح ہو گئے۔ جسے ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھریں۔ **فائدہ** :کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ ایک دن خوبصورت بچہ ہوتا ہے پھر جوان ہو کر بڑی چہل پہل گھر کی رونق ہوتا ہے پھر بوڑھا ہوتو طرح طرح کی بیماریاں موت کا پیغام بن کر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن فنا ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم خاک کے ساتھ مل جاتا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

مال اور اولاد زینت ہے زندگی دنیا میں۔ باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں جو بہتر ہیں

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

تمہارے رب کے ہاں۔ثواب کے لحاظ سے اور بہتر ہے امید کے لحاظ سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کے پیدا کرنے اور فنا کرنے پر قادر ہے۔اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

دنیا کی مذمت: وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا دنیا کمینوں کیلئے غنیمت اور جاہلوں کیلئے غفلت کا سبب ہے البتہ انبیاء واولیاء نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی نہ اس کی طرف رغبت کی۔ضروری نہیں ہے کہ قید خانے میں آنے والا مجرم ہی ہو۔بعض وہ بھی آتے ہیں جو قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتے ہیں۔

فائدہ : گویا انبیاء کرام اور اولیاء اللہ دنیا میں اس لئے تشریف لائے کہ لوگوں کو ہدایت دے کر جہنم سے آزاد کرا دیں لہذا جو شخص انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی اتباع کرتا ہے وہ اپنے نفس کی شرارتوں سے اور دنیا کے فسادات سے نجات پا جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۶) چونکہ کفار مکہ مال واولاد پر بڑا فخر کرتے تھے۔اس لئے وہ دنیا کی زیب وزینت کیلئے ہر قسم کا سامان اکٹھا کرتے تھے تو فرمایا گیا یہ تو صرف دنیا میں ہی رونق ہے۔عنقریب دنیا کا سب ساز وسامان اور دنیا کی زیبائش وآرائش کے سارے اسباب ختم ہو جائیں گے۔یعنی یہ چند روزہ ہیں البتہ اعمال خیر کے ثمرات ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہیں گے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے اعمال، صدقات وخیرات، ذکر وفکر۔**فائدہ** : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ باقیات صالحات سے مراد نیک لڑکیاں ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ لڑکیاں تمہارے لئے جہنم سے پردہ اور نجات کا سبب ہیں اس لئے کہ ہر ایک لڑکے پسند کرتا ہے لیکن ایک **حدیث** میں فرمایا کہ جو تم میں سے لڑکیوں کے معاملے میں مبتلا ہوا پھر اس نے ان پر احسان کیا۔یعنی اچھی پرورش کی اور کفو میں نکاح کر دیا تو وہ لڑکیاں اس کیلئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی (شرح ریاض الصالحین)۔ آگے فرمایا کہ یہ باقیات صالحات اس لئے بہتر ہیں کہ تیرے رب کے ہاں ثواب کے لحاظ سے جو آخرت میں ملنے والا ہے اور یہ دنیا وآخرت کی تمام امیدوں سے بہتر امید کی چیز ہے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو تو تو دیکھے گا زمین کو صاف کھلی ہوئی پھر ہم نہیں چھوڑیں گے

اَحَدًا ۚ﴿۴۷﴾ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا

کسی ایک کو۔ اور پیش کئے جائیں گے تیرے رب کے پاس ہاتھ باندھے تحقیق آئے تم ہمارے پاس جیسے

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

بنایا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہرگز نہیں رکھا ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدہ کا وقت

(آیت نمبر ۴۷) اے محبوب لوگوں کو وہ وقت یاد دلائیں کہ ہم پہاڑوں کو زمین سے نکال کر ہوا میں اڑا دیں گے۔ **فائدہ** اس تذکیر سے مقصد کفار و مشرکین کو ڈرانا ہے تا کہ وہ اس ہولناک مقام سے عبرت پکڑیں۔ اگر چہ ایسا ہو کر رہے گا صرف ڈرانا نہیں۔

آگے فرمایا کہ تم زمین کو دیکھ لو گے کہ وہ بالکل ظاہر ہو جائیگی یعنی کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔ ساری زمین ایک کھلا میدان بن جائیگا تو ہم ان سب مومنوں کافروں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے لے آئیں گے اور زمین کے اندر کسی مومن کافر کو نہیں چھوڑیں گے۔ یعنی سب قبروں سے نکال کر باہر آ جائیں گے۔

تذکیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت جلالیت وقہاریت کا بیان ہے اور عدل کے آثار بیان ہوئے تا کہ غافل لوگ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور قیامت کے دن بہتری کے حصول کی تیاری کر سکیں اور اپنا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی طرف لگائیں اور نجات پائیں۔ ورنہ وہ قیامت کے دن پچھتائیں گے۔

حکایت: سلیمان بن عبدالملک نے ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے ہم دنیا سے پیار کرتے ہیں اور آخرت سے نفرت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا چونکہ تم نے دنیا آباد کی اور آخرت برباد کی تو آبادی کو چھوڑ کر ویران جگہ کون جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) پھر بروز قیامت سب جمع ہو کر رب تبارک وتعالیٰ کے سامنے صفوں میں پیش کئے جائیں گے۔ یعنی لائن بنا کر۔ (یہ مجرمین کا حال ہوگا۔ مؤمنین تو خوشی خوشی اپنے رب کی بارگاہ میں جائیں گے۔)

فائدہ :یعنی قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کے پیچھے آگے صفیں باندھے ہوئے حاضر ہوں گے۔اور الگ الگ منتشر صورت میں نہیں ائیں گے۔اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم تمہیں قیامت کے دن اس طرح لائیں یا تم ہمارے ہاں ایسے آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔یعنی جب پہلی مرتبہ پیدا ہوئے تو مال واولاد کے بغیر تھے اور ننگے بدن تھے۔اب جب قیامت میں اٹھو گے تو بھی ننگے بدن ہو گے اور اکیلے اکیلے آؤ گے۔

حدیث شریف : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ لوگ قیامت کے دن کیسے اٹھائے جائیں گے۔آپ نے ارشاد فرمایا ننگے جسم ہوں گے۔میں نے عرض کی عورتیں بھی آپ نے فرمایا کہ ہاں عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی تو عرض کی کیا ہمیں شرم محسوس نہیں ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ قیامت کا منظر سخت ہولناک ہوگا۔اس وقت کس کو ہوگی کہ وہ کسی دوسرے کو دیکھے۔(بخاری ومسلم شریف)

آگے فرمایا کہ اے کافرو تم نے تو گمان کر رکھا تھا کہ ہم نہیں کریں گے تمہارے لئے حاضر ہونے کا کوئی پروگرام۔ یعنی کفار کو زجر و توبیخ کی جارہی ہے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنا مقصود ہے تاکہ وہ قیامت کی حاضری کیلئے تیاری کر سکیں۔اور غفلت چھوڑ دیں۔

فائدہ :لیکن یہ حاضری کسی عام بادشاہ کی حاضری نہیں بلکہ یہ احکم الحاکمین کی بارگاہ کی حاضری ہے جہاں انبیاء واولیاء بھی کانپتے نظر آرہے ہوں گے۔

حکایت :خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میرے ہاں عتبہ غلام شب باش ہوا جب لوگ سو گئے تو وہ اٹھ کر رونے لگے میں نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے تو فرمایا کہ بارگاہ الٰہی کی حاضری جب یاد آتی ہے تو سب عشاق کی جان لبوں پر آجاتی ہے۔

فائدہ: قیامت کی ہولناکی کا پہلا دور جو عدل کا وقت ہوگا۔اس میں سب کانپ رہے ہوں گے۔پھر جب حضور ﷺ مقام محمود پر سجدے میں سر مبارک رکھ دیں گے۔تو پھر فضل ہو جائیگا۔پھر رب تعالیٰ بھی اپنی صفت رحمانیت کا ظہور فرمائیں گے اور ہم جیسے گناہ گاروں پر بھی کرم ہو جائے گا۔الحمدللہ۔(قاضی)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ

اور رکھ دیا جائے گا اعمالنامہ تو تم دیکھو گے مجرموں کو جوڈرتے ہوں گے جو اس میں ہے اور کہیں گے

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ

ہائے ہماری خرابی۔ اس اعمالنامے کو کیا ہوا کہ نہیں چھوڑا اس نے چھوٹا یا بڑا گناہ

اَحْصٰهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۴۹

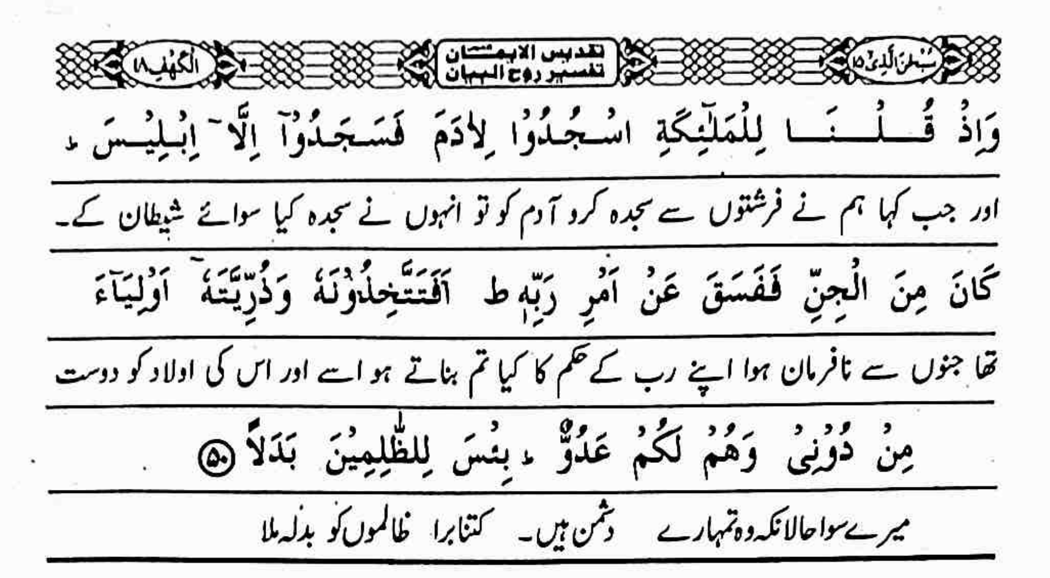
مگر شمار کر لیا اس میں اور پائیں گے جو جو عمل کئے سامنے۔ اور نہیں ظلم کرے گا تمہارا رب کسی پر

(آیت نمبر ۴۹) اے محبوب غلاموں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ کہ جب اعمال کے صحیفے دائیں بائیں ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے گھبرا رہے ہوں گے اور آگے رسوائی کا خطرہ بھی ہوگا تو اس وقت کہیں گے کہ ہائے ہماری ہلاکت ہمارے اس اعمالنامے کو کیا ہوا۔ حال یہ ہے کہ اس نے ہماری نہ چھوٹی غلطی چھوڑی نہ بڑی ہماری زندگی کا ہر معاملہ گن چن کر اس میں درج کر دیا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچ کر رہو۔ اس لئے کہ یہ چھوٹے گناہ بھی بروز قیامت بڑے ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو جائیں گے اور ان کا کفارہ صدقہ ہے۔ (رواہ احمد)

آگے فرمایا کہ وہ اعمال جو انہوں نے دنیا میں کئے انہیں اپنے سامنے حاضر پائیں گے لیکن تیرے رب تعالیٰ نے تو کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی ہوگی یعنی کسی نے برائی نہ کی ہو اور وہ اس کے ذمے لگا دی جائے ایسا نہیں ہوگا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں کو حاصل کرے اور برائیوں سے بچے۔ اس لئے کہ ہر ایک کو مرنے کے بعد قبر و قیامت میں اس کے اعمال کے ثمرات مل جائیں گے۔

حکایت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ بے کار ہے۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میرے والد انتہائی سخی تھے انہیں صدقہ و خیرات سے عشق تھا اور والدہ پرلے درجے کی بخیل تھی بلکہ صدقہ خیرات پر والد صاحب کو بھی کوستی رہتی تھی۔ میں نے اسے کبھی صدقہ خیرات کرتے نہیں دیکھا۔ صرف ایک دفعہ ایک چھوٹا سا کپڑا اور چربی کا ٹکڑا ایک فقیر کو دیدیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ والدہ بدحال رو رہی ہے۔ جو کپڑا غریب کو دیا تھا اس سے شرمگاہ ڈھانپ رکھی ہے اور چربی ہتھیلی پر رکھ کر چاٹ رہی ہے اور والد صاحب مزے سے سب کچھ کھا رہے ہیں۔ میں نے والد صاحب سے ایک شراب طہور کا پیالہ لیا اور والدہ کو دے دیا۔ اس کی سزا میں میرا ہاتھ شل ہو گیا۔



وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے شیطان کے۔

كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ط اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ

تھا جنوں سے نافرمان ہوا اپنے رب کے حکم کا کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی اولاد کو دوست

مِنۡ دُوۡنِىۡ وَهُمۡ لَـكُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا ۞۵۰

میرے سوا حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ کتنا برا ظالموں کو بدلہ ملا

(آیت نمبر ۵۰) اے محبوب یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ یہ سجدہ عبادت نہیں تھا بلکہ آدم کی تعظیم وتکریم کا سجدہ تھا جو کہ سابقہ امتوں میں جائز تھا۔ اب ہماری شریعت میں وہ بھی حرام کردیا گیا کہ کسی انسان کو سجدہ ہرگز نہ کیا جائے۔ حکم الٰہی ملتے ہی تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے۔ اسنے تکبر کیا۔ یعنی جناب آدم علیہ السلام کو اپنے سے کم سمجھا۔ اس لئے انہیں سجدہ کرنے سے ہی انکار کردیا۔

فائدہ :ابلیس اگرچہ جنوں میں سے تھا لیکن کثرت عبادت کی وجہ سے وہ فرشتوں میں شامل ہوگیا تھا۔ اس لئے سجدہ کے حکم میں وہ بھی شامل تھا۔ اصل نام اس کا عزازیل تھا۔ حارث کے نام سے بھی مشہور تھا۔ جب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو شکل بھی بدل گئی اور حالت بھی بدل گئی۔ نام بھی بدل کر ابلیس ہوگیا یعنی رحمت سے ناامید۔ آگے فرمایا کہ اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ یہ اس کی کمینگی اور حساسیت کی علامت تھی۔ **فائدہ** :اللہ تعالیٰ اولاد آدم کو فرماتے ہیں کہ جب تم نے یقیناً دیکھ لیا کہ ابلیس نے بڑی کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے پیدا کرنے والے کے حکم کو نہیں مانا تو تم اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا دوست کیوں مانتے ہو۔ مجھے چھوڑ کر تم اس کی اطاعت میں لگے ہو تمہارا یہ کام بہت برا ہے۔ یاد رکھو وہ تمہارے دشمن ہیں۔ تم پر بھی لازم ہے کہ تم انہیں اپنا دشمن ہی سمجھو۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی دوستی یا تعلق نہ رکھو۔ ورنہ وہ تمہیں بھی گمراہ کرے گا اور ظالموں کو برا بدلا ملنے والا ہے۔

فائدہ :بندہ اس وقت تک عابد نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ شیطان سے مکمل دشمنی نہ کرے۔ شیطان کا دوست کبھی ولی نہیں بن سکتا۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪

نہیں میں نے انہیں گواہ بنایا آسمانوں اور زمین کے بناتے وقت اور نہ انہیں خود کو پیدا کرتے وقت۔

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

اور نہیں ہوں میں بنانے والا گمراہوں کو اپنا بازو۔

(آیت نمبر ۵۱) میں نے انہیں یعنی شیطان اور اس کی اولاد کو زمین و آسمان بناتے وقت کوئی گواہ تو نہیں بنایا اور نہ انہیں بناتے وقت پاس حاضر کیا۔

فائدہ :تخلیقی معاملے میں کسی کو ان میں سے شریک نہیں بنایا کہ میری مدد کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے کہ وہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنائے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان جب بنائے۔تو اس معاملے میں کسی کو نہیں بلایا کہ اس سے مشورہ لیا جائے یا مدد لی جائے (شیطان اور اس کی اولاد کے بارے میں تفصیلات دیکھنی ہوں تو اس مقام پر فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

فائدہ :ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنا لطف وقہر ظاہر کرنے کا پروگرام بنایا تو لطف کی صفت کا مظہر آدم علیہ السلام کو اور قہر کی صفت کا مظہر شیطان کو بنایا۔ جناب آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنا کر فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ یہ آدم علیہ السلام پر اس کا کمال لطف وکرم ہے۔اور انتہائی جود و سخا ہے۔اور فرشتوں کے ساتھ شیطان کو بھی سجدہ کا حکم دیا۔اس کے انکار کرنے پر اس سے فرشتوں کی سرداری کا تاج چھین کر اسے لعنتی بنا دیا۔

مقام غور ہے کہ آدم کو بدبودار مٹی سے بنا کر اتنا اونچا لے جایا گیا کہ فرشتے جو نوری اور مقدس مخلوق ہے۔ لاکھوں سالوں سے عبادت میں مصروف ہیں۔ان سے سجدہ اس کو کروایا۔جس نے ابھی تک ایک سجدہ بھی نہیں کیا اور دوسری طرف شیطان ہے جو فرشتوں کا استاد بھی ہے اور زمین و آسمان میں ایک چپہ جگہ نہیں جہاں اس نے عبادت نہ کی ہو۔لیکن ایک سجدے کے نہ کرنے سے اس کا سب کچھ رائیگاں کر کے لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا۔

نتیجہ : یہ نکلا کہ حکم الٰہی جو بھی ہو بندے کو چاہئے کہ اس کے آگے جھک جائے۔جیسے فرشتوں نے سجدہ کا حکم ملتے ہی سر سجدہ میں رکھ دیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بلند کر دیا۔اور شیطان اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہیں جھکا وہ شیطان مردود ہو گیا۔اور ہمیشہ کیلئے ذلیل ہو گیا۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جس دن فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے۔ پھر وہ بلائیں گے تو وہ نہیں کوئی جواب دیں گے ان کو

لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

کردیا ہم ان کے درمیان ہلاکت کا میدان۔ اور دیکھیں گے مجرم آگ پھر یقین کرلیں گے۔ کہ اس میں

مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

پڑنے والے ہیں۔ اور نہیں پائیں گے اس سے پھرنے کی جگہ۔

(آیت نمبر ۵۲) جس دن اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمائے گا یہ فرمان زجر وتوبیخ کے طور پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ کلام بلا واسطہ ہوگا۔ جیسے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر بلا واسطہ فرمایا۔ نکل جا تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔ اسی طرح کفار سے بھی بروز قیامت فرمائے گا۔ بلاؤ میرے شریکوں کو یعنی جنہیں تم اپنے گمان میں میرا شریک سمجھتے تھے اور اپنے گمان میں تم کہا کرتے تھے کہ یہ سفارش کر کے اللہ سے چھڑائیں گے۔ اب بلاؤ ان کو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ پھر وہ بلائیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے نہ ان کی فریادرسی کے لئے پہنچیں گے۔ اس لئے کہ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی بت کسی کی مدد کر سکے اور یہ بلانا وغیرہ بھی انہیں ذلیل کرنے کے لئے ہوگا۔ آگے فرمایا کہ ہم ان مشرکوں اور بتوں کے درمیان ہلاکت رکھ دیں گے یعنی جہنم ہوگی یا ان میں دشمنی پیدا کردیں گے جو جہنم سے بھی سخت ہے۔ قاموس میں ہے کہ موبق جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کفار کو سخت عذاب ہوگا۔

فائدہ :اور اگر موبق کا معنیٰ آڑ ہو تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم کافروں کیلئے ایک دوسرے سے آڑ رکھ دیں گے تا کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں جیسے سرائے یا ریسٹورنٹوں میں الگ الگ کمرے ہوتے ہیں۔ یا ان کیلئے الگ الگ بکس ہوں گے آگ کے جن میں وہ بند ہوں گے۔ کیونکہ الگ بند جگہ کی سزا زیادہ سخت ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) جب کفار کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائیگا تو دور سے ہی کفار جہنم کو دیکھیں گے۔
فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں ابھی جہنم چالیس سال کی راہ کے برابر دور ہوگی تو وہ جہنم کو دیکھ لیں گے پھر وہ یقین کرلیں گے کہ بے شک عنقریب وہ اس میں گرائے جانے والے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور بے شک ہم نے طرح طرح سے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں دیں۔ اور ہے انسان

اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۳) **فائدہ** : مواقع کالفظ وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں کسی کو داخل کر کے کسی جگہ گرایا جائے۔ **فائدہ** امام فرماتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ اگر چہ وہ جہنم کو بہت دور سے دیکھ لیں گے اور انہیں یقین بھی ہو جائے گا کہ اب ہم اس میں گرائے جائیں گے۔ داخل ہونے تک وہ جہنم کو اسی طرح دیکھتے رہیں گے وہ ان کی آنکھوں اتنے عرصے میں اوجھل نہیں ہوگی بلکہ جہنم سے انتہائی سخت آوازیں بھی انہیں آتی رہیں گی اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ جب دور سے دیکھیں گے اس کی چیخ و چنگاڑ یعنی پانچ سو سال کی راہ سے ہی جہنم کی گرمی اور اس کا شور وغوغا سن لیں گے لیکن اس سے بھاگ نکلنے یا بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔

(آیت نمبر ۵۴) البتہ تحقیق ہم نے قرآن مجید کے مضامین کو مختلف پیرائے میں پھیر پھیر کر بیان کیا۔ لوگوں کی مصلحت اور فائدے کیلئے مثالوں اور کہاوتوں کے ساتھ بھی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ جیسے گذشتہ آیات میں دو بھائیوں کا ذکر کیا۔ پھر دنیا کی زندہ گانی پر مثال دی۔ آگے فرمایا کہ انسان بہت ہی زیادہ جھگڑالو ہے۔ یعنی اس کا جھگڑا باطل پر ہے یہی اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر قوم جب ہدایت سے گمراہی کی طرف پھرتی ہے تو پہلے جھگڑے کے طریقے کو اپناتے ہیں (رواہ ابوامامہ فی تفسیر ابواللیث)۔

فائدہ : جب حق والے کیلئے جھگڑا مضر ہے تو پھر باطل پر لڑنے جھگڑنے والے خود ہی سمجھ لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں جھگڑوں سے بچائے۔ **سبق**: دانا پر لازم ہے کہ وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ جنگ وجدال سے کنارہ کش ہو کر زندگی گذارے۔ اس لئے کہ جنگ وجدال کا انجام برا ہے۔ یہ درندوں کا کام ہے۔

حدیث شریف : حضور ﷺ نے فرمایا کہ بندے کا ایمان اس وقت تک نامکمل ہے جب تک وہ ناحق جنگ وجدال اور خصومت کو ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ) (البتہ حق پر ثابت رہنے کے لئے باطل لوگوں کے ساتھ جائز ہے)۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ

کس نے منع کیا لوگوں کو وہ ایمان لائیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت۔ اور وہ بخشش مانگیں اپنے رب سے مگر

اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ

یہ کہ آیا ان کے پاس دستور پہلے لوگوں کا۔ یا آئے ان پر عذاب سامنے سے۔ اور نہیں ہم بھیجتے

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

رسولوں کو مگر خوشخبری یا ڈر سنانے کیلئے۔ اور جھگڑتے ہیں کافر باطل بات کے ساتھ۔

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

تا کہ دھکیل دیں اس سے حق کو اور بنایا انہوں نے میری آیتوں اور ڈر سنانے والوں کو ٹھٹھا۔

(آیت نمبر ۵۵) لوگوں کو یعنی اہل مکہ کو کس نے منع کیا کہ ایمان لائیں اللہ تعالیٰ پر اور جس شرک پر گامزن ہیں۔ اس سے باز آ جائیں جبکہ ان کے پاس ہدایت بھی آ گئی، ہدایت سے مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اس لئے کہ ہدایت کے داعی آپ ہیں۔ یا اس سے مراد قرآن ہے۔ جس میں روشن دلائل ہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کریں۔ استغفار کریں۔ اس بات سے انہیں کس نے روکا ہے۔ سوائے اس کے کہ آئے ان کے پاس طریقے پہلے لوگوں کے جیسے فتح مکہ میں ہوا۔ یا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ان پر عذاب آئے سامنے سے یعنی دیکھتے دیکھتے عذاب آ جائے۔ صاحب جلالین نے اس میں جنگ بدر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فائدہ: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پھر ان دو عذابوں میں سے کسی ایک میں گرفتار ہوں گے لیکن اہل مکہ کے کفار میں سے اکثر ایمان لے آئے تھے۔

(آیت نمبر ۵۶) اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر اس لئے کہ وہ اطاعت کرنے والے مومنوں کو بلند درجات کی خوشخبری سنائیں۔ کفار اور مجرموں کو جہنم کے اندر مختلف عذابوں کا ڈر سنائیں۔ **نکتہ**: چونکہ لوگ آخرت کے معاملے کو نہیں سمجھتے نہ ثواب کو نہ عذاب کو۔ نہ ہی انسانی عقل انہیں سمجھ سکتی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے انبیاء و مرسلین کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو پورے طور سے آخرت کے بارے میں آگاہ کر دیں۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ

کون بڑا ظالم ہے اس سے جسے یاددلائی جائیں آیتیں اس کے رب کی تو وہ منہ پھیر لے اس سے اور بھول جائے اسے جو آگے بھیجا

يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ

اس کے ہاتھوں نے بے شک ہم نے کیا ان کے دلوں پر غلاف کہ نہ سمجھ سکیں قرآن کو اور ان کے کانوں میں گرانی ہے

وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اگر تم بلاؤ انہیں طرف ہدایت کے تو ہرگز نہ پائیں ہدایت کبھی بھی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **علماء کا مقام** : اسکے بعد علماء واولیاء نے اس فریضہ کو سرانجام دیا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد)۔ یعنی اس امت کے علماء واولیاء کے بیانات سے لوگوں کے شکوک وشبہات ختم ہو جاتے ہیں اور انہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ (مشکوٰۃ)

آگے فرمایا کہ کفار جو جھگڑا کرتے ہیں انبیاء یا اولیاء سے وہ بالکل باطل ہے اور فضول ہے کہ کبھی کہتے ہیں تم ہماری طرح ہو۔ اگر خدا نے نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتے کو بھیج دیتا وغیرہ یہ باتیں وہ محض ضد اور ہٹ دھرمی سے کرتے ہیں تا کہ حق کو مٹادیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے دلائل کفار کے شبہات سے نہیں مٹتے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوئے کعبہ کو ابرہہ نہیں گرا سکا۔ انبیاء کرام اور اولیاء وعلماء حق کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ ان کافروں نے میری ان آیات کو جو میری وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور جن کے ذریعے عذاب سے ڈرایا گیا۔ ان ہی آیات کو انہوں نے ٹھٹھا اور مزاح بنایا۔

(آیت نمبر ۵۷) اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا یہ زجر وتوبیخ کے طور پر فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے لیکن وہ اس سے منہ پھیر لے اور ان میں غور وفکر بھی نہ کرے اور بھول جائے اس کو بھی جو اس نے کفر اور گناہ کئے اور اپنے برے انجام کا بھی فکر نہ کرے اور اسے یہ بھی خیال تک نہ آئے کہ آخرت میں نیک اعمال

پر ثواب اور بداعمالیوں کی سزا ہوگی۔

فائدہ :اس آیت میں ظالم کہا گیا ہے (کافر اور مشرک نہیں کہا) اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھتا ہے مگر ان سے عبرت نہیں پکڑتا اور خیر کے راستے کو دیکھ لینے کے باوجود ان پر چلنے کے بجائے ان سے روگردانی کرتا ہے بلکہ شر اور فساد کی راہ پر چلنے کا عادی ہے۔ ایسے گندے راستے سے بچنے کے بجائے ان پر شوق سے چلتا ہے۔ بے شک ایسے لوگوں کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں یعنی جب انہوں نے ہماری آیات سے منہ پھیرا بلکہ ہمیں بالکل بھلا دیا تو پھر ہم نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں تاکہ وہ نہ سمجھ سکیں نہ اس پر عمل کر سکیں۔

فائدہ :گویا ان کا ہمیں بھلانا یا ہم سے منہ پھرانا سبب اور علت بن گیا دلوں پر مہر لگ جانے کا اس وجہ سے وہ ان کو سمجھنے سے محروم رہے صرف دلوں پر مہر ہی نہیں لگائی بلکہ ان کے کانوں پر بھی ثقل نے ایسا بہرہ پن ڈالا کہ وہ آیات قرآنی کو سنتے ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ انہیں سننے کی توفیق ہی نہیں دی گئی۔

فائدہ :اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ لغویات یعنی فحش گانے سننے والوں کو قرآن سننے کی توفیق نہیں ملتی۔ کمال جندی فرماتے ہیں ہر وقت قرآن سننے میں مصروف رہ۔ بدبختوں کی طرح تجھے قرآن سننے سے ملال کیوں ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر تم انہیں کامیابی کے راستے کی طرف بلاؤ گے یعنی اسلام قبول کرنے کیلئے بلاؤ گے تو وہ کبھی بھی اس طرف آ کر ہدایت نہیں پا سکیں گے۔ اس لئے کہ اب ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔ اس لئے اب ان کا ہدایت پانا محال ہے۔

فائدہ :اس سے کفار مکہ کا ایک مخصوص گروہ مراد ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی اسلام کو قبول نہیں کریں گے۔ جیسے ابوجہل وغیرہ۔

فائدہ :یہاں یہ آخری جملہ گویا نبی کریم ﷺ کے سوال کا جواب ہے یا یہ شرط کی جزا ہے۔ گویا اس میں حضور ﷺ کو اشارہ تھا کہ آپ ان بدبختوں کو اسلام کی دعوت ہی نہ دیں لیکن حضور ﷺ کو از حد حرص تھا کہ کسی طرح یہ کافر مسلمان ہو جائیں تو گویا آپ نے پوچھا کہ یا اللہ انہیں نہ اسلام کی طرف بلاؤں تو جواب ملا کہ اے محبوب اگر آپ انہیں بلائیں بھی تو وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے اس لئے کہ وہ ہدایت کے قابل ہی نہیں رہے تو انہیں دعوت دینے کا کیا فائدہ ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ

اور تیرا رب بخشش والا اور رحمت والا ہے۔ اگر وہ پکڑنے لگے انہیں ان کے کئے پر تو بھیج دے ان پر عذاب

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى

بلکہ ان کیلئے وعدے کا وقت ہے ہرگز نہیں پائیں گے اس کے سامنے کوئی پناہ۔ یہ بستیاں ہیں

اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

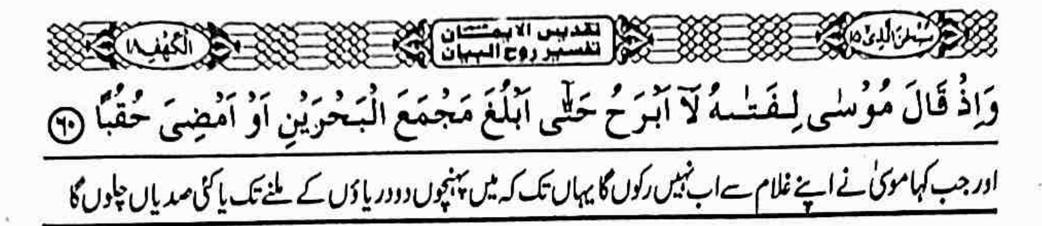
ہم نے تباہ کیا ان کو جب انہوں نے ظلم کیا اور کر رکھا تھا ہم نے ان کی بربادی وقت مقرر

(آیت نمبر ۵۸) اے محبوب تیرا رب تو بہت بڑی بخشش والا ہے یعنی ایسی بخشش والا ہے کہ جو لوگ گناہوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں انہیں بھی وہ عذاب سے بچا لیتا ہے اور وہ بہت بڑی رحمت والا ہے کہ وہ اپنے فضل سے مخلوق پر انعام فرماتا ہے۔ (اس کی رحمت بخشش کے بہانے تلاش کرتی ہے)۔

نکتہ: غفور مبالغے کا صیغہ اس لئے لایا کہ جس طرح بندوں کے گناہوں کا حساب نہیں اسی طرح رب تعالیٰ کی بخشش کی بھی انتہاء نہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے انتہاء عذاب دینے پر قدرت ہونے کے باوجود معاف کرنے پر بھی وہ قادر ہے۔ بلکہ زیادہ تر تو وہ خود ہی معاف کر دیتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر لوگوں کے کرتوتوں کو دیکھ کر ان پر پکڑ کرنا شروع کر دے تو دنیا میں ہی بغیر مہلت دیئے تمہیں عذاب میں مبتلاء کر دے۔ اس لئے کہ تمہارے اعمال کا تقاضا ہی یہی ہے لیکن اس کریم نے نہ تمہیں پکڑنے میں جلدی فرمائی اور نہ ہی تم پر اچانک عذاب اتارا بلکہ اس کے عذاب اترنے کا بھی ایک طریقہ مقرر ہے۔ موعد سے مراد یوم بدر ہے یا روز قیامت کہ جس بدترین عذاب میں یہ مبتلا کئے جائیں گے پھر جب وہ عذاب آ گیا تو پھر یہ اپنے لئے کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے اور نہ کسی طرف بھاگ کر نکل سکیں گے۔

(آیت نمبر ۵۹) یہ وہ بستیاں ہیں یعنی قوم عاد و ثمود کی اور ان جیسے دوسرے کافروں کی بستیاں مراد ہیں۔ اصل میں مراد بستیوں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ جن کو ان کے ظلم کی وجہ سے تباہ و برباد کیا گیا۔ ان کا سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک کرنا ہے۔ یہی کام اہل مکہ نے کیا کہ شرک بھی کیا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب بھی کی اور بھی کئی طرح کے جرم و نافرمانیاں کیں۔



وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے غلام سے اب نہیں رکوں گا یہاں تک کہ میں پہنچوں دو دریاؤں کے ملنے تک یا کئی صدیاں چلوں گا

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) آگے فرمایا کہ ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر کیا کہ اس سے آگے پیچھے نہیں کیا جائے گا۔ جب معاملہ ایسا ہے تو پھر قریش مکہ کو عبرت پکڑنی چاہئے تھی۔ لیکن وہ کفر و شرک سے اور دوسرے برے افعال سے باز نہیں آئے بلکہ اور ہی آگے بڑھ گئے۔ **فائدہ** : نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

فائدہ : اس بات پر یقین کریں کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مدد نہ کرتا تو نہ ہم ہدایت پاتے، نہ صدقات دیتے نہ نمازی ہوتے۔ (بخاری)

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے جو دنیا میں ہر ایک کو ملتی ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان۔ اسی لئے کفر یا گناہوں پر دنیا میں کوئی پکڑ نہیں۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی کا رزق بند کرتا ہے۔ البتہ آخرت میں رحمت صرف مسلمانوں کیلئے خاص ہو گی اور غضب اور عذاب کفار و مشرکین کیلئے ہے۔

فائدہ : دنیا میں عذاب کسی کافر کے کفر کی وجہ نہیں آیا۔ بلکہ کفر کے ساتھ ساتھ ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا البتہ ظلم و استبداد کی وجہ سے ہاتھ نکل جاتا ہے۔ **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ اس لئے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ (ریاض الصالحین و مشکوٰۃ)

(آیت نمبر ۶۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم سے فرمایا۔

واقعہ : مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے کہ ان میں سے کسی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ موسیٰ نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔ اس پر حکم فرمایا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں جاؤ وہاں پر میرا ایک بہت بڑا عالم بندہ ہے۔ اس کا نام خضر ہے۔ اسے ملو۔ اپنے ساتھ اپنے کھانے کیلئے مچھلی بھون کر لے جائیں۔ بھوک لگے تو اس مچھلی کو کھاتے رہیں۔ جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چھلانگ لگائے وہیں خضر مل جائیں گے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پھر جب پہنچے دونوں ملنے دو دریاؤں کی جگہ تو بھول گئے اپنی مچھلی کو پس بنالی اس نے اپنی راہ دریا میں سرنگ کی طرح

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) چنانچہ آپ نے مچھلی بھون کر اپنے ساتھ رکھ لی اور خادم کو بھی بتادیا کہ ہم چلتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ مچھلی خود بخود زندہ ہو کر پانی میں چلی جائے۔ القصہ مختصر کہ آپ نے اپنے غلام یعنی یوشع بن نون کو فرمایا جو آپ کے خلیفہ بلافصل بھی تھے۔ رشتے میں بھانجے بھی تھے اور ہمہ وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتے تھے آپ کی بہت خدمت کر کے آپ سے استفاضہ بھی کرتے اس سفر میں بھی آپ کے ساتھ تھے تو آپ نے یوشع علیہ السلام سے فرمایا میں سفر جاری رکھوں گا۔ یہاں تک کہ پہنچ جاؤں مجمع البحرین تک جو کہ فارس وروم سے مشرق کی جانب والا مقام ہے جہاں خضر علیہ السلام کی ملاقات کا امکان تھا۔ یا پھر ہم چلتے ہی رہیں گے۔

ازالہ وھم : یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے یہ موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں وہ موسیٰ بن میشا ہیں کیونکہ یہ موسیٰ علیہ السلام تو خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اور افضل مفضول سے استفادہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ ان کا وہم ہے یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام میں بھی علم کی کمی نہیں تھی۔ لیکن آپ چونکہ شریعت کے پاسبان ہیں۔ آپ میں علم ظاہری کا غلبہ ہے اور خضر علیہ السلام میں باطنی علم کا دریا موجزن تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے غلام سے فرمایا کہ کئی حقب یعنی انتہائی لمبی عمر تک بھی چلنا پڑا تو میں چلتا رہوں گا۔ :(۱) یا تو مجمع البحرین تک پہنچیں یا (۲) یا پھر عرصہ دراز تک چلتے رہیں گے۔ **فائدہ** :اس میں طالب علم کے لئے سبق ہے کہ اسے علم کے حصول کیلئے لمبا سفر کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ **فائدہ** : کئی بزرگوں نے صرف ایک حدیث لینے کیلئے مہینوں کے لمبے سفر کئے۔

فائدہ : پیر استاد کے بغیر ایسا ہی ہے جیسا وہ لڑکا جس کا نسب مجہول ہے۔

بے پیر شیطان کا چیلہ ہے: بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

(آیت نمبر ۶۱) جب دونوں بزرگ اس جگہ پہنچ گئے جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ وہاں ہی چشمہ آب حیات کا بھی ہے۔ وہاں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام آرام فرمانے لگے اور یوشع علیہ السلام وضو فرما رہے تھے کہ اچانک آب حیات کا ایک قطرہ مچھلی پر پڑا اور بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی ادھر موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو فوراً اٹھ کر چل پڑے۔ اس جلدی میں جناب یوشع بھی مچھلی والا واقعہ کو بھول گئے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کا عجیب کرشمہ نہ بتا سکے نہ موسیٰ علیہ السلام ان سے پوچھ سکے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

پھر جب آگے نکلے تو فرمایا خادم سے لاؤ ہمارا کھانا۔ تحقیق ملی ہمیں اس سفر میں بڑی مشقت

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ

تو اس نے کہا کیا دیکھا آپ نے جب ٹھہرے ہم ایک چٹان کے پاس۔ تو بے شک میں بھول گیا مچھلی کو

اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

مجھے بھلا دیا شیطان نے ہی کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور بنایا اس نے اپنا راستہ دریا میں عجب طرح سے۔

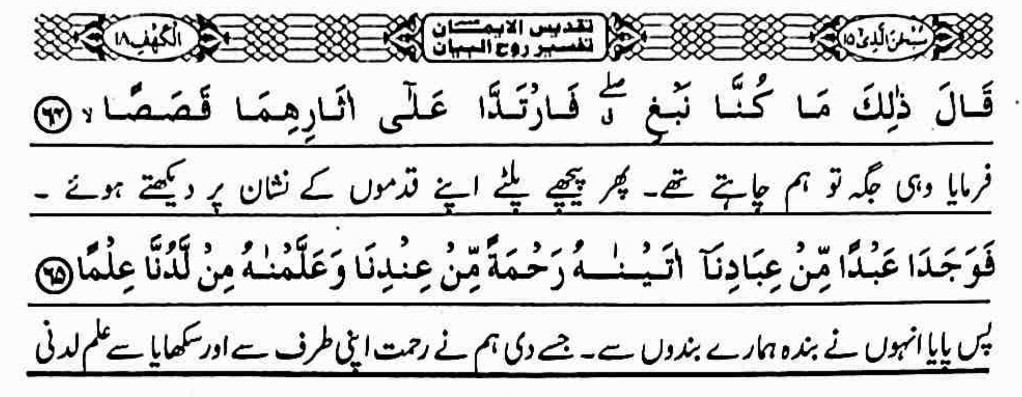
(بقیہ آیت نمبر ۶۱) اس لئے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کر دی۔ آگے فرمایا کہ مچھلی کا کرشمہ یہ کہ وہ سرنگ کی طرح راستہ بنا کر پانی میں چلی گئی۔

عجوبہ: اللہ تعالیٰ کی شان ظاہر ہوئی کہ مچھلی جس جگہ داخل ہوئی وہ سوراخ باقی رہا۔

(آیت نمبر ۶۲) موسیٰ علیہ السلام نے بیدار ہوتے ہی سفر آگے جاری فرما دیا جبکہ خضر علیہ السلام کو ملنے کی وہی جگہ تھی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے سفر مزید رات دن جاری رکھا۔ اگلی صبح کو موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے فرمایا کہ صبح کا ہمارا کھانا لاؤ۔ ہم اپنے اس سفر میں جو مجمع البحرین سے آگے کیا اس میں تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں چونکہ مقصودی جگہ سے آگے تجاوز کر گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی یاد کرائی تا کہ اسے یاد کر کے واپس اصلی جگہ پر پہنچ سکیں۔

اللہ کی شان: موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی کہ جب منزل مقصود سے آگے نکل گئے۔

(آیت نمبر ۶۳) تو اس وقت یوشع کو یاد آ گیا اور عرض کی کہ کیا آپ کو معلوم ہے جب ہم صخرہ کے پاس اترے تھے مجھے اس بات پر تعجب بھی ہو رہا ہے کہ میں اتنے اہم واقعہ کو بھول گیا حالانکہ میں نے آپ کو مچھلی کا واقعہ بتانا تھا کہ وہ کس عجیب وغریب طریقے سے پانی میں چلی گئی۔ معذرت کے طور پر موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے شیطان نے آپ کو بتانے سے ایسا مشغول کیا کہ میں آپ کے سامنے مچھلی کا ذکر کرنا ہی بھول گیا۔ اگر میں ذکر کر دیتا تو آپ یہ اگلے سفر کی تکلیف نہ فرماتے۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مچھلی نے دریا میں عجیب راستہ بنایا کہ جدھر سے گئی سرنگ رہ گئی یہ ایک عجیب منظر تھا جسے یوشع علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آگے چلتے وقت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا یاد نہ رہا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو نہ بتا سکے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کافی آگے نکل گئے۔



قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

فرمایا وہی جگہ تو ہم چاہتے تھے۔ پھر پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان پر دیکھتے ہوئے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

پس پایا انہوں نے بندہ ہمارے بندوں سے۔ جسے دی ہم نے رحمت اپنی طرف سے اور سکھایا سے علم لدنی

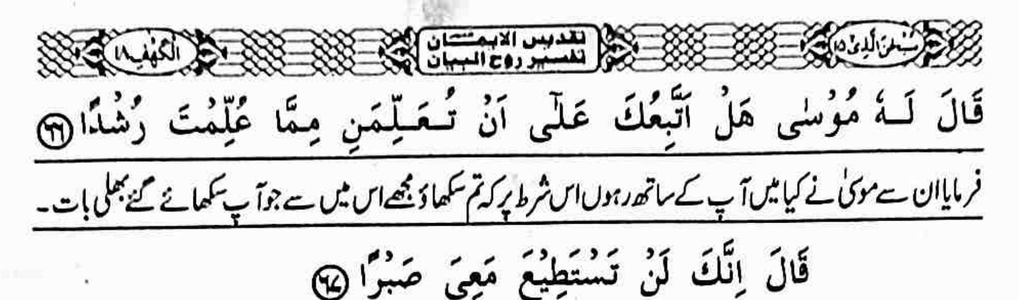
(آیت نمبر۶۴) تو موسیٰ علیہ السلام نے یوشع سے فرمایا کہ جس جگہ مچھلی زندہ ہوئی۔ اسی مقام کی تلاش میں تو ہم گھر سے نکلے تھے۔ اس لئے کہ خضر علیہ السلام سے ملاقات کی جگہ والی علامت ہی یہی تھی۔ لہذا وہاں سے دونوں حضرات واپس لوٹ پڑے اور اپنے نشانات کو دیکھتے ہوئے واپس اسی مقام پر پہنچے۔

(آیت نمبر۶۵) تو وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے عظیم الشان بندہ پایا جو اپنے اوپر کپڑا اوڑھے بیٹھے تھے وہاں آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا اور اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ میں آپ کے پاس عرفانی علوم حاصل کرنے آیا ہوں۔ تاکہ آپ کے پاس کچھ عرصہ رہ کر استفادہ کروں (خضر علیہ السلام کے بارے میں مزید تفصیلات درکار ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں اور ابھی تک زندہ ہیں۔ اس پر تمام اولیاء کا اتفاق ہے اکثر اولیاء کرام سے ان کی ملاقات بھی ثابت ہے۔ لیکن علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

چار انبیاء قیامت تک زندہ ہیں: الیاس اور خضر علیہما السلام زمین پر اور ادریس اور عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ (تفسیر بغوی)۔ آگے فرمایا کہ ہم نے اس بندہ خاص کو اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمائی اس سے مراد نبوت اور وحی ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ رحمت بمعنی نبوت قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں علم لدنی سے بھی نوازا اس سے مراد علوم غیبیہ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد علوم باطنیہ ہیں۔

فائدہ :علم لدنی وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندۂ خاص کے دل پر نازل ہو درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو۔

علم لدنی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے حاصل ہو اور اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو۔ اس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ یہ مکنونات الغیب کے مکاشفات الانوار ہیں جو صرف اس کو ملتے ہیں جو اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔



قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾

فرمایا ان سے موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم سکھاؤ مجھے اس میں سے جو آپ سکھائے گئے بھلی بات۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾

کہا انہوں نے بے شک آپ ہرگز نہیں صبر کر سکیں گے میرے ساتھ۔

(آیت نمبر ٦٦) موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بعد فرمایا کہ اگر میں آپ کی صحبت میں رہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے تعلیم دیں اس علم سے جس کی آپ کو تعلیم دی گئی یعنی آپ سے وہ علم حاصل کروں جس سے دینی معاملہ میں رشد حاصل ہو۔

فائدہ :موسیٰ علیہ السلام نے جلالت شان کے باوجود تواضع اور انکسار سے بات کی۔اسی طریقے سے استفادہ کیا جاتا ہے۔(افسوس یہ ہے کہ آج اساتذہ کی وقعت دلوں سے نکلتی جارہی ہے)۔

طالب علم کی فضیلت: زجاج نے فرمایا کہ اس بات سے یہ معلوم ہوگیا کہ انبیاء کرام جیسے عظیم بزرگوں نے بھی علم کی طلب میں دور دراز اور مشقت والے سفر کیے معلوم ہوا کہ انسان کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ پہنچ جائے۔اسے علم دین کے حصول میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ گہوارے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے۔(بخاری)

فائدہ :حضور علیہ السلام کا علم من جانب اللہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی من جانب اللہ تھا اور دونوں حضرات علم کے معترف تھے صرف موسیٰ علیہ السلام کچھ باطنی علوم میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔

(آیت نمبر ٦٧) تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ رہیں مگر آپ صبر نہیں کر سکیں گے یہاں اصل میں صبر کی نفی اس لئے ہے کہ آپ کا تعلق اس علم سے نہیں ہے جو میرے پاس ہے اس لئے آپ زیادہ دیر میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔**فائدہ** :آگے موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیوں جی میں کیوں صبر نہیں کر سکوں گا تو جناب خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ پیغمبر ہیں آپ کے احکام ظاہر یہ ہیں۔ممکن ہے کہ میں کوئی ایسا فعل کروں جو آپ کو شرع کے خلاف نظر آئے۔خواہ وہ حق ہی ہو تو آپ اپنی شرع کے مطابق معارضہ کرنے پر مجبور ہو جائیں اس لئے شاید ہمارا اکٹھ نہ ہو سکے۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَالَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ

اور کیسے صبر کریں گے اس بات پر جس کا نہیں احاطہ کیا آپ کے علم نے فرمایا عنقریب تم مجھے پاؤ گے ان شاء

اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ

اللہ صبر والا اور نہیں خلاف کروں گا آپ کے حکم کا۔ کہا پس اگر آپ میرا ساتھ چاہتے ہیں تو نہ پوچھنا

عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

کسی چیز کے بارے میں۔ یہاں تک میں خود بیان کروں اس کا ذکر۔

(آیت نمبر ۶۸) اور آپ میرے ساتھ صبر کر بھی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ آپ نے ابھی تک میرے علم کا احاطہ ہی نہیں کیا یعنی میرے علوم مخفیہ کچھ ایسے ہیں جن کو ظاہری علم اچھا نہیں سمجھتا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ قدس سرہ نے الانحات البرقیات میں فرمایا دونوں قسم کے علوم دونوں حضرات میں بدرجہ اتم تھے صرف اتنا فرق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر علوم ظاہری کا غلبہ تھا اور خضر علیہ السلام پر علم باطن کا غلبہ تھا اس لئے فرمایا کہ آپ پر علم ظاہر کا غلبہ ہے اور آپ رسالت کے احکام پر پابند ہیں اس لئے میں نے کہا ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔

(آیت نمبر ۶۹) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے یعنی میں آپ کی رفاقت میں صابر رہوں گا آپ کے کسی عمل پر اعتراض نہیں کروں گا۔

ان شاء اللہ میں نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے یا تو مراد الٰہی کیلئے ان شاء اللہ کہا یا توفیق یا برکت حاصل کرنے کیلئے۔ غالباً انہیں معلوم تھا کہ یہاں صبر ہو گا تو مشکل۔ خصوصا جہاں ان کی شرع کے خلاف کا ظہور ہو۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی کیسے خاموش رہے۔ اس لئے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ دی کہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم پر پابند رہوں گا اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کر کے آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

(آیت نمبر ۷۰) تو جناب خضر علیہ السلام نے گویا اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیدی اور ساتھ ہی ہدایت بھی جاری کر دی کہ اگر آپ حصول علم کے لئے میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو پھر میرے کسی کام میں خواہ تمہیں شرع کے خلاف ہی نظر آئے نہ تو آپ نے اس پر مجھ سے سوال کرنا ہے نہ اس کی حکمت پوچھنی ہے۔

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا

پس دونوں چلے یہاں تک کہ سوار ہوئے کشتی میں تو کشتی کو اس نے چیر ڈالا۔ فرمایا موسیٰ نے اسے چیر دیا

لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

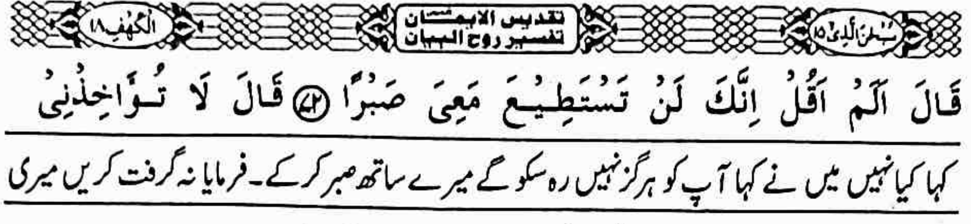
کہ تم غرق کرو اس میں بیٹھنے والوں کو۔ بے شک لائے بات بری۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۰) ہاں میں خود ہی اس کی وضاحت کر دوں وہ الگ بات ہے لیکن آپ خاموش دیکھتے رہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ہر کام منی بر حکمت اور مخفی راز تھا۔ **مسئلہ**: یہی ہے کہ مرید اپنے شیخ پر اور شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اسی طرح ہو جیسے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا (تاویلات نجمیہ)

(آیت نمبر ۷۱) پھر دونوں حضرات دریا کے کنارے چلتے رہے تا کہ کوئی کشتی مل جائے۔

فائدہ: یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوشع کو موسیٰ علیہ السلام نے واپس بنی اسرائیل میں بھیج دیا۔ اسی لئے قرآن مجید نے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا۔ اگر وہ بھی ساتھ ہوتے تو جمع کا صیغہ بولا جاتا۔

فائدہ: لیکن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوشع تھے تو ساتھ ہی چونکہ ان دونوں بزرگوں کے تابع تھے۔ اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔ مشارق کتاب میں ہے کہ ایک کشتی قریب سے گذری انہوں نے ان سے سوار ہونے کو کہا اور ملاحوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان بھی لیا۔ اس لئے انہوں نے ان کو مفت میں ہی سوار کر لیا۔ اس حدیث میں صیغہ جمع کا بتاتا ہے کہ یوشع علیہ السلام بھی ساتھ ہی تھے۔ آگے فرمایا کہ جب دونوں موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام کشتی پر سوار ہو گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ خضر علیہ السلام نے کلہاڑہ لے کر کشتی کو چیر دیا۔ یعنی کشتی میں نیچے کا تختہ توڑ کر نکال دیا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ خضر علیہ السلام نے لوگوں سے نظریں چرا کر دو تختے نکال دیئے جو پانی کے قریب تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خضر علیہ السلام نے پانی کے قریب والے تختے نکالے۔ لیکن پانی کشتی کے اندر نہیں گیا۔ ایک روایت میں یہ ہے آپ نے کنارے سے چند تختے نکال دیئے تا کہ کشتی عیب دار ہو جائے لیکن پانی کشتی کے اندر نہ جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خضر آپ نے کشتی پھاڑ دی کہ پانی اس میں داخل ہو کر اندر بیٹھے لوگوں کو غرق کر دے یہ تو بڑی انصاف سے بعید بات ہے کہ کشتی والوں نے ہم سے اجرت بھی نہیں لی انہوں نے ہم پر مہربانی کی۔ تو بجائے ان کا شکریہ ادا کرنے کے الٹا آپ نے ان کی کشتی ہی توڑ دی آپ نے تو بڑا عجیب کام کیا ہے۔



قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ

کہا کیا نہیں میں نے کہا آپ کو ہرگز نہیں رہ سکو گے میرے ساتھ صبر کر کے۔ فرمایا نہ گرفت کریں میری

بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

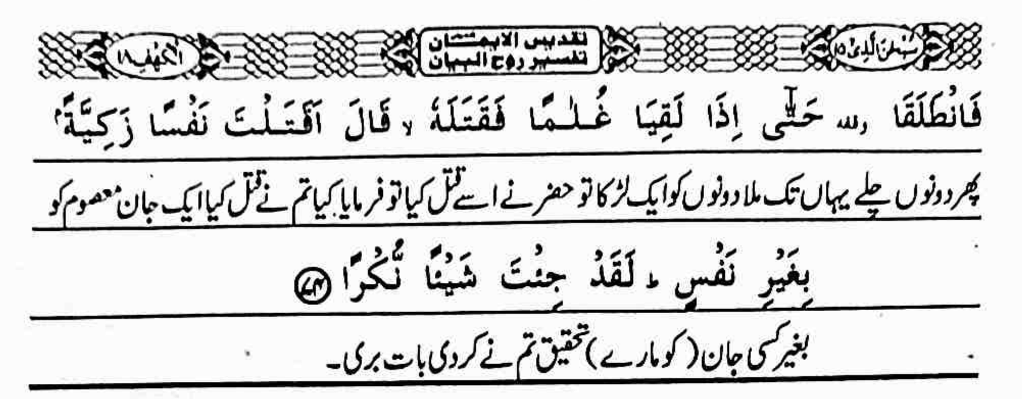
اس پر جو میں بھول گیا۔ اور نہ مجھ پر ڈالو میرے کام میں مشکل۔

(آیت نمبر۷۲) تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے کیا نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے اور میرے ساتھ زیادہ دیر نہیں چل سکیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات میرے دل سے اتر گئی کہ میں نے آپ سے خاموش رہنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ کام چونکہ عجیب تھا۔ اس لئے میں بول پڑا۔

(آیت نمبر۷۳) لہذا آپ میرے بھولنے پر گرفت نہ کریں۔ ارھاق کا معنی ہے۔ کہ انسان وہ چیز اٹھائے۔ جس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ **حدیث شریف**: موسیٰ علیہ السلام سے پہلی مرتبہ بھول ہوئی دوسری مرتبہ خطا ہوئی تیسری مرتبہ عمداً ایسا کیا (بخاری)۔ آگے فرمایا کہ نہ ڈالیں میرے معاملے میں تنگی یعنی میری رفاقت کے معاملے کو مشکل نہ بنائیں بلکہ آسان فرمائیں تاکہ ہمارا ساتھ رہنا اچھا رہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی نسیان طاری ہوتا ہے لیکن اسے عدم التفات سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہر عیب سے پاک ذات اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن انبیاء کرام کے نسیان کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے۔ **مسئلہ**: انبیاء و اولیاء کی آزمائش سخت ہوتی ہے۔ سالک کو صبر و رضا پر رہنا چاہئے۔

حکایت: شیخ ابوعبداللہ بن حفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں حج کے ارادے سے نکلا۔ راستے میں بغداد گیا۔ میرے سر میں صوفیوں کی نخوت اور مجاہدے کا خمار بھرا ہوا تھا۔ چالیس دن کچھ بھی نہیں کھایا۔ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی نہ گیا۔ سخت پیاس سے کنویں پر گیا۔ لوٹا رسی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوا۔ اتنے میں ایک ہرن کنویں پر آیا تو پانی نیچے سے اوپر منہ پر آ گیا۔ اس نے پی لیا اور میں جب کنویں کے قریب آیا۔ تو پانی پھر نیچے چلا گیا۔ میں نے عرض کی۔ الہ العالمین۔ میرا مرتبہ میرے نزدیک اس ہرن کے برابر بھی نہیں۔ تو آواز آئی۔ ہرن کو مجھ پر بھروسہ تھا۔ اور تجھے لوٹے رسی پر بھروسہ تھا۔ پھر پانی اوپر تک آیا میں نے اس سے وضو بھی کیا۔ اور برتن بھی بھر لیا۔ اسی وضو میں مدینہ شریف تک پہنچ گیا۔ جب واپس بغداد آیا تو جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا۔ اگر تو کچھ اور صبر کرتا تو پانی تیرے قدموں سے نکل پڑتا۔



فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ

پھر دونوں چلے یہاں تک ملا دونوں کو ایک لڑکا تو حضر نے اسے قتل کیا تو فرمایا کیا تم نے قتل کیا ایک جان معصوم کو

بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

بغیر کسی جان (کو مارے) تحقیق تم نے کر دی بات بری۔

(آیت نمبر ۷۴) پھر دونوں حضرات آگے چل دیئے یہاں تک کہ ایک بستی کے باہر ایک لڑکا ملا جو انتہائی حسین وجمیل بھی تھا۔ خضر علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا۔ سہیلی نے اس کا نام جیسور یا حیسور بتایا ہے۔

فائدہ: چھری چاقو سے نہیں بلکہ ہاتھ کے اشارے سے ہی گردن کٹ گئی اور سر تن سے جدا ہو گیا۔

حدیث شریف: دونوں حضرات کشتی سے نکل کر دریا کے کنارے چل رہے تھے کہ لڑکوں میں ایک لڑکا کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے سر سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ (صحیحین بہ روایت ابی بن کعب) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے گناہوں سے پاک بچے کو قتل کر ڈالا یعنی جو ابھی نابالغ ہے اور بغیر کسی نقص کے قتل کر دیا۔ یہ تو بہت بڑی زیادتی ہے۔ **حدیث شریف**: جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا وہ طبعاً اور فطرۃً ہی کافر پیدا ہوا تھا آگے فرمایا کہ اے خضر آپ نے جو کام کیا ہے یہ شرعاً جائز نہیں یہ تو پہلے کشتی والے کام سے بھی برا ہے۔

اعتراض: اگر کوئی یہ سوال کرے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ تو کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لڑکا کفر پر پیدا ہوا ہوگا۔ تو اس کے **جواب** میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ میں یہ کہوں گا۔ کہ فطرۃ سے مراد اسلام قبول کرنے کی استعداد ہے۔ اور یہ معاملہ اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی جبلت میں شقی پیدا ہوا ہو۔ یا فطرۃ سے مراد وہ "بلیٰ" ہو جو "الست بربکم" کے جواب میں کہی گئی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے۔ کہ اس لڑکے کی قسمت میں بلوغت کے بعد کفر کرنا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

اختتام: ۴ فروری ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بوقت صبح

الحمدللہ جلد پنجم اختتام ہوئی